التماس

- تمام مقالہ نگاروں سے درخواست ہے کہ اپنے مسودات مدیر مسئول کے نام ارسال فرمائیں
- مضامین/مقالات کمپوز کرائیں یا نہایت صاف خط میں، مناسب حاشیہ چھوڑ کر لکھیں۔ ہر دو صورتوں میں کاغذ کی ایک ہی طرف تحریر کریں
- حواشی اور حوالہ جات کا اہتمام ضرور کریں بصورت دیگر مقالہ شامل اشاعت نہ ہوگا

معارف اسلامی

میں شائع ہونے والے مقالات کے موضوعات کا دائرہ حسب ذیل ہے:

- علوم القرآن، علوم الحدیث، سیرت، فقہ واصول فقہ
- علم کلام، تصوف، تقابل ادیان، اسلامی تاریخ، تعلیم وتدریس، مسلم شخصیات اور اسلامی موضوعات پر لکھی جانے والی کتب (تبصرہ وتعارف)
- فلسفہ، سائنس، ادب، معاشیات، عمرانیات، سیاسیات ثقافت وتمدن، قانون واصول قانون (اسلامی نقطہ نظر سے)

مدیر مسئول معارف اسلامی
کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی
اسلام آباد، پاکستان

8 ثمینہ سعدیہ
لیکچرار، شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ وقار النساء کالج، راولپنڈی۔

9 ڈاکٹر محمود الحسن عارف
چیئرمین، اُردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

10 ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی
سابق رفیق، دارالمصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، انڈیا۔

11 پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
ڈین، کلیۂ عربی وعلوم اسلامیہ و مدیر مسؤل ''معارفِ اسلامی''
علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

12 ڈاکٹر محمد ضیاء الحق
چیئرمین شعبۂ اسلامک لاء، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

13 ڈاکٹر محمد عبداللہ
لیکچرار، شعبۂ اسلامیات، پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

14 پروفیسر ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی
ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

15 ڈاکٹر ہمایوں عباس شمس
لیکچرار، شعبۂ اسلامیات، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور۔

فہرست

❹ تحقیقات وتعلیقات

❺ مطالعۂ مذاہب وادیان

❻ تاثرات، نقد واستدراک اور خطبات

اشارات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا شمار ان نابغۂ روزگار شخصیات و اعلام میں ہوتا ہے جو کہیں صدیوں میں جا کر نمودار ہوتے ہیں بیسویں صدی کے تقریباً آغاز میں آپ اس عالم دنیا میں تشریف لائے اور اکیسویں صدی کی ابتداء میں عالم عقبیٰ کی طرف چل دیئے۔

اس لحاظ سے دیکھا جائے تو آپ کی شخصیت پوری ایک صدی پر محیط رہی۔ قانونِ قدرت کے مطابق آپ دنیا سے چلے گئے لیکن اپنی علمی خدمات اور کارہائے نمایاں کی وجہ سے آپ زندہ و تابندہ ہیں اور زندہ و تابندہ رہیں گے۔ آپ کی خوش قسمتی اور سعادت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اب تک آپ کی دعائے مغفرت کے لیے پروردگارِ عالم کے حضور جو ہاتھ اٹھے ہیں وہ ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں۔

دنیا کے گوشے گوشے میں آپ کے لیے تعزیتی ریفرنسز منعقد ہوئے اور آپ کے چاہنے والوں نے بہت بھرپور طریقے سے آپ کو خراجِ تحسین پیش کی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ذات کو اس پہلو سے دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ آپ کو مقامِ مقبولیت عطا ہوا تھا اور یہ مقام اللہ جل شانہ کی خاص عطا ہوتی ہے جو ہر ایک کو حاصل نہیں ہوتی۔ بقول شاعر:

ے مقبول بہت شاذ ہیں قابل تو بہت ہیں
آئینہ کے مانند ہیں کم ، دل تو بہت ہیں

ڈاکٹر صاحب کی تحریر میں ایسی تاثیر ہے کہ جو بھی اس کو پڑھتا ہے آپ کا گرویدہ ہو جاتا ہے۔ آپ کی زبان اتنی سادہ، سلیس اور شستہ ہے کہ پڑھنے والے کو اسے پڑھتے ہوئے کسی قسم کا بوجھ اور تردد محسوس نہیں ہوتا۔ تحریر میں اس نوع کی تاثیر تب پیدا ہوتی ہے جب لکھنے والا انتہائی مخلص اور باکردار ہو۔ ڈاکٹر صاحب کے اخلاص پر آپ کی تالیفات اور علمی خدمات شاہد عدل ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کے علمی سفر میں وہ موڑ بہت خوبصورت معلوم ہوتا ہے جب آپ حدیث اور سیرت کی طرف مڑ گئے اور آپ نے اپنی ساری توجہ حدیث وسیرت کی خدمت واشاعت کی طرف مرکوز کی حدیث کے مصادر ومراجع اور ذخائر کے بارے میں مستشرقین نے جو شکوک وشبہات پھیلائے تھے ان شکوک وشبہات کے بارے میں جتنا علم ڈاکٹر صاحب کو تھا اتنا علم کسی اور سکالر کو نہیں تھا اس کی وجہ یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب مستشرقین کو ظاہراً اور باطناً دونوں پہلوؤں سے بہت اچھی طرح جانتے تھے آپ ان کے دونوں پہلوؤں سے اس لیے واقف تھے کہ آپ کا ٹھکانا پیرس جیسے شہر میں تھا اور آپ ان کی علمی نشاطات سے اس لیے آگاہ تھے کہ آپ عربی، انگریزی، فرانسیسی، جرمنی اور اطالوی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو آپ کے علاوہ مسلم دنیا میں کوئی اور عالم مستشرقین کے بارے میں اتنا باخبر نہیں تھا۔ حدیث کے بارے میں مستشرقین نے جو بہت ہی بنیادی سوال اٹھائے تھے ڈاکٹر صاحب نے ان کے ہر ایک سوال کا مسکت جواب دیا۔ اس ضمن میں آپ نے صحیفۂ ہمام بن منبہ کو منظرِ عام پر لا کر مستشرقین کو آگاہ کر دیا کہ تیسری صدی ہجری میں تدوینِ حدیث کا پروپیگنڈہ ان کی غلط فہمی پر مبنی ہے اصل بات یہ ہے کہ کتابتِ حدیث کا کام دورِ رسالت اور دورِ صحابہ میں شروع ہو گیا تھا اور وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں اضافہ ہوتا گیا تا آنکہ تیسری صدی ہجری میں محدثین نے پہلی دو صدیوں کے مجموعہائے حدیث سے انتخاب کر کے ابواب وفصول کی تقسیم کے ساتھ روایات کو مدوّن کر دیا۔

سیرت کے ضمن میں آپ کی خدمات سب سے زیادہ وقیع اور مفید نوعیت کی ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت پر فرانسیسی زبان میں آپ کی کتاب کو بہت زیادہ پذیرائی حاصل ہوئی جو حضرات فرنچ جانتے ہیں وہ اس کتاب کی تعریف میں رطب اللسان ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کی علمی خدمات آپ اس خصوصی نمبر کے مقالات میں تفصیل کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں گے۔ کاتبِ حروف کی ملاقات ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے ساتھ ۱۹۹۲ء میں اس موقع پر ہوئی جب آپ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی تشریف لائے تھے۔ آپ نے بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے آڈیٹوریم میں ایک جم غفیر کے سامنے ''اجتہاد'' کے موضوع پر لیکچر دیا تھا۔ یہ لیکچر اتنے سیدھے سادے الفاظ اور مختصر جملوں سے مرکب تھا کہ سامعین میں سے ہر شخص بہت سہولت کے ساتھ اس کا ہر ہر لفظ سمجھ سکتا تھا۔ جس طرح آپ کی زبان سادہ اور عام فہم تھی اسی طرح آپ کی شخصیت بھی انتہائی سادہ اور تکلفات سے مبرا تھی۔

آپ کی علمی خدمات پر علوم اسلامیہ کے اساتذہ اور محققین کی ورکشاپ ہونی چاہیے جس میں آپ کی کدو کاوش کا بھرپور جائزہ لینے کے بعد اس پہلو سے تخطیط کی جائے کہ جو کام انہوں نے شروع کیے تھے ان کو آگے کیسے بڑھایا جائے۔''

وائس چانسلر صاحب نے کلیہ عربی و علوم اسلامیہ کو ہدایت فرمائی کہ:

''ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کی یاد میں مجلّہ ''معارفِ اسلامی'' کی طرف سے خاص نمبر کی اشاعت کا اہتمام کیا جائے اور اس میں ایسے مقالات کو جگہ دی جائے جو خالص علمی اور تحقیقی نوعیت کے ہوں اس نمبر کو اس انداز سے مدوّن کیا جائے جس طرح ایک تاریخی دستاویز مدوّن کی جاتی ہے۔''

محترم وائس چانسلر صاحب کی ہدایات اور رہنمائی کے مطابق اس نمبر کو بہتر سے بہتر شکل میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہ ڈاکٹر صاحب مرحوم کی خدمت میں ایک حقیری کوشش ہے اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اس معمولی سی کوشش کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے زندگی بھر علوم اسلامیہ کی ترویج و اشاعت کے لیے جو بے لوث اور مخلصانہ خدمت کی ہے ہم محض اس کا تذکرہ نہ کریں بلکہ ان کی زندگی کو مینارۂ نور سمجھتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی کوشش کریں۔

اللہ تعالیٰ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور ہمیں ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

پروفیسر ڈاکٹر علی اصغر چشتی
مدیر مسؤل
۲۹/۰۱/۲۰۰۴

1

مطالعۂ قرآن

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی قرآنی خدمات

* ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۲۰۰۲ء۔۱۹۰۸ء) ایک ایسا معروف نام ہے جس سے دنیائے اسلام کا ہر محقق اور دانشور بخوبی واقف ہے، یہ وہ عظیم شخصیت ہے جس نے درویشی میں دین اسلام کی عظیم خدمات انجام دی ہیں۔ ۹۵ برس کی عمر تک پیہم دینِ اسلام کے حقائق کی تقدیم میں ہمہ تن مصروف رہے۔ قرآنیات، تدوین حدیث اور اسلامیات کے سلسلے میں معاندین اسلام کے بہت سے شکوک وشبہات رفع کیے، تحقیق وتصنیف کے علاوہ اشاعتِ اسلام کے باب میں آپ نے گرانقدر خدمات انجام دیں، بیشمار لوگوں کو آپ کے توسط سے ایمان کی دولت نصیب ہوئی۔ اسی طرح عیسائی حلقوں میں اپنی تقاریر کے ذریعہ دینِ اسلام کے سلسلے میں پیدا ہو جانے والے غلط احساسات کو ختم کرنے میں نمایاں کردار ادا کیا۔

ڈاکٹر صاحب کو مختلف زبانیں سیکھنے کا شدید اشتیاق صرف اس لیے تھا کہ مختلف اقوام وملل اور مختلف نظریات کے حاملین تک دین اسلام کی صداقت کو بآسانی پہنچایا جا سکے۔ ڈاکٹر صاحب ۲۵ زبانوں سے واقف تھے۔ عربی، فارسی، ترکی، انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور اطالوی زبانوں پر انہیں دسترس حاصل تھی۔ عربی، فارسی، اردو، انگریزی، فرانسیسی اور جرمن میں گرانقدر علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ اسی طرح دنیا کی مختلف زبانوں میں موجودہ اسلامی مخطوطات سے ڈاکٹر صاحب باخبر تھے۔ تصنیف وتالیف کا مشغلہ ڈاکٹر صاحب کو اس قدر عزیز تھا کہ مختلف سربراہان مملکت اور سلاطین کی درخواستوں کو درخور اعتناء تصور نہ کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی مختلف الجہات خدمات کا ایک قابل ستائش پہلو یہ تھا کہ وہ اتحاد بین المسلمین کے زبردست مبلغ تھے۔ خود تو شافعی المسلک تھے لیکن اسلام کی ہمہ گیریت کو دیکھتے ہوئے کبھی انہوں نے کسی دوسرے مسلک کے پیروکاروں کو بنظر تحقیر نہیں دیکھا۔ خطباتِ بہاولپور میں بہت سے مسلکی سوالات آپ سے کیے گئے اور آپ نے ان

* ریڈر، شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، انڈیا۔

کے جوابات اس طرح علمی انداز میں دیئے کہ سائلین کو جس طرح تسکین وتسلی حاصل ہوئی۔ اسی طرح اتحاد بین المسلمین کا شیرازہ بکھرنے سے محفوظ ہوگیا۔

مذکورہ چند تمہیدی کلمات کے بعد اپنے اصل موضوع پر آنا چاہوں گا۔ ڈاکٹر صاحب کی مختلف تصانیف مختلف زبانوں میں موجود ہیں۔ چونکہ اسلامیات کے ماہر کے لیے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ مرجع اول قرآن کریم کے مباحث اور اس کی حکمتوں سے واقف نہ ہو، ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں قرآنی رنگ ابھرا ہوا نظر آتا ہے، قرآنیات سے دلچسپی کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ آپ ایک علمی خانوادے کے چشم و چراغ تھے، کئی پشتوں سے یہ خاندان اسلامیات میں علم وتحقیق کا امین رہا ہے۔ اسی کے ساتھ ساتھ قرآنیات بھی اس کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ قطب کوکن حضرت مخدوم علی مہائمی (۸۳۵ھ۔۷۷۶ھ) ڈاکٹر صاحب کے اجداد میں سے تھے، جن کی مختلف تصانیف علمی حلقوں میں عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں۔ آپ کی کئی تصانیف، مخطوطات کی شکل میں موجود ہیں۔ (۱)

حضرت مہائمی کی تفسیر ''تبصیر الرحمان و تیسیر المنان'' اپنی بعض خصوصیات کی بناء پر امتیازی خصوصیت کی حامل ہے (۲) ڈاکٹر صاحب کے پردادا مولوی محمد غوث شرف الملک (متوفی ۱۲۳۸ھ) اپنے عہد کے جلیل القدر عالم تھے۔ عربی، فارسی اور اردو میں ۳۰ سے زائد کتابیں تصنیف کیں (۳) جن میں مشہور تصنیف ''نثرالمرجان فی رسم نظم القرآن'' بھی شامل ہے۔ جو سات جلدوں پر مشتمل ہے۔ (۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے دادا قاضی محمد صبغۃ اللہ بدرالدولہ (متوفی ۱۲۸۰ھ) کے علمی اکتسابات قابل ذکر ہیں اردو، عربی اور فارسی زبانوں پر انہیں دستگاہ حاصل تھی۔ (۵) اردو میں قرآن کریم کی ایک تفسیر ''فیض الکریم'' (۶) کے عنوان سے لکھنے کا آغاز کیا۔ لیکن اس کی تکمیل سے قبل اپنے معبودِ حقیقی سے جا ملے۔ بعد میں ان کے صاحبزادے مفتی محمد سعید نے تفسیر کے کچھ حصے شائع کیے۔

مذکورہ گفتگو سے بتانا یہ مقصود ہے کہ ڈاکٹر صاحب کا تعلق ایک ایسے خاندان سے تھا جس نے ہر دور میں قرآنی علوم وفنون کی خدمات کو اپنا معیار و محور بنا رکھا تھا۔ اسی مبارک سلسلے کی ایک قابل قدر کڑی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب ہیں۔ جنہوں نے اپنی تمام تر مصروفیات کے ساتھ ساتھ قرآنیات کے میدان میں عظیم الشان خدمات انجام دیں۔ سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے یورپی زبانوں، فرانسیسی میں مکمل، جرمن اور انگریزی میں (جزوی)

قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، اس کے علاوہ ''القرآن فی کل لسان'' کے عنوان سے ایک غیر معمولی ببلیوگرافی تیار کی اور آپ کی قرآنی خدمت کا ایک پہلو یہ ہے کہ اپنی مختلف تصانیف میں مختلف امور کی تائید اور تردید کے لیے قرآن کریم سے استدلال کیا۔ یہ چیز ''خطباتِ بہاولپور'' میں واضح طور پر نظر آتی ہے۔ انہی چیزوں کی بنیاد پر کچھ کہنے کی کوشش کی جائے گی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی خدماتِ قرآنیات کا حق اس مقالے میں ادا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ ڈاکٹر صاحب کے جرمن اور انگریزی زبان میں قرآن کریم کے ترجمے مجھے دستیاب نہیں ہوئے، اسی طرح ''القرآن فی کل لسان'' بھی میری رسائی سے باہر ہے۔ البتہ دوسرے حوالوں سے مجھے جو معلومات ان مذکورہ علمی خدمات کے متعلق حاصل ہوئی ہیں۔ انہیں پیش کرنے کی کوشش کروں گا۔

❶ فرانسیسی ترجمہ قرآن کریم

سب سے پہلے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کریم سے اس بحث کا آغاز کیا جائے۔ یہ وہ ترجمہ قرآن ہے جسے قانونی اور غیر قانونی ذرائع سے لاکھوں کی تعداد میں شائع کر کے علوم قرآن کے شائقین کے ہاتھوں تک پہنچایا جا چکا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن سے قبل ۲۶ فرانسیسی تراجم قرآن منظر عام پر آ چکے تھے، اور ۱۹۸۸ء تک فرانسیسی تراجم ستر (70) سے زائد زیور طبع سے آراستہ ہو چکے ہیں۔ ان مترجمین میں مسلمان اور مستشرقین دونوں شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے فرانسیسی ترجمہ کے تعارف کے لیے اگست ۱۹۵۹ء کے ماہنامہ ''معارف'' میں ایک معلوماتی مقالہ رقم کیا۔ جس میں سب سے پہلے مسلمانوں کی یورپ کی آمد پر روشنی ڈالی گئی، اس کے بعد مختلف انداز کے پائے جانے والے فرانسیسی تراجم قرآن پر اظہار خیال کیا گیا اور بتایا کہ ان میں کچھ تراجم مکمل ہیں۔ کچھ چند سورتوں پر مشتمل ہیں اور کچھ سورتوں اور آیات کے تراجم مختلف کتابوں میں دستیاب ہیں

ڈاکٹر صاحب نے اپنے اس مقالے میں جن ۲۶ تراجم کا تعارف کرایا تھا، اس میں بعض غلط فہمیوں کے در آنے اور کچھ نئے تراجم کے منظرِ عام پر آ جانے کے بعد ڈاکٹر صاحب نے نومبر ۱۹۸۸ء کے ''معارف'' میں تراجم قرآن پر ایک اور مقالہ سپرد قلم کیا۔ دونوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے کچھ اہم امور کی طرف توجہ دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کا ایک جامع تعارف کرایا جائے گا۔

ڈاکٹر صاحب نے اپنے پہلے مقالہ میں ''جویش انسائیکلوپیڈیا'' کے حوالے سے بتایا تھا کہ فرانسیسی کا سب سے اولین ترجمہ قرآن ایک یہودی عالم ''دون ابراہام'' (Don Abraham) نے کیا جو سورۃ معارج کے تراجم آیات پر مشتمل تھا، لیکن اپنے دوسرے مقالہ میں تصحیح کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے اپنے ایک دوست کی تحقیقی دریافت کے توسط سے بتایا کہ یہ سورہ معارج کا ترجمہ نہیں بلکہ یہ ایک عربی ''معراج نامے'' کا ترجمہ اسپینی زبان میں کیا گیا تھا۔ جس کو بعد میں لاطینی اور فرانسیسی زبان میں منتقل کیا گیا۔ ڈاکٹر صاحب کی تازہ ترین معلومات کے مطابق سب سے قدیم ترجمہ قرآن مشائیل بوڈے کا ہے (۱۵۸۰ء۔۱۶۴۵ء) یہ مستقل ترجمہ قرآن نہیں ہے بلکہ بوڈیئے نے اپنی مشہور کتاب ''ترکوں کے مذہب کی تاریخ'' میں بیشمار آیات کا کامل یا ملخص مفہوم پیش کیا تھا۔

اس کے بعد ۱۹۴۷ء میں ''سیوررودرییئے'' نے قرآن کریم کا مکمل ترجمہ پیش کیا، جسے مختلف یورپی زبانوں میں منتقل کیا گیا۔ ۱۷۷۲ء میں ساواری نے دو جلدوں میں قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، جس کی ادبی حیثیت کا اعتراف تو ضرور کیا گیا لیکن تراجم کی صحت نا قابل اعتماد ہے۔ اس کے بعد فرانس کے مشہور عربی عالم رینو نے اپنی کتاب ''عربوں کا فرانس پر حملہ، پھر وہاں سے سوئٹزرلینڈ اور اٹلی پر'' میں متعدد آیات اور سورتوں کے تراجم دیئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے گارسئین دتاسی کی کتاب ''قرآن سے ماخوذ اسلامی عقائد و فرائض'' کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اس نے اپنی کتاب میں متعدد سورتوں کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ پانچویں نمبر پر ''کازیمیرسکی'' کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہ جامعہ ازہر میں عربی کا پروفیسر تھا۔ ۱۸۴۰ء میں قرآن کریم کا مکمل ترجمہ کیا۔ جو دیگر فرانسیسی تراجم کے مقابلے میں عمدہ ہے۔ آگے چل کر بوڈیئے نے اسی پر نظر ثانی کر کے ایک نیا ایڈیشن شائع کیا، ڈاکٹر صاحب نے ''مارسل'' کے ترجمہ قرآن کا ذکر کیا ہے، لیکن وہ دستیاب نہیں ہے، اسی طرح ایک دوسرے ''مارسل'' نے قرآنی سورتوں اور آیتوں کا منظوم ترجمہ کیا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب نے گالان، لبوا، سینٹ، ایلیر، پاریس کے تراجم اور کتب خانہ عام میں فرانسیسی ترجمہ قرآن اور الجزائر کے شہر ''عنابۂ'' میں فقہ اسلامی پر آنے والی کتاب (میں قرآن کریم کی مختلف آیات کے حوالے دیئے گئے ہیں) کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ یہ تمام تراجم میری نظر سے نہیں گذرے اس کے بعد فاطمہ زاہدہ کی ایک کتاب کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ اس میں صرف سورۃ فاتحہ کا ترجمہ شامل ہے، انہی تراجم میں ''ودار مونتے'' کا ترجمہ قرآن بھی شامل ہے جو حد درجہ ناقص ہے۔ ''ماردروس'' نے

۱۹۲۶ء میں باسٹھ (۶۲) سورتوں کا ترجمہ پیش کیا۔ ۱۹۳۱ء میں احمد الاعمش اور ابن داؤد نے ترجمہ قرآن شائع کیا جو بے حد مقبول ہوا، ۱۹۴۶ء میں پیل اور احمد تیجانی نے اپنی مشترکہ کاوشوں سے قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا۔ ۱۹۵۷ء میں ''ریڈی بلاشر'' نے قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا، اسی طرح ۱۹۵۱ء میں طلبہ کی تعلیمی ضرورتوں کے پیش نظر ''آلاری بے ریس'' نے سورۃ فاتحہ اور سورۃ بقرہ کا ترجمہ پیش کیا۔ ترکی عالم محمود مختار پاشا نے ''حکمتِ قرآنی'' کے عنوان سے مختلف قرآنی آیات کو اس میں شامل کیا۔ اسی کڑی کو آگے بڑھاتے ہوئے ایک تونسی مسلمہ قدیرہ نے نہایت اہتمام سے ۱۹۵۶ء میں آرٹ پیپر پر قرآن کریم کا ترجمہ شائع کیا۔ ۱۹۵۶ء ہی میں آلاری محمد مرسیر نے چند منتخب آیات کے تراجم شائع کیے۔ آخر میں قادیانی عالم بشیر الدین محمود کی اس خواہش کا ذکر کیا گیا ہے جس میں انہوں نے فرانسیسی زبان میں ترجمہ قرآن کریم پیش کرنے کا اعلان کیا تھا۔ لیکن ابھی تک اس کی اشاعت کی کوئی اطلاع نہیں ہے۔

مذکورہ معلومات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات بغیر کسی تردد کے کہی جا سکتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے انہیں یکجا کرنے میں بڑی دقتیں اٹھائی ہوں گی۔ مذکورہ فرانسیسی تراجم کا تعارف کراتے ہوئے دو چار جملوں میں ان پر اپنے جن خیالات کا اظہار کیا ہے وہ ان کے تحقیقی مزاج اور علمی انداز کی دین ہے، نیز اس سے یہ بھی ترشح ہوتا ہے کہ وہ فرانسیسی کی ادبی اور لغوی خوبیوں سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ پیرس کے مسلمانوں کو ان تراجم کی خوبیوں اور ان میں کی جانے والی منافقتوں اور اسلام کے خلاف کی جانے والی سازشوں سے آگاہ کرنا چاہتے تھے۔ غالباً ان کا یہی وہ اسلامی جذبہ ہے جس نے انہیں فرانسیسی ترجمہ قرآن پر آمادہ کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے اولاً اپنی اس خواہش کی تکمیل کے لیے ایک گمنام ناشر کی درخواست پر ساواری کے ترجمہ قرآن پر نظر ثانی کی۔ جو دو ہفتوں میں مکمل ہوئی۔ ناشر نظر ثانی شدہ نسخہ لے تو گیا لیکن آج تک اس کا اور اس نسخے کا پتہ نہیں ہے۔ چونکہ اللہ کو منظور تو یہ تھا کہ ڈاکٹر صاحب سے اس سے عظیم تر کام لیا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب ایک ناشر کی درخواست پر ترجمۂ قرآن کے لیے کمر بستہ ہو گئے دیگر تراجم قرآن کی موجودگی میں ایک ایسے ترجمہ قرآن کی ضرورت تھی جس کا مرتب ایسا مسلم ہو جسے عربی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی زبان پر پورا عبور ہو لیکن ایسے مسلم مترجم کی تلاش ناممکن تھی۔ یہ کام دراصل ایک مسلم عربی دان اور ایک فرانسیسی ادیب کے اشتراک عمل سے ممکن تھا۔ چنانچہ اس کے لیے ''کارموسیولیتوری'' کی خدمات حاصل کی گئیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب اپنے رفیقِ کار کو تھوڑا تھوڑا کر کے بھیجتے گئے اور وہ زبان و بیان کی نزاکتوں کے پیش نظر

اصلاحات کر کے واپس بھیجتے رہے، مکمل ہونے کے بعد دسمبر ۱۹۵۸ء اور جنوری ۱۹۵۹ء میں چند ہفتوں رفیق کار کے شہر روبے میں قیام کر کے اسے آخری شکل دے کر ناشر کے سپرد کر دیا۔ اس طرح اکتوبر ۱۹۵۹ء میں طباعت اور جلد بندی کے بعد یکم نومبر ۱۹۵۹ء کو شائقین قرآن کے ہاتھوں میں آ گیا۔ اس اہم اور عظیم الشان ترجمے کی خصوصیت یہ ہے کہ جہاں کہیں قرآن کریم میں توریت، زبور اور انجیل کے حوالے ہیں یا ان کتابوں میں قرآنی قصص ہیں ان کے مکمل حوالے اس ترجمہ میں دیئے گئے ہیں جو: '' وَاِنَّہٗ لَفِی زُبُرِ الاَوَّلِین '' کے پیش نظر حضرت ادریس علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسی علیہ السلام تک کے اقوال پارسی اور ہندو کتب مقدسہ کے مکمل حوالوں کے دینے کا اس میں اہتمام کیا گیا ہے اس کے بہت سی قرآنیات سے متعلقہ چیزوں کے نقل کرنے کی طرف توجہ مبذول کی گئی ہے۔ (۸)
اس ترجمے کی ایک قابل ذکر خصوصیت یہ ہے کہ ابتداء میں ساٹھ صفحات پر مشتمل ایک مقدمہ ہے تاکہ قرآنیات سے متعلقہ اہم مباحث کو اس میں ذکر کر دیا جائے تاکہ فرانسیسی مسلمان اور دیگر غیر اہل ایمان ترجمہ قرآن کے مطالعہ سے قبل ضروری متعلقات سے آگاہ ہو سکیں۔ چونکہ یہ کام تبلیغ اسلام اور اشاعت تعلیمات قرآن کریم کی غرض سے کیا گیا ہے اس لیے ایسے مقدمہ کا شامل کیا جانا واجب تھا۔ مقدمہ میں درج ذیل موضوعات پر گفتگو کی گئی ہے۔ قرآن کا مؤلف، الہام ربانی کا مفہوم، مختلف ملتوں میں نزول وحی کی کیفیت، قرآن و حدیث کا فرق، قرآن کا اسلوب بیان اور اس کا مقصد، مندرجات قرآنی، قرآن کریم میں یہودیوں سے زیادہ خطاب کیوں ہے، قرآنی تصور حیات اور اقسام احکام، عورت کا ذکر قرآن میں، غلامی اور قرآن، سیرتِ نبویہ قرآن کی روشنی میں، اس سے قرآنی اشاروں کا تاریخی پس منظر سمجھ میں آتا ہے۔ تدوین قرآن مجید کی تاریخ، ترتیب آیات و سور۔ عربی خط اور اعراب اور دیگر علامات تحریری، قرآن کے نسل بہ نسل تحفظ کا دوہرا طریقہ یعنی تحریر و حفظ، صحتِ متن کے لیے استاذ سے سماع اور اجازت، اختلاف روایات، مسئلہ تنسیخ و تبدیل، تجوید و تلاوت، تراجم قرآنی جس کا آغاز صحابہ کرامؓ نے فرمایا۔ تاریخ مسلم مترجمین اور غیر مسلم مترجمین۔ ایک نئے فرانسیسی ترجمے کی ضرورت اور یورپی زبانوں میں تراجم قرآن کی مکمل فہرست وغیرہ پر اس انداز سے روشنی ڈالی گئی ہے کہ عام آدمی تاریخ قرآن اور خصائص قرآن سے واقف ہو جائے۔

یہ تھیں ڈاکٹر صاحب کے فرانسیسی ترجمہ قرآن کی خصوصیات، اس فرانسیسی ترجمہ قرآن کو یورپ، امریکہ افریقہ اور دیگر ممالک میں زبردست پذیرائی ہوئی۔ اب تک اس ترجمہ کے بیس اڈیشن منظرِ عام پر آ چکے ہیں۔

گذشتہ ایڈیشن کی تعداد بیس لاکھ تھی۔(۹)

یہ بات آ چکی ہے کہ اس ترجمہ قرآن کے پیچھے جہاں ایک معیاری ترجمہ قرآن کا پیش کرنا تھا۔ وہیں اس کا ایک مقصد اشاعت اسلام بھی تھا یہی وجہ ہے کہ ایک بڑی تعداد اس ترجمہ قرآن کی وجہ سے مشرف بہ اسلام ہوئی۔(۱۰) ڈاکٹر صاحب کی زندگی ہی میں ان کے ترجمہ قرآن کی مقبولیت بام عروج پر تھی انہوں نے خود اس کی عکاسی درج ذیل لفظوں میں کی ہے۔

''خدا کی ششدر کردینے والی عنایت ہے۔ پندرہواں ایڈیشن اس وقت مطبع میں ہے پروف دیکھ چکا ہوں سابق میں کچھ نہیں تو دو ڈھائی لاکھ نسخوں کی نکاسی ہو چکی ہے اور مانگ کی کثرت سے اس دفعہ نیا ایڈیشن ناشر ایک لاکھ کی تعداد میں چھاپ رہا ہے۔''(۱۱)

ڈاکٹر صاحب کے انتقال کے بعد بیشمار مقالات میں آپ کی سادگی، انکساری اور تقویٰ کا ذکر کیا گیا ہے۔ آپ کی للّٰھیت کی ایک مثال یہ ہے کہ آپ نے مسجد نبویؐ کے شیخ القراء کو پورا قرآن مجید سنایا۔ جس پر انہیں ایک سند عطا کی گئی۔ جس میں نسلاً بعد نسل سارے اساتذہ کا ذکر ہے۔ آخری مرحلے میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابیؓ بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم پانچ صحابیوں سے سننے کا ذکر ہے اور اس سے اوپر رسول اکرم ﷺ آتے ہیں۔ ایک ایڈیشن میں ڈاکٹر صاحب نے اس سند کو شامل کیا ہے۔ یہ چیز قرآنیات سے ان کے والہانہ لگاؤ کا پتہ دیتی ہے۔(۱۲) اس وقت میرے سامنے ڈاکٹر صاحب کا وہ فرانسیسی ترجمہ قرآن ہے جسے ''مجمع الملك فهد لطباعة المصحف الشريف'' نے شائع کیا ہے لیکن افسوس کہ اس میں ساٹھ صفحے کا مقدمہ شامل نہیں کیا گیا ہے جس سے اس ترجمے کا بڑا مقصد فوت ہو رہا ہے۔ یہاں پر سورۃ فاتحہ کا ترجمہ نقل کیا جا رہا ہے ہوسکتا ہے کہ کسی فرانسیسی داں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ثابت ہو۔

پروفیسر عبدالرحمان مومن نے ڈاکٹر صاحب کے متعلق بتایا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ دنیا کے واحد شخص ہیں جنہوں نے تین زبانوں جرمن، فرانسیسی اور انگریزی میں قرآن کریم کا ترجمہ پیش کیا ہے(۱۳) میں نے اب تک جتنی تحریریں ڈاکٹر صاحب پر دیکھی ہیں ان میں جرمن اور انگریزی ترجموں کا ذکر نہیں ملتا۔

❷ القرآن فی کل لسان

یہ دراصل ببلیوگرافی ہے جس میں دنیا کی مختلف زبانوں میں پائے جانے والے تراجم قرآن کے حوالے دیئے گئے ہیں، ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب کا خود تعارف کرایا ہے، کتاب پڑھنے سے قبل اس اہم پہلو کا ذکر بھی ضروری سمجھا کہ ہر دور میں ہر زبان میں قرآن کریم کے تراجم کی ضرورت محسوس ہوئی، جس طرح اس کی ضرورت عجمی مسلمانوں کی تھی اس طرح غیر مسلم قوموں کو بھی کسی کو تحقیق کے لیے، کسی کو قرآن پر اعتراضات کے لیے، ترجمہ قرآن کا آغاز عہد نبویؐ سے ہو چکا تھا۔ حضرت سلمان فارسیؓ نے چند نو مسلم ایرانیوں کے لیے سورۃ فاتحہ کا ترجمہ فارسی زبان میں پیش کیا تھا۔ اس فارسی ترجمے کا پہلا جملہ تھا: ''بنام خداوند بخشایندۂ مہربان''۔

تراجم قرآن کی فہرست سازی کی جانب سب سے پہلے فرنگیوں نے توجہ دی اس سلسلے میں وکتور شووین (Victur Chauvin) کا نام سرخیل کے مانند ہے۔ جس نے ''ان کتابوں کی فہرست جو عربی میں یا عربوں سے متعلق ۱۸۱۰ء سے ۱۸۵۰ء تک عیسائی یورپ میں چھپیں'' کے عنوان سے کتابیات تیار کی، اس کی دسویں جلد قرآن و حدیث سے متعلق ہے، اس میں قرآن کریم سے متعلق خاصہ مواد ہے۔ اس کے علاوہ ''مسلم ورلڈ'' نے اسی موضوع پر ایک طویل مقالہ شائع کیا، اور غالباً اسی کو بعد میں جرجی زیدان نے اپنے رسالے ''الہلال'' میں شائع کیا ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ کاموں کے متعلق بتایا کہ ان میں بہت سے نقائص موجود ہیں۔ اسی لیے اسے ایک معیاری صورت میں پیش کرنے کو ٹھان لی۔ تراجم قرآن کی ایک جامع کتابیات پیش کرنے کا خاکہ ڈاکٹر صاحب کے ذہن میں اس وقت آیا جب انجیل پر تیار کردہ کتابیات "Gospel in many Tongues" ان کی نظر سے گذری، جو سات سو زبانوں پر مشتمل ہے، اسے دیکھ کر ڈاکٹر صاحب کو حد درجہ قلق ہوا کہ ہم نے اب تک قرآن کریم کی کیا خدمت انجام دی ہے۔ ڈاکٹر صاحب ان حسابات سے دوچار تھے ہی کہ ابو محمد مصلح صاحب نے حیدر آباد میں ''عالمگیر تحریک قرآن مجید'' کے عنوان سے ایک انجمن کی بنیاد ڈالی۔ جس کا ایک مقصد یہ تھا کہ دنیا میں موجودہ مختلف تراجم قرآن کو شائع کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب اس تحریک سے وابستہ ہو کر ''القرآن فی کل لسان'' کی ترتیب میں مصروف ہو گئے، چنانچہ ۱۹۴۵ء میں اسی انجمن نے ''القرآن فی کل لسان'' جو کہ ۲۳ زبانوں پر مشتمل تھی شائع کی۔ جس میں

مترجمین اور تراجم کی فہرست کے علاوہ بطور نمونہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہر زبان کے ساتھ شامل کیا گیا۔ اسے اس قدر مقبولیت حاصل ہوئی کہ ۱۹۴۶ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن منظر عام پر آیا جو ۴۳ زبانوں پر مشتمل تھا۔ پھر مانگ کی کثرت سے ۱۹۴۷ء میں تیسرا ایڈیشن بھی نکلا جس میں ۶۷ زبانوں کے ترجموں کی تفصیل بیان کی گئی۔ اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کو حیدر آباد سے ملک بدر ہونا پڑا اور کسی نئے ایڈیشن کے منظر عام پر آنے کا موقع نہ ملا، لیکن ڈاکٹر صاحب مستقل نئے تراجم کی تلاش میں سرگرداں رہے۔ ۱۹۸۸ء تک ڈیڑھ سو مختلف زبانوں کے تراجم قرآن مجید آپ کے پاس موجود تھے جن میں سے اسی (۸۰) تراجم قرآن کامل تھے۔ بقیہ جزئی۔

کتابیاتِ قرآن کو منظر عام پر نہ لائے جاسکنے کے سبب ۱۹۶۰ء میں اسے بالاقساط ڈاکٹر صاحب نے فرانسیسی زبان کے رسالہ ''افکارِ شیعہ'' میں شائع کرنا شروع کیا۔ لیکن ۱۹۶۲ء میں جب یہ بند ہوگیا تو ۱۹۶۷ء میں ایک تونسی مسلم نے فرانسیسی زبان میں ''فرانس اسلام'' کے نام سے ایک مجلّے کا آغاز کیا۔ جس میں کتابیات کی کچھ چیزیں شائع کی گئیں لیکن مالی وسائل کے سبب یہ بھی بند ہوگیا دوبارہ ''بینش اسلام'' کے نام سے منظر عام پر آیا لیکن ۱۹۸۳ء میں دوبارہ بند ہوگیا۔ اس طرح یہ کام تشنۂ تکمیل رہا۔ اسی سلسلے کو ترکی کے ادارہ ریسرچ سنٹر فار اسلامک ہسٹری، آرٹ اینڈ کلچر نے آگے بڑھاتے ہوئے:

"World Biblography of Translation of Meanings of the Holy Quran" کے عنوان سے ایک کتاب شائع کی جس میں ۱۵۱۵ء سے ۱۹۸۰ء تک کے مختلف زبانوں کے شائع شدہ تراجم شامل ہیں۔ (۱۵) اسی سلسلے کی ایک خدمت ڈاکٹر صاحب نے یہ انجام دی کہ فارسی اور ترکی تراجم قرآن کی آپ نے ایک فہرست تیار کی اسی طرح اپنے فرانسیسی ترجمہ قرآن میں آپ نے یورپی زبانوں کے تراجم قرآن کریم کی مکمل فہرست شامل کی جو اٹھائیس زبانوں کے مواد پر ترتیب دی گئی تھی اور ۱۹۸۸ء کا ایڈیشن چھیالیس زبانوں پر مشتمل ہے۔ (۱۶)

مذکورہ سطور سے یہ شہادت ملتی ہے کہ اپنے تمام کاموں کے ساتھ ساتھ زندگی بھر ڈاکٹر صاحب کو مختلف زبانوں کے تراجم قرآن کے جمع کرنے کا غیر معمولی حد تک شوق تھا۔ کاش کہ یہ سب کام کتابی صورت میں اہل علم و فہم کے سامنے آتے اور دنیا اس عظیم قرآنی خدمت سے مستفیض ہوتی۔

مختلف اہل علم و دانش کے قلم سے اس کی تصدیق و توثیق ہو چکی ہے کہ ڈاکٹر صاحب اسلامی مصادر و مراجع،

تراجم قرآن اور مسودات سے بخوبی واقف تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی معلومات ہی کے سبب انہوں نے ترکی کو مسودات کا دارالخلافہ قرار دیا جس کا اعتراف عربی زبان وادب کے مشہور عالم پروفیسر عبدالعزیز میمن نے بھی کیا ہے۔(۱۷) اپنی انہی معلومات کے سبب جب انہوں نے ڈاکٹر احمد خان کی کتاب ''قرآن کریم کے اردو تراجم''(۱۸) پر اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں بہت سے نقائص ہیں کیونکہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب کی تالیف ''القرآن فی کل لسان'' کو پیش نظر نہیں رکھا جس کی وجہ سے بہت سے اردو تراجم تک ڈاکٹر احمد خان کی رسائی نہ ہوسکی اسی طرح اس کتاب کی ترتیب میں امریکہ کی نیشنل یونین کیٹلاگ سے استفادہ نہ کیا جا سکا جو کئی سو جلدوں پر مشتمل ہے۔خود پاکستان سے قاضی زاہد الحسینی کی شائع شدہ مشہور کتاب ''تذکرۃ المفسرین'' کا بھی یہاں پتہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اشاریہ، کے تعلق سے کئی مشورے دیئے ہیں، چونکہ اشاریہ سازی کے جدید اصولوں سے آپ پوری طرح واقف تھے۔ڈاکٹر صاحب نے مذکورہ چیزوں کی طرف توجہ دلانے کے بعد کتاب کو خوش آمدید بھی کہا ہے اور اسے اپنے موضوع پر حرف آخر قرار دیا ہے۔(۱۹)

❸ خطباتِ بہاولپور میں قرآنی آیات سے استدلال

ڈاکٹر صاحب کی تصانیف میں ''خطباتِ بہاولپور'' کو غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی۔ یہ کتاب آپ کے وسعت مطالعہ اور دقتِ نظر پر دال ہے۔اگر یوں کہا جائے کہ زندگی بھر کے مطالعہ کا نچوڑ ہے تو شاید مبالغہ نہ ہو۔اس کتاب کی ایک ایک سطر آپ کے محقق اور مبلغ ہونے پر شاہد ہے،''خطباتِ بہاولپور'' میں اسلامی تاریخ، ملت اسلامیہ کے امتیازات اور دین اسلام کے اہم کارناموں کو سمیٹنے کی لائق صد تحسین کوشش کی گئی ہے۔اگر یوں کہا جائے کہ اسلامیات کو کوزے میں بند کرنے کی کامیاب کاوش ہے تو شاید غلط نہ ہو، ان خطبات سے نئی نئی دریافتیں منظر عام پر آئی ہیں تو بہت سے حجابات کو ہٹا کر حقائق منظر عام پر لائے گئے ہیں، یہاں پر خطباتِ بہاولپور کے کچھ ان مباحث کو سمیٹنے کی کوشش کی جائے گی۔ جہاں ڈاکٹر صاحب نے دورانِ گفتگو قرآنی آیات سے استدلال کیا ہے۔خطبات میں جگہ جگہ قرآنی موضوعات پر بحث ہے اور مختلف مقامات پر آیات کریمہ سے استدلال ہے۔آپ نے قرآن کریم کی حکمتوں اور باریکیوں کو قارئین کے سامنے پیش کرنے میں مہارت تامہ کا ثبوت دیا ہے پروفیسر عبدالقیوم قریشی نے

آپ کی قرآنیات سے وابستگی کا ذکر ان لفظوں میں کیا ہے۔

> ''پچھلے دنوں آپ نے گورمکھی میں ترجمہ قرآن کی تلاش کے سلسلے میں لکھا تھا کہ اگر خریدنا ناممکن نہ ہوتو اس کے فوٹو اور مائیکروفلم بھی کافی ہوں گے اور سارے مصارف پیشگی ادا کرنے کو حاضر ہوں۔''(۲۰)

خطبات میں حفاظتِ قرآن پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔اس کی حفاظت کا ایک سب سے اہم گوشہ یہ ہے کہ اس کی زبان غیر متبدل ہے۔اس کے برعکس دنیا کی دیگر زبانیں ہر دو تین سو سال میں اپنے اندر اس قدر تبدیلیاں سمیٹ لیتی ہیں کہ اہل زبان کو ان کا سمجھنا دشوار ہو جاتا ہے قرآن کریم کا نزول اس زبان میں اس لیے ہوا کہ ہر عہد میں تعلیمات قرآن کا سمجھنا آسان ہو،قرآن کریم کو عصر حاضر میں بالکل اسی طرح سمجھا جاتا ہے جس طرح کہ عہدِ نبوت میں (۲۱)

حفاظتِ قرآن کریم پر گفتگو کرتے ہوئے یہ مسئلہ بھی ڈاکٹر صاحب نے اٹھایا کہ نزول قرآن کی ابتداء ہی سے قرآن کریم کے یاد کرنے اور لکھنے کا کام شروع ہو گیا تھا۔کیونکہ صحابہ کرام اپنی نمازوں میں قرآن کریم کی آیتوں کا اعادہ کرتے تھے۔یہ فطری امر ہے کہ انسان لکھی ہوئی چیزوں ہی کو یاد کرتا ہے۔چنانچہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تو آپ ﷺ صحابہ کرام میں سے کسی ایسے صحابی کو طلب کرتے جسے لکھنا پڑھنا آتا ہو،لکھوانے کے بعد پڑھنے کا حکم دیتے ،تاکہ کوئی غلطی ہوتو اس کی اصلاح ہو سکے۔اسی طرح لکھوانے کے بعد آپ ﷺ صحابہ کرام کو ازبر کرنے اور روزانہ نماز میں دو دقت اعادہ کرنے کا حکم صادر فرماتے۔اس وقت دو نمازیں تھیں۔معراج کے بعد پانچ نمازیں ہوئیں تو پانچ مرتبہ صحابہ کرام دہرانے لگے(۲۲) قرآن مجید کی حفاظت کی جانب ایک اہم قدیم یہ بھی اٹھایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حکم دیا کہ ہر صحابی کو کسی مستند استاذ ہی سے قرآن مجید پڑھنا چاہیے تاکہ کوئی غلطی باقی نہ رہے اس وقت کے سب سے عظیم استاذ،اللہ کے رسول تھے،اس لیے قرآن کریم رسول اللہ سے پڑھا جاتا اور تحریری آیات آپ ﷺ کو سنائی جاتیں تاکہ غلطیاں دور ہو جائیں اور حفظ میں کوئی گڑبڑ نہ ہو۔جب مسلمانوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا تو آپ ﷺ نے قرآن مجید پڑھانے کے لیے چند ایسے صحابہ کرام کو متعین کیا جن کی قرآن دانی پر آپ ﷺ کو کامل اعتماد تھا۔گویا آپ ﷺ کی جانب سے سند کی وصولیابی کے بعد ہی یہ صحابہ کرامؓ تدریس قرآن کی ذمہ داری کو انجام دیتے۔(۲۳)

مصحفِ عثمانؓ

تاریخ قرآن مجید میں مصحفِ عثمان کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ڈاکٹر صاحب نے دو صفحے میں مصحفِ عثمان کی سرگزشت کو بہترین انداز میں پیش کیا ہے۔فرماتے ہیں کہ: تیمور لنگ کو دمشق کی فتح میں سب سے قیمتی مال غنیمت مصحفِ عثمان ملا، جسے سمرقند میں لا کر محفوظ کر لیا، لیکن جب روسیوں نے سمرقند کو فتح کیا تو روسی کمانڈر انچیف اسے سینٹ پیٹرس برگ (لینن گراڈ) لے کر چلا گیا، روسی مورخین کا خیال ہے کہ یہ یہاں خرید کر لایا گیا نہ کہ چُرا کر، زار کی حکومت کے اختتام کے بعد جب کمیونسٹوں کا روس کی حکومت پر قبضہ ہوا تو ایک مسلم جنرل علی اکبر توپچی کی کوششوں سے وہ ترکستان آ گیا جواب تک تاشقند میں محفوظ ہے، زار کے عہد میں مصحف عثمانی کا فوٹو لے کر ایک گز کی لمبی تقطیع پر پچاس نسخے چھاپے گئے تھے، اس کے چند نسخے ڈاکٹر صاحب کے نہ صرف علم میں ہیں بلکہ ایک نسخہ دیکھا بھی ہے جو کابل میں موجود ہے اور سورۃ بقرہ کی آیت ''فَسَيَكۡفِيكَهُمُ اللّٰه ''پر سرخ دھبے موجود ہیں۔اس کے علاوہ اس کے نسخے امریکہ، انگلینڈ اور مصر میں موجود ہیں۔ڈاکٹر صاحب نے اس کی مائیکروفلم بھی اپنے لیے تیار کرائی تھی۔(۲۴)

خطبات میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے حروف مقطعات پر بھی گفتگو کی ہے اور بتایا کہ کم از کم اس سلسلے میں ستّر آراء پائی جاتی ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر رسول اللہﷺ اس کی تشریح فرما دیتے تو آج مفسرین طرح طرح کے خیالات صادر نہ کرتے۔(۲۵) ڈاکٹر صاحب کے اس خیال پر یہ وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ اس کی وضاحت اور تشریح کی حاجت نہیں تھی، کیونکہ یہ چیز عربوں کے ذوق کے مطابق تھی یہ کوئی اجنبی شے نہیں تھی، کیونکہ قرآن کریم پر کفار و مشرکین نے سینکڑوں اعتراضات کیے ہیں لیکن حروف مقطعات کے سلسلے میں کوئی اعتراض نہیں کیا گیا۔کیونکہ یہ چیز ان کے کلام و خطبات میں موجود تھی۔مولانا فراہیؒ (۱۹۳۰ء-۱۸۶۳ء) کا خیال ہے کہ حروف مقطعات انگریزی اور ہندی حروف کی طرح صرف آواز ہی نہیں بتاتے بلکہ یہ چینی زبان کی طرح معانی اور اشیاء پر بھی دلالت کرتے ہیں اور انہی کی صورت و ہیئت پر لکھے جاتے ہیں۔یہی حروف قدیم مصریوں نے اخذ کر کے اپنے تصورات کے مطابق ان میں ترمیم و اصلاح کر کے ان کو اس خط تمثالی کی شکل دی جس کے آثار اہرام مصر کے کتبات میں موجود ہیں۔ان حروف کے معانی کا علم اب ختم ہو چکا ہے لیکن اب بھی بعض حروف کے معانی معلوم ہیں۔مثلاً الف گائے کے معنی میں ہے۔ب کا مفہوم ''بیت'' (گھر) ہے۔ج ''جمل'' (اونٹ) کے معنی میں ہے۔اسی طرح ط

''سانپ'' کے معنی میں اور ''نون'' (مچھلی) کے معنی میں آتے ہیں۔اس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے۔مثلاً سورۂ طٰہٰ میں موسیٰ علیہ السلام کی لٹھیا کے سانپ بن جانے کا ذکر ہے۔یہی حال ''طَسَمٓ'' اور ''طَسٓ'' کا بھی ہے۔ ان سورتوں میں بھی سانپ کا ذکر ہے۔سورۃ نون میں صاحب الحوت حضرت یونس علیہ السلام کا ذکر ہے اور سورۃ بقرہ میں گائے کا واقعہ مذکور ہے۔ (۲۶) مولانا فراہی کے اس خیال سے غور وفکر کی راہیں وا ہوتی ہیں۔بعض لوگوں کا یہ خیال کہ یہ موسیقی کی لے اور دُھن ہے یہ ایک نامناسب رائے ہے کیونکہ اس سے کلام الٰہی کا تقدس مجروح ہوتا ہے۔

تاریخ حدیث پر گفتگو کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے قرآن کریم اور حدیث کے درمیان فرق بیان کرتے ہوئے سورۃ حشر کی آیت نمبر ۷ اور سورۃ نساء کی آیت نمبر ۸۰ نقل کرتے ہوئے بتایا کہ:

> ''قرآنی تصور میں حدیث کوئی کم درجے کی چیز نہیں بلکہ ایک لحاظ سے اس کا درجہ قرآن کے برابر ہی ہے۔'' (۲۷)

اسی طرح بادشاہ اور سفیر کی مثال دیتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے مزید فرمایا کہ:

> ''میرا منشاء یہ ہے کہ حقیقت میں حدیث اور قرآن ایک ہی چیز ہیں، دونوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔'' (۲۸)

دونوں آیتوں کی روشنی میں یہ بات بغیر تأمل کے کہی جا سکتی ہے کہ اطاعتِ رسول اطاعت خداوندی سے مربوط ہے، کیونکہ آپ ﷺ قرآن کریم کے حقیقی شارح ہیں۔آپ ﷺ کی بعثت کا مقصد قرآن کریم کی تبیین تھی۔ آپ ﷺ کی ذات گرامی قرآن کریم کی سچی تصویر تھی۔لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود یہ کبھی نہیں کہا جا سکتا کہ احادیث قرآن حکیم کے مثل ہیں۔خود آپ ﷺ نے بھی ہمیشہ قرآن کو اولیت دی ہے،اسی احساس کا نتیجہ تھا کہ آپ ﷺ نے یہ اعلان کیا کہ:

> ''میں تمہارے لیے قرآن کریم چھوڑے جاتا ہوں اگر تم سبھوں نے اسے پکڑے رکھا تو کبھی گمراہ نہیں ہو سکتے ہو اور قرآن کریم اور حدیث میں امتیازی فرق کو بیان کرنے کے لیے دو چیزوں کی جانب اشارہ کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے یہ کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کی

تلاوت کا حکم دیا ہے لیکن قرآن کریم میں حدیث کی تلاوت کا حکم موجود نہیں ہے۔ اسی طرح حفاظت قرآن کی ذمہ داری اللہ پر ہے اور حفاظت حدیث کی ذمہ داری اللہ کے بندوں پر ہے اور یہ بات بھی قابل غور ہے کہ قرآن کریم بغیر کسی تغیر و تبدل کے لفظاً و معنیً ہمارے سامنے موجود ہے اور تا قیامت موجود رہے گا لیکن احادیث معنیً موجود ہیں اور اس معنوی روایت کے راوی حضرات بھی مختلف النوع اخلاق و کردار کے حامل تھے۔''

انہی خیالات کا اظہار آگے چل کر خود ڈاکٹر صاحب نے بھی کیا ہے بہر کیف کبھی بھی قرآن کریم اور احادیث کو ایک میزان میں نہیں رکھا جا سکتا یہی بات ڈاکٹر صاحب نے خود بھی کہی ہے کہ:

''غرض مختلف وجوہ سے رسول اللہ ﷺ کے بعد حدیث یعنی رسول اللہ ﷺ کے کلام کا دوسروں تک ابلاغ اتنا یقینی نہیں رہتا جتنا قرآن کا یقینی ہے۔''(۲۹)

تدوین قرآن

خطبات میں دو جگہوں پر تدوین قرآن پر گفتگو کی گئی ہے یہ گفتگو تدوین قرآن کے باب میں شکوک وشبہات کا باعث بنتی ہے۔ ایک مقام پر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن مجید کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی نگرانی میں مدون کرایا اور اس کے تحفظ کے لیے وہ تدبیریں اختیار کیں جو اس سے پہلے کسی پیغمبر نے نہیں کی تھیں یا کم از کم تاریخ میں اس کی نظیر ہمیں نہیں ملتی۔''(۳۰)

اسی طرح دوسری جگہ حدیث قدسی سے متعلق جواب دیتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے مناسب نہیں سمجھا کہ یہی اصل جواب ہے کیونکہ ضرورت نہیں تھی کہ قرآن کریم کو ایک لامحدود کتاب بنایا جائے، بہتر یہی تھا کہ قرآن مجید مختصر ہو، ساری ضرورت کی چیزیں اس کے اندر ہوں، اور وقتاً فوقتاً اس پر زور دینے کے لیے رسول اللہ ﷺ

اور چیزیں بیان کریں جو حدیث میں بھی آئی ہیں اور حدیث قدسی میں بھی ،اس سے ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔لیکن اس کو قرآن میں شامل کرنے کی ضرورت رسول اللہ ﷺ نے محسوس نہیں فرمائی۔''(۳۱)

مذکورہ دونوں اقتباس سے یہی نقطۂ نظر سامنے آتا ہے کہ قرآن کریم کی تدوین اللہ کے رسول نے فرمائی ہے اور کلام الٰہی کو ایک مختصر اور جامع انداز میں مدون کیا ہے۔ یہ یکسر غیر اسلامی نظریہ ہے جس طرح قرآن کریم کلام ربانی ہے، اسی طرح اس کی ترتیب و تدوین بھی من جانب اللہ ہے۔اسی کو قرآنی اصطلاح میں ''ترتیبِ توقیفی'' کہا جاتا ہے۔احادیث سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ کو بتایا جاتا تھا کہ اس آیت کو یہاں اس آیت کو وہاں رکھ دیا جائے جس طرح یہ کتاب ہدایت منزل مِن اللہ ہے اسی طرح مرتب من اللہ بھی ہے جیسا کہ نظریہ نظم قرآن سے یہ چیز ظاہر و باہر ہے، تدوین قرآن کے مباحث پر عبداللطیف رحمانی نے بڑی جامع بحث کی ہے۔(۳۲)

سورۃ قیامہ کی آیت'' اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْآنَہٗ'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے صاحب تدبر قرآن مولانا امین احسن اصلاحی نے بڑی قیمتی بات کہی ہے:

''لفظ جمع یہاں ایک جامع لفظ ہے۔اس سے مراد اس کو نبی ﷺ کے سینہ میں محفوظ کرنا بھی ہے اور ان منتشر موتیوں کو ایک لڑی میں پرونا بھی ۔ چنانچہ نبی ﷺ کی طرف سے برابر رہنمائی حاصل ہوتی رہی کہ مختلف مواقع پر نازل ہونے والی آیات کو الگ سورتوں میں کس ترتیب سے آپؐ جمع فرمائیں۔ چنانچہ اسی رہنمائی کی روشنی میں آپ ﷺ نے الگ الگ سورتوں میں ان کے مواقع کی تعیین کے ساتھ جمع کرنے کی ہدایت فرمائی اور جمع کرنے والوں نے آپؐ کے اس حکم کی تعمیل کی۔''(۳۳)

تاریخ فقہ پر روشنی ڈالتے ہوئے ایک اہم پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بتایا کہ دیگر پیغمبروں پر نازل ہونے والے احکام بھی ہمارے لیے اسی طرح واجب التعمیل اور قابل تعظیم ہیں جس طرح کہ سرور کائنات ﷺ پر نازل ہونے والے احکام ہمارے لیے وجوب کا درجہ رکھتے ہیں۔جیسا کہ قرآن میں آیا:

''اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِه '' (الانعام ۶:۹۰)

''یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے، اس لیے (اے محمد) آپ ﷺ بھی ان کی پیروی کریں۔''

اسی طرح ایک دوسری جگہ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

''لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْ رُّسُلِه ''(البقرہ:۲/۲۸۵)

''ہم رسولوں میں تفریق کے قائل نہیں ہیں۔''

مذکورہ دونوں آیتوں کی روشنی میں یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ دیگر تمام پیغمبروں اور خاتم المرسلین ﷺ پر نازل ہونے والے احکام میں کوئی فرق نہیں ہے، لیکن پرانے قانون کے باب میں اگر کوئی جدید رہنمائی ہے تو جدید قانون قابل عمل ہوگا پچھلے انبیاء ورسل کے قوانین پر عمل کے لیے یہ شرط بھی ہوگی کہ وہ قابل اعتبار طریق سے ہم تک پہنچیں۔ کیونکہ قرآن کریم نے یہ صراحت کردی ہے کہ یہود ونصاریٰ نے اپنی کتابوں میں تحریف کی ہے۔(۳۴)

غلامی اور قرآن

ڈاکٹر صاحب نے اپنے خطبات میں مسئلہ غلامی کو بھی اٹھایا اور یہ واضح کیا کہ توریت اور انجیل میں غلام بنانے کا ذکر تو ہے لیکن انہیں آزاد کرنے کا کوئی ذکر نہیں جب کہ قرآن کریم میں غلاموں کے آزاد کرانے کے لیے مختلف آیات میں زور دیا گیا ہے قرآن کریم میں غلاموں کی آزادی کو کارثواب قرار دیا گیا ہے۔''ظہار'' نامی طلاق اور غلطی سے کسی کو قتل کردینے کی پاداش میں غلاموں کو آزاد کرانے کا حکم دیا گیا ہے، سرکاری آمدنی کی ایک مد یہ بھی ہے کہ غلاموں کو آزاد کرانے کے لیے اسے صرف کیا جائے۔ اسی طرح قرآن کریم میں یہ حکم بھی موجود ہے کہ اگر غلام اپنے روپیوں کو دے کر آقا سے نجات حاصل کرنا چاہے تو آقا کو لازمی طور سے اسے رہا کرنا ہوگا''فی الرقاب'' کے سلسلے میں تمام مفسرین اور فقہاء کا اتفاق ہے کہ مسلم اور غیر مسلم غلاموں کی رہائی کے لیے سرکاری رقم خرچ کی جائے۔(۳۵)

بادشاہت اورقرآن

قرآن کریم میں بادشاہت کوشئ مذموم قرار دیا گیا ہے اورشئ محبوب بھی، بادشاہت اگر قوانین الٰہی کے مطابق ہے تو وہ عندالاسلام قابل قبول ہے۔ بادشاہت اگرخواہشاتِ نفس کی پیروی اور اقربا پروری ہے تو وہ قابل تنقید ہے۔فرعون اور نمرود جیسے بادشاہوں کو ہدف ملامت قرار دیا گیا اور حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام جیسے پیغمبروں کو بادشاہ کا لقب دے کر مکرم ومحترم گردانا گیا۔اس تناظر میں بادشاہت کوحرام کے زمرے میں نہیں ڈالا جاسکتا البتہ بلقیس کے حوالے سے جوقرآن کریم میں ذکر ہے:

إنَّ الْمُلُوكَ اِذَادَخَلُوا قَرْيَةً اَفْسَدُوهَا (النمل ٢٨: ٣٤)

''بےشک یہ بادشاہ جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اسے تباہ کردیتے ہیں۔''

تو اس کے متعلق ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ ایسا صرف بلقیس کے طرز عمل کو دیکھ کر فرمایا گیا، اس سے زیادہ اس کی اور کچھ اہمیت نہیں ہے۔بات صرف یہ ہے کہ بادشاہت اگر ظلم وتعدی سے پاک ہے تو وہ اختیار کے لائق ہے اور اگر وہ قتل وغارت گری پر مبنی ہے تو اس سے گریز کیا جائے، ہمارے سرورکونین ﷺ نبی ہی نہیں بلکہ بادشاہ بھی تھے (٣٦)

❹ ام القریٰ

''ام القریٰ'' کے سلسلے میں ڈاکٹر صاحب نے بڑی مناسب بات کہی ہے پائے تخت کے لیے انگریزی میں Metraplis کا لفظ استعمال ہوتا ہے، یہ دراصل یونانی لفظ ہے جس کے لفظی معنی ''شہروں کی ماں'' ہے۔اس مفہوم میں قرآن کریم نے ''ام القریٰ'' کو استعمال کیا ہے۔شہر مکہ ''ام القریٰ'' ہی کے نام سے مشہور ہے۔گویا اللہ کی سلطنت کا وہ صدر مقام ہے جب ایک میٹروپولس یا ام القری ہوتو وہاں بادشاہ کا محل بھی ہوگا۔چنانچہ بیت اللہ الحرام، اللہ کا مکان یا اللہ کا گھر وہاں موجود ہے۔گویا کعبہ جو بیت الحرام ہے۔یہ اس بادشاہ کا محل ہے کسی ملک میں بادشاہ ہوتو یہ ہمیشہ سے رواج رہا ہے رعایا کے نمائندے پائے تخت کو جا کر بادشاہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں اور اپنی اطاعت کا یقین دلاتے ہیں۔حج کے سلسلے میں جب لوگ مکہ معظّمہ جاتے اور وہ کعبہ کے سامنے حاضر ہوتے تو وہ حجر اسود پر اپنا

بازو رکھتے ہیں اور حجر اسود کو (اور اگر دور ہوں تو ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے ہاتھ) کو بوسہ دے کر طواف کا آغاز کرتے اور اسے جاری کرتے ہیں۔اس کو ہمارے فقہاء دو ناموں سے یاد کرتے ہیں،اسے استسلام بھی کہتے ہیں اور بیعت بھی کہتے ہیں۔(۳۷)

5 قرآن کریم اور گوتم بدھ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے خطبات میں بہت سے اہل علم کی آراء کا بھی ذکر کیا ہے،اسی طرح ''ذوالکفل'' کے متعلق بتایا کہ مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس سے مراد ''گوتم بدھ'' لیا ہے۔

﴿وَالتِّينِ وَالزَّيْتُونِ وَطُورِ سِينِينَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْأَمِينِ﴾ کے باب میں گفتگو کرتے ہوئے انہوں نے بتایا کہ اس میں چار پیغمبروں کا ذکر ہے۔زیتون سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے،طور سینین سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف ذہن موڑا گیا ہے اور بلد امین شہر مکہ کی اہمیت کو منظر عام پر لاتا ہے۔اسی طرح ''التین'' سے گوتم بدھ کی جانب توجہ منعطف کرائی ہے۔کیونکہ گوتم بدھ کے پیروکاروں کا اتفاق ہے کہ آپ کی پیدائش جنگلی انجیر کے نیچے ہوئی تھی ، اسی سے مولانا گیلانی کا خیال ہے کہ قرآن کریم میں جہاں دنیا کے بڑے مذاہب کا ذکر ہے وہیں بدھ مت کا بھی ذکر ہے۔قرآن کریم اس کی تفصیل میں اس لیے نہیں جاتا کیونکہ عرب اس سے واقف نہیں تھے۔(۳۸)

مولانا فراہی نے مذکورہ چاروں چیزوں پر نہایت عالمانہ انداز میں گفتگو کی ہے۔بالخصوص اشعار عرب سے استدلال کے ذریعہ اپنی بات کو قابل اعتبار بنا دیا ہے۔مشہور شاعر نابغہ ذبیانی نے اپنے ایک شعر میں ''تین'' کو ایک مقام کی حیثیت سے ذکر کیا ہے۔عربوں کے مذاق میں یہ چیز داخل تھی کہ اگر کوئی درخت کسی مقام پر کثرت سے پایا جاتا ہے تو اس کو اسی نام سے موسوم کر دیتے ہیں۔مولانا فراہی نے ''تین'' کی اہمیت کی طرف یوں اشارہ کیا ہے۔

> ''اس سے معلوم ہوا کہ تین سے مراد یا تو کوہ جودی ہے یا اس کے قریب کا کوئی دوسرا پہاڑ تورات میں ہے کہ طوفان نوح کے بعد بنی آدم یہیں سے اِدھر اُدھر متفرق ہوئے اور قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ کوہ جودی کے پاس پیش آیا۔''(۳۹)

❻ مفرداتِ قرآن

ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے خطبات میں جگہ جگہ ''مفردات قرآن'' پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کو قرآنیات سے کس قدر گہرا شغف تھا۔ یہاں چند مثالیں خطبات سے نقل کی جائیں گی۔

لفظ ''انجیل'' کے معنی خوشخبری کے ہیں۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گاؤں میں جا کر لوگوں کو بشارت دیا کرتے تھے کہ اللہ کی حکمرانی بہت جلد آنے والی ہے۔ (۴۰)

''توریت'' کے معنی قانون کے ہیں۔ توریت پانچ حصوں پر مشتمل ہے۔ اس میں ایک حصہ قانون کے نام سے منسوب ہے۔ (۴۱) ڈاکٹر صاحب نے یہ بھی بتایا کہ توریت کو عبرانی زبان میں ''نوموس'' بھی کہتے ہیں، نوموس کے معنی بھی قانون ہی کے ہیں، اسی طرح جب ورقہ بن نوفل کے سامنے آنحضور ﷺ کا واقعہ پیش کیا گیا تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ یہ چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے زیادہ مشابہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک یہی مفہوم قرین قیاس ہے۔ (۴۲)

فقہ کے لفظی معنی ''جاننا'' کے ہیں اور اصطلاحی مفہوم ''قانون'' یعنی شریعت اسلامی ہے، قرآن کریم کے تصور قانون کے متعلق یہ آیت پیش نظر رہے۔

﴿ كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَفَرْعُهَا فِي السَّمَاءِ ﴾

''اچھی بات کی مثال اچھے درخت کی طرح ہے اس کی جڑ تو زمین میں گڑی ہوئی رہتی ہے
لیکن اس کی شاخیں آسمان تک پھیل جاتی ہیں۔'' (ابراہیم: ۱۴/۲۴)

قانون کی بنیاد دراصل ایک چھوٹے سے بیج کے مانند ہے، لیکن اس سے جو درخت نکلے گا وہ آسمان کی بلندیوں تک پھیل جائے گا۔ اس آیت سے اسلامی شریعت کی عظمت کو سمجھا جا سکتا ہے۔ (۴۳)

احسان کا لفظی مفہوم کسی چیز کو حسن عطا کرنا اور خوبصورت بنا دینا ہے، زندگی کے کسی کام کو مہذب انداز میں انجام دینا ہی دراصل احسان ہے۔ اصطلاحی مفہوم یہ ہے کہ احکام الٰہی کو سچے دل سے قبول کرنا اور اس میں اخلاص

پیدا کرنا، صوفیاء کرام نے اسے ''سلوک وطریقت'' کا نام دیا ہے، اسی کا دوسرا نام ''تصوف'' ہے۔(۴۴)

ڈاکٹر صاحب نے احسان کو''سلوک وطریقت'' سے تعبیر کیا ہے، سلوک وطریقت کا جائزہ لینے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر ایک طریقے کا ذاتی فلسفہ ہے، صوفیاء کرام نے بہت سے طریقہ عبادت ایجاد کیے جس کا حیات طیبہ اور آثار صحابہ کرام سے کوئی واسطہ نہیں ہے اس لیے احسان کو سلوک وطریقت سے جوڑنا غیر مناسب فعل ہے۔ کیونکہ مختلف صوفیاء کرام کے یہاں اذکار واوراد کے مختلف طریقے رائج ہیں۔

معروف ومنکر قرآن کریم کی دو اہم اصطلاحات ہیں۔ معروف کے لیے قرآن کریم میں خیر کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے اور منکر کے لیے شر کا لفظ، معروف ایسی چیز کو کہتے ہیں جو فطری لحاظ سے قابل قبول ہو، جس کا کرنا لائق تحسین ہے اور یہ وہ چیز ہے جو ہر دور اور ہر قوم کے نزدیک قابل قبول ہو۔ یہی حال منکر کا ہے جو فطری لحاظ سے غیر مستحسن ہے۔ اسے ہر دور میں ہر قوم نے ناپسند کیا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن کریم کسی غیر فطری اور غیر مستحب عمل کی دعوت نہیں دیتا اور نہ ہی کسی جدید اور اجنبی چیز کو پیش کرتا ہے۔ معروف اور منکر کے اعتبار سے قرآن کریم کا ہر حکم حکمت پر مبنی ہے۔(۴۵)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یقیناً قرآنیات سے متعلق متعدد مقالات سپرد قرطاس کیے ہیں اس میں دورائے نہیں کہ انہوں نے ان مقالات میں اہم قرآنی مباحث کو موضوع بحث بنایا ہوگا کاش کہ ان کے اس طرح کے مقالات کو علمی دنیا کے استفادہ کے لیے جمع کرکے، کوئی شائع کرنے کی کوئی سبیل پیدا کر دیتا تو یہ ایک عظیم قرآنی خدمت ہوتی۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک مقالہ'' قرآن مدار مغفرتِ انسان'' کے عنوان سے مجلّہ ''علوم القرآن'' میں شائع ہوا ہے جس میں توریت، زبور، انجیل، آویستا اور پران وغیرہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے بتایا گیا کہ آج اس عہد میں مذکورہ آسمانی صحیفوں کے متعلق گمان تو کیا جا سکتا ہے لیکن یقین کے ساتھ کوئی بات نہیں کہی جا سکتی۔ احادیث میں حضرت آدم، حضرت شیث اور حضرت ادریس علیہم السلام کے صحیفوں کا ذکر ملتا ہے۔ لیکن آج اس عہد میں اعتماد کے ساتھ کچھ کہنا بڑا دشوار ہے۔ اسی طرح صحف ابراہیم کا کچھ پتہ نہیں۔ صرف چند آیات قرآن کریم میں درج ہیں۔

مختلف آسمانی کتب وصحیفوں میں صرف بشارت کے لیے انتظار کرنے کو کہا گیا۔ لیکن اس کے برعکس

قرآن کریم کو آخری کتاب ہدایت قرار دیا گیا جو تا قیامت تمام انسانوں کے لیے مشعل رشد و ہدایت ہے۔ تیئس سالہ مدت میں جستہ جستہ یہ کتاب الٰہی نازل ہوتی رہی اور اللہ کے حکم کے مطابق آنحضور ﷺ اسے ترتیب دیتے رہے اور ہر ممکن کوشش کی کہ اللہ کے اس کلام میں کوئی تغیر و تبدل نہ ہو سکے۔

ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ کتاب اسے اس لیے کہا گیا ہے کہ اسے کتابی شکل میں پیش کیا جائے اور قرآن اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ لکھی ہوئی کتاب پڑھنے کے لیے ہے۔ قرآن کریم کی صحت برقرار رکھنے کے لیے ہجرت کے بعد رمضان میں صحابہ کرام کی موجودگی میں ایک بار آپؐ پورے قرآن کریم کو دہراتے تاکہ کوئی غلطی باقی نہ رہے، اس وقت تصحیح کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی موجود ہوتے۔ اسی طرح وفات سے قبل رمضان میں دو بار قرآن کریم کو دہرا کر فرمایا کہ میرا فریضہ مکمل ہو گیا ہے اور میں جلد ہی وفات پانے والا ہوں۔ آگے بھی اس مقالہ میں حفاظت قرآن کریم کی صحت اور تدوین سے متعلق گفتگو کی گئی ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ قرآن کریم تمام تحریفات سے پاک ہے اور یہی کتاب تنہا بنی نوع انسان کو ظلمتوں سے نجات دلا سکتی ہے۔ (۴۶)

قرآنیات سے متعلق ایک اہم مقالہ ''قرآنی تصور مملکت'' ہے (۴۷) اس میں قرآن کریم اور تاریخ اسلام کی روشنی میں اسلامی ریاست کے خدوخال پیش کیے گئے ہیں، اللہ کے رسول نے دس سال کے اندر ایک ایسا نظام حکومت قائم کیا جسے دیکھ کر دنیا انگشت بدنداں رہ گئی، اس حکومت کی کامل تصویر قرآن کریم میں موجود ہے۔

تاریخ انسانی کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کی آمد کے باوجود بہت عرصہ کے بعد کسی اقتدار یا سیاسی نظام کا پتہ چلتا ہے، بادشاہی کا وجود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عہد سے ملتا ہے، یہی بادشاہت حضرت یوسف علیہ السلام کے عہد میں ترقی یافتہ صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اسی طرح حضرت موسیٰ، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہم السلام کی سیرتوں سے اقتدار و اختیار کے قیام کا پتہ لگتا ہے۔ حضرت داؤد کے متعلق قرآن کریم میں واضح کیا گیا کہ وہ کس طرح فرائض اقتدار انجام دیتے تھے۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿ وَشَدَدْنَا مُلْكَهُ وَآتَيْنٰهُ الحِكْمَةَ وَ فَصْلَ الخِطَاب ﴾ (ص:۳۸:۲۰)

''ہم نے اس کی حکومت کو مضبوط بنا دیا، اور اسے حکمت اور فیصلہ کرنے والی زبان عطا کی۔''

اسی طرح ملکہ سبا کی حکومت کا ذکر قرآن کریم میں بڑے واضح انداز میں ملتا ہے۔قرآن کریم میں پیغمبروں کے صحیفوں اور کتابوں کا ذکر ہے۔صحیفہ کا مفہوم دستور العمل اور کتاب کا مفہوم حکم دینے کے ہیں۔آگے بڑھتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے بیعت پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا کہ خلیفہ اصلاً مقتدر اعلیٰ کا پابند ہوتا ہے۔وہ عبادات اور معاملات دونوں میں اپنے معبود کی اتباع کرتا ہے، دین اسلام سے قبل دین اور دنیا الگ الگ تھے، جیسا کہ حضرت عیسیٰ کی طرف یہ قول انجیل میں منسوب ہے:

''قیصر کی چیزیں قیصر کو دے دو اور کلیسا کی کلیسا کو۔''

لیکن اللہ کے رسول محمد ﷺ دین اور دنیا کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنكُم وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى الْأَرْضِ﴾

''تم میں سے جو لوگ ایمان لے آئے ہیں اور نیک اعمال بجالائے ہیں، اللہ نے ان سے وعدہ کر رکھا ہے کہ انہیں زمین میں ضرور جانشین بنائے گا۔'' (النور:۲۴/۵۵)

اس مقالہ میں عدل گستری، شورائیت، قانون سازی، جہاں بانی کے قواعد، قومی دولت، اخلاق عامہ، سیاسی اصلاحات اور جانشینی جیسے موضوعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ان موضوعات کو جدید تناظر میں دیکھتے ہوئے بتایا کہ دین اسلام نے مذکورہ تمام چیزوں کے لیے ایسی ہدایات دی ہیں جو دنیائے انسانیت کے لیے رہنما اصول کی حیثیت کے حامل ہیں۔

مذکورہ سطور میں ڈاکٹر صاحب کی تمام قرآنی خدمات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآنیات سے متعلقہ ان کی بہت سی چیزیں دسترس سے باہر ہیں۔ویسے ان سطور سے یہ چیز ضرور منظر عام پر آ گئی کہ آپ کو قرآنیات سے گہرا شغف تھا، جس کی بین مثال فرانسیسی ترجمہ قرآن ہے۔اس کے علاوہ مستقلاً انہیں اس کی فکر دامن گیر رہی کہ اہل علم کے سامنے قرآنی خدمات اور قرآنی حقائق کو منظر عام پر لایا جائے۔یہی وجہ ہے کہ مختلف زبانوں میں زندگی بھر دین اسلام کی صداقتوں کو پیش کرتے رہے اور اسی اضطراب کے پیش نظر القرآن فی کل لسان کی ترتیب و تدوین میں لگے رہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ مخدوم علی مہائمی کی حیات وخدمات کے لیے ملاحظہ ہو: مخدوم علی مہائمی: حیات، آثار وافکار۔ مولانا عبدالرحمان پرواز اصلاحی، اشاعت اول۔

۲۔ اس تفسیر کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ یہ مصر کے مشہور مطبع ''بولاق'' سے شائع ہوئی، نظم قرآن کی نمائندہ تفاسیر میں اس کا شمار ہے۔ دیکھیے اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں، سید عبدالحئی، لکھنؤ، ۱۹۶۹ء، ص ۲۳۲۔۲۳۱۔

۳۔ عمری، محمد یوسف کوکن عمری، ''خانوادۂ قاضی بدرالدولہ''، دارالتصنیف مدراس ۱۹۶۳ء، ص ۱۶۱۔۱۷۹

۴۔ یہ عظیم تفسیر سات جلدوں میں ہے، جو عربی زبان میں لکھی گئی جو ملا بحرالعلوم عبدالعلی (المتوفی ۱۲۲۵ھ) کے ایما پر لکھی گئی تھی۔ یہ تفسیر مجلس اشاعت العلوم حیدرآباد (دکن) سے شائع ہوئی۔ اس تفسیر کی جلد اول ۱۳۲۲ھ میں شائع ہوئی اور آخری جلد ۱۳۴۷ھ میں۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: المسدوسی، احمد عبداللہ، ''مملکتِ حیدرآباد ایک علمی، ادبی اور ثقافتی تذکرہ''، ناشر بہادر یار جنگ اکادمی، کراچی، ۱۹۶۷ء، جلد اول ص ۸

۵۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: خانوادۂ قاضی بدرالدولہ، ص ۴۹۰

۶۔ تفسیر ''فیض الکریم'' کا پہلا حصہ میرے سامنے ہے، جو مدراس کے مطبع ''عزیزی'' سے شائع ہوا، یہ ۹۷۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں مصنف کا چار صفحے کا مقدمہ بھی شامل ہے۔

۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ معارف، اعظم گڑھ۔ جلد ۸۴، شمارہ ۲ ر اگست ۱۹۵۹ء، ص ۴۵۰۔۴۶۸

۸۔ ایضاً، ص ۴۶۷۔

۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، پروفیسر عبدالرحمان مومن، ماہنامہ ترجمان الاسلام، جامعہ اسلامیہ، ریوڑی تالاب بنارس جنوری تا جون ۲۰۰۳ء، شمارہ: ۵۳۔۵۴، ص ۱۶۔۱۷۔

۱۰۔ اداریہ (محقق گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ) اشتیاق احمد ظلی۔ ششماہی، علوم القرآن، علی گڑھ، جنوری۔ جون ۲۰۰۲ء، ۱۷/۱، ص ۱۰

۱۱۔ تراجم قرآن مجید: تازہ بتازہ نو بہ نو۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۸۸ء، ۱۴۲/۵، ص ۳۷۹

۱۲۔ ایضاً، ص ۳۸۴۔

۱۳۔ ترجمان اسلام، ص ۱۶۱۔ تاہم جناب مظہر ممتاز قریشی کے نام ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط سے معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب نے جرمن زبان میں سورہ الانعام تک ترجمہ کیا تھا بعد دیگر مصروفیات کی وجہ سے اس کو مکمل نہ کر سکے، تفصیل کے لیے دیکھیے: محمد رومی، وہاب، سید ''سہ ماہی ارمغان'' کراچی، دسمبر ۱۹۹۴ء، خط نمبر ۴، ص ۸۹

۱۴۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ماہنامہ معارف۔ نومبر ۱۹۸۸ء، ۱۴۲/ ۵ ص ۳۸۸۔۳۸۶۔

۱۵۔ اس پر جامع تبصرہ کے لیے دیکھیے: ششماہی علوم القرآن ج ۲، شمارہ ۲، جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۷ء ص ۱۴۰۔

۱۶۔ ماہنامہ معارف۔ نومبر ۱۹۸۸ء، ۱۴۲/ ۵ ص ۳۸۸۔

۱۷۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: مجالس المیمنی، المجمع العلمی الھندی۔

۱۸۔ ڈاکٹر احمد خان کی کتاب ''قرآن کریم کے اردو تراجم'' ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب مشہور اہل قلم سید عبدالقدوس ہاشمی کی نظر ثانی کے بعد منظر عام پر آئی ہے (طبع اول، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۷ء)۔

۱۹۔ معارف، نومبر ۱۹۸۸ء، ۱۴۲/ ۵ ص ۳۸۹۔۳۹۱۔

۲۰۔ خطباتِ بہاولپور، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، بار اوّل، اسلامک بک فاؤنڈیشن، ۱۹۹۷ء ص ۱۱۔

۲۱۔ ایضاً ص ۲۵۔

۲۲۔ ایضاً ص ۲۸۔

۲۳۔ ایضاً ص ۲۹۔

۲۴۔ ایضاً ص ۴۰۔۴۱۔

۲۵۔ ایضاً، وضاحت کے لیے دیکھیے: ص ۴۳۔۴۴۔

۲۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، بار اول، تاج کمپنی، ۱۹۸۹ء، ۱/ ۸۵۔۸۶۔

۲۷۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۵۷۔

۲۸۔ ایضاً ص ۵۷۔

۲۹۔ ایضاً ص ۵۸۔

۳۰۔ ایضاً ص ۵۸۔

۳۱۔ ایضاً ص ۸۸۔

۳۳۔ تدبر قرآن، امین احسن اصلاحی، طبع اول، نومبر ۱۹۸۰ء فاران فاؤنڈیشن، لاہور، ص ۸۶۔

۳۴۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۱۰۱۔۱۰۲۔

۳۵۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً ص ۱۱۷۔۱۱۶۔

۳۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: ایضاً، ص۱۲۰۔۱۱۹۔

۳۷۔ ایضاً، ص۲۱۵۔۲۱۴۔

۳۸۔ ذوالکفل کے سلسلے میں دیکھیے: اعلام القرآن۔ عبدالماجد دریا آبادی، مطبع شاہی برقی پریس، لکھنؤ (بدون تاریخ)، ص۱۰۷۔

۳۹۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: تفسیر نظام القرآن۔ حمید الدین فراہی۔ دائرہ حمیدیہ مدرسۃ الاصلاح۔ سرائے اعظم گڑھ، ۱۹۹۰ء، ص۳۱۲۔۳۱۰۔

۴۰۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۲۴۔

۴۱۔ ایضاً، ص: ۲۱۔

۴۲۔ ایضاً، ص: ۲۷۔

۴۳۔ ایضاً، ص: ۹۷۔۹۶۔

۴۴۔ ایضاً۔

۴۵۔ ایضاً، ص۳۴۲۔

۴۶۔ وضاحت کے لیے دیکھیے: قرآن: مدارِ مفخرت انسان۔ محمد حمید اللہ، (علوم القرآن، علی گڑھ، جولائی۔ دسمبر ۱۹۸۹ء، ۲/۴، ص۵۷۔۴۵۔

۴۷۔ تفصیل کے لیے دیکھیے: ماہنامہ معارف، ج۴۸، شمارہ ۶ دسمبر ۱۹۴۱ء، ص۴۰۵۔۴۳۱

قرآن مجید کے ترجمے

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

❶ عربی زبان

سب جانتے ہیں کہ قرآن مجید عربی زبان میں ہے لیکن کم لوگ اس زبان کی بعض خصوصیتوں پر غور کرتے ہیں:

ایک بات یہ ہے کہ وہ ساری دنیا کے مسلمانوں کی ، اگلے ہوں یا پچھلے تا قیامِ قیامت ، مادری زبان ہے۔ کیونکہ ''امہات المومنین'' یہی زبان بولتی تھیں۔ کیا کسی کو یہ آیت یاد دلانے کی ضرورت ہے کہ:

﴿ اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُه' اُمَّهَاتُهُمْ ﴾(۱)

''مومنوں کے لیے نبیؐ اپنی ذات سے اولیٰ (مرجح) ہوتا ہے اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔''

دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ ایک ابدی اور غیر تبدل پذیر زبان ہے۔ دنیا کی زبانیں مرورِ زمانہ سے بدلتی رہتی ہیں حتی کہ ایک سو سال ہی میں وہ نا قابلِ فہم ہو جاتی ہیں مثلاً پندرہویں صدی عیسوی کے انگریز ادیب چاسر کی زبان آج انگلستان میں سوائے گنتی کے متخصصین کے سوا کسی کی سمجھ میں نہیں آتی ، موجودہ زبانیں ہوں کہ دنیا کی قدیم زبانیں ، سب کا یہی حال ہے۔ اردو، انگریزی، ترکی ، روسی ، جرمنی ، فرانسیسی ، یونانی وغیرہ کوئی اس سے مستثنیٰ نہیں صرف عربی اس کلیے سے خارج ہے کہ چودہ سو سال پہلے کی قرآن و حدیث کی زبان وہی ہے جو آج بھی ریڈیو پر بولی جاتی ، اخباروں اور کتابوں میں برتی جاتی اور بازار سے باہر علمی حلقوں میں نیز بین العرب ضروریات کے لیے لکھی اور بولی جاتی ہے کم از کم گذشتہ پندرہ سو سال سے نہ اس کے الفاظ کے معنی بدلے ، نہ صرف و نحو بدلی ، نہ املا و تلفظ ! کسی ابدی تعلیم اور آخری نبیؐ کے ذریعے سے انسانیت کے لیے آئے ہوئے احکام خداوندی کی حامل کون سی دوسری زبان ہو سکتی ہے بجز اس کے جو مرورِ زمانہ سے نہ بدلے بلکہ ہمیشہ قابلِ فہم ہے؟

ان اور دیگر خصوصیات کے ساتھ اور اس امر کے باوجود کہ قرآن مجید ''بِلِسَانٍ عَرَبِیٍّ مُبِیْنٍ ''(۲) نازل ہوا ہے۔ عجمی نہیں، خود عربوں کو بھی تفسیر کی ضرورت خود عہدِ صحابہ سے رہی ہے کیونکہ قرآن کی زبان کی بلاغت اور اس کے معانی کی گہرائی ''کُلَّ یَوْمٍ ھُوَ فِی شَأْنٍ ''(۳) کا مصداق ہے اور اس کا ہر مطالعہ کرنے والا کچھ نہ کچھ نئی چیز پالیتا ہے بغیر اس کے کہ کسی دوسرے کو کچھ خسارہ ہو۔ چونکہ خدا نے اسے ''کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْراً وَّنَذِیْراً ''(۴) بنا کر بھیجا ہے، عجمی بھی خدا کے فضل سے اس قرآن کے باعث ہدایت پاتے رہے ہیں اور موروثی مسلمانوں کی بداعمالی کے باوجود نومسلموں کی تعداد روز افزوں ہی ہے اور تو اور پولینڈ اور یوگوسلاویا جیسے کمیونسٹ (اور خدا اور دین کے دشمن) ملکوں میں بھی نومسلم نظر آ رہے ہیں۔ ان غیر عرب لوگوں کے لیے اسلام لانے سے پہلے بھی اور اسلام لانے کے بعد بھی قرآن کے پڑھنے اور سمجھنے کے لیے ترجمے کی ضرورت ہوتی ہے یہ خارج از بحث اور خارج از امکان ہے کہ وہ پہلے عربی سیکھیں پھر براہِ راست قرآن کو پڑھیں اور سمجھیں۔

❷ اوّلین ترجمے

تاریخ بتاتی ہے کہ علمائے اسلام، آغازِ اسلام سے لے کر گزشتہ صدی تک، قرآن مجید کا اجنبی زبانوں میں بغیر کسی ادنیٰ تذبذب کے ترجمہ کرتے رہے۔ قدماء میں مثلاً مشہور و مستند فقیہ امام شمس الائمہ سرخسی اپنی تیس جلدوں والی کتاب المبسوط (ج ا، ص ۳۷) میں لکھتے ہیں:

> ''امام ابوحنیفہ نے اس روایت سے استدلال کیا ہے کہ (چند نومسلم) ایرانیوں نے حضرت سلمان فارسیؓ کو خط لکھا کہ انہیں سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ دیں یہ لوگ اس (ترجمے) کو اس وقت تک نماز میں پڑھتے رہے جب تک کہ ان کی زبانیں عربی الفاظ سے مانوس نہ ہو گئیں۔'' (یعنی قرآنی سورے حفظ نہ ہو گئے) (۵)

ایک دوسرے مشہور فقیہ تاج الشریعہ الحنفی نے اپنی فقہی کتاب ''النہایة حاشیة الهدایة ''(طبع دہلی ۱۹۱۵ء، ج ا، ص ۸۶) میں اس کی مزید تفصیل دی ہے کہ:

''حضرت سلمان فارسیؓ نے ان کے لیے سورۂ فاتحہ فارسی میں لکھ دی اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کو ''بنام یزدان بخشاوندہ'' وغیرہ ترجمہ کیا اور لکھنے کے بعد رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں پیش کیا پھر اسے ان (ایرانیوں) کو بھیج دیا اور رسول اکرم ﷺ نے اُسے ناپسند نہ فرمایا۔'' (۶)

واقعہ یہ ہے کہ فارسی، مشرقی ترکی اور مغربی ترکی میں قرآن مجید کے ترجمے سامانی دور کے یعنی چوتھی صدی ہجری کے علماء نے کیے ان میں سے فارسی ترجمہ جس کے ساتھ تفسیر طبری کا خلاصہ ترجمہ بھی انہیں علماء کا کیا ہوا موجود ہے۔ حال ہی میں ایران میں چھپ گیا ہے۔ یہ بادشاہ منصور بن نوح کے حکم سے ۳۴۵ھ میں انجام پایا تھا اس سے کچھ ہی بعد کے فارسی ترجمے سورابادی، زاہدی، اسفرائنی اور خواجہ عبداللہ انصاری نے کیے جن میں سے بعض چھپ بھی گئے ہیں۔ سامانی دور کے ترکی ترجمے البتہ ابھی ناشر کے انتظار میں ہیں۔

جاحظ (متوفی ۲۵۵ھ) نے اپنی کتاب البیان والتبیین (ج ۱، ص ۱۳۹) میں لکھا ہے کہ:

''موسیٰ بن سیار الاُسواری قرآن کی فارسی میں تفسیر کیا کرتے تھے۔'' (۷)

بزرگ بن شہریار نے اپنی کتاب عجائب الہند والصین (طبع یورپ ص ۲ تا ۳) میں لکھا کہ ۲۷۵ھ کے لگ بھگ کامل قرآن مجید کا شمالی ہند کی ایک زبان میں (شاید سندھی یا ملتانی ہو) ترجمہ ہو گیا تھا۔ (۸)

❸ ترجمۂ قرآن کے ناجائز ہونے کا ادّعا

جواز اور عمل کی ان پرانی اور مستند روایتوں کے باوجود گزشتہ صدی کے اواخر میں خاص کر ترکی سلطنت اور اس کے مصر شام وغیرہ علمی نقطۂ نظر سے ترقی یافتہ عربی صوبوں میں یہ دعویٰ کیا جانے لگا کہ قرآن مجید کی اعجاز بیانی کی وجہ سے اس کا کسی دوسرے زبان میں ترجمہ ناجائز ہے اور یہ خیال ابھی حال حال تک باقی رہا ہے۔ مجھے یاد پڑتا ہے کہ جب محمد مارماڈیوک پکتھال نے نظام حیدر آباد عثمان علی خان کی سرپرستی میں قرآن مجید کا انگریزی ترجمہ کیا اور پھر مزید احتیاط کے لیے مصر جا کر شیخ الازہر کی نگرانی میں اس کی نظر ثانی بھی کی اور شائع کیا تو اس کا داخلہ مصر میں ممنوع قرار دیا گیا! اس نقطۂ خیال کو سمجھنے کی کوشش کی تو مجھے دو باتیں نظر آئیں۔

① ترجمے کی حرمت کے خیالات کا ذکر کرنا اور ان کا اچھالنا اسلامی کتب و رسائل سے زیادہ عیسائی مشنریوں کے رسالوں میں نظر آیا۔

② یہ اس زمانے کا ذکر ہے کہ جب قریب قریب سارے اسلامی ملکوں پر فرنگی عیسائیوں کا قبضہ ہو گیا تھا۔

کیا ان حقائق کو اتفاقات سے سمجھا جائے۔ یا ان میں باہم ربط وصلہ سمجھا جائے؟ اسے بھی نہ بھلایا جائے کہ سیاہ افریقہ ہی نہیں الجزائر وغیرہ عربی علاقوں میں بھی فرنگی حاکموں نے عربی زبان کی تعلیم بند کر دی، غیر سرکاری اسلامی مدرسے بھی مسدود کر دیئے۔ ہندوستان میں انگریز مشنریوں نے تو اس کی بھی کوشش کی کہ قرآن کے سارے نسخے خرید کر ان کو تلف کر دیں۔

میں ان سب سے یہ نتیجہ اخذ کرتا ہوں کہ ان عیسائیوں نے چاہا کہ مسلمان عربی سے نابلد ہو جائیں اور مقامی زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ بھی نہ ہو۔ اس طرح عیسائیت کے لیے میدان خالی ہو جائے۔ مگر تدبیر کند بندہ، تقدیر زند خندہ۔ ہوا یہ کہ ان مہربانوں نے یہ فرض کیا کہ قرآن مجید کا ترجمہ عرب ہی کریں گے۔ اسی لیے یہ خیال عربی ممالک میں پھیلایا یا غالباً کسی مشنری نے ایک بھولے بھالے مسلمان عالم سے کہا: قرآن مجید کی زبان واقعی ایک معجزہ ہے۔ اس کا ترجمہ ناممکن ہے! یہ بھولے بھالے فاضل خوشی سے اُچھل پڑے کہ '' الفضل ما شهدت به الاعداء'' (جادو جو سر چڑھ کر بولے) دشمن کی شہادت سے بڑھ کر اور کیا چیز ہو سکتی ہے۔ حلقہ احباب میں فخر سے اس کا ذکر کیا اور جلدی ہی معجز بیان قرآن کا ترجمہ ''ناممکن'' ہے کو ایک قدم آگے بڑھا کر ''ناجائز'' ہے کر دیا۔ اور جیسا کہ عرض ہوا، یہ خیالات عربی ممالک میں پھیلے اور پھیلائے گئے۔

مگر اس منطق میں ایک نقص تھا۔ یہ مفروضہ ہی غلط تھا کہ ترجمے عرب ہی کریں گے کیونکہ تاریخ بتاتی ہے کہ ترجمے ان عجمیوں نے کیے جنھوں نے عربی سیکھی اور علوم اسلامی میں رسوخ حاصل کیا۔ جہاں تک مجھے علم ہے، یہ خیالات ہندوستان، ایران، افغانستان یا ملایا وغیرہ کے علماء میں بالکل نظر نہ آئے۔ مصری، شامی اہل قلم کے خیالات کا انہیں علم ہوا بھی تو بھی بظاہر انہوں نے مسکراہٹ سے زیادہ قابل اعتناء نہ سمجھا ہوگا کیونکہ ہندوستان میں اردو، فارسی ترجمے اسی زمانے میں روز افزوں ہونے لگے۔

ابھی بیان ہوا کہ اسلام کے عہد زریں میں محترم اور ثقہ علماء نے قرآن مجید کے ترجموں پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ مثلاً خواجہ عبداللہ انصاری اپنے فارسی ترجمے اور تفسیر کے متعلق ۵۲۰ھ میں لکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنے پیشروؤں کی (۱۰۷) عربی، فارسی تفسیروں سے استفادہ کیا ہے۔

دنیا میں اسلام کے پھیلنے کی رفتار عربی زبان کے پھیلنے کی رفتار سے زیادہ تیز ہے اور غیر عرب نومسلموں کو اسلام کی اساسی کتاب یعنی قرآن مجید کی ضرورت ہوتی ہے۔اسی لیے ترجمے کی ضرورت پر حکومتوں نے بھی توجہ کی اور علماء ربانیین رحمۃ اللہ علیہم نے بھی جہاں تک سامانی دور کے مذکورہ فارسی اور ترکی ترجموں کا تعلق ہے، میں کہہ سکتا ہوں وہ بہت نفیس ہیں زبان بھی اچھی ہے اور مفہوم بھی خوبی سے ادا کیا گیا ہے۔ ہمالہ تلے کے براعظم میں مسلمان علماء نے قدیم سے، ملک کی مختلف زبانوں میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا۔ اسلام یہاں حضرت عمرؓ کے زمانے میں پہنچا۔ اکیلی اُردو زبان ہی میں آج تک قرآن کے تین سو سے زائد ترجمے ہوئے ہیں اور نئے ترجموں کا شوق تاحال نہ ہند میں ختم ہوا ہے نہ پاکستان میں، ترکی اور فارسی میں بھی اب سو سو سے زیادہ تراجم ہو چکے ہیں۔

یورپی زبانوں میں سے اندلسی اور پولینڈی میں قرآنی تراجم قدیم ہیں۔اس زمانے میں یہ زبانیں عربی خط میں لکھی جاتی ہیں۔ بوشناق یعنی بوسینا (یوگوسلاویہ) میں عربی خط کا ترجمہ قرآن غالباً متاخر زمانے میں ہوا ہے۔شاید گزشتہ صدی سے پہلے کا ایسا ترجمہ موجود بھی نہیں ہے۔

❹ عربی خط

حقیقت یہ ہے کہ عربی خط پر اعراب لگا ہوا ہو تو دُنیا کا کوئی دوسرا خط صحت تلفظ میں اس کا مقابلہ نہیں کرتا ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ (Hamid) تلفظ حَمِد، حامِد، حَمید، حامِید، چار طرح سے ہو سکتا ہے۔اعراب لگے ہوئے عربی خط میں ایسا ابہام ناممکن ہے۔ جسے اللہ نے سمجھ دی وہ اسے سمجھ گیا، جسے نہ دی، نہ سمجھا، یہ بیان کرتے چلیں تو کوئی حرج نہیں کہ قدیم اندلس میں عام مسلمان عربی بولتے لکھتے تھے لیکن بعض اندلسی (غیر مسلم ہی نہیں نومسلم بھی) ایسے بھی تھے جو اندلسی (اسپینی اور پرتگالی زبانیں) بولتے بھی تھے اور لکھتے بھی اور لکھنے میں عربی خط برتتے تھے اور اس عربی خط والی اندلسی زبان کو وہ الأعجمیة کہتے تھے (جو اب بگڑ کر الخمیادہ Aljamiado) ہو گیا ہے۔(اسپنی میں J کا تلفظ

جیم نہیں، خے ہوتا ہے) سینکڑوں الخمیادو مخطوطے آج بھی مغربی کتب خانوں میں محفوظ ہیں ان میں قرآن مجید کے ترجمے بھی موجود ہیں۔

5 غیر مسلم مترجم

قرآن کریم کے اجنبی زبانوں میں ترجمے مسلمانوں نے بھی کیے ہیں، غیر مسلموں نے بھی۔ ظاہر ہے کہ عربی دان مسلمان عالم قرآن کا ترجمہ زیادہ تر اپنے بچوں اور ملک کے عربی نہ جاننے والے مسلمانوں کے لیے کرتا ہے۔ غیر مسلم مترجموں کی غرض مختلف افراد کے لحاظ سے مختلف ہوتی رہی ہے، کوئی اپنے دین کی حفاظت اور اسلام کی پیشروی کو روکنے کے لیے ترجمہ کرتا ہے تا کہ عربی نہ جاننے والے غیر مسلم عالم اس کا مطالعہ کر کے بحث و جدل کے لیے اس میں قابل اعتراض مقامات کا پتہ چلا سکیں لیکن کچھ ایسے بھی رہے ہیں جو محض علم اور اپنی زبان کو متمول کرنے کے لیے بھی اس کام میں مشغول ہوئے ہیں، اسی طرح عربی دانی بھی افراد کے لحاظ سے کم و بیش ہوا کرتی ہے۔

جہاں تک غیر مسلموں کے کیے ہوئے ترجموں کا تعلق ہے، غالباً قدیم ترین سُریانی زبان میں ہے یہ تو معلوم نہیں کہ سُریانی عیسائیوں نے کامل قرآن کا ترجمہ کیا یا نہیں۔ لیکن جو اقتباسات جدل اور مباحثوں کی کتابوں میں ملتے ہیں وہ حجاج بن یوسف کے زمانے یعنی پہلی صدی ہجری کے نصفِ دوم سے متعلق ہیں۔ یہ لوگ ذِمّی یعنی اسلامی رعایا سے تھے اور سُوریا یعنی شام میں رہتے تھے ان کتابوں کے وجود سے پتہ چلتا ہے کہ مسلمان روادار اور فراخ دل تھے کہ اپنی غیر مسلم رعایا کو اس کی بھی اجازت دیتے تھے کہ اسلام کے خلاف اپنے اختلاف کا برملا بھی اظہار کریں۔

بیزنطینی نصرانیوں کی یونانی کتابوں میں بھی جو مذہبی جدلی اور مباحثوں پر ہیں، قرآنی اقتباسات ملتے ہیں، فرانسیسی مستشرقین وِے ساں مونتے ای (Prof. Vincet Monteil) جنھوں نے ابھی حال میں ۱۹۷۷ء میں اپنے اسلام کا اعلان کیا ہے اپنی پرانی کتاب میں لکھا تھا کہ بیزنطینی پادری نِقی طاس (Nicitas) نے قرآن کے ایک حصے کا کامل اور باقی کا خلاصہ ترجمہ یونانی زبان میں کیا تھا؟ لیکن نہ تفصیل دی، نہ حوالے بیان کیے۔ فرانسیسی فاضل مستشرقہ مس دالوریِنی (Dialverny) نے مجھ سے بیان کیا کہ نِقی طاس نویں صدی عیسوی (تیسری صدی ہجری) یعنی عباسی دور کا مؤلف اس نے اسلام کے خلاف کئی جدلی رسالے لکھے ہیں (جو پاترولوگیا گریکا)

(Patrologia Graeca) نامی کتاب میں چھپ چکے ہیں اوران میں قرآنی اقتباسات یونانی زبان میں ملتے ہیں۔ان معلومات پر میں مس صاحبہ کاشکر گزار ہوں۔

یونانی کے بعد یورپی زبانوں میں قدیم ترین قرآنی ترجمہ لاطینی میں ہوا جو قرون متوسط میں سارے یورپ کی مشترکہ علمی زبان تھی ایسا قدیم ترین ترجمہ میرے علم کی حد تک ۱۱۴۱ء میں ہوا اور اندلس کی بات ہے دیگر یورپی زبانوں میں سے اطالوی میں ۱۵۳۰ء میں جرمن میں ۱۶۱۶ء میں، ولندیزی (ہالینڈی) میں ۱۶۴۱ء میں، فرانسیسی میں ۱۶۴۷ء میں اور انگریزی میں ۱۶۴۸ء میں پہلی بار قرآن کا ترجمہ چھپا۔نشاۃ ثانیہ، یورپ میں، سولھویں صدی عیسوی میں اٹلی سے شروع ہوئی پھر باقی مغربی یورپ میں سترہویں صدی میں پھیلی، مشرقی یورپ میں قدیم ترین روسی ترجمہ اٹھارہویں صدی عیسوی سے ملتا ہے۔سابقہ ترجموں کی اصلاح کے لیے مختلف فرنگی زبانوں میں یکے بعد دیگرے متعدد ترجمے چھپتے رہے ہیں۔

❻ عربی زبان غیر عربی خط میں

یہ بھی شاید قابل ذکر ہے کہ بعض عجمی لوگ قرآن کے عربی متن کو اپنے غیر عربی خط میں بھی نقل کرتے رہے ہیں ایسی قدیم ترین مثال سُریانی مخطوطوں میں ملتی ہے جو پہلی صدی ہجری کی چیز ہیں چونکہ سُریانی زبان سے عربی اتنی ہی قریب ہے جتنی مثلاً فارسی زبان اردو سے، اس لیے عربی عبارت کو سُریانی پڑھنے والے کم وبیش سمجھ لیتے تھے اس کے بعد یہودیوں نے قرآن کو عبرانی خط میں لکھا۔پھر اہل یورپ نے لاطینی (انگریزی) خط میں بھی منتقل کیا۔ ہمارے اپنے زمانے میں آج کل بنگالی، ترک، چینی وغیرہ میں لوگوں نے بھی یہی کیا اور آج کل کوریا والے بھی اپنے زیر تالیف ترجمہ قرآن میں عربی متن بھی کوریائی رسم الخط میں دے رہے ہیں اس کی ایک اور ضرورت چھوٹے پیمانے پر یہ بھی ہے کہ نومسلم کو پہلے ہی دن سے نماز پڑھنا لازم ہے اور نماز میں سورۃ التحیات اور دیگر دعائیں صرف عربی میں ہوتی ہیں جو زبانی یاد کر کے پڑھنی ہوتی ہیں۔عربی خط سیکھنے میں کافی وقت لگتا ہے اس لیے فوری ضرورت کے لیے یہ عربی متن گراموفون کے علاوہ فرنگی یا دیگر خطوں میں لکھنے پر حفظ میں سہولت ہوتی ہے مگر اس عارضی کو مستقل بنانے کی خواہش کی حوصلہ افزائی نہیں کی جانی چاہیے خوشی کی بات ہے کہ ناروِچ کے نومسلم انگریز اب انگریزی زبان کو

روزافزوں عربی خط میں لکھ رہے ہیں ایسا ایک ترجمہ قرآن بھی چھپنا شروع ہوا ہے۔ حدیث وغیرہ کے ترجمے بھی انگریزی زبان اور عربی خط میں چھپنے کے لیے تیار ہو رہے ہیں۔

تراجم قرآن کی تفصیل پر کتب ورسائل

تقریباً پچاس ایک سال قبل جرجی زیدان نے اپنے عربی ماہوار رسالہ الہلال (مصر) میں ایک مختصر فہرست شائع کی تھی کہ کس زبان میں کس نے قرآن کا ترجمہ کیا ہے۔ یہ رسالہ اس تحریر کے وقت پیش نظر نہیں ہے کہ تاریخ دے سکوں کچھ معلومات جواد سلماہی زادہ کی فارسی کتاب ''تاریخ سیر ترجمہ قرآن در اروپا وآسیا'' تہران، شہریو ۱۳۲۴ء میں، اور کچھ محمد سالم قاسمی کی اردو کتاب ''جائزہ تراجم قرآنی'' مطبوعہ دیوبند ۱۹۶۸ء میں ہیں، لیکن الفاظ پر اعراب نہ ہونے سے فرنگی ناموں کا پڑھنا آسان نہیں، خاص کر جب غیر انگریزی الفاظ کو انگریزی کے طور پر پڑھ کر عربی خط میں لکھا جائے۔ عبدالصمد صارم کی ''تاریخ القرآن'' کا یہی حال ہے۔

میری اپنی ''القرآن فی کل لسان'' "Quran in Every Language" کا تیسرا ایڈیشن ۱۳۶۶ھ/ ۱۹۴۷ء میں حیدرآباد (دکن) میں چھپا تھا (۹) اس میں فرنگی اور اصحاب الشمال کی زبانوں کے معلومات لاطینی خط میں اور عربی خط میں لکھی جانے والی زبانوں اردو، فارسی، پشتو، ترکی وغیرہ) کو عربی خط میں دیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس تیس سال میں یہ معلومات پرانے ہو گئے ہیں، میرے پاس جو تازہ ترین معلومات ہیں وہ (France Islam) نای پاریس کے فرانسیسی ماہنامے میں حروف تہجی پر چھپ رہے ہیں چنانچہ آغاز Abyssin یعنی حبشی زبان سے ہوا اور اب ۱۹۷۷ء میں حرف G میں گا ملک زبان تک پہنچا ہوں۔ اس میں ہر زبان کے تمام معروف کامل و جزئی ترجموں کا ذکر، مؤلف کے نام اور مقام اشاعت اور اشاعت کی تاریخوں کی بھی تفصیل رہتی ہیں اور ہر زبان میں بطور نمونہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ دیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آئے دن نئے ترجمے نکلتے ہیں اور شائع شدہ معلومات اضافہ طلب ہو جاتے ہیں میرے فرانسیسی ترجمہ قرن کے دیباچے میں صرف یورپی زبانوں کے ترجموں کی تفصیل دی گئی ہے۔ یہ اب تک آٹھ بار چھپا ہے۔ فرنگی ماخذ بہ کثرت ہیں۔ ہر انسائیکلوپیڈیا کا کچھ ذکر آتا ہے اور خصوصی مراجع کی کتابوں میں بھی اہم تر کا ذکر کرتا ہوں:

① BRUNET, MANUEL DU LIBRAIRE, 1962, III, 1306-1310.

② VICTOR CHAUIN, BIBLIOGRAPHIE DES OUVRAGES ARABIS OU RELATIS AUX ARABES, LIEGE-LIPZIG 1907, VOL. X, LE CORANET LA TRADITION.

③ EBERT, ALLGEMEINES BIBLIOGRAPHIS CHEN LEXIKON 1821, I, 945-947.

④ S. KEYZER, BIJZONDERHEDEN NOPENS ALMEDE BEOORDLING VAN DE BESTENDE KORANVERTALIGEN OP JAVA, 1863.

⑤ PFANMULLER, HANBUCH DER ISLAMLITTERATUR, A QURAN

⑥ SCHNURRER, BIBLIOTHECA ARABICA, I, LVII-LXII

⑦ STOREY, PERSIAN, LITERATURE, VOL, 1, QURAN AND TAFSIR.

⑧ VETH, JETS OVER DE VERTALIGEN DES KURANS IN DE TALEN VAN DEN INDISCHEN ARCHIPEL, 1867.

⑨ D, VAN WIJK, DE KORANISCHE VERHALEN IN HET MALEISCH, BATAVIA 1893.

⑩ ZENKER, BIBLIOTHECA ORIENTALIS, I, 167-174, II, 85-88 .

⑪ MOSLIM WORLD, USA, JULY AND OCTOBER 1927.

⑫ MISSION SBLATT, BARMEN 1883, P.58-76.

ان پرانے ماخذوں میں سے نمبر۳ اور نمبر۵ زیادہ اہم ہیں آخرالذکر دو رسالے بھی کارآمد ہیں نمبر۷ میں صرف فارسی ترجمہ کا ذکر ہے جس طرح ترکی کتاب قرآن تاریخی (Kurian Tarihi) میں جو میں اور ماجد پاشاء اوغلو نے مل کر شائع کی۔ صرف ترکی ترجموں کا ذکر ہے۔

موجودہ معلوم ترجمے

ان تمہیدی معلومات کے بعد بطور خلاصہ عرض ہے کہ میرے ناچیز وحقیر علم میں فی الوقت ذیل کی زبانوں میں قرآن کے ترجمے موجود ہیں۔

نمبر شمار	زبان	ملک	خط	مقدار ترجمہ	تعداد تراجم
۱	آذری	ایشیا	عربی دروسی	کامل	۴
۲	آسامی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۳	ایثوبی (حبشی)	افریقہ	خاص	کامل	۲
۴	اراغونی	یورپ	لاطینی	کامل	۲
۵	اُردو	ایشیا	عربی	کامل	تین سو سے زائد
۶	آئرلینڈی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۷	ارمنی	ایشیا	خاص	کامل	۵
۸	آڑیا	ایشیا	خاص	جزئی	۱

	اسپینی			دیکھوتحت	قشتالی
	اسکائیلنڈی			دیکھوتحت	گاملک ولو
					لینڈی
۹	آئسلینڈی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۱۰	اطالوی	یورپ	لاطینی	کامل	۱۲
۱۱	افریقانیہ	افریقہ	عربی	کامل	۲
۱۲	امریکانس	افریقہ	لاطینی	کامل	۴
۱۳	البانی	یورپ	عربی ولاطینی	کامل	۴
۱۴	الخمیادو	یورپ	عربی	کامل	۳۶مخطوطے
۱۵	امہری	افریقہ	خاص	کامل	۱
۱۶	انڈونیسی	ایشیا	عربی ولاطینی	کامل	۶
۱۷	انگریزی	یورپ	لاطینی	کامل	۹۲
۱۸	اوکرانی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۱۹	سپرانتو	یورپ	لاطینی	کامل	۴
۲۰	ایستونی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۲۱	ایوہے	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۲۲	سُسک	یورپ	لاطینی	جزئی	۱

۲۳	بربر	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۲۴	برمی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۲۵	بُرنو	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۲۶	بروہوی	ایشیا	عربی	کامل	۱
۲۷	بریتونی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۲۸	بُشناق	یورپ	لاطینی	کامل	۱
	بُشناق	یورپ	روسی	کامل	۴
	بُشناق	یورپ	عربی	جزئی	۳
۲۹	بلغاری	یورپ	روسی	کامل	۳
۳۰	بلوچی	ایشیا	عربی	کامل	۳
۳۱	بمبر	افریقہ	عربی ولاطینی	جزئی	۲
۳۲	بنگالی	ایشیا	عربی وخاص	کامل	۲۵
۳۳	(بوہمی)	یورپ	لاطینی	کامل	۴
۳۴	پالی	ایشیا	خاص	جزئی	۱
۳۵	پرتگالی	یورپ	لاطینی	کامل	۴
۳۶	پرووانسالی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۳۷	پشتو	ایشیا	لاطینی	کامل	۵

۳۸	پلات واچ	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۳۹	پنجابی	ایشیا	عربی	کامل	۵
۴۰	پولینڈی	یورپ	عربی	کامل	۳
	پولینڈی	یورپ	لاطینی	کامل	۵
۴۱	تامل	ایشیا	خاص وعربی	کامل	۵
۴۲	ترکستانی	ایشیا	عربی	کامل	۲
۴۳	ترکی	یورپ وایشیا	اویغوری	جزئی	۲
	ترکی	یورپ وایشیا	عربی ولاطینی	کامل	سوسے زائد
۴۴	تلنگی	ایشیا	خاص	کامل	۶
۴۵	تھائی لینڈی	ایشیا	خاص	کامل	۲
۴۶	جاپانی	ایشیا	خاص	کامل	۷
۴۷	جاوی	ایشیا	عربی	کامل	۵
۴۸	جرمن	یورپ	لاطینی	کامل	۱۴۹
۴۹	چینی	ایشیا	خاص	کامل	۱۳
۵۰	حوسا	افریقہ	عربی ولاطینی	کامل	۲
۵۱	دانمارکی	یورپ	لاطینی	کامل	۶
۵۲	دکھنی	ایشیا	عربی	کامل	۱

۵۳	ڈیولا	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۵۴	روسی	یورپ وایشیا	روسی (کریلی)	کامل	۱۱
۵۵	رومانش	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۵۶	رومانوی	یورپ	لاطینی	کامل	۲
۵۷	زُولو	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۵۸	سارا کولا	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۵۹	سریانی	ایشیا	خاص	جزئی	۱
۶۰	سندانی	اوقیانوسیہ	لاطینی	جزئی	۱
۶۱	سندھی	ایشیا	عربی	کامل	۳۶
۶۲	سنسکرت	ایشیا	خاص	جزئی	۳
۶۳	سنہالی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۶۴	سواحلی	افریقہ	عربی ولاطینی	کامل	۲
۶۵	سونرائی	افریقہ	عربی	جزئی	۱
۶۶	سویڈنی	یورپ	لاطینی	کامل	۳
۶۷	عبرانی	ایشیا	خاص	کامل	۵
۶۸	عربی	ساری دنیا	عربی ودیگر	کامل	اصل
۶۹	فارسی	ایشیا	عربی	کامل	سوسے زائد

۷۰	فرانسسی	یورپ	لاطینی	کامل	۴۶
۷۱	فریزونی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۷۲	فُلّاتا	افریقہ	عربی	کامل	۲
۷۳	فلاماں	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۷۴	فنلینڈی	یورپ	لاطینی	کامل	۱
۷۵	قشلانی	یورپ	لاطینی	جزئی	۳
۷۶	قشتالی	یورپ	عربی ولاطینی	کامل	۱۹
۷۷	کورجا	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۷۸	کُردی	جنوبی امریکہ	عربی ولاطینی	کامل	۱
۷۹	کرئیول	ایشیا	لاطینی	جزئی	۲
۸۰	کشمیری	افریقہ	عربی	کامل	۱
۸۱	کمبوجی	ایشیا	خاص	جزئی	۳
۸۲	کنٹری	ایشیا	خاص	کامل	۱
۸۳	کوتوکولی	ایشیا	لاطینی	جزئی	۱
۸۴	کوریائی	افریقہ	خاص	کامل	۲
۸۵	کوکنی	ایشیا	عربی	جزئی	۲
۸۶	کوہستانی	ایشیا	عربی	جزئی	۱

۸۷	کیوا	ایشیا	لاطینی	جزئی	۱
۸۸	گالہ	جنوبی امریکہ	عربی	جزئی	۱
۸۹	گائلک	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۰	گجراتی	ایشیا	خاص وعربی	کامل	۶
۹۱	گرجستانی جرجانی	ایشیا	لاطینی	جزئی	۱
۹۲	گروز	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۳	گورمکھی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۹۴	لاپلینڈی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۵	لاتوی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۶	لاطینی	یورپ	لاطینی	کامل	۴۴
۹۷	لوگانڈی	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۹۸	لولینڈی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۹۹	مِجندناو	ایشیا	عربی ولاطینی	کامل	۲
۱۰۰	مرہٹی	ایشیا	خاص	کامل	۱
۱۰۱	مکاسری	ایشیا	خاص	جزئی	۲
۱۰۲	ملایو	ایشیا	عربی ولاطینی	کامل	۵
۱۰۳	ملایالم	ایشیا	خاص	کامل	۲

۱۰۴	ملتانی	ایشیا	خاص	کامل	۲
۱۰۵	مدگاش	افریقہ	عربی ولاطینی	جزئی	۲
۱۰۶	مینی	ایشیا	عربی	جزئی	۱
۱۰۷	ناروبجی	یورپ	لاطینی	جزئی	۲
۱۰۸	ولاپوکی	یورپ	لاطینی	جزئی	۱
۱۰۹	ولندیزی ہالینڈی	یورپ	لاطینی	کامل	۷
۱۱۰	ولوف	افریقہ	عربی ولاطینی	جزئی	۲
۱۱۱	ہندی	ایشیا	خاص	کامل	۴
۱۱۲	ہنگروی	یورپ	لاطینی	کامل	۲
۱۱۳	یِدش	یورپ	عبرانی	جزئی	۳
۱۱۴	یروبا	افریقہ	لاطینی	جزئی	۱
۱۱۵	یوروبا	افریقہ	عربی ولاطینی	کامل	۱
۱۱۶	یونانی	یورپ	خاص	کامل	۵

نوٹ: اگر نمبر ۱۱، نمبر ۱۲، افریقانیہ اور افریکانس کو ایک ہی زبان شروع (شمار) کریں تو تعداد (۱۱۵) رہے گی حقیقت میں ان میں رسم الخط کا فرق ہے اور بس۔ (۱۰)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ الاحزاب۳۳:۶۔

۲۔ الشعراء۲۶:۱۹۵۔

۳۔ الرحمٰن۵۵:۲۹۔

۴۔ سبا۳۴:۲۸۔

۵۔ السرخسی، کتاب المبسوط، ج۱،ص۳۷۔

عربی عبارت کچھ یوں ہے:

''روی أن الفرس کتبوا الی سلمان الفارسی رضی اللّٰہ عنہ أن یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ ، فکانوا یقرؤن ذلک فی الصلوٰۃ حتی لا نت ألسنتھم للعربیۃ ''

۶۔ تاج الشریعہ، النھایۃ حاشیۃ الھدایۃ، طبع دہلی، ۱۹۱۵ء، ج۱،ص۸۶۔

عربی عبارت کچھ یوں ہے:

أن یکتب لھم الفاتحۃ بالفارسیۃ '' فکتب (بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم - بنام یزدان بخشاوندہ الخ) وبعد ما کتب عرضہ علی النبی ﷺ ثم بعثہ الیھم ، ولم ینکر علیہ النبی ﷺ -

۷۔ الجاحظ، ابی عثمان عمرو بن بحر، البیان والتبیین، مصر ۱۹۵۷ء، ج۱،ص۱۲۹۔

قال الجاحظ فی البیان '' ان موسی بن سیار الأسواری کان یفسر القرآن بالفارسیۃ''

۸۔ بزرگ بن شہریار، عجائب الھند والصین، طبع یورپ،ص۲-۳۔

'' أن القرآن ترجم کاملا فی سنۃ ٣٤٥ھ تقریبا الی إحدی لغات شمال الھند

۹۔ ''القرآن فی کل لسان'' کے تاریخی پس منظر اور اس کی طباعت کی تفصیلات خود ڈاکٹر صاحب کی زبانی پیش خدمت ہیں لکھتے ہیں:

حیدرآباد (دکن) میں مرحوم ابو محمد مصلح صاحب (سابق مدیر ترجمان القرآن) نے جو بہار کے باشندے تھے اور ''بچوں کی تفسیر'' کے مؤلف، لاہور وغیرہ میں عرصہ تک قرآن مجید کی خدمت میں سرگرم رہ چکے تھے۔ ''عالمگیر تحریک قرآن مجید'' کے نام کی ایک انجمن ۱۳۴۳ھ/۱۹۲۸ء میں قائم کی، اس کا مقصد دنیا کی ساری زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے شائع کرنا تھا، رفتہ رفتہ مجھے بھی اس سے واقفیت ہوئی اور مؤسس کا ہاتھ بٹانے کی تھوڑی بہت مجھے بھی سعادت حاصل ہوئی۔ چنانچہ ۱۳۶۴ھ/۱۹۴۵ء میں ''القرآن فی کل لسان'' (Quran In Every Language) نامی کتاب اسی انجمن نے شائع کی، اس میں ۲۳ زبانوں کے بارے میں مواد تھا، ہر زبان کے سارے معلوم مترجموں اور ترجموں کی فہرست اور بطور نمونہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہر زبان کے ساتھ شامل کیا گیا، کتاب بہت مقبول ہوئی، والحمدللہ، اور دوسرے ہی سال ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں اس کا دوسرا ایڈیشن نکلا اور اس دفعہ ۴۳ زبانوں کا ذکر کیا جا سکا، پھر مانگ کی کثرت سے ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں تیسرا ایڈیشن بھی نکلا جس میں ۶۷ زبانوں کے ترجموں کا پتہ چلا تھا۔

مزید تفصیلات کے لیے دیکھیے، (تراجم قرآن مجید، از ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ، ج ۱۴۲، عدد ۵، نومبر ۱۹۸۸ء ص ۳۷۹۔۳۹۱۔

۱۰۔ ماہر القادری، ماہنامہ فاران، کراچی، جلد نمبر ۲۹، شمارہ ۹، دسمبر ۱۹۷۷ء ص ۲۵۔۲۳

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا یہ مقالہ پہلی بار مولانا ماہر القادری، کے ماہنامہ فاران، کراچی میں شائع ہوا، ہم ماہنامہ فاران کے شکریہ کے ساتھ اس کو دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔ متن مقالہ میں کوئی اضافہ اور ترمیم نہیں کی گئی، البتہ حواشی و حوالہ جات کا اضافہ کیا گیا ہے۔

تراجم قرآن مجید۔ تازہ بتازہ نو بنو

* ڈاکٹر محمد حمید اللہ

تمہید

تیس برس ہوتے ہیں، موقر رسالہ ''معارف'' کے دسمبر ۱۹۵۹ء (۱) کے شمارے میں میرے ایک مضمون کو اشاعت کی عزت بخشی گئی تھی، '' قرآن مجید کے فرانسیسی ترجمے'' اس میں اس وقت تک کے سارے معلوم فرانسیسی ترجموں کا تاریخ وار ذکر کیا گیا تھا اور ان چھبیس (۲۶) تراجم کی فہرست میں سب سے آخری وہ تھا جسے اس سے ایک ہی مہینہ پہلے یکم نومبر ۱۹۵۹ء کو شائع کرنے کی مجھے سعادت حاصل ہوئی تھی، اُس مضمون میں خاص کر اس آخری ترجمے کی سرگزشت بھی درج تھی کہ کن حالات میں وہ کام ہاتھ میں لیا گیا اور کس طرح جلد اور جلدی میں تکمیل کو پہنچایا گیا۔

ان تین دہ سالگیوں میں بہت سے نئے ترجمے بھی شائع ہوئے ہیں اور اپنی بعض پرانی معلومات کی اصلاح بھی کرنی پڑی ہے، جس سے ناظرین معارف کو ناواقف نہیں رہنا چاہیے، اجازت ہو تو آج، اسی موضوع پر عود بھی کروں اور نظر ثانی بھی، اور اس کی ایک ضمنی، ذیلی تقریب یہ بھی ہوئی ہے کہ خود میرے ترجمہ کا، خدا کی ششدر کرنے والی عنایت سے، پندرھواں ایڈیشن اس وقت مطبع میں ہے، پروف دیکھ چکا ہوں، سابق میں کچھ نہیں تو دو ڈھائی لاکھ نسخوں کی نکاسی ہو چکی ہے اور مانگ کی کثرت سے اس دفعہ نیا ایڈیشن ناشر ایک لاکھ کی تعداد میں چھاپ رہا ہے۔ وللّٰہ الحمد والمنّة

اس تمہید کی تتمیم کرتے ہوئے عرض کروں گا کہ مقالہ ہذا کی تدوین کے لیے جب معارف موقر کا متعلقہ پرانا شمارہ نکالا تو کچھ عجیب باتوں سے بھی دوچار ہوا۔ اس میں مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب بھی مقالہ نگاروں میں تھے اور ان کا نام اب رسالے کے ٹائٹل کو زیب دے رہا ہے۔

---

* بشکریہ ''ماہنامہ معارف'' اعظم گڑھ، نومبر ۱۹۸۸ء (ص ۳۷۹۔۳۹۱)

اسی ٹائٹل کے آخری صفحہ پر ''خطبات ِمدراس'' اور ''رحمت عالم'' جیسی شہرہ آفاق کتابوں کا اشتہار بھی دیا تھا، ابھی ابھی اطلاع آئی ہے کہ میری ''خطبات ِبہاولپور'' کا نظر ثالث شدہ ایڈیشن اسلام آباد میں چھپ گیا ہے جو ''خطبات ِمدراس'' ہی کا خوشہ چین اور گویا تکملہ ہے، اسی طرح میری فرانسیسی سیرۃ النبیؐ کے پانچویں ایڈیشن کے پروف بھی آئے ہوئے ہیں اوران شاء اللہ چند ماہ میں چھپ جائیں گے۔

اسی شمارہ میں جگن ناتھ آزاد کی منظوم تاریخ انسانیت سے ختم المرسلینؐ کی ولادت باسعادت کا متعلقہ اقتباس بھی پڑھا، بے اختیار آنسو بہ نکلے معلوم نہیں موصوف ابھی بقید حیات ہیں یا نہیں (۲)۔جی چاہتا ہے کہ اس نظم کا فرانسیسی ترجمہ کرکے یہاں کے کسی رسالہ میں شائع کروں (۳)، واللہ المستعان، یہ ہوسکا تو ان شاء اللہ اطلاع دوں گا۔

❶ آمدم برسر مطلب: تصحیح

دسمبر ۱۹۵۹ء کے معارف کے محولہ پرانے مضمون میں' پرانی معلومات کی اساس پر (جو ''جویش انسائیکلوپیڈیا'' پر مبنی تھیں) عرض کیا تھا کہ اولین معلوم فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید طلیطلہ (اندلس) کے عالم دون ابراہام (Don Abraham) (غالباً یہودی) کا ہے، قشطیلہ کے حکمراں الفونسو دہم (حکمرانی ۶۵۰ھ/۱۲۵۲ء تا ۶۸۳ھ/۱۲۸۴ء) کے حکم سے یہ کام اسپینی زبان میں کیا گیا، اور پھر اسپینی سے بون آوین تورا دے سیوے (Bonnaventura De Seve) نے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔مگر روما کے آنجہانی فاضل پروفیسر لیوی دیلاّ وِیدا (Levi Della Vida) نے اپنے ایک عنایت نامے میں مجھے لکھا تھا کہ یہودی انسائیکلوپیڈیا کے مقالہ نگار اشٹائن شنائیڈر (Steinschnider) کو غلط فہمی ہوئی ہے۔دون ابرہام نے سورۂ معارج کا نہیں، بلکہ ایک عربی معراج نامے کا اسپینی میں ترجمہ کیا تھا، یہ کتاب اتنی مقبول ہوئی کہ اس کا لاطینی اور فرانسیسی میں Bonaventura De Sienne نے ترجمہ کیا، اور یہ کہ اس کا نام (De Seve) غلط ہے، یہ ایک شہر ہے جو اٹلی میں ہے اور اطالوی میں Siena لکھا جاتا ہے (یعنی سئے ناوالا) اس موضوع پر دیکھو چیرولی کی اطالوی کتاب معراج "E.Cerulli; il Libro Della Scalla." میری تازہ معلومات کے مطابق قدیم ترین فرانسیسی ترجمہ قرآن دون ابراہام کا نہیں، بلکہ میشائیل بوڈے (Michael Baudier) کا ہے جس کا زمانہ ۱۵۸۰ء تا ۱۶۴۵ء کا ہے یہ مستقل ترجمہ قرآن تو نہیں ہے، بلکہ اس کی کتاب ''ترکوں کے مذہب کی تاریخ''

(Histoire De La Religion Des Turcs) مطبوعہ پاریس ۱۶۲۵ء میں بکثرت آیات قرآن کا کامل مفہوم یا تلخیص وخلاصہ دیا گیا ہے، اچھا ہو یا برا، یہ سب سے پرانا ترجمہ ہے جو فرانسیسیوں کو ان کی اپنی زبان میں پڑھنے کو ملا تھا۔

معارف کے محولہ پرانے مضمون میں فرانسیسی تراجم کی مجموعی تعداد چھبیس (۲۶) دی گئی تھی، میرے زیر طبع فرانسیسی ترجمہ قرآن کے دیباچے میں فرنگی زبانوں کے تراجم قرآن کی جو فہرست ہے، اس میں فرانسیسی میں اب پورے ستر (۷۰) ترجمے بلکہ کچھ زائد ہی دیئے گئے ہیں، آج اس پوری تفصیل سے بحث نہیں کروں گا، صرف اپنے ترجمے کی سرگزشت عرض کروں گا:

اس کے پہلے ایڈیشن کی ۲۰/اکتوبر ۱۹۵۹ء کو طباعت مکمل ہوئی تھی، اس میں سے چھبیس نسخے خصوصی عمدہ کاغذ پر چھپے، اوران پر حروف (A) تا (Z) بھی درج کیے گئے ہیں (یہ ناشر نے خاص لوگوں کو دیے) مزید ایک سو نسخے بھی اچھے کاغذ پر چھپے، اوران پر اعداد (Ct II, I تا) درج ہیں، اور یہ ناشر کمپنی کے مالکوں اور حصہ داروں کے لیے مخصوص کیے گئے، ان کے علاوہ بارہ ہزار نسخے جن پر ہندسے (2,1 تا 12000) درج ہیں، اور یہ ناشر کمپنی کے شرکاء کے لیے فروخت کے لیے پیش کیے گئے۔ [ناشر کا نام ہے ''کتابوں کا فرانسیسی کلب'' Club Francais Du Livre اوراس کی نشریات صرف ان لوگوں کو فروخت کی جاتی ہیں جو اس کلب کے ممبر بنیں، عام خریداروں کو نہیں]۔ ترجمہ چھپتے ہی ممبر ٹوٹ پڑے، اور یہ ساری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں اور ناشران کو ہر کتاب کی اشاعت کی اطلاع اور تفصیل دیتا ہے، چنانچہ اس ترجمہ کی خوبصورت طباعت اور خوبصورت زریں جلد کے باعث ساڑھے بارہ ہزار نسخے صرف دو ہفتوں میں بک گئے، خفیف اصلاح کے بعد دوسرا ایڈیشن نومبر ۱۹۵۹ء میں کلب ہی نے چھاپا، اس کا ایک چوری کا عکس ایڈیشن قم میں بلا تاریخ چھپا، تیسرا اور چوتھا ایڈیشن ناشر کی اجازت سے پاریس کے مطبع قرطاجہ کے مسلمان مالک نے ۱۹۶۳ء میں چھاپے، ان میں ایک میں سے ایک میں عربی متن بھی ہے، پاریس کے ایک غیر مسلم ناشر کتب پادو (Padoux) نے ۱۹۶۵ء میں ایک نیا پانچواں ایڈیشن بہ اجازت چھاپا، اس میں جو عربی متن ہے وہ ترکی کے ایک مشہور خطاط کا لکھا ہوا ہے، اور ترکی کے محکمہ امور مذہبی نے اس کا عکس چھاپا تھا مگر اس فرانسیسی ناشر نے ترکی حکومت سے اجازت لینی ضروری نہ سمجھی، اس ایڈیشن کی دو جلدیں ہیں۔

ایک میں قرآن کا متن وترجمہ، اور دوسری میں کچھ لغو تصویریں ہیں اور گویا ترجمے کی ہمراہی جلد ہے،

یہ مؤلف سے پوچھے بغیر نئے ناشر نے کیا تھا، چھٹا اور ساتواں ایڈیشن مؤلف کی نظر ثانیوں کے بعد اصل ناشر ہی نے ۱۹۶۶ء اور ۱۹۷۱ء میں چھاپے، آٹھواں نظر ثانی شدہ ایڈیشن عربی متن کے ساتھ ۱۹۷۳ء میں بیروت میں چھپا، اس کے ناشر نے اس کے دو مزید ایڈیشن بلاترمیم چھاپے مگر ان پر تاریخیں درج نہ کیں، نواں چوری کا ایڈیشن جو تیسرے ایڈیشن کا عکس ہے، کتب خانہ اشاعت اسلام، دہلی نے عربی متن کے ساتھ چھاپا، اور اس کے دو مزید ایڈیشن بلا تاریخ طبع ہوئے اور یہ جزیرہ موریشس کے ایک مسلمان تاجر کے مصارف پر نکلے، دسواں ایڈیشن مؤلف کی نظر ثانی سے عربی متن کے ساتھ بیروت میں دو جلدوں میں چھپا، اسی کو ۱۹۸۰ء میں حکومت قطر نے مکرر چھپوایا، گیارہواں ایڈیشن بلاترمیم بیروت میں ۱۹۸۱ء میں ایک جلد میں طبع ہوا، بارہواں ایڈیشن بعد نظر ثانی ۱۹۸۳ء میں انقرہ میں چھپا ہے، ایک چوری کا ایڈیشن جس میں باہر دسواں ایڈیشن لکھا ہے اور اندر گیارہواں ایڈیشن لکھا گیا ہے، بیروت میں چھپا ہے، مگر یہ حقیقت میں، بیروت کے آٹھویں ایڈیشن کا عکسی چھاپا ہے، تیرہواں ایڈیشن مؤلف کی نظر ثانی کے بعد ۱۹۸۵ء میں پچاس ہزار کی تعداد میں امریکہ میں چھپا، چودہواں ایڈیشن مؤلف کے علم و اجازت کے بغیر ۱۹۸۵ء ہی میں پیرس Le Hennin نامی کمپنی نے شائع کیا جو غالباً ایک پرانے ایڈیشن کا عکسی چھاپا تھا اور جس میں عربی متن بھی لگایا جانا معلوم ہوا، یہ کمپنی افلاس کے باعث جلد ہی ٹوٹ گئی اور مؤلف کو اس ایڈیشن کی صورت دیکھنے کا بھی موقع نہ مل سکا، اللہ کی مرضی، پندرہواں ایڈیشن مؤلف کی نظر جدید کے بعد آج کل (یہ مضمون لکھتے وقت، اکتوبر ۱۹۸۸ء میں) امریکہ میں زیر طبع ہے اور اس کے مسلمان ناشر کا بیان تھا کہ مانگ کی کثرت کے باعث اس کے ایک لاکھ نسخے چھاپے جا رہے ہیں، وللہ الحمد،

اپنے اس ترجمے کی خصوصیتیں پرانے مضمون میں لکھ چکا ہوں، نئے ناظرین معارف سے معذرت کرتا ہوں کہ اس کی تکرار نہیں کر سکتا، اس میں سو صفحے سے زائد کا ایک مقدمہ ہے جس میں خاص کر قرآن مجید کی تدوین کی تاریخ اہمیت رکھتی ہے، نئے زیر طبع ایڈیشن میں اس سند کا فوٹو بھی شامل کر رہا ہوں جو مسجد نبوی کے شیخ القراء نے اس گناہگار کو شروع سے آخر تک پورا قرآن مجید ان کو سنانے کے بعد عطا فرمائی تھی، اس میں نسلاً بعد نسلٍ سارے اساتذہ کا ذکر ہے، اور آخری مرحلے میں حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت ابی بن کعبؓ اور حضرت زید بن ثابتؓ پانچ صحابیوں سے سننے کا ذکر ہے، اور اس سے اوپر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم آتے ہیں، اس مقدمہ کے بعد فرنگی زبانوں کے سارے تراجم کا ذکر ہے، یہ انچاس زبانیں ہیں، اور بعض میں کامل

نہیں، صرف جزئی ترجمہ ہوا ہے، ضخامت کے خیال سے مشرقی زبانوں کا اس فہرست میں ذکر نہیں ہے، کتاب میں تین انڈیکس ہیں، ایک مقدمہ کا، دوسرا مترجمین کی فہرست کا اور تیسرا ترجمہ حواشی وقرآن کا، خطاء ونسیان سے مبرا نہیں ہوں، عفو مولا کا فقیر ومحتاج ہوں۔

❷ ترجموں کی فہرست

دنیا میں جتنی بھی عجمی (غیر عربی) زبانیں ہیں ان میں سے ہر ایک میں قرآن مجید کے ترجمے کی ضرورت ہوگی تا کہ جن کو عربی نہیں آتی وہ بھی احکام خداوندی سے واقف ہوسکیں، اسے وہی شخص کرسکتا ہے جسے دونوں زبانیں آتی ہوں، اور اچھی آتی ہوں، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ ایک ہی زبان میں کئی کئی لوگ ترجمہ کرتے ہیں، قرآن مجید کے ترجمہ کا آغاز عہد نبویؐ سے ملتا ہے، مشہور حنفی فقیہ شمس الائمہ سرخسی اور امام تاج الشریعہ بیان کرتے ہیں کہ چند نومسلم ایرانیوں نے حضرت سلمان فارسیؓ سے خواہش کی کہ وہ ان کو نماز کے لیے لابد عنصر یعنی سورۂ فاتحہ کا فارسی ترجمہ مہیا کریں، حضرت سلمان فارسیؓ نے اس کو انجام دینے کے بعد رسول اکرم ﷺ سے عرض کیا، اور آپؐ نے منع نہ فرمایا تو وہ ترجمہ ان کو بھیج دیا، اور یہ لوگ اس کو اس وقت تک نمازوں میں پڑھتے رہے جب تک کہ عربی متن ان کو یاد نہ ہو گیا اور یہ کہ اس فارسی ترجمے کا پہلا جملہ تھا:

''بنام خداوند بخشایندہ مہربان''

جیسے جیسے اسلام پھیلتا گیا، عام تعلیم کے لیے کامل قرآن مجید کے ترجموں کی ضرورت ہونے لگی، دوست ہی نہیں دشمنوں کو بھی، تا کہ اسلام کی تردید کرسکیں، نومسلموں میں فارسی اور ترکی سرفہرست نظر آتے ہیں تو معترضین میں سریانی اور یونانی۔

مجھے معلوم نہیں ساری زبانوں کے معلوم تراجم قرآنی کی فہرست سب سے پہلے کس نے مدون کی، البتہ یہ جانتا ہوں کہ دیگر اسلامی چیزوں کے ساتھ فرنگیوں نے خاص کر گزشتہ صدی میں اس سے بھی دلچسپی لی، مثلاً وکتور شووین (Victor Chauvin) کی فرانسیسی کتاب (مطبوعہ بلجیم) ہے، جس کے عنوان کا ترجمہ ہوگا: ''ان کتابوں کی فہرست سے جو عربی میں، یا عربوں سے متعلق ۱۸۱۰ء سے ۱۸۵۰ء تک عیسائی یورپ میں چھپیں۔'' (مخفف نام۔ ببلیوگرافی (Bibliographie) کی دسویں جلد قرآن اور حدیث سے متعلق ہے، اس میں تراجم قرآن مجید کا کافی مواد ہے، یورپ اور امیرکا کے بڑے کتب خانوں کی فہرست سے مدد ملتی ہے،

امیرکا کے مشنری رسالے ''مسلم ورلڈ'' نے اس بارے میں ایک خصوصی اور طویل مقالہ شائع کیا، غالباً اسی سے لے کر مصر کے عربی رسالے ''الہلال'' میں جرجی زیدان نے بھی ایک مقالہ چھاپا، مگر یہ سب سوکھی پھیکی فہرستیں تھیں جن میں زبان اور مترجموں کے نام اور زیادہ سے زیادہ ترجمے کی تاریخ طباعت درج تھی، مگر میں شروع میں ان سے بھی واقف نہ تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ خود توریت اور انجیل کے تراجم کی بھی مکمل فہرستیں میرے علم میں نہیں پائی جاتی ہیں۔ مجھے اس سے دلچسپی ایک انگریزی کتاب دیکھ کر ہوئی، اس کا نام ہے ''انجیل بہت سی زبانوں میں'' (Gospel in Many Tongues) اس میں کئی سو زبانوں کا نام اور ہر ایک میں انجیل کا ایک مختصر اقتباس بطور نمونہ دیا گیا ہے اس میں عربی بھی ہے اردو بھی، اور ایسی زبانیں بھی جن کا نام مجھے پہلی دفعہ اس کتاب سے معلوم ہوا، یہ کوئی پانچ سات سو زبانوں کے مواد پر مشتمل کتاب تھی جس سے مجھے تاسف ہوا کہ ہم نے قرآن کی کیا خدمت کی ہے؟ اس میں صرف تراجم کے اقتباس ہیں، مترجموں سے بحث نہیں ہے۔

آمدم برسر مطلب، حیدرآباد (دکن) میں مرحوم ابومحمد مصلح صاحب نے (جو غالباً بہار کے باشندے تھے، اور ''بچوں کی تفسیر'' کے مؤلف، لاہور وغیرہ میں عرصہ تک قرآن مجید کی خدمت میں سرگرم رہ چکے تھے) ''عالمگیر تحریک قرآن مجید'' کے نام کی ایک انجمن ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء میں قائم کی، اس کا مقصد دنیا کی ساری زبانوں میں قرآن مجید کے ترجمے شائع کرنا تھا، رفتہ رفتہ مجھے بھی اس سے واقفیت ہوئی اور موسس کا ہاتھ بٹانے کی تھوڑی بہت مجھے بھی سعادت حاصل ہوئی، چنانچہ ۱۳۶۴ھ/ (۱۹۴۵ء) میں ''القرآن فی کل لسان'' نامی کتاب اسی انجمن نے شائع کی، اس میں ۲۳ زبانوں کے بارے میں مواد تھا، ہر زبان کے سارے معلوم مترجموں اور ترجموں کی فہرست اور بطور نمونہ سورۃ فاتحہ کا ترجمہ ہر زبان کے ساتھ تو شامل کیا گیا۔ کتاب بہت مقبول ہوئی، والحمدللہ، اور دوسرے ہی سال ۱۳۶۵ھ/۱۹۴۶ء میں وہیں اس کا دوسرا ایڈیشن نکلا اور اس دفعہ ۴۳ زبانوں کا ذکر کیا جا سکا، پھر مانگ کی کثرت سے ۱۳۶۶ھ/۱۹۴۷ء میں تیسرا ایڈیشن بھی نکلا، جس میں ۶۷ زبانوں کے ترجموں کا پتہ چلا تھا۔

پھر مشیتِ الٰہی یہ ہوئی کہ انگریز بھی ملک بدر ہوں، اور سلطنت آصفیہ بھی بڑے خون خرابے کے ساتھ ختم ہو۔ اس کے بعد سے مجھے اس کا موقع تو نہ ملا کہ کتاب کا نیا ایڈیشن نکال سکوں، لیکن معلومات جمع کرنے کا شوق برقرار رہا، اس کا بھی موقع ملا کہ عالم دوستوں اور ملاقاتیوں کی مدد سے سورۃ فاتحہ کے نئی نئی زبانوں میں ترجمہ کرا کرا اپنے ذخیرے کا حجم ''مصنوعی طور پر بڑھا سکوں، آج کل میرے پاس ڈیڑھ سو سے زیادہ زبانوں کا مواد

فراہم ہوگیا ہے جن میں سے تقریباً اسی میں کامل ترجمہ قرآن ہے، باقی میں جزئی۔

یہ بھی عرض کرتا چلوں کہ تراجم قرآن کی کثرت کے لحاظ سے مشرقی زبانوں میں اردو کا نمبر سب سے پہلے آتا ہے، کہ اس میں پانچ سات سو ترجمے بتائے جاتے ہیں، پھر ترکی اور فارسی کا نمبر آتا ہے، فرنگی زبانوں میں انگریزی، فرانسیسی اور جرمن فائق ہیں۔

جویندہ یابندہ، کتاب کی اشاعت کے وسائل نہ ہونے پر یہ سوچا کہ کتاب کی جگہ مقالے چھاپوں، اتفاق کی بات ہے کہ ۱۹۶۰ء میں ایک ایرانی صاحب سے ملاقات ہوئی جو پیرس سے فرانسیسی زبان میں ''افکار شیعہ'' (La Pense Chi' Ites) نامی ایک دوماہی رسالہ نکالنے لگے، مجھے حرج نہ معلوم ہوا کہ اس کے ہر نمبر میں حروف تہجی پر ایک ایک زبان کا مواد شائع کروں اور ساتھ ہی حسب سابق سورۃ فاتحہ کا ترجمہ بھی اس زبان میں دیتا جاؤں، لیکن دو ہی سال بعد، بارہ ہی نمبر نکلے تھے کہ ۱۹۶۲ء میں یہ رسالہ بند ہو گیا، اس میں فرانسیسی، افریقائی، البانی، الخمیادو، المانی (جرمن)، عربی، ارمنی، آسامی اور آذری کا ذکر آیا تھا۔ پھر ایک تونسی مسلمان پیرس ہی سے ''فرانس اسلام'' نامی ایک ماہوار رسالہ ۱۹۶۷ء سے فرانسیسی زبان میں شائع کرنے لگے، میں نے اس سے بھی استفادہ کیا، پچاس ایک نمبر نکلنے کے بعد مالی دشواریوں سے یہ رسالہ بھی بند ہوگیا، رسالہ افکار شیعہ کچھ عرصہ بند رہنے کے بعد ۱۹۸۰ء میں دوبارہ ''دینیش اسلام'' (Connaissance De L'Islam) کے نام سے شائع ہونا شروع ہوا، پھر ۱۹۸۳ء میں مکرر بند ہوگیا، مرضی مولا از ہمہ اولیٰ۔

اس سلسلہ کی ایک آخری چیز یہ ہے کہ بعض عربی سلطنتوں اور ترکی حکومت نے استنبول میں ایک ادارۂ قائم کیا ہے، جو اسلامی فنون لطیفہ اور ثقافت (تہذیب وتمدن) پر تحقیقاتی کام کرتا ہے، وہاں کے مواد کی کثرت کے باعث استنبول سے بہتر اس کا کوئی مرکز نہیں ہوسکتا، اس کے ناظم اعلیٰ ڈائریکٹر جنرل) ایک ترکی فاضل ڈاکٹر اکمل الدین احسان اوغلو ہیں، اس نے ۱۹۸۶ء میں ایک کتاب انگریزی میں چھاپی ہے جس کا نام ہے:

(World Bibliography of Translation Of The Meanings Of
The Holy Qur'an, Printed Translations 1515-1980)

یعنی مطبوعہ تراجم قرآن مجید کی عالمگیر فہرست از ۱۵۱۵ء تا ۱۹۸۰ء اس میں ۸۸۰ + ۳۴ صفحے ہیں، قلمی تا حال شائع شدہ ترجمے اس فہرست سے خارج ہیں، لعلَّ الله يحدث بعد ذلك أمرا۔

یہ بیان کرنا شاید ضروری ہے کہ یک لسانی فہرستیں بھی ہیں، صرف فارسی ترجموں پر، صرف ترکی ترجموں پر، (از ناچیز حمید اللہ)، وغیرہ نیز یہ بھی کہ جب ۱۹۵۹ء میں میرا فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید شائع ہوا، تو اس کے فرنگی ناشر کے اصرار پر میں نے اس کے مقدمے میں صرف یورپی زبانوں کے ترجموں کی مکمل فہرست شامل کی (مؤلف کا نام، مقام اشاعت، تاریخ طباعت ہائے مختلفہ وغیرہ) اس میں بشمول ترکی والبانی اٹھائیس (۲۸) زبانوں کا مواد تھا، اس کے پندرھویں ایڈیشن میں جو ان سطروں کی تحریر کے وقت ۱۹۸۸ء مطبع میں ہے، چھیالیس زبانوں کا ذکر ہے، ان میں سے متعدد کئی کئی خطوں میں لکھی جاتی ہیں، مثلاً یوگوسلاوی (بوشناق) زبان عربی، لاطینی اور روسی تین خطوں میں ملتی ہے، ترکی زبان اور اویغوری، عربی، لاطینی اور روسی چار خطوں میں، یونانی زبان عربی اور یونانی خطوں میں، پولینڈی زبان عربی اور لاطینی خطوں میں وغیرہ۔ ایک زمانے میں اندلسی زبان صرف عربی خط میں لکھی جاتی تھی، مسلمانوں میں بھی، عیسائیوں میں بھی اور اسے نام دیا جاتا تھا ''الخمیادو'' (Aljamiado) حرف ''ل'' (ـجـ) کا تلفظ ''خ'' اور یہ نام ہے ''الأعجمیۃ'' کا اسپینی تلفظ۔ اور اس زبان میں متعدد تراجم قرآن مجید تا حال کتب خانوں میں محفوظ ہیں، اور میرے پاس ان کے مائکروفلم، وسائل کا انتظار ہے کہ ان کو چھاپ دوں۔

❸ ایک نئی کتاب کا تعارف

۱۹۸۷ء میں اسلام آباد میں ایک نئی کتاب ہمارے موضوع پر چھپنے لگی اور ابھی ابھی شائع ہوئی ہے یعنی ''قرآن کریم کے اردو تراجم، کتابیات، مرتبہ ڈاکٹر احمد خان''، ناشر: ''مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔'' اس کے مؤلف جو فاضل بھی ہیں، سابق میں عرصے تک پاکستان کے ادارۂ تحقیقاتِ علمیہ (ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد) کے کتب خانے کے ناظم بھی رہے ہیں، اور میرے بہت عزیز دوست بھی ہیں، اس لیے ان سے گلے اور شکوے سے آغاز کرتا ہوں۔

کتاب کے مقدمے میں (ص ۱۶ پر) وہ مجھ ناچیز کی کتاب ''القرآن فی کل لسان'' کا ذکر واقفانہ انداز سے کرتے ہیں، لیکن جب صفحہ ۲۹۱ و مابعد میں مآخذ و مراجع کا ذکر کرتے ہیں تو یہ کتاب نظر نہیں آتی، ذکر آتا ہے تو صفحہ ۲۹۵، پر مغربی زبانوں کی کتابوں میں میرے فرانسیسی ترجمہ قرآن مجید طبع دہم کے مقدمے میں مندرج فہرست تراجم کا، حالانکہ اس فہرست میں اردو تراجم کا کوئی ذکر نہیں ہے، معلوم ہوتا ہے کہ کتاب کی

تالیف کے وقت ''القرآن فی کل لسان'' ان کے سامنے نہ تھی، اور انہیں تکلف ہوا کہ مجھے لکھ کر اس کے دیکھنے کا موقع حاصل کر سکیں، اس میں اردو تراجم کی طویل فہرست ہے، اور میں نے دیکھا کہ اس میں ایسے ترجمے بھی مذکور ہوئے ہیں جن کا مواد انہیں زیر تبصرہ تالیف کے لیے کسی اور ماخذ سے نہ مل سکا اس لیے میں نے اپنی پرانی کتاب فوٹو کاپیاں لے کر فوراً انہیں ہوائی ڈاک سے بھیج دیں، تاکہ کسی آئندہ ایڈیشن میں ان سے استفادہ کر سکیں، لیکن ہمارے مؤلف امریکہ کی نیشنل یونین کیٹلاگ (National Union Catalog) سے ناواقف معلوم ہوتے ہیں جو کئی سو جلدوں میں ہے اور بہت اہم اردو ماخذوں میں خود پاکستان میں چھپی ہوئی کتاب ''تذکرہ المفسرین'' مولفہ قاضی زاہد الحسینی بھی مفقود ملی۔

بہر حال زیر نظر کتاب ان تالیفوں میں تازہ ترین ہے جو ایک ہی زبان کے تراجم قرآن سے بحث کرتی ہیں جیسا کہ عرض ہوا، اردو اس بارے میں سب سے باثروت ہے، اور خوش قسمتی سے اس کتاب کو ایسے فرد نے مرتب کیا ہے جو اس فن کا ماہر اور تجربہ کار ہے، یقین ہے کہ جلد ہی اس کی طباعتِ جدید کا موقع ملے گا، اور اس وقت اس میں مزید اصلاحیں بھی عمل میں آئیں گی۔

کتاب تاریخ وار نہیں بلکہ مؤلف وار ہے، اور مؤلفوں کے نام حروفِ تہجی پر مرتب ہیں، میں شخصی طور پر اس کو پسند کروں گا کہ تراجم کو تاریخ تالیف پر مرتب کیا جائے، یعنی سب سے قدیم معلوم مترجم کا ذکر سب سے پہلے آئے، اور اسی اندارج میں اس کی جملہ طباعتوں کا ذکر دیا جائے، اور کتاب میں ایک اشاریہ ہو جو مترجموں کے ناموں کا حروفِ تہجی پر ذکر کرے، اس میں فائدہ یہ ہے کہ بعض ناموں کا اشاریے میں کئی بار ذکر کیا جا سکتا ہے، مثلاً اس دفعہ پہلا نام آغا قزلباش دہلوی کا ہے، میرے مجوزہ اشاریے میں وہ آغا اور قزلباش دو جگہ آ سکتا ہے، اس دفعہ امام غزالی کا ذکر حرف الف میں ہے، میں اعتراف کرتا ہوں کہ میں ان کی تلاش کبھی حرف الف میں نہ کر سکتا، امام فخر الدین رازی کا ذکر حرف الف میں نہیں، حرف ''ر'' میں ہے۔

اس دفعہ مکمل اور جزوی (جزئی ؟) اردو تراجم کی مجموعی فہرست نمبر ۱۱۰۱ پر ختم کی گئی ہے، لیکن نظر یہ آیا کہ ایک ہی ترجمہ کئی بار کئی مقاموں پر چھپا ہو تو نمبر برقرار رکھنے کی جگہ نیا نمبر دیا گیا ہے، اس سے یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ حقیقت میں اردو میں کتنے ترجمے ہوئے، شاید مشکل سے اس کے ایک تہائی ہوں۔ جدتوں میں سے ایک یہ ہے کہ ایک اشاریہ مطبعوں کے نام دیا گیا ہے، دوسری یہ کہ ایک اشاریہ ان لوگوں کا ہے جنہوں نے اردو ترجمہ راست اصل عربی سے نہیں کیا، بلکہ کسی اور زبان کے ترجمے کو ''اردو میں ڈھالا''۔ اچھا ہوتا اگر وہیں قوسین

میں مزید وضاحت ہوتی کہ اس سے کیا مراد ہے، اشاریے میں مندرج ''ف'' سے مراد غالباً فارسی ہے لیکن ''ع'' سے کیا عربی مراد ہے؟ سارے ترجمے عربی سے ہوئے ہیں، نمبر (۱۴۶) پر حضرت امام حسنؓ کے ترجمے کا ذکر ہے اور تفصیل میں اسے حضرت امام حسینؓ کی تفسیر کا ترجمہ بتایا ہے، صحیح کون ہے؟

معمولی طباعتی غلطیاں بھی ناگزیر ہیں: مثلاً مترجم نمبر ۲۲۹ کو ۶۲۹ لکھا گیا ہے۔ مگر ان معمولی چیزوں سے قطع نظر کتاب خوش آمدید کہے جانے کے لائق ہے، اور اپنے موضوع پر فی الوقت حرف اخیر ہے، خدا کرے جلد نئی اور مکمل اشاعت کا موقع ملے، موضوع ہی ایسا ہے کہ ہر روز نئے تراجم قرآن کی اشاعت سے ترمیم و تکمیل کی ضرورت رہے گی، شاذ و نادر اور تبدیل و تصحیح کی بھی، مثلاً موجودہ ایڈیشن کے صفحہ ۲۹۵، سطر ۱۷ میں لکھنا یہ چاہیے تھا کہ ''یورپی زبانوں کے تراجم قرآنی کی فہرست جو مذکورہ مآخذ کے دسویں ایڈیشن کے مقدمے میں شامل کی گئی ہے''، نہ یہ کہ ''فہرست تراجم قرآن، دسواں ایڈیشن ۱۹۸۰ء'' اور ظاہر ہے کہ یہ مآخذ اردو تراجم سے قطعاً غیر متعلق ہے۔

کتاب میں اس کی بھی کوشش کی گئی ہے کہ ہر اردو ترجمے خاص کر پرانے ترجمے کے متعلق یہ بھی بیان کریں کہ وہ اب کہاں دیکھا جا سکتا ہے، اس سے ہمارے فاضل مؤلف کی انتھک کوشش، عظیم محنت اور اس اصول عمل کا پتہ چلتا ہے کہ محض سنی سنائی باتوں پر اکتفا نہ کریں۔ کتاب میں کوئی تین سو صفحے ہیں، اور ٹائپ پر خوبصورت چھپائی ہوئی ہے۔ جزاہ اللہ خیراً۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی خدماتِ حدیث

* ڈاکٹر خالد ظفر اللہ رندھاوا

اسلام کے بین الاقوامی سفیر، عصر حاضر کے نامور سکالر، شہرہ آفاق محقق، نامور مبلغ اسلام، علم وفقر کے جامع، بہترین انسان دوست وعلم پرور، خط کے جواب میں انتہائی مستعد، مجلس احیاء المعارف النعمانیہ کے بانی اراکین میں سے ایک، نظام حیدر آباد کے اقوام متحدہ میں نمائندے اور اس ریاست کے آخری شہری، پاکستان کی اسلامی دستور سازی کے لیے قائم ''تعلیمات اسلامی بورڈ'' کے رکن، ابواللغۃ مفسر ومترجم قرآن، منفرد سیرت نگار پروفیسر ڈاکٹر حافظ قاری محمد حمید اللہؒ نے حیدر آباد (دکن) کے ایک مشہور علمی عربی خاندان ''نوائط'' میں ابومحمد خلیل اللہ کے ہاں کوچہ حبیب علی شاہ صاحب کٹل منڈی حیدر آباد میں ۱۶ رمحرم ۱۳۲۶ھ / ۱۹ رفروری ۱۹۰۸ء کو جنم لیا آپ اپنے تین بھائیوں اور پانچ بہنوں میں سب سے چھوٹے تھے، ۱۹۲۸ء میں آپ کی والدہ اور ۱۹۳۶ء میں (آپ کی پیرس سے واپسی سے چند ماہ قبل) آپ کے والد محترم نے رحلت فرمائی ۔

دار العلوم حیدر آباد میں زیادہ تر اور ایک سال جامعہ نظامیہ میں تعلیم پائی۔ جامعہ عثمانیہ میں شعبہ دینیات سے ۱۹۳۰ء میں ایم اے کیا اور اسی سال ایل ایل بی سے فراغت حاصل کی۔ پھر جامعہ عثمانیہ کے شعبہ تحقیقات علمیہ کے پہلے اور واحد طالب علم کے طور پر ''اسلامی قانون بین الممالک'' پر کام کرنے لگے مواد کی تلاش میں بیرون ممالک کا سفر کیا پھر ۷۵ روپے ماہوار یونیورسٹی سکالرشپ پر بون یونیورسٹی (جرمنی) تشریف لے گئے اور ۹، ۱۰ مہینے کی مختصر مدت میں ۱۹۳۳ء میں Neutialitat in slamische Vokeriercht یعنی:
"Neutrality in Muslim International Law " کے موضوع پر تحقیقی مقالہ لکھ کر ڈی فل (D.Phil) کی سند حاصل کی (یہ مقالہ ۱۹۳۵ء میں جرمنی سے شائع ہو گیا تھا) ۱۹۳۳ء میں آپ نے تین مہینے عملاً صبح سے شام تک لندن کے کتب خانوں میں بھی گذارے۔ سکالرشپ کی مدت باقی ہونے کی بناء پر آپ جرمنی سے سوبورن یونیورسٹی (فرانس) چلے گئے۔ اور اگست ۱۹۳۴ء میں ''عہدِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ میں اسلامی سفارت کاری''

* ایسوسی ایٹ پروفیسر، صدر شعبہ علوم اسلامیہ، گورنمنٹ کالج سمندری۔

(Diplomatie Musulmane al ' epoch an Prophet de I'slam et des caliphes Othodxes)
کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ڈی لٹ (D.Litt) کی ڈگری ۱۹۳۵ء میں حاصل کی اس کے بعد لینن گراڈ (روس) جا کر تیسری ڈگری لینا چاہتے تھے جس کے لیے روسی زبان بھی سیکھ لی تھی لیکن ارباب یونیورسٹی نے واپس بلا لیا اور آپ نے یہاں پر ۱۹۳۹ء یا ۱۹۴۰ء میں Muslim Conduct of State کے موضوع پر تحقیقی مقالہ پیش کر کے تیسری Ph.D کی ڈگری حاصل کی۔

طالب علمی سے لے کر ۱۹۴۰ء تک ڈاکٹر صاحب کی علمی دلچسپی اور تحقیقی میدان، قانون، بلکہ اصول قانون اور بین الاقوامی قانون تھے۔اس کے وہ استاد، محقق اور فرانسیسی و انگریزی کتابوں کے مترجم تھے۔

تقسیم ہند کے وقت اقوام متحدہ میں ریاست حیدر آباد (دکن) کے پاکستان کے ساتھ الحاق کا مسئلہ پیش کرنے کی غرض سے نظام حیدر آباد کی حسب منشاء ایک وفد تشکیل دیا گیا جس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب بھی شامل تھے ابھی یہ وفد وہاں پر کچھ طے نہ کر پایا تھا کہ بھارت نے کمال عیاری سے ریاست پر قبضہ کر لیا اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے جو آزاد ریاست کے پاسپورٹ پر وفد کے ہمراہ گئے تھے عمر بھر مقبوضہ ریاست میں آنا گوارا نہیں کیا اور اس کے ساتھ ساتھ اس قبضہ میں معاونت کے مجرم برطانیہ میں بھی پھر جانا قبول نہیں کیا۔کسی بھی ملک کی شہریت اختیار نہیں کی ساری عمر پناہ گزیں کی حیثیت سے سفری دستاویز (Travel Document) پر فرانس میں زندگی گزار دی۔

۱۹۵۴ء سے ۱۹۷۸ء تک پیرس کے نیشنل سنٹر آف سائنٹیفک ریسرچ (CNRS) سے وابستہ رہے پیرس میں آپ نے مرکز ثقافت اسلامی کی بنیاد رکھی اور اس کی طرف سے عرصہ دراز تک ''مجلّہ فرانس۔اسلام'' ماہوار نکالتے رہے۔فرانس، مصر، پاکستان، ملائیشیا اور ترکی کے علاوہ دیگر کئی ایک ممالک کی یونیورسٹیوں اور کانفرنسوں میں لیکچر دیتے رہے۔ ۱۹۵۴ء سے لے کر ۲۰ سال سے استنبول یونیورسٹی، ادارۂ تحقیقات اسلامی، ادبیات فیکلٹی، استنبول یونیورسٹی وزٹنگ پروفیسر کے طور پر لیکچر دینے کے لیے تشریف لاتے رہے۔ استنبول، انقرہ اور ارض روم کی یونیورسٹیوں میں آپ عام طور پر عربی میں اور کبھی کبھار انگریزی یا فرانسیسی میں لیکچر دیتے تھے۔ترکی میں یونیورسٹی لیکچر کے علاوہ آپ کا باقی سارا وقت لائبریریوں میں گذرتا تھا۔

ریٹائرمنٹ کے بعد صحت کے ساتھ دینے تک سارا وقت ذاتی طور پر تحقیقات علمیہ اور تعلیمات اسلامیہ کی فروغ میں گذرتا تھا۔ ۱۹۴۸ء سے ۱۹۹۶ء تک پیرس کے دو کمروں والے معمولی فلیٹ میں انتہائی سادگی اور تنہائی میں زندگی بسر کر دی۔ بقول استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید خطیب اوغلی۔(۱)

> ''حوجہ (استاد یعنی ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب) نے نہ بیوی، نہ نوکر، نہ ٹیلی فون کوئی بھی چیز نہ رکھی کہ یہ سب وقت کا ضیاع ہیں۔''

اپنے کمرے میں پہنچنے کے لیے عمر بھر ہر روز ۱۱۴ سیڑھیاں اترنے چڑھنے کی سخت مشقت گوارا رکھی لیکن فلیٹ تبدیل نہ کیا بالآخر انتہائی کمزور، لاغر اور بیمار ہو جانے پر علاج کی غرض سے ۱۹۹۶ء میں امریکہ چلے گئے۔

امریکہ میں ڈاکٹر صاحب کے بھائی کی پوتی محترمہ سدیدہ شفق صاحبہ نے زندگی کی آخری سانس تک ان کی دیکھ بھال کی اور آپ ۱۳رشوال ۱۴۲۳ھ/ ۱۷دسمبر ۲۰۰۲ء بروز منگل صبح کی نماز ادا کرنے کے بعد ایسے لیٹے کہ پھر اٹھ نہ سکے اور استراحت کی حالت میں خفیف سے متبسم چہرے کے ساتھ جان جان آفرین کے سپرد کر دی۔ اگلے دن ۱۸ردسمبر بروز بدھ آپ کے عزیز شاگرد، ترک نژاد امریکی دانشور پروفیسر ڈاکٹر یوسف ضیاء قاوقچی نے نماز جنازہ پڑھائی۔ جس میں ۷۰ مرد اور ۵ عورتیں شامل تھیں۔ بعد ازاں آپ کو امریکی ریاست فلوریڈا کے شہر جیکسن ولا کے مسلم قبرستان میں دفن کیا گیا(۲) یوں مشرق سے ابھرنے والا یہ روشن تارہ مغرب میں جا ڈوبا۔ آپ کی وفات پر بے ساختہ زبان سے نکلا: ''غاب الغریب فی الغرب'' ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ صاحب کی خدمات حدیث سے پہلے ان کے ''نظریہ حدیث'' اور محدثین کے بارے میں رویہ'' پر چند معروضات پیش خدمت ہیں۔

نظریہ حدیث

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ صاحب کے ہاں حدیث اور سنت مترادف ہیں۔ ان کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

> ''حدیث سے مراد وہی ہے جو سنت کا مفہوم ہے۔''(۳)

مزید برآں کہتے ہیں:

''حدیث سے مراد قول بھی ہے اور عمل بھی اسی طرح سنت سے مراد قول بھی ہے اور عمل بھی اب عملاً ان میں کوئی فرق باقی نہیں ہے جہاں تک میرے علم میں ہے۔''(۴)

آپ حدیث و سنت کی حجیت کے قائل ہیں اور انہیں اسلام کے اساسی ماخذوں میں سے تسلیم کرتے ہیں۔ آپ کے الفاظ میں'' قرآن مجید کے بعد حدیث کا ذکر نا گزیر ہے اس لیے کہ یہی دو چیزیں ہیں جو اسلام کا محور ہیں۔''(۵) قرآن و حدیث کے ساتھ ساتھ مجتہدین کی سعی و کاوش کی گنجائش تسلیم کرتے ہیں لیکن کسی قیاس یا قیاسی استنباط و استخراج (یعنی اجتہاد) کی بنیاد پر قرآن کی طرح حدیث کی منسوخی کے بھی قائل نہیں ہیں۔ ان کے الفاظ میں:

" Although the Quran and the Hadith (traditions)could not be abrogated by qiyas are analogical deduction, yet enough margin was left for individual interpratiation and the recognition of the possibillity of a Mujtahid ". (6)

مزید کہتے ہیں:

''میرا منشاء یہ ہے کہ حقیقت میں حدیث اور قرآن ایک ہی چیز ہیں دونوں کا درجہ بالکل مساوی ہے۔ ایک مثال سے میرا مفہوم آپ پر زیادہ واضح ہوگا۔ فرض کیجئے آج رسول کریم ﷺ زندہ ہوں اور ہم سے کوئی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے کا اعلان کرے اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہو کر یہ جاہل شخص اگر کہے کہ یہ تو قرآن ہے خدا کا کلام، میں اسے مانتا ہوں مگر یہ آپ کا کلام ہے اور حدیث ہے یہ میرے لیے واجب التعمیل نہیں ہے۔ تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا فوراً ہی اس شخص کو اُمت سے خارج قرار دے دیا جائے گا۔ اور غالباً حضرت عمرؓ وہاں پر موجود ہوں تو اپنی تلوار کھینچ کر کہیں گے یا رسول ﷺ اجازت دیجئے کہ میں اس کافر و مرتد کا سر قلم کردوں غرض رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں یہ کہنا کہ یہ آپ صلی اللہ وسلم کی نجی بات ہے اور مجھ پر واجب التعمیل نہیں

ہے، گویا ایک ایسا جملہ ہے جو اسلام سے منحرف ہونے کا مترادف سمجھا جائے گا اس لحاظ سے رسول اللہ ﷺ جو بھی ہمیں حکم دیں اس کی حیثیت بالکل وہی ہے جو اللہ کے حکم کی ہے۔''(۷)

حدیث رسول اللہ ﷺ پر اس قدر سادہ، پختہ اور ٹھیٹھ ایمان کے باوصف آپ نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی ''محمد رسول اللہ'' اور ''محمد بن عبداللہ'' کی حیثیت کا فرق بھی رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

''رسول اللہ ﷺ جب کوئی چیز وحی کے تحت بیان کریں تو اس کی حیثیت قرآن کے مطابق ہو گی۔لیکن کوئی بات اپنی طرف سے بیان کریں تو وہ ایک ذہین، ایک فہیم انسان کا بیان تو ہوگا لیکن خدائی وحی نہیں ہوگی انسانی چیز ہوگی اور انسانی چیز میں انسانی خامیاں ہوسکتی ہیں'' (۸)

اس فرق کے ساتھ حدیث وسنت کی الہامی کیفیت تسلیم کرتے ہیں۔(۹) اور صحیح حدیث کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے کے سوا کوئی چارہ نہیں مانتے۔(۱۰)

اس ایمان وعمل بالحدیث کے رویے میں کسی قسم کے احساسِ کہتری کا شکار نہیں ہیں بلکہ ہر مسلمان کو قرآن و حدیث پر متصلبانہ ایمان کی دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ:

''اپنے دین کے ماخذوں کے متعلق ہم مسلمانوں کو کسی سے شرمانے کی کوئی ضرورت نہیں''(۱۱)

آپ عمر بھر اسلام کے دانا دشمنوں (مستشرقین) اور نادان دوستوں (منکرین) کی حجیت حدیث سے انکار پر مبنی جانبدارانہ تحقیقات اور جاہلانہ تحریرات سے کبھی متاثر نہیں ہوئے بلکہ کہتے تھے:

''حدیث اسلامی کی خوبیوں پر نہ دشمن کا معاندانہ طعن وطنز پردہ ڈال سکتا ہے اور نہ دوستوں کی ناواقفیت۔''(۱۲)

اخذ وقبول حدیث میں روایت کے ساتھ ساتھ درایت کی فکر بھی ان کے ہاں پائی جاتی ہے ان کے اپنے الفاظ میں:

''یہ درایتاً حدیث کو کنٹرول کرنے یا جانچنے کا طریقہ ہے۔ درایت کے اصول کے مطابق یہ

دیکھا جاتا ہے کہ حدیث میں جو بات بیان کی گئی ہے وہ عقلاً درست ہے یا نہیں۔ فرض کیجیے ایک حدیث میں یہ آتا ہے کہ مثلاً شہر بہاولپور میں فلاں چیز ہوگی۔ لیکن درایتاً بہاولپور اس زمانے میں موجود تھا ہی نہیں۔ یہ ذکر کیسے آیا لہذا ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے کہ غالباً یہ سہو کتابت ہے۔ اس شہر کا نام رسول اللہ ﷺ نے بہاولپور بیان نہ کیا ہوگا بلکہ اور لفظ ہوگا جو بگڑ کر بہاولپور بن گیا۔ یہ اور اس طرح کی چیزیں ہم درایت سے معلوم کر سکتے ہیں اور ان اصولوں کے مطابق ہم ان دشواریوں کو حل کر سکتے ہیں جو حدیث کے اندر نظر آتی ہیں۔'' (۱۳)

ایک سوال ''ہم حدیث کے صحیح ہونے کا اندازہ کس طرح لگائیں؟'' کے جواب میں فرماتے ہیں کہ:

''علمائے حدیث نے مختلف علوم اختراع کیے ہیں جن سے حدیث کی روایتاً اور درایتاً دونوں طرح سے جانچ ہو سکتی ہے اور ہم معلوم کر سکتے ہیں کہ کس حدیث پر اعتماد کیا جائے اور کس حدیث پر اعتماد نہ کیا جائے۔'' (۱۴)

احادیث کی جانچ پڑتال کے لیے محدثین کے قائم کردہ اصول حدیث کی یوں تعریف کرتے ہیں:

''چونکہ قرآن حکیم کی طرح احادیث نبوی کی ترتیب و تدوین پر مؤثر کنٹرول ممکن نہیں تھا۔ لہذا اغلاط فہمی، اغلاط بلکہ اس سے بھی بدتر امکانات کو مسترد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ ان امکانات کے پیش نظر ہی مسلمانوں نے احادیث کی انفرادی روایت کے نقد و جرح کے لیے سائنسی انداز ایجاد کیا جس کی ابتداء اصحاب رسول کے زمانے میں ہی ہو چکی تھی۔ احادیث کے راویوں کی سوانح بڑی محنت سے تیار کی گئیں جن میں راوی کی شہرت، دیانت یا ضعیف ہونے پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اس کے اساتذہ اور شاگردوں کی مکمل تفصیل اور دوسری معلومات فراہم کی گئیں۔'' (۱۵)

ڈاکٹر صاحب کی رائے میں پہلے کتب حدیث پھر کتب فقہ اور بعد ازاں خاص فقہی تبویب اور احکام پر مشتمل کتب حدیث کی تشکیل و تدوین کا عمل ظہور پذیر ہوا۔ آپ لکھتے ہیں کہ:

احادیث نبویؐ کو فقہی ابواب پر مرتب کرنے کی کوشش امام مالکؒ (ف ۱۷۹ھ) کی ''مؤطا'' سے بھی قبل امام ابن الماجشون (ف ۱۶۴ھ) نے کی لیکن سوائے زرقانی کی ''شرح مؤطا'' کے دیباچے میں نام کے حوالے کے، اس کا اب کوئی پتہ نہیں چلا۔ امام مالکؒ کی تالیف اسی کی اصلاح اور اس کے جواب میں تھی۔ یہ خیال کیا جاتا رہا ہے کہ اولاً خالص حدیث کے مجموعے تیار ہوئے پھر فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب ہونے کے بعد آخر خالص فقہی کتابیں تیار ہوئیں۔ لیکن میں اس نتیجے پر پہنچتا ہوں کہ خالص حدیث کے بعد فقہی کتابیں لکھی گئیں، تو ردعمل کے طور پر قانونی احادیث کے مجموعے تیار ہوئے۔ امام زید بن علیؒ، امام ابوحنیفہؒ اور الماجشونؒ (ف ۱۶۴ھ) جنہوں نے صرف روایات مدینہ جمع کر کے ایک کتاب شائع کی اور دیگر اہل الرائے نے ایک مکتب خیال قائم کیا۔ جس کے پیرووں نے بعد میں غلو پیدا کیا تو بطور ردعمل اہل حدیث نے سنت کی پیروی پر زور دینے کے لیے فقہی احکام کی حدیثیں الگ مرتب کیں۔ امام مالکؒ (ف ۱۷۹ھ) وغیرہ چند ہم عصروں کی ''مؤطاؤں'' کو اسی تحریک کا آغاز سمجھنا چاہیے اور صحیح بخاری کو اس کی انتہاء۔''(۱۶) حجیت حدیث کے قائل اور اصول حدیث میں روایت اور درایت ہر دو کے تسلیم کرنے والے اور خدمات محدثین کے معترف ہونے کے باوجود ڈاکٹر صاحب محدثین کی تحقیقات کے ہی پابند نہیں ہیں۔ بلکہ تاریخی طور پر کوئی چیز ثابت ہو جانے پر حدیث کی سند کی صحت ضروری نہیں سمجھتے بلکہ آپ حدیث کو عہد نبوی کی تاریخ اسلام گردانتے ہیں سیرۃ ابن اسحاق کے مقدمے میں رقمطراز ہیں:

''ولکن ما الحدیث الا تاریخ الاسلام للعصر النبوی''(۱۷)

''حدیث عصر نبویؐ کی اسلامی تاریخ ہے۔''

خود بھی بنیادی طور پر محقق ہیں اور حدیث کو بھی تاریخ اسلام کے طور پر قبول کرتے ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب کا حدیث کو عہد نبوی کی تاریخ تسلیم کرنا مستشرقین جیسا نہیں، کیونکہ مستشرقین کے ہاں تاریخ عہد رفتہ کی ایک داستان ہوتی ہے۔ جب کہ ڈاکٹر صاحب کے ہاں حدیث عہد نبوی کی الہامی اور تشریعی حیثیت رکھنے والی تاریخ ہے تاہم حدیث کو تاریخی طور پر تسلیم کرنے کا رجحان بعض اوقات اس قدر غالب آ جاتا ہے کہ محدثین کے ہاں:

''اطلبوا العلم ولو کان بالصین (۱۸)

جیسی موضوع حدیث کو تاریخی اعتبار سے قابل قبول تسلیم کرتے ہیں(۱۹) لولاك لما خلقت الافلاك (۲۰) اگر چہ محدثین کے ہاں موضوعات میں شمار ہوتی ہیں لیکن ڈاکٹر صاحب ایسی موضوع حدیث کو مسلمانوں کے ہاں مشہور ہونے کی بناء پر اپنے عقیدے کی اساس بیان کرتے ہیں(۲۱) انا مدینة العلم وعلی بابها (۲۲) اگر چہ محدثین کے ہاں ضعیف بلکہ موضوع ہے لیکن ڈاکٹر صاحب کو قابلِ قبول ہے (۲۳) اسی طرح اللہ کے گھر کعبۃ اللہ کی شکل کی دل سے مشابہت کی بنیاد ایک موضوع روایت پر رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ:

''کعبہ کے لیے دل کی تشبیہہ کوئی حقیر بات نہیں مشہور حدیثِ قدسی ہے۔'' (۲۴) تو اللہ کا گھر بھی دل کی شکل کی ہی ہونا چاہیے۔'' (۲۵)

انتہائی تحقیقی اور باریک بنی والے مزاج کے باوجود نقل حدیث میں سہو بھی دکھائی دیتا ہے مثلاً صحیح بخاری کی روایت عمرو بن سلمہ سے مروی ہے لیکن آپ نے اسے سلمہ سے بیان کیا ہے(۲۶) متن حدیث کے بیان میں بھی سہو پایا جاتا ہے، مشہور حدیث ہے کہ سات سال کے بچوں کو پیار سے اور دس سال کے بچوں کو مار پیٹ کر نمازی بناؤ ۔(۲۷) لیکن آپ دس سال کی بجائے سات سال پر مار پیٹ کی بابت لکھتے ہیں:

''سات برس کی عمر کے بعد بچے نماز نہ پڑھیں تو انہیں سزا دینے کا حکم تھا۔'' (۲۸)

لیکن یہ سہوان کی بلند علمی شان میں قطعاً کسی کمی کا سبب نہیں گردانا جائے گا۔ بلکہ ان کے انسان ہونے پر محمول ہوگا اور آپ کا علمی و تحقیقی طور پر انتہائی بلند مقام اور حدیث پر پختہ یقین ہمیشہ لائق بیان رہے گا۔

محدثین کے بارے میں رویہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ہاں بلند علمی مقام کے باوجود اپنی مایہ ناز تحقیقات پر اترانا تو نام کو نہیں لیکن دوسروں کی خدمات کا اعتراف ضرور ہے عام طور پر جملہ محدثین کی کاوشوں کے معترف ہیں۔ (۲۹) امیر المومنین فی الحدیث محمد بن اسحاق پر بعض الزامات کے دفاع میں سیرۃ ابن اسحاق کے مقدمے میں جامع و مانع تحریر پیش کی ہے۔(۳۰) ایک دن استاد محترم خطیب اوغلی صاحب کی ذاتی لائبریری سے ''مقدمہ تحفۃ الاحوذی'' کے ساتھ منسلک مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوریؒ صاحب ''تحفۃ الاحوذی'' کے بارے میں سخت ریمارکس والی درج ذیل چٹ ملی۔

[نسخه كاملة من هذا الكتاب مكتوبة بخط الحافظ السيوطى
موجودة فى الخزانة الجرمنية وللحافظ الذهبى تصنيف في نقد
رجال هذا الكتاب ونقله السيوطى على هامش هذه النسخة، مقدمة
تحفة الأحوذى شرح جامع ترمذى للمبار كفورى ١/٣٣٣-٣٣٤]

استادمحترم نے بتایا کہ:

''ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کے ''مسند ابن راھویہ'' کے بارے میں دریافت کرنے پر میں نے
مقدمۃ تحفۃ الاحوذی سے نقل کر کے یہ اندرونی عبارت بھیج دی۔ڈاکٹر حمیداللہ نے یہ خط اس
عبارت پر پائی جانے والی حاشیہ آرائی کے ساتھ مجھے واپس بھیج دیا۔راقم نے استادمحترم کے
حکم پر ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کو خط لکھا۔اس میں اپنے موضوع تحقیق پر راہنمائی کی درخواست
کی اور خط کے ساتھ ارسال کردہ چٹ ہذا کی حاشیہ آرائی کے توضیح کی گزارش بھی تھی۔اس
کے جواب میں ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کی طرف سے درج ذیل خط موصول ہوا۔''

اس کے بعد میں نے پھر بذریعہ خط گزارش کی اور ان کی طرف منسوب حاشیۂ آرائی کو الگ الگ سرخ
دائرے میں نمایاں کر دیا۔ڈاکٹر حمیداللہ صاحب نے اپنی انتہائی عمدہ عادت کے تحت فوری طور پر درج ذیل جواب
سے نوازا۔ (مذکورہ بالا عربی خط کا اردو قارئین کے لیے ترجمہ کیا جارہا ہے)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آج صبح مجھے آپ کا خط تحریر کردہ ۱۹۹۲ء/۰۴/۲۸ موصول ہوا شاید یہ مئی کی بجائے
(اپریل) غلطی سے لکھا گیا ہے۔میں اس خط کے مضمون سے حیران و پریشان ہوا تاہم حق کو واضح کرنے
والے اس موقع کے مہیا کرنے پر آپ کا شکر گزار ہوں۔میں نہیں جانتا کہ استاذ نا الکبیر محمد خطیب اوغلی کو یہ سہوا
ور دھوکہ کہاں سے لگ گیا ہے۔

میں نے فاضل (ذات) عبد الرحمٰن مبارکپوری کے بارے میں، میری طرف منسوب جوابات کو بار بار پڑھا۔ لیکن یہ اسلوب میرا اسلوب ہی نہیں اور نہ ہی یہ میرا ہینڈ رائیٹنگ ہے اور نہ ہی مجھے یاد ہے کہ میں نے عمر بھر ایسی کوئی شے لکھی ہو۔

ہمارے (محترم) پروفیسر خطیب اوغلی سے میری گزارش ہے کہ وہ تحقیق فرمائیں کہ آیا جوابات والا خط میرا ہے شاید انہیں التباس ہو گیا ہے اور کسی دوسرا آدی کے خط کو انہوں نے میرا خط سمجھ لیا ہے۔

بلاشبہ فاضل (شخصیت) عبد الرحمٰن مبارکپوری اہل علم کے درمیان معروف ہیں اور آپ کی علم حدیث (اور علوم اسلامیہ) کے لیے گرانقدر خدمات بھی ہیں۔ میں اللہ تعالیٰ سے امید رکھتا ہوں کہ محترم مبارکپوری صاحب کے بارے میں میری طرف سے منسوب آراء قطعاً ان تک نہیں پہنچ پائیں گی۔ میں تو ان کا بھرپور احترام کرتا ہوں اور ان کے بارے میری طرف منسوب آراء قطعاً میری نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ مجھے اس سے محفوظ رکھے۔

ہمارے (محترم) پروفیسر خطیب اوغلی کو میرا اسلام ہو آپ تمام تر عافیت میں زندگی بسر کریں۔

محمد حمید اللہ

یہ علم کی شان ہے کہ اہل علم کو خوش دلی سے قبول کیا جاتا ہے جناب ڈاکٹر صاحب علم کی دولت سے مالا مال تھے اس لیے دیگر اہل علم اور محدثین عظام کی عظمت کے بھی عمر بھر معترف رہے اور کبھی بھی نازیبا لفظ خدّامِ حدیث کے بارے میں نہیں کہا بلکہ حتی المقدور ان کا دفاع اور اعتراف عظمت کرتے رہے۔

خدماتِ حدیث

معروف سکالر اور ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے دیرینہ عقیدت مند جناب پروفیسر ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کے الفاظ میں:

''علم حدیث میں ان کے کام کی حیثیت ایک خاص انداز کی ہے وہ معروف معنوں میں

> محدث نہیں کہلائے۔ انہوں نے علم حدیث کی تدریس کا اس انداز سے کام نہیں کیا جیسا کہ علم حدیث کے اساتذہ کرتے ہیں لیکن علم حدیث کی تاریخ میں وہ ایک منفرد مقام کے حامل ہیں اتنے منفرد مقام کے کہ اگر علم حدیث کی تاریخ لکھی جائے تو شاید "ڈاکٹر حمید اللہ کا کام" اس تاریخ کا ایک منفرد عنوان ہو۔" (۳۱)

ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے روایتی انداز میں تدریس حدیث کا کام نہیں کیا ہے وہ اکثر وبیشتر احادیث کے نادر و نایاب مخطوطوں کی تحقیق اور روایات کی تخریج کا عرق ریزی والا کام کرتے ہیں لیکن تصحیح وتضعیف کی ذمہ داری اٹھاتے دکھائی نہیں دیتے تحقیق وتخریج کے علاوہ آپ نے ترجمہ، توسیعی خطبات اور حدیث کے میدان میں تحقیق کرنے والوں کی راہنمائی کا بھرپور فریضہ سرانجام دیا ہے آپ کی خدمات حدیث سے ایک طرف بعض نادر و نایاب مخطوطاتِ حدیث مثلاً صحیفہ ھمام بن منبہ، کتاب السرد والفرد......، سیرت ابن اسحاق، "انساب الاشراف" آپ کی اپنی تحقیق سے طبع ہوئے۔ اسی طرح آپ کی خصوصی عنایت سے سنن سعید بن منصور، مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی تحقیق سے منصہ شہود پر آئی۔ دوسری طرف آپ نے اپنی تحقیق انیق "مجموعہ الوثائق السیاسۃ ......" میں عہد نبویؐ اور خلافت راشدہ کے تحریری سرمائے کو اکٹھا کر دیا ہے۔ آپ کی ہر دو کوششوں سے عصر حاضر میں حدیثِ نبویؐ کے بارے میں پھیلائے گئے اعتراضات کو تاریخی اور ٹھوس بنیادوں پر "ھباء منثورا" بنا دیا گیا ہے۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں مختلف اعتراضات کے ساتھ ساتھ یہ اعتراض خوب دہرایا گیا کہ احادیث کے مجموعے تیسری صدی ہجری کی پیداوار ہیں لہذا ان کا کوئی اعتبار نہیں جب کہ آپ نے مجموعہ الوثائق السیاسیۃ میں عہدِ نبویؐ کی ۳۸۹ تحریریں اکٹھی کر کے ثابت کر دیا ہے کہ احادیث کی کتاب عہدِ نبویؐ میں بھی وسیع پیمانے پر ہوتی رہی ہے بعد ازاں "صحیفہ ھمام بن منبہ" کی تحقیق سے ثابت کر دیا ہے کہ احادیث تقریباً پہلی نصف صدی ہجری میں ہی کتابی شکل اختیار کر چکی تھیں۔ اسی طرح سیرۃ ابن اسحاق (۱۵۱ھ)، انساب الاشراف للبلاذری (۲۷۹ھ) سے دوسری تیسری صدی ہجری میں مؤلفین صحاح ستہ سے متقدم یا معاصر محدثین ومؤرخین کی کتابیں سامنے لاکر مستشرقین ومنکرین حدیث کی علمی جہالت کا پردہ چاک کیا ہے اور ان کے نام نہاد بلند بانگ علمی وتحقیقی مقام مرتبے کا کھوکھلا پن ظاہر کر دیا ہے۔ آپ کے ہاں مستشرقین کے حوالے سے علمی طور پر قطعاً کوئی مرعوبیت یا متجددین کی طرح احساس کمتری نہیں پایا جاتا بلکہ آپ ان

کو منہ لگانے کے ہی قائل نہ تھے۔ اعلیٰ علمی تحقیقی سطح پر اپنا کام کرتے چلے جانے کی ہی نصیحت فرمایا کرتے تھے۔ اس بارے میں بیان کرتے ہیں کہ:

''کوئی چار پانچ سال کا عرصہ ہوا، میں نے جرمن زبان میں ایک مضمون لکھا تھا جو جرمنی کے ایک رسالے میں شائع ہوا۔ اس میں یہی بات بیان کی گئی تھی کہ حدیث کے متعلق یہ تصور کہ وہ تین سو سال بعد مدون ہونا شروع ہوئی، فلاں فلاں اسباب سے صحیح نہیں۔ مضمون چھپنے کے کوئی چھ، آٹھ مہینے کے بعد ایک جرمن پروفیسر نے اس موضوع پر ایک نیا مضمون لکھا، اور وہی پرانی دلیلیں اس میں دہرائیں کہ حدیث ناقابل اعتماد ہے، وہ تین سو سال بعد جمع ہونا شروع ہوئی۔ میرا اصول رہا ہے کہ کسی پر اعتراض نہ کروں۔ واقعات کو اس طرح پیش کروں کہ لوگ اپنے ممکنہ اعتراض کا جواب خود ہی پالیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب یہ دوسرا مضمون چھپنے کے لیے آیا، اسے بھی شائع کر دیا گیا۔ ایڈیٹر نے فٹ نوٹ دیا کہ صاحب مضمون کو چاہیے کہ فلاں نمبر میں شائع شدہ ''حمیداللہ'' کے مضمون کو پڑھ لے۔ اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ کون سا اصول سب سے بہتر ہے۔'' (۳۲)

اپنی اس روش پر کاربند رہتے ہوئے آپ نے امت محمدیہ کے لیے روایات محمدیہ پر ایمان کی راہ میں شکوک و شبہات کو دور کر دیا اور ان پر ایمان و یقین پختہ تر ہونے کی راہیں آسان کر دیں درحقیقت یہی وہ عظیم خدمت حدیث ہے جس کا مقابلہ کرنے میں عصر حاضر کی کوئی بھی دوسری شخصیت آپ کے ہم پلہ نظر نہیں آتی۔ آپ کی خدمات حدیث (جو ہمیں مہیا ہوسکیں) درج ذیل ترتیب سے پیش خدمت ہیں۔

- تصنیف و تالیف
- تحقیق
- تحقیق و ترجمہ
- مقدمہ و آرٹیکلز
- لیکچر

❍ مجموعة الوثائق السياسة للعهد النبوی والخلافة الراشدة

Documents sur Ia diplomatic musulmane a ' I ' epoque du Prophete et des khalifes orthodoxes)

یہ مجموعہ درحقیقت ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا وہ تحقیقی کام ہے جس پر آپ نے ۱۹۳۵ء میں پیرس سے ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی اور ۱۹۳۵ء میں ہی یہ نادر کام بزبان فرانسیسی وہاں سے شائع ہوا بعدازاں آپ نے نصوص اصلیہ شائع کرنے کا ارادہ فرمایا اور اپنی عادت کے مطابق اپنی تحقیق میں ہونے والے جملہ اضافہ جات کو بھی شامل کرتے چلے گئے۔ مولانا عبدالشہید نعمانی کے مطابق پہلا عربی ایڈیشن بھی ۱۹۳۵ء میں ہی منصۂ شہود پر آ گیا تھا(۳۳) اس کا اردو ترجمہ بنام ''سیاسی وثیقہ جات از عہدِ نبویؐ تا بہ خلافت راشدہ'' از مولانا ابو یحیی امام خاں نوشہروی، مجلس ترقی ادب، کلب روڈ لاہور کی طرف سے پہلی بار ۱۹۶۰ء میں طبع ہوا جو کہ ۴۴۳ صفحات پر مشتمل ہے۔

دارالارشاد، بیروت کی الطبعۃ الثالثۃ (۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء) میں عہدِ رسالت کی ۳۸۹ تحریریں پائی جاتی ہیں یہ تحریریں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے مکتوبات، جوابات، فرامین، معاہدے، دعوت اسلامی، عمال کی تقرری، آراضی وغیرہ کے عطیات، امان نامے اور وصیت نامے وغیرہ پر مشتمل ہے۔ (۳۴) خلافت راشدہ کے دور کی تحریریں اس کے علاوہ ہیں ڈاکٹر صاحب نے یہ تحریریں ۲۹۴ نادر و نایاب مطبوع و مخطوط مصادر و مراجع سے اکٹھی کی ہیں۔ (۳۵) یہ ناممکن کام آپ ہی کی سراپا تحقیق و جستجو ذات کر سکتی تھی اس قدر ماخذوں تک رسائی اتنی زبانوں پر واقفیت اور ان سب پر مستزاد کام کی یہ لگن صرف اور صرف آپ ہی کا خاصہ تھا عام آدمی کیا ایک جماعت بھی اس قدر باریک بینی اور تقابل والا کام سرانجام دینے سے قاصر رہے گی۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''ومع شوقی الی جمع کل ما نسب من المکتوبات الی النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم انی لم ادون ھھنا الا ما ثبت انہ کان مکتوبا وابعدت کل مالم یصرح المصدر بانہ کان مکتوبا، حتی ولو غلب علی ظنی انہ کان کذلك'' (۳۶)

اس طرح ڈاکٹر صاحب نے عہدِ رسالات کی ۳۸۹ تحریریں یکجا کر کے ثابت کر دیا ہے کہ عصر نبویؐ میں ہی احادیث تحریری شکل اختیار کر چکی تھیں اور عصر حاضر کے منکرین حدیث کا یہ اعتراض قطعی طور پر بے بنیاد اور تاریخی اعتبار سے جاہلانہ ہے کہ احادیث کی تدوین تیسری صدی ہجری کے عجمی محدثین کا من گھڑت کارنامہ ہے۔

''خوئے بدرا بہانہ بسیار'' کا تو دنیا میں کوئی علاج دریافت نہیں ہو سکا لیکن اگر کوئی جہل مرکب کی بجائے جہل بسیط کا شکار ہو کہ دو تین سو سال بعد لکھی گئی احادیث قطعاً قابل اعتبار نہیں ہیں تو ڈاکٹر صاحب نے سالہا سال کی محنت شاقہ اور عرق ریزی کے بعد اس غلط فہمی کا الجواب الکافی مہیا کر دیا ہے۔

اس تحقیق انیق میں ڈاکٹر صاحب نے منہج وحید اختیار کیا ہے۔ ہر تحریر کا مسلسل نمبر درج کرتے ہیں بعد ازاں مختلف مصادر کی نشاندہی پہلے اور متن تحریر بعد میں پیش کیا ہے۔ حسب ضرورت حاشیہ میں مصادر کے اختلافات لفظیہ کے علاوہ آیات قرآنیہ کی تخریج کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔ اپنی جمیع تحقیقات و تالیفات کی طرح یہاں بھی روایات کی من حیث القبول حیثیت کی طرف قطعاً التفات نہیں فرمایا ہے اور نہ کسی روایت کے اصول محدثین پر صحیح یا ضعیف ہونے کا فیصلہ نقل کیا ہے۔

عہدِ رسالت کی تحریروں کے اخذ و جمع میں ڈاکٹر صاحب نے اگرچہ ایسی کتابوں تک رسائی حاصل کی ہے جنہیں دیکھنے کو دوسروں کی نگاہیں ترستی ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مولانا عبدالشہید نعمانی یوں ناقد ہیں:

> ''بصد احترام یہ عرض ہے کہ ہمیں اس کتاب میں ایک کمی بڑی شدت سے محسوس ہوئی اور یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے کثرت مصادر تک رسائی کے باوجود مکاتیب کی صحت کی طرف توجہ نہیں دی وہ مختلف نسخوں کے اختلاف کو بالالتزام ذکر کرتے ہیں لیکن یہ اختلاف کیوں ہے اور اس میں کس نسخے کا متن صحیح ہے، اس کے بارے میں کوئی تصریح نہیں کرتے پھر مزید یہ کہ انہوں نے اکثر جگہ طبقات ابن سعد کے ذکر کردہ متن کو اپنی کتاب میں اصل متن کی حیثیت سے نقل کیا ہے اور دیگر کتابوں میں روایت کردہ متن کے فرق کو بیان کرنے پر اکتفاء کیا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ متعدد مقامات پر غلط متن اصل قرار پا گیا ہے اگر ڈاکٹر صاحب

اس پہلو سے اپنی کتاب پر توجہ فرما لیتے تو یقیناً ان کی کتاب آنحضرت ﷺ کے مکاتیب کے سلسلہ میں ایک مستند ماخذ قرار پاتی۔"(۳۷)

نعمانی صاحب نے اپنے کردہ ترجمہ وشرح میں جگہ جگہ ڈاکٹر صاحب کی تحقیق سے اختلاف اور مستشرقین پر ان کے اعتماد پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔(۳۸)

ڈاکٹر صاحب نے اس مجموعہ میں پائے جانے والے غریب الفاظ کا مفہوم ومطلب، حروف تہجی کے اعتبار سے صفحہ ۴۲۹ تا ۴۸۷ بیان کیا ہے اور یہ زیادہ تر "لسان العرب" سے منقول ہے اگر غریب الحدیث سے متعلقہ کتب سے مراجعت کے ساتھ یہ فہرست تیار کی جاتی تو واضح تر اور صحیح تر ہونے کی امید کی جاتی ہے ۲۹۴ مصادر و مراجع کی الفائی فہرست صفحہ ۴۹۱ تا ۵۰۹ پر پائی جاتی ہے بعد ازاں اس مجموعہ کے عربی ایڈیشن اور فرانسیسی ایڈیشن کا تقابلی جدول صفحہ ۵۱۰ تا ۵۱۲ موجود ہے فہرست الاسماء والاعلام صفحہ ۵۱۵ تا ۵۴۲ پھیلی ہوئی ہے فہرست الانساب صفحہ ۵۴۵ تا ۵۵۲ ہے یہ فہرست عدنانیہ اور قحطانیہ کی بنیاد پر تیار کردہ نقشوں کی مناسبت سے ہے ان دونوں نقشوں میں ۱، ۲، ۳، نمبران کے طبقات کا اظہار کرتے ہیں اور ا، ب، ج، نقشوں میں ان کی تلاش پر راہنمائی میں سہولت کی خاطر تحریر کردہ ہیں ڈاکٹر صاحب اگر چہ دنیا سے غیر شادی شدہ اور لا ولد ہی گئے ہیں لیکن ان کی دیگر نادر تحقیقات کی طرح یہ غیر مثل تحقیق بھی انہیں ابنائے اسلام میں تا قیامت زندہ رکھے گی۔

○ اشاریہ وتصحیح "ترجمہ صحیح بخاری"

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے امام بخاری کی الجامع الصحیح کا اشاریہ بھی مرتب فرمایا ہے(۳۹) اس اشاریہ تک رسائی کی بسیار کوشش کے باوجود نا کامی رہی جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب سے اس بارے میں راہنمائی کی گذارش کی گئی آپ بھی افسوس کا اظہار فرما رہے تھے کہ میں نے ڈاکٹر صاحب کو یہ کام کرتے ہوئے دیکھا تھا لیکن حاصل کرنے میں کوتاہی ہوگئی۔ راقم نے اپنے ترک دوستوں سے اس پر معلومات مہیا کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو جناب پروفیسر ڈاکٹر یلدرم آف سلیمان ڈیمرل یونیورسٹی (ترکی) نے بتایا کہ یہ صحیح بخاری کے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ پایا جاتا ہے لیکن ان کے پاس یہ ترجمہ موجود نہ تھا اس لیے اشاریہ کی فوٹو کاپی حاصل نہ ہوسکی۔

ڈاکٹر صاحب کے انتہائی عالمانہ اور محققانہ مزاج کے حوالے سے امید واثق ہے کہ یہ اشاریہ مروجہ اشاریوں میں مختلف انداز کا انتہائی مفید کام ہوگا۔ ارباب علم و فضل سے اس پر مزید راہنمائی کی گزارش ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بطور سیرت نگار'' نامی مقالہ میں صحیح بخاری کا عربی سے اردو ترجمہ بتایا گیا ہے۔ (۴۰) جبکہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے بوسکائی کے کردہ ترجمہ صحیح بخاری کی تصحیح کی ہے۔ (۴۱) آپ کے تحقیقی کاموں میں اشاریہ بخاری کا ہی ذکر ہے یا پھر تصحیح ''ترجمہ صحیح بخاری'' مذکورہ بالا مقالہ نگار صاحبہ کی اردو ترجمہ بخاری کی تحقیقی بلاتصدیق ہے

○ الصحيفة الصحيحة '' موسوم به '' صحيفه همام بن منبه

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو قدیم ترین، انمول اور نایاب صحیفہ ہمام بن منبہ (۱۰۱ھ) کا ۱۳۵۱ھ/۱۹۳۳ء میں برلین (WE ۱۳۸۴، ۱۷۹۷) میں ایک ناقص نسخہ ملا۔ بعد ازاں پروفیسر ڈاکٹر محمد زبیر صدیقی آف کلکتہ یونیورسٹی نے کتب خانہ ظاہریہ دمشق میں مخطوط ثانی دریافت کیا اور پھر وفور ایثار سے اس کی اشاعت کے لیے ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے حق میں دست بردار ہو گئے آپ نے دونوں مخطوطوں کا حرف بہ حرف تقابل کر کے صحیفہ ہمام بن منبہ کو ایڈٹ کیا۔ حاشیہ میں اختلاف متن کی نشان دہی کرتے چلے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد یوسف الدین صاحب نے اس میں پائی جانے والی ۱۳۸، احادیث کی بخاری مسلم میں تلاش کا فریضہ سرانجام دیا (۴۲) اس تخریج کے بارے میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب یوں رقم طراز ہیں:

> ''صحیفہ ہمام کی کل ۱۳۸ حدیثوں میں سے ۹۱ صحیحین میں (حسب ذیل ترتیب سے) موجود ہیں ۲۳ دونوں میں ہیں مزید برآں ۲۵ صرف بخاری کے ہاں اور ۴۳ صرف مسلم کے ہاں ہیں (۴۳) جبکہ یہ صحیفہ بجنسہ انتہائی معمولی سے تقدم و تاخر کے ساتھ مسند احمد بن حنبل میں موجود ہے۔''

ڈاکٹر صاحب نے صحیفہ کی تحقیق و تخریج کے علاوہ اس کی استنادی حیثیت پر بحث کرتے ہوئے اس نسبت کو یقینی ثابت کیا ہے۔ (۴۴)

اشاعت سے پہلے آپ نے اس پر حدیثِ نبویؐ کی تدوین و حفاظت کے حوالے سے انتہائی عالمانہ، مؤرخانہ

اور محققانہ دیباچہ تحریر فرمایا۔(۶۵) یہ صحیفہ سب سے پہلے دمشق کی عربی اکاڈیمی نے اپنے موقر سہ ماہی رسالے ''مجلة المجمع العلمی العربی ''۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء کے چاروں نمبروں میں اسے بہ اقساط طبع کیا۔اور پھر بعض اصلاحوں کے ساتھ الگ کتابی صورت میں بھی شائع کیا۔(۶۴) بعد کے عربی ایڈیشن مزید ضروری ترمیم کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔عربی ایڈیشن شائع ہونے کے ساتھ ہی ہندی مسلمانوں میں بھی اس کی خوب مقبولیت ہوئی۔اور ڈاکٹر صاحب کے برادر محترم مولانا محمد حبیب اللہ صاحب نے شدید مصروفیتوں اور علالت کے باوجود اس کا اُردو میں ترجمہ فرمایا اور اسے ڈاکٹر صاحب کے پاس نظر ثانی کے لیے بھیجا۔اسلامک پبلی کیشنز سوسائٹی حیدرآباد (دکن) نمبر۲ کے سلسلہ مطبوعات میں مکتبہ نشاۃ ثانیہ معظم جاہی مارکیٹ حیدرآباد (دکن) کے زیر اہتمام صحیفہ ہمام بن منبہ کی نظر ثانی کے بعد طبع چہارم ۱۹۵۶ء میں پیش کی گئی جو کہ ۱۴۳ صفحات پر مشتمل ہے جس میں صفحہ ۱۱ سے صفحہ ۷۷ تک ''حدیثِ نبوی کی تدوین وحفاظت'' کے زیر عنوان طویل دیباچہ پایا جاتا ہے۔بعد ازاں صفحہ ۷۹ سے صفحہ ۱۲۱ تک صحیفہ کا عربی متن ایک صفحہ پر اور بالمقابل صفحہ پر اردو ترجمہ پایا جاتا ہے۔صفحہ ۱۳۳ سے صفحہ ۱۲۹ تک اختلاف الروایات کا بیان ہے اور صفحہ ۱۳۱ سے صفحہ ۱۴۳ تک مخطوط دمشق اور مخطوطہ برلین کی سماعتیں پائی جاتی ہیں۔

طبع چہارم کے آغاز میں صفحہ ۱۰ پر ''پیش لفظ طبع ثالث'' تو موجود ہے لیکن طبع ثالث کا سال نہیں پایا جاتا ہے علاوہ ازیں طبع اول ودوم کی کوئی نشان دہی نہیں ملتی۔لیکن طبع ثالث سے ظاہر ہوتا ہے کہ عربی دو ایڈیشنوں کے بعد عربی متن اور اردو ترجمہ کے ساتھ طبع کو طبع میں ثالث شمار کیا گیا ہے اور اردو ترجمہ کے اعتبار سے یہ پہلی طبع ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے الفاظ ملاحظہ ہوں:

> ''ان حالات میں مناسب معلوم ہوا کہ اصل عربی کتاب کا ایک نیا ایڈیشن شائع ہو جائے اور دیباچے کو عصری بتایا جائے چنانچہ ایک تو اصل صحیفہ ہمام بن منبہ شائع کیا جارہا ہے دوسرے نہ صرف اس کا بلکہ سابقہ عربی دیباچے کا (بھی ضروری اصلاح وترمیم کے بعد) اردو ترجمہ جو برادر محترم نے کیا ہے شامل کیا جارہا ہے یہ دیباچہ بتائے گا کہ حدیث نبوی کی تاریخ میں صحیفہ ہمام کو کیا درجہ اور کیا اہمیت حاصل ہے۔''(۶۷)

''پیش لفظ طبع چہارم'' میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا ہے کہ:

''گذشتہ اشاعت کے آخر میں ''بازیاد'' کے طور پر جو اشارے کیے گئے تھے وہ اب دیباچہ کے متن میں سمو دیئے گئے ہیں۔''(۴۸) گویا ''بازیاد'' والی طبع ثالث ہے۔

اس طرح ثالث وطبع چہارم حیدرآباد (دکن) سے ۱۹۵۶ء میں واقع ہوئی ہے جبکہ برادر عزیزم ڈاکٹر محمد عبداللہ صاحب نے لکھا ہے:

''اس کا سب سے پہلا ایڈیشن ۱۹۶۱ء میں حیدرآباد سے شائع ہوا۔''(۵۰)

یہ کمپوزنگ کی غلطی ہو سکتی ہے کیونکہ ۱۹۵۶ء کی طبع چہارم تو میرے ہاتھوں میں ہے☆اور اگر کمپوزنگ کی غلطی نہیں تو پھر ۱۹۵۶ء میں طبع چہارم کے بعد ۱۹۶۱ء میں طبع اول کی تحقیق سمجھ سے بالاتر ہے۔ملک سنز فیصل آباد، کی طرف سے ۱۹۸۳ء میں شائع شدہ صحیفہ ھمام بن منبہ کے شروع میں ایک اضافی دیباچہ از پروفیسر غلام احمد حریری پایا جاتا ہے(۵۱)اس دیباچہ میں جناب حریری صاحب نے دین اسلام میں حدیث کا مقام صحابہ کرام اور حدیث نبوی کے بعد فتنہ انکار حدیث پر قلم اٹھایا ہے بعد ازاں حضرت ابو ہریرہؓ کا تعارف پیش کیا ہے اور ڈاکٹر صاحب کی عبارت:

''غرض بطور فقیہ حضرت ابو ہریرہؓ کا وہ درجہ نہیں جو خلفاء راشدین، عبداللہ بن مسعود، بی بی عائشہ، ابن عمر وغیرہ (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔''(۵۲)

اس پر حریری صاحب نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے علمی اور تاریخی وتحقیقی انداز میں یہ ثابت کیا ہے کہ:

''حضرت ابو ہریرہؓ فتوی واجتہاد کے اعتبار سے اکابر صحابہ کے زمرہ میں شمار ہوتے تھے اور وہ اس ضمن میں کسی طرح بھی حضرت عبداللہ بن عمر، عثمان بن عفان اور دیگر کبار صحابہ سے کم درجہ نہ تھے۔''(۵۳)

صحیفہ ھمام بن منبہ کے عربی سے اردو ترجمہ کے علاوہ ترکی، فرانسیسی، انگریزی تراجم بھی پائے جاتے ہیں۔کمال قوشچو کا کردہ ترکی ترجمہ ۱۹۶۷ء میں استنبول سے طبع ہوا۔اس کا مقدمہ الگ سے بزبان ترکی ''مختصر تاریخ حدیث'' کے نام سے مارکیٹ میں پایا جاتا ہے۔یہ صحیفہ درحقیقت حضرت ھمام بن منبہ (م ۱۰۱ھ) کی وہ تحریری یادگار رہے جو انہوں نے اپنے استاد محترم صحابی رسول حضرت ابو ہریرہؓ (۵۸ھ) سے نقل کیا تھا گویا اسے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی رحلت

کے بعد ۵۰ سال کے اندر اندر اور حضرت ابو ہریرہؓ کی وفات سے پہلے ضبط تحریر میں لایا گیا۔ اس قدر قدیم ترین مجموعہ احادیث رسول کی دریافت، اور تحقیق و تخریج سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے مستشرقین کے اگلے ہوئے اور برصغیر کے منکرین کے ترنوالے کو "عصف ماکول" بنا کر رکھ دیا ہے۔ اور ان کے معاندانہ و جاہلانہ اعتراض کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا ہے کہ "احادیث تیسری صدی ہجری میں احاطہ تحریر میں لائی گئی ہیں" ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی یہ خدمت حدیث، بڑے بڑے محدثین کی خدمات حدیث سے کہیں بڑھ کر ہے کیونکہ اس تحقیق نے ایک طرف مستشرقین و منکرین حدیث کے منہ پر ایک زبردست تاریخی طمانچہ رسید کیا اور دوسری طرف اس فکر سے متاثر بہت سے گمراہوں کی ہدایت کا سامان مہیا کیا ہے۔

○ سیرۃ ابن اسحاق (۱۵۱ھ)

متونِ حدیث کے قدیم ترین ماخذوں میں سے ایک اہم ترین ماخذ سیرت ابن اسحاق (۱۵۱ھ) ہے۔ یہ ماخذ مدت مدید سے مفقود تھا۔ اہل علم کے ہاں اس کی تہذیب و تلخیص سیرۃ ابن ہشام ہی متداول تھی۔ اصل کتاب دیکھنے کی آس تقریباً ختم ہو چکی تھی کہ جامعہ رباط کے فاضل استاد ابراہیم الکتانی نے مکتبہ قرویین میں پائے جانے والے ناقص مخطوطے کے دو قطعوں کی مائیکروفلم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو بھیجی۔ جس کو پڑھنے اور صاف لکھنے کی صبر آزما مشقت سے آپ نبرد آزما ہوئے، بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے اصل مخطوط سے تقابل کی غرض سے مبیضہ کو ابراہیم الکتانی کے پاس بھیجا کسی قدر تقابل کی زحمت جناب ابراہیم الکتانی صاحب نے گوارا کی۔

اس ناقص مخطوطے کے پہلے قطعے کے جزءاول کا پہلا ورق ناقص ہے جزءاول کا اختتام یوں ہے:

آخر الجزاء الاول من كتاب المغازى لا بن اسحاق يتلوه فى الثانى ان شاء الله حديث بحيرا الراهب (۵۴)

دوسرا قطعہ شروع تو "حدیث بحیرا" سے ہی ہوتا ہے لیکن یہ پہلے جزء سے مختلف ہے، دوسرے قطعے میں سیرۃ ابن اسحاق کا الجزء الثانی، الثالث، الجزء الرابع، اور الجزء الخامس پایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کی محققہ یہ نادر و نایاب کتاب ''خدمت الخیر یہ وقف قونیہ'' کی طرف سے ترکی میں ۱۴۰۱ھ/ ۱۹۸۱ء میں طبع ہوئی۔اس ایڈیشن کے آغاز میں ۴۰صفحات پر مشتمل طویل انتہائی عالمانہ ومحققانہ مقدمہ پایا جاتا ہے جس میں محقق کتاب جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اہل ایمان کے ہاں سیرت النبیؐ، مختلف ادوار میں سیرت نگاری، ابن اسحاق اور امام مالک، نیز ابن اسحاق کی خدمات کے اعتراف کا حق ادا کیا ہے۔

طبع قونیہ میں یہ دونوں قطعے صفحہ ا تا صفحہ ۲۸۰ پائے جاتے ہیں۔ ہر صفحے کے نیچے حاشیہ میں سیرۃ ابن ہشام اور سہیلی کے حوالہ جات پائے جاتے ہیں۔علاوہ ازیں آپ نے آیات قرآنیہ کی تخریج بھی کی ہے اوران مخطوطوں میں پائی جانے والی خالی جگہوں یا نا قابل فہم الفاظ کو سیرۃ ابن ہشام کی مدد سے مکمل کیا ہے۔

دونوں قطعے (بشمول پانچ اجزاء) یونس بن بکیر کی روایت سے پائے جاتے ہیں ان کے علاوہ ڈاکٹر صاحب کو سیرۃ ابن اسحاق کا ایک قطعہ مکتبہ ظاہریہ (دمشق) کے مخطوطات سے دستیاب ہوا جو کہ یونس بن بکیر کی بجائے محمد بن سلمۃ کی روایت ہے طبع قونیہ میں یہ قطعہ صفحہ ۲۸۵ تا صفحہ ۳۱۶ پایا جاتا ہے۔متن کتاب کے بعد درج ذیل ایک جدول اور تین فہرستیں پائی جاتی ہیں۔

- جدول المقارنة(بين نص هذا الكتاب و كتاب ابن هشام)
- فهرست آيات القرآن
- فهرست القوافى
- فهرست الاسماء والاعلام

جدول المقارنہ میں ڈاکٹر صاحب نے سیرۃ ابن اسحاق کے ۵۲۰ پیراگراف کے بالمقابل سیرۃ ابن ہشام کے صفحات درج کیے ہیں۔(۵۵) آیات قرآنیہ کی فہرست میں سورۃ نمبر، آیات نمبر درج کرنے کے بعد مقابل میں کتاب کا فقرہ (پیراگراف) درج کیا گیا ہے۔(۵۶) فہرست القوافی حروف تہجی کے اعتبار سے تیار کی گئی ہے۔یہ ترتیب قافیہ کے آخر کے لحاظ سے ہے اور ہر حرف کے اندر قافیہ کے ابتداء کے لحاظ سے ہے۔(۵۷) فہرست الاسماء والاعلام بھی حروف تہجی کے اعتبار سے وضع کی گئی ہے۔صفحہ نمبر کی بجائے پیراگراف نمبر ہی یہاں پر قائم ہے۔اس

فہرست میں ح=(حاشیہ)،ر=(راوی)،ش=(شاعر)،ق=(قوم اور قبیلہ)،م=(موضع اور محل) کے لیے بطور رموز درج ہیں۔(۵۸) سب سے آخر پر فہرست کتاب صفحہ ۳۹۱ تا صفحہ ۳۹۵ پائی جاتی ہے۔جس میں بطور رموز درج ہیں۔(۵۸) سب سے آخر پر فہرست کتاب صفحہ ۳۹۱ تا صفحہ ۳۹۵ پائی جاتی ہے۔جس میں پیراگراف کے حوالہ سے اہم موضوعات کی نشان دہی کی گئی ہے۔ڈاکٹر صاحب نے ۵۲۰ پیراگراف میں سے ۱۷۷ موضوعات پر مبنی یہ فہرست تیار کی ہے۔

اس کتاب کے ۵۲۰ پیراگراف درحقیقت ۵۰۰ کے لگ بھگ روایات (احادیث) کے قدیم ترین ماخذ کی دریافت ہے یہ تحقیق جہاں سیرت النبیؐ کی خدمت عظمیٰ ہے وہاں منکرین حدیث کے مبنی بر جہالت اس اعتراض کا بھی شافی رد ہے کہ احادیث کی کتابت تیسری صدی ہجری میں معرض وجود میں لائی گئی جب کہ روایات کا اس قدر عظیم ذخیرہ فاضل سیرت نگار ابن اسحاق کی وفات ۱۵۱ھ سے قبل تحریری شکل اختیار کر چکا تھا۔

○ انساب الاشراف

احمد بن یحییٰ المعروف بالبلاذری (۲۷۹ھ) کی یہ تصنیف بنیادی طور پر سیرت النبیؐ کی کتاب ہے جس کی تحقیق کا فریضہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے سرانجام دیا۔آپ کی تحقیق کی بنیاد مکتبہ سلیمانیہ استنبول میں رئیس الکتاب سیکشن میں موجود مخطوط نمبر ۵۹۷۔۵۹۸ ہے اس مخطوطہ کی محققہ جلد اول معہد المخطوطات بجامعة الدول العربية نے دارالمعارف مصر کے اشتراک سے ۱۹۵۹ء میں شائع کی۔ڈاکٹر صاحب نے اس کے پیراگراف کی ۱۲۰۵ تک تعداد مقرر کی ہے۔یہ پیراگراف زیادہ تر سیرتِ نبویؐ سے ہی متعلقہ ہیں۔سیرتِ نبویؐ کی کتب، کتب حدیث کی ہی ایک قسم ہے جس میں سینکڑوں روایات مع سند براہِ راست حدیثِ نبویؐ کے زمرے میں آتی ہیں۔اس طرح ڈاکٹر صاحب کا سیرتِ نبویؐ کے اس مخطوطے کو ایڈٹ کرنا حدیثِ نبویؐ کی عمومی طور پر ایک بہترین خدمت ہے۔آپ کے ایڈٹ کردہ دیگر مخطوطوں کی طرح یہ مخطوطہ بھی اس بات کا بین ثبوت ہے کہ احادیث کے تحریری مجموعے عجمی محدثین نے خود نہیں گھڑ ڈالے بلکہ اسانید کے محکم سلسلہ کے ساتھ مروی روایات کو ہی انہوں نے تحریری مجموعوں کی شکل دی تھی۔اپنی طرف سے ان میں کوئی ایک روایت بھی داخل نہیں کی اگر کسی جگہ اس قسم کی

ناپاک کوشش کی گئی تو محدثین نے وضع حدیث کے ضابطے لاگو کر کے اس خزف ریزے کو جواہر نبوی سے بالکل چھانٹ کر الگ کر دیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے تحقیق کردہ مخطوطوں نے احادیث کے بارے میں تاریخی اعتبار سے عدم تسلسل کے اعتراض کا خوب رد کیا ہے اور اس طرح حدیث نبوی پر پھیلائے گئے شبہات و اعتراضات کا خوب پائیدار جواب مہیا کیا ہے۔

○ کتاب السرد و الفرد فی صحائف الاخبار ونسخها المنقولة عن سيد المرسلين

ابوالخیر احمد بن اسماعیل القزوینی (۵۹۰ھ) کی اس تالیف کا ایک مخطوط ڈاکٹر صاحب نے مکتبہ سلیمانیہ (استنبول) کے وزیر شہید علی پاشا سیکشن میں نمبر ۵۳۹ پر تلاش کیا اس کی تحقیق اور انگریزی ترجمہ کیا جو کہ پاکستان ہجرہ کونسل اسلام آباد کی طرف سے ۱۴۱۱ھ/۱۹۹۱ء میں شائع ہوا۔ اس طبع میں انگریزی تعارف اور اس مجموعہ کے گیارہ صحائف کی ۴۵۴ احادیث کا انگریزی ترجمہ ۱۰۲ صفحات پر محیط ہے جبکہ صحائف کا عربی متن، عربی حصے میں صفحہ ۷ تا ۴۳ پایا جاتا ہے۔ صفحہ ا تا ۲۹ میں ڈاکٹر صاحب نے Introduction پیش کیا ہے۔ اس میں آپ نے:

○ History of Hadith, ○ Compilation before the Hijrah,

○ Private effort, ○ Compilation after the Hijrah,

جیسے عنوانات کے تحت معلومات کے دریا بہائے ہیں بعد ازاں کتاب السرد والفرد کا تعارف پیش کیا ہے۔
کتاب السرد والفرد میں مندرجہ ذیل گیارہ صحائف امام قزوینی نے اکٹھے کیے ہیں۔

❶ صحیفہ ھمام بن منبہ

یہ صحیفہ ڈاکٹر صاحب الگ سے بھی شائع کر چکے ہیں اس مجموعے میں صحیفہ ھمام بن منبہ عن ابی ہریرہ مکمل طور پر پایا جاتا ہے لیکن اس کی ترتیب ڈاکٹر صاحب کے برلین، قاہرہ اور دمشق کے مخطوطوں سے شائع کردہ صحیفے کی ترتیب سے مختلف ہے۔ تاہم احادیث کی تعداد یکساں ہے ڈاکٹر صاحب نے صفحہ ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰ پر اس مجموعہ میں ۱۳۵ احادیث کا ایک تخریجی تقابلی جدول پیش کیا ہے جس میں پہلا نمبر اس مجموعہ میں حدیث کا نمبر ہے اور اس کے

ساتھ دوسرا نمبر ڈاکٹر صاحب کے الگ سے تحقیق کردہ صحیفہ ہمام بن منبہ کا حدیث نمبر ہے۔اس کے بعد ہر حدیث کی بخاری مسلم سے تخریج پیش کی ہے جو حدیث صحیحین میں نہیں پائی جاتی اس کی تخریج دیگر کتابوں سے نہیں کی گئی ہے۔ یہ جدول دراصل اردو عربی ایڈیشن کا ہی انگریزی ترجمہ ہے۔انگریزی حصہ میں صفحہ ۵ تا ۳۰ اس کا انگریزی ترجمہ اور عربی متن،عربی حصہ میں صفحہ ۷ تا ۲۳ پایا جاتا ہے۔

❷ صحیفہ کلثوم بن محمد عن ابی ہریرہ

اس صحیفہ کی ۱۸۳ احادیث کی تخریج معجم المفہرس (ونسنک/فواد عبدالباقی) کی مدد سے پیش کی ہے یہ فہرست صفحہ ۲۱ تا ۲۳ پائی جاتی ہے۔انگریزی ترجمہ صفحہ ۳۱ تا ۴۲ اور عربی متن،عربی حصہ میں صفحہ ۲۴ تا ۳۱ پایا جاتا ہے۔

❸ صحیفہ عبدالرزاق عن ابی ہریرہ

اس صحیفہ میں ۴۷ احادیث پائی جاتی ہیں جن کی تخریج فہرست صفحہ ۲۳ پر پائی جاتی ہے۔جس میں صرف حدیث نمبر ۲، ۷، ۱۰، ۱۱، ۱۶، ۲۸، ۲۹، ۳۰، ۳۱، ۳۲، ۳۴، ۳۵، ۴۰ اور ۴۷ کی تخریج بیان کی گئی ہے۔

باقی احادیث کی تخریج کے بارے میں کچھ درج نہیں ان احادیث کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۴۳ تا ۴۱ اور عربی متن، عربی حصہ میں صفحہ ۳۲ تا ۳۷ پایا جاتا ہے ۔

❹ حمید الطّویل عن انس بن مالک

اس صحیفہ میں ۱۰۰/احادیث پائی جاتی ہیں۔جن کی تخریجی فہرست صفحہ ۲۳، ۲۴ پر،انگریزی ترجمہ صفحہ ۱۳ تا ۵۴ اور عربی متن،عربی حصہ میں صفحہ ۳۸، ۳۹ پر پایا جاتا ہے۔

❺ صحیفہ من طریق اہل البیت عن علی بن ابی طالب

اس صحیفہ میں ۱۱۹/احادیث پائی جاتی ہیں جن کی تخریجی فہرست صفحہ ۲۴ پر پائی جاتی ہے جس میں صرف حدیث نمبر ۱۱۴ اور ۱۹ کی تخریج بیان کی گئی ہے احادیث کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۵۵ تا ۵۸ اور عربی متن عربی حصہ میں صفحہ ۴۰ تا ۴۲ پایا جاتا ہے۔

❻ صحیفہ الخضر والیاس عن النبی ﷺ

اس صحیفہ میں ۲۱ /احادیث پائی جاتی ہیں جن کی تخریجی فہرست صفحہ ۲۴ پر پائی جاتی ہے جس میں صرف دو احادیث نمبر ۷ اور ۸ کی تخریج بیان ہوئی ہے احادیث کا انگریزی ترجمہ ۵۹ تا ۶۳ اور عربی متن، عربی حصہ میں صفحہ ۴۳ تا ۴۵ پایا جاتا ہے،......وبه قالا سمعنا رسول الله ﷺ يقول: کی سند سے یہ تمام روایتیں جمع کی ہیں۔ محدثین کے ہاں حضرت خضر اور حضرت الیاسؑ کی روایتیں موضوعات کے زمرے میں شمار ہوتی ہیں (۵۹) لیکن ڈاکٹر صاحب نے اس پر کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

❼ صحیفہ الاشج عن علی بن ابی طالب

اس صحیفہ میں ۲۰ /احادیث پائی جاتی ہیں جن کی تخریجی فہرست صفحہ ۲۴ پر پائی جاتی ہے جس میں صرف گیارہ روایات (نمبر ۲، ۴، ۵، ۶، ۷، ۹، ۱۳، ۱۴، ۱۵، ۱۶، ۲۰) کی تخریج پائی جاتی ہے احادیث کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۶۴ تا ۶۸ اور عربی متن، عربی حصہ میں صفحہ ۴۶ تا ۴۹ پایا جاتا ہے محدثین کے ہاں الاشجیات موضوعات میں شمار ہوتی ہیں۔(۶۰) لیکن ڈاکٹر صاحب نے کوئی اشارہ نہیں کیا ہے۔

❽ صحیفہ جعفر نسطور الرومی

اس صحیفہ میں ۱۲ /احادیث پائی جاتی ہیں جن کی تخریجی فہرست کے بارے میں صفحہ ۲۴ پر درج ہے کہ Reference Found No Where Else. یعنی ان روایات کا حوالہ دوسری کتب میں کہیں بھی نہیں مل سکا ان روایات کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۶۹ تا ۷۱ اور عربی متن، عربی حصہ میں صفحہ ۵۰ تا ۵۲ پایا جاتا ہے محدثین کے ہاں جعفر بن نسطور الرومی کی روایات موضوعات میں شمار ہوتی ہیں۔(۶۱) لیکن ڈاکٹر صاحب اس پر کوئی آگاہی کرتے دکھائی نہیں دیتے۔

❾ صحیفہ خراش عن انس بن مالک

اس صحیفہ میں ۱۵ /احادیث پائی جاتی ہیں جن کی تخریجی فہرست ۲۵ پر پائی جاتی ہے جس میں دس احادیث کی

تخریج بیان ہوئی ہے ان احادیث کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۷۲ تا ۷۵ اور عربی متن، عربی حصہ میں صفحہ ۵۳ تا ۵۵ پایا جاتا ہے۔ محدثین کے ہاں خراش کی روایات موضوعات میں شمار ہوتی ہیں۔ (۶۲) لیکن ڈاکٹر صاحب اس بارے میں بالکل خبردار نہیں کرتے ہیں۔

⑩ صحیفہ عبدالرزاق عن ابن عمر

اس صحیفہ میں ۱۲۷ احادیث پائی جاتی ہیں جن کی تخریج فہرست صفحہ ۲۵، ۲۶ پر پائی جاتی ہے ان احادیث کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۷۶ تا ۸۱ اور عربی متن، عربی حصہ میں صفحہ ۵۶ تا ۶۰ پایا جاتا ہے۔

۱۱۔ صحیفہ جویریۃ بن اسماء عن ابن عمر

اس صحیفہ میں ۱۸۳ احادیث پائی جاتی ہیں جن کی تخریجی فہرست صفحہ ۲۶ تا ۲۹ پائی جاتی ہے احادیث کا انگریزی ترجمہ صفحہ ۸۲ تا ۱۰۱ اور عربی متن، عربی حصہ میں صفحہ ۶۱ تا ۷۳ پایا جاتا ہے۔

○ الاخبار الطّوال (جملہ معترضہ)

''شعبہ علوم اسلامیہ بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان کی طرف سے ایک تحقیقی مقالہ برائے ایم اے علوم اسلامیہ (سیشن ۱۹۹۸ء۔۲۰۰۰ء) بعنوان ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ بطور سیرت نگار'' تیار کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار فرخ ناز صاحبہ نے یہ تحقیق پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم رانا کے زیر نگرانی سرانجام دی ہے۔ مقالہ ہذا میں ڈاکٹر صاحب کی تالیفات کی فہرست میں نمبر ۴۰ پر یوں معلومات کے دریا بہائے گئے ہیں۔

''الاخبار الطّوال ابوحنیفہ الدینوری: (ابوحنیفہ دینوری کا مجموعہ حدیث) مجلّہ عثمانیہ صفحہ ۹۸ (۶۳) الاخبار الطّوال کی ابوحنیفہ الدینوری کا مجموعہ حدیث پڑھ کر حیرت ہوئی کہ محترمہ مقالہ نگار صاحبہ اور گائیڈ صاحب بلکہ شاید بیرونی ممتحن صاحب نے بھی الاخبار الطّوال کو دیکھنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ ابوحنیفہ دینوری (۲۸۲ھ) کی الاخبار الطّوال کا شمار ہماری ملی تاریخ کے قدیم ماخذوں میں ہوتا ہے، ابوحنیفہ دینوری نے دیگر عرب مؤلفوں کی طرح اپنی تاریخ حضرت آدم سے شروع کی ہے اور محمد المعتصم (۲۲۷ھ) کی حکومت پر ختم کی ہے ساری کی ساری کتاب تاریخی

واقعات سے بھری پڑی ہے حدیث نام کی (سوائے ایک روایت کے)(۶۴) کوئی شے اس میں نہیں پائی جاتی ہے۔ جبکہ مذکورہ مقالہ میں اسے ابوحنیفہ دینوری کا مجموعہ حدیث گردانا ہے تحقیق کے نام پر اس بلاتحقیق سرانجام دیئے جانے والے کارنامے سے مزید کوئی دھوکہ نہ کھائے اس لیے یہ وضاحت ضروری سمجھی گئی ہے۔ مجموعہ حدیث ہونے سے ہٹ کر الاخبارالطّوال کو ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کی فہرست تصنیفات، تالیفات تراجم خطبات میں گڈ مڈ کر دیا گیا ہے۔ یہ کتاب نہ ڈاکٹر صاحب کی تصنیف نہ تالیف نہ ہی ترجمہ کردہ ہے۔ اس کا اُردو ترجمہ جناب پروفیسر محمد منور (مرزا) نے کیا ہے(۶۵) ڈاکٹر صاحب نے روسی مستشرق اغناطیوس کراچ کوفسکی کے صرف فرانسیسی مقدمے اور اشاریے کا ملخص اردو ترجمہ کیا ہے(۶۶) نیز ایک ضمیے کی شکل میں الاخبار الطّوال اور اس کے مصنف کے بارے میں بعض ضروری باتوں کا اضافہ کیا ہے۔''(۶۷)

○ مقدمہ کتاب السنن لسعید بن منصور

ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب نے ۱۳۸۰ھ میں اپنی بعض تحقیقات علمیہ کے سلسلے میں مکتبہ محمد پاشا کوپرولی (ترکی) میں مصروف کار تھے کہ وہاں پر آپ کو سنن سعید بن منصور (۲۲۷ھ) کا ناقص نسخہ دریافت ہوا جو کہ مصنف ابن ابی شیبہ کے تحت غلط طور پر مندرج تھا۔ آپ نے یہ نسخہ بغرض تحقیق مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی کو عنایت کر دیا۔ اور بوقت طبع اس پر ایک قیمتی مقدمہ تحریر فرمایا۔ جو القسم الاول عن المجلد الثالث میں صفحہ ۱۳ تا ۳۰ پایا جاتا ہے اس مقدمہ میں آپ نے پہلے حکایۃ الاکتشاف بیان کی ہے پھر سنن کی سعید بن منصور سے نسبت کو یقینی ہونا ثابت کیا ہے بعدازاں رواۃ کی تحقیق پیش کی ہے سعید بن منصور کے حالات زندگی اہم ترین بنیادی ماخذوں سے جمع کیے ہیں آخر میں اس پر کتاب کی اہمیت اور تاریخ علم حدیث میں اس کا مقام و مرتبہ واضح کیا ہے۔ یہ طویل مقدمہ آپ کے تبحر علمی اور حدیثِ نبوی کی حفاظت کے لیے کردہ کاوشوں کا بین ثبوت ہے۔(۶۸)

ڈاکٹر علی (Dr. Ali) آف ترکی نے ''مصنف سعید بن منصور کی از سرنو تالیف'' کے موضوع پر Ph.D کی ہے دوران تحقیق رہنمائی کی غرض سے جناب ڈاکٹر حمیداللہ صاحب کو خط لکھا۔ حسب عادت ڈاکٹر صاحب نے انتہائی مشفقانہ انداز میں بزبان ترکی جواب بھیجا۔ سنن سعید بن منصور کی مناسبت اور آپ کی ترکی زبان سے آگاہی کی غرض سے خط نقل کیا جا رہا ہے(۶۹) اور اس کا ترجمہ انتہائی مفید گردانتے ہوئے پیش خدمت ہے۔

(اردو ترجمہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

میرے عزیز بھائی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا مکتوب گرامی ملا۔ شکریہ۔ اللہ آپ سے راضی ہو۔

سنن سعید بن منصور تین چوتھائی باقی نہیں رہی۔ اس کا تکرار آسان کام نہیں ہے۔ بہرحال کوشش سعید ہے ایک نکتہ اہم ہے کہ سعید بن منصور سے متعلقہ ہر شے اس کی سنن میں نہیں ہے۔ میرے تجربے میں ہے کہ بعض اشیاء کو میں نے امام احمد بن حنبل سے منسوب پایا جو کہ مسند احمد میں نہیں ہیں امام مسلم سے منسوب پایا اور وہ صحیح میں نہیں ہیں۔

آپ کی فہرست میں تاریخ طبرانی نہیں مل پائی۔ اس کی طبع یورپ کے انڈکس میں iii، ۲۴۲۸ پر سعید بن منصور کی ایک روایت کا ذکر ہے اس سے زیادہ اہم شاید ابن کثیر کی تفسیر ہے۔ علاوہ ازیں ابن عبدالبر کی استیعاب بھی شاید مفید ماخذ ثابت ہو اسی طرح سنن سعید بن منصور (بھی)

اگر آپ نئی روایات تلاش کریں اور انہیں صحاح ستہ کے ابواب کی طرز پر ترتیب دیں تو بہت فائدہ ہوگا۔ مطبوع سنن بن منصور کے اہم کلمات کا انڈکس ایک مفید شے ہوگا۔ نئے ماخذوں میں سعید بن منصور سے متعلق کوئی روایت ہو تو کیا یہ سنن (سعید بن منصور) میں ہے یا نہیں؟ اس کے لیے یہ اہم کلمات کا انڈکس مددگار ہوگا۔ بہرحال میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اللہ آپ سے راضی ہو۔

والسلام

محمد حمید اللہ

اس خط سے ڈاکٹر صاحب کی معلومات کی وسعت کا خوب اندازہ ہوتا ہے اور راہنمائی کے طالبین پر آپ کی شفقت بھی عیاں ہے آج ایسی جامع شخصیت کو کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں۔ساری امت مسلمہ، ایک بچھڑے آدمی کا متبادل پیش کرنے سے قاصر ہے جو ہر روز دنیا بھر سے آنے والے بیسیوں خطوط کا اسی انداز میں جواب دیتے تھے۔ خط لکھنے والے اکثر اعلیٰ درجے کے محققین ہوتے یا تحقیق کے میدان میں اعلیٰ سطح پر تحقیق کرنے والے ہوتے، ڈاکٹر صاحب ہر ایک کو اس کے حسب حال جواب سے نوازتے۔

○ جامع معمر بن راشد

جناب محمد رحیم الدین صاحب نے صحیفہ ھمام بن منبہ کے حرف آغاز میں لکھا ہے کہ:

''ابھی حال میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ خوش خبری سنائی ہے کہ انقرہ یونیورسٹی ترکی کے کتب خانہ سے ھمام بن منبہ کے شاگرد رشید، معمر بن راشد (۱۵۲ھ) کا صحیفہ بھی انہوں نے ڈھونڈ نکالا ہے اور اس کو ایڈٹ کرنا شروع کر دیا ہے۔'' (۷۰)

ڈاکٹر صاحب کا تلاش کردہ جامع معمر بن راشد کا نسخہ انقرہ یونیورسٹی کے شعبہ زبان و تاریخ، جغرافیہ کے اسماعیل صاحب سنجر سیکشن میں نمبر۲۱۶۴ پر پایا جاتا ہے (۷۱) جامع معمر بن راشد، مطبوعہ مصنف عبدالرزاق کے آخر پر بھی موجود ہے۔ (۷۲)

ڈاکٹر صاحب کے اس کو ایڈٹ کرنے کی مذکورہ بالا خوش خبری کی مزید تفصیلات حاصل کرنے سے قاصر رہا ہوں۔آپ کے تحقیقی کاموں میں جامع معمر بن راشد کی ایڈیٹنگ کا ذکر مزید کہیں نہیں ملتا ہے۔تاہم آپ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی صاحب سے مصنف عبدالرزاق کے آخر پر پائی جانے والی ''کتاب الجامع'' کے بارے میں اختلاف رائے رکھتے تھے اعظمی صاحب کے نزدیک ''کتاب الجامع'' مصنف عبدالرزاق کا ہی حصہ ہے جبکہ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک مصنف عبدالرزاق کا حصہ نہیں بلکہ یہ ''جامع معمر بن راشد'' ہے اس قضیہ کو ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی نے ''ترجمان الاسلام'' بنارس سے یوں نقل کیا ہے۔اس طرح مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے حافظ ابوبکر عبدالرزاق بن ہمام (۲۱۱ھ) کی مصنف عبدالرزاق کو ایڈٹ کر کے ۱۹۷۲ء میں شائع کرایا تو ڈاکٹر صاحب نے استنبول کے

کتب خانے کے مخطوطات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے ''مصنف عبدالرزاق'' کی آخری دو جلدیں معمر بن راشد کی ''کتاب الجامع'' پر مشتمل ہیں اور یہ مسند عبدالرزاق کا حصہ نہیں ہے اس کے جواب میں مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے ایک مضمون لکھا جس میں اپنے اس موقف پر دلیلیں پیش کیں کہ یہ جلدیں مصنف عبدالرزاق ہی کا حصہ ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نے دوسرا مضمون لکھا اور کچھ مزید دلائل کا اضافہ کیا۔ جواب میں مولانا اعظمی نے اپنے نقطۂ نظر کے اثبات میں مزید حقائق وشواہد پیش کیے۔ مصنف عبدالرزاق اور ''جامع معمر بن راشد'' سے متعلق دونوں بزرگوں کے مذکورہ مکالمات تحقیق وتدوین کے طالب علموں کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ (۷۳)

یہ مضامین الارشاد اعظم گڑھ، اپریل ۱۹۸۳ء (ص ۵۷)، مئی ۱۹۸۳ء (ص ۴۵)، جون/ جولائی ۱۹۸۳ء (ص ۲۵-۲۸) مئی جون ۱۹۸۴ء (ص ۵۹-۶۰) میں پائے جاتے ہیں بھرپور کوشش کے باوجود صرف ایک مضمون ''مصنف عبدالرزاق'' مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، کی فوٹو کاپی حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی۔ (۷۴)

اس میں مولانا اعظمی صاحب نے ڈاکٹر صاحب کا رد کرتے ہوئے خالصتاً علمی وتحقیقی انداز اختیار کرنے کی بجائے خاصا جارحانہ رویہ اپنایا ہے۔ جس کو ''مدیر الرشاد'' نے بھی محسوس کیا ہے اور لکھا ہے کہ :

> ''ڈاکٹر صاحب کی تحقیق سے مولانا اعظمی کو اختلاف ہے اور انہوں نے اس سلسلہ میں یہ مختصر تحریر روانہ فرمائی ہے جو شائع کی جارہی ہے لیکن اس سلسلہ میں راقم الحروف معذرت کرتے ہوئے عرض کرے گا مولانا نے جواب میں جو تحریر روانہ فرمائی ہے اس میں غصہ کا انداز بیان ان کے شایان شان نہیں ہے یہ علمی بحث ہے اس میں علمی ہی انداز مناسب ہے۔'' (۷۵)

○ اقدام آثار تدوین الحدیث کتابۃ

ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کا یہ مقالہ سہ ماہی ''الدراسات الاسلامیہ'' اسلام آباد کے شمارے جنوری/مارچ ۱۹۸۵ء میں صفحہ ۵ تا ۲۰ پایا جاتا ہے اس میں ڈاکٹر صاحب نے نبی علیہ الصلاۃ والسلام کے عصر مبارک کے تحریری سرمایہ احادیث کی نشان دہی کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے عہدِ نبوی کی تحریروں کو تین حصوں:

- وثائق ماقبل الهجرة
- فی اثناء سفر الهجرة
- وثائق لما بعد الهجرة

میں تقسیم کیا ہے اور بڑے اختصار کے ساتھ ان کی نشان دہی فرمائی ہے۔ یہ مقالہ درحقیقت آپ کی مایہ ناز تحقیق ''الوثائق السیاسیۃ ......'' کا ملخص ہے۔ آپ نے زائد صرف یہ کیا ہے کہ اس مقالہ میں ''کتاب السرد والفرد......'' کا اجمالی سا تعارف آخر پر شامل کیا ہے۔ (۷۶) آپ کا یہ مقالہ بھی منکرین حدیث کے اس اعتراض کا تاریخی و تحقیقی جواب ہے کہ حدیث نبوی کی کتابت تیسری صدی ہجری کی پیداوار نہیں ہے بلکہ یہ عہدِ نبویؐ کی میراث ہے مسلمانوں نے یہ کوئی من گھڑت ایجاد نہیں کی بلکہ پیغمبر اسلام علیہ الصلاۃ والسلام کے فرامین ذی شان اور مبارک تحریروں کی حفاظت کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔

○ خطبہ تاریخ حدیث شریف

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا یہ تاریخی لیکچر ''خطبات بہاولپور'' طبع اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور ۱۴۰۱ھ میں صفحہ ۳۱ تا ۶۱ پایا جاتا ہے اپنے دیگر خطبات کی طرح یہ خطبہ بھی آپ نے تمام تر اپنے حافظے کی بنیاد پر دیا اور آپ سامنے معمولی سی چٹ بھی نہیں ہوتی تھی لیکن موضوع کے اعتبار سے تسلسل وہم آہنگی اور معلومات کی جامعیت کے سامنے آدمی حیران رہ جاتا ہے ان خطبات کے ایک سامع ہونے کے ناطے ڈاکٹر صاحب کی اثر انگیزی تا حال قلب وذہن میں برقرار ہے۔ دیگر سامعین کی طرح راقم بھی اس خطبہ کے بعد حدیث نبوی کے بارے میں پیدا کردہ تمام تر شکوک وشبہات کے بارے میں صاف ذہن اور حدیث پر ایمان بالیقین کی دولت سے مالا مال ہو کر پلٹا تھا۔ اس خطبہ میں آپ نے حدیث کی ضرورت واہمیت وحجیت میں ثابت کیا ہے کہ:

''حدیث کی اہمیت قرآن کی اہمیت سے کسی طرح کم نہیں۔'' (۷۷)

اسی طرح دیگر قوموں سے حدیث کے تقابلی جائزہ کے بارے کہتے ہیں کہ:

''حدیث ایک ایسا علم ہے اور حدیث کی مندرجات ایسی چیزیں ہیں جن کے مماثل کوئی اور چیز دوسرے مذاہب میں ہمیں نظر نہیں آتی ان حالات میں تقابلی مطالعے کا امکان باقی نہیں رہتا۔''(۷۸)

حدیث اور سنت کی اصطلاحی تعریف اور ان کا مترادف ہونا ثابت کیا ہے حدیث قدسی کی پہچان کروائی ہے احادیث کو ''سرکاری تحریریں'' اور ''نجی کاوشیں'' کے طور پر تقسیم کرتے ہوئے اس پر تفصیلی معلومات مہیا کی ہیں۔ لیکچر کے آخر پر آپ نے کتاب و تدوین حدیث کے بارے میں نبی علیہ الصلاۃ والسلام کی تعلیمات اور صحابہ کرام کی کاوشوں کا ٹھوس ثبوت پیش کیا ہے یوں تدوین حدیث کے بارے میں اس مغالطے کا رد کیا کہ یہ بعد کے ادوار کی پیداوار ہے۔ خطبہ کے بعد سوال و جواب کی نشست میں اہل سنت اور اہل تشیع کی کتب میں اختلاف کی توضیح و تطبیق سامنے لائے ہیں اصول حدیث میں روایت اور درایت کی اہم علمی فکری و اصولی بحث کو نکھارا ہے اور بعض اہم مسائل پر احادیث نبوی کی روشنی میں سائلین کی راہنمائی کا فریضہ بھی سرانجام دیا ہے۔

تمام لیکچر کے نتیجے میں ڈاکٹر صاحب کے احادیث نبوی پر ٹھیٹھ ایمان کی ہر ایک کو خبر ہوئی جس میں مستشرقین و منکرین کے بلند بانگ علمی دعوؤں سے قطعی طور پر کوئی مرعوبیت نہیں پائی جاتی ہے، بلکہ عالمی سطح کی اہم ترین مسلم شخصیت کے حدیثِ نبویؐ پر انتہائی ٹھوس پختہ مگر سادہ ایمان نے ہر ایک کو حدیثِ نبویؐ پر ایسے ہی متصلبانہ ایمان کی دعوت فکر دی ہے۔

خدماتِ حدیث کے تفصیلی جائزہ سے آپ کی علمی دنیا میں برتری عیاں ہے۔ آپ بنیادی طور پر ایک ماہر قانون کے علاوہ محقق اور مؤرخ تھے لیکن آپ نے احادیثِ نبویہ ﷺ کے بارے میں مستشرقین اور مرعوبین کا علمی، تحقیقی و تاریخی طور پر جواب دینے کا فریضہ ذمے لیا۔ جدید و قدیم مشرقی و مغربی علوم اور کئی ایک ایشیائی و یورپی زبانوں کے ماہر ہونے کے ناطے احادیثِ نبویہ ﷺ کے بارے میں پھیلائے گئے اعتراض و شبہات دور کرنے کا جو بیڑا آپ نے اٹھایا اس کا یوں حق ادا کیا کہ منکرین حدیث کے اعتراضات خود ان کے لیے باعث عار بن گئے۔ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب ذاتی طور پر علوم الحدیث کی تجدید کر گئے اور آنے والی نسلوں کے لیے اس میدان میں کام کی بہت سی نئی راہیں کھول گئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے۔

حواشی وتعلیقات

۱) انقرہ یونیورسٹی، انقرہ ترکی کے صدر شعبہ علوم حدیث پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید خطیب اوغلی کی زیر نگرانی راقم السطور کو Ph.D کی تحقیق کا شرف حاصل ہے آپ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی طرح وسیع معلومات اور انتہائی بلند پایہ ذوق تحقیق رکھتے ہیں، جس کا بین ثبوت خطیب بغدادی (۴۶۳ھ) کی ''شرف اصحاب الحدیث'' کی تحقیق وتعلیق ہے۔ آپ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے بڑے قریبی مراسم رکھتے تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے امام محمد کی ''السیر الکبیر'' کا فرانسیسی ترجمہ کیا اور یہ ترجمہ ترکی میں موصوف کی کاوشوں سے شائع ہوا اس کا مسودہ اپنے قیام ترکی (ماچس رادالہ) (۱۹۹۴ء۔۱۹۸۹ء) کے دوران استاد محترم کے پاس دیکھا تھا۔ ڈاکٹر خطیب اوغلی تقریباً ہر سال ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی زیارت کے لیے پیرس تشریف لے جاتے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا نوکر، بیوی اور ٹیلی فون کے بارے میں رویہ بھی آپ کا دوران گفتگو بیان کردہ ہے۔

۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطبات بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور، ۱۴۰۱ھ، ص ز۔وی (عبد القیوم قریشی: تعارف) ڈاکٹر سید رضوان علی ندوی، تحقیقات وتاثرات، کراچی، ۱۴۲۰ھ/ ۲۰۰۰ء، ص ۵۰۰۔۵۱۴ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ نقوش وتاثرات)؛؟ تذکرہ شعبہ قانون، حیدرآباد ۱۳۶۳ھ/ ۱۹۴۴ء؛ سہ ماہی ''تحقیقاتِ اسلامی'' علی گڑھ جنوری۔مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۹۶۔۱۱۲ (ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور اسلامی علوم کی تحقیق وتدوین)؛ ماہنامہ ''اردو ڈائجسٹ'' لاہور، فروری ۲۰۰۳ء، ص ۱۹ (ادریس صدیقی: اسلام کا بین الاقوامی سفیر)؛ ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی، ربیع الاول ۱۳۹۳ھ، ص ۲۰۔۲۷ ڈاکٹر حمید اللہ: حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتاب اظہار الحق اور اس ترجمہ ماہنامہ ''دعوۃ'' اسلام آباد مارچ ۲۰۰۳ء (ڈاکٹر حمید اللہ نمبر)؛ ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ، مئی ۱۹۸۳ء ص ۴۸۔۵۳ (مولانا ابوعلی عبد الباری: محترم ڈاکٹر حمید اللہ صاحب دار المصنفین میں)؛ ماہنامہ ''فکر ونظر'' اسلام آباد، مئی ۱۹۷۶ء (یوم تاسیس نمبر) ص ۹۴۴ (بزمی انصاری: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی) ماہنامہ ''محدث'' لاہور، فروری ۲۰۰۳ھ، ص ۶۵۔۶۸ (عظیم ترمذی: ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم)، ص ۶۹۔۷۲ (پروفیسر خورشید احمد: ڈاکٹر محمد حمید اللہ)؛ ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، مارچ ۲۰۰۳ء، (شذرات آہ! فاضل گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحلت فرما گئے) ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی، ۶ رفروری ۱۹۹۲ء، ص ۸۔۱۲ (محمد صلاح الدین، پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے وزیر اعظم نواز شریف کی ملاقات، ڈاکٹر محمد حمید اللہ مختصر سوانح)

Select List of the Printed work of Dr. Muhammad Hamidullh, Centre Culturel Islamique (Paris), First Edition 1.1.1404- 1980; Impect International, London, Jan-Mar.2003, P.17-20 (Dr. Mahmood Ahmad Ghazi: Sirah, Hadith and Law), P.21-23 (Dr. Mahmood Ahmad Ghazi : Teacher per Exellence), P.32-33 (Dr.

Muhammad Abdul Jabbar Beg : A Pupil's memories......), P.42-44 (M.H. Faruqi: The Last Citizen of Hyderabad......), P. 16 (Nadia Batool Ahmad : Humble and Dignified), P.31 (Razali Nawawi: Malaycounsels......), P.14-15 (Sadiz Athullah: Muhammad Hamidullah), P.28-30 (Syed Salman Nadvi : AScholar's Scholar), P.34-36 (Dr. Yuuf Zia Kavakci : The Debt we Own in Turkey......), P.24-27 (Zafar Ishaq Ansari : Great Encounters): www. muslim-canada .org/ biosketchhamid.html (Dr. Muhammad Hamidullah a Biographical Sketch), (Ayub Khan : Greatest Living Islamic Scholar Dr. Hamidullah Passed Away), (Dr. Kamil Yasaroglu: Cok.Yonlu Bir Islam Alimi Portresi: Muhammad Hamidullah)

۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۴۰۱ھ، ص ۳۶: نقوش (رسول نمبر) لاہور ۱۹۸۲ء، ج ۲ ص ۶۲۷ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ: محمد رسول اللہ، مترجم: نذیر حق)۔

۴۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۳۷

۵۔ ایضاً، ص ۳۳، ۶۵

(6) Muhammad Hamidullh, The Prophet's Establishing a State and His Succession, Islamabad ھ1408/ء1988, P.12.

۷۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۳۳۔۳۴

۸۔ ایضاً، ص ۳۵

۹۔ ایضاً، ص ۶۵۔۶۶

۱۰۔ ایضاً، ص ۳۱۵

۱۱۔ ایضاً، ص ۶۵

۱۲۔ صحیفہ ھمام بن منبہ، (تحقیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ)، کراچی ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء، ص ۸۹۔

۱۳۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۵۲

۱۴۔ ایضاً، ص ۵۷

۱۵۔ نقوش، ج ۲، ص ۶۲۸

۱۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ، امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، کراچی ۱۹۸۳ء، ص ۳۳۔۳۴

۱۷۔ سیرت ابن اسحاق (تحقیق: ڈاکٹر محمد حمید اللہ)، قونیہ (ترکی) ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء ص، ط (مقدمہ)

۱۸۔ تفصیلی بحث کے لیے دیکھیے: ناصر الدین، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، الریاض ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء، ج ۱ ص ۶۰۰، (حدیث نمبر ۴۱۶)

۱۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی، کراچی ۱۹۸۱ء، ص ۲۰۹۔۲۱۰ (۲۹۰)

۲۰۔ البانی، سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ، ج ۱ ص ۴۵۰ (حدیث نمبر ۲۸۲)

۲۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اللہ کی سیاسی زندگی، کراچی ۱۹۸۰ء، ص ۲۲ (۳۵)

۲۲۔ ابن تیمیہ، احادیث القصاص، المکتب الاسلامی ۱۹۳۲ھ/۱۹۷۲ء، ص ۷۸

۲۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، امام ابوحنیفہ کی تدوین وقانون اسلامی، کراچی ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء ص ۲۶۔۲۷

۲۴۔ ابن تیمیہ، احادیث القصاص، ص ۶۷۔۶۸؛ ملاعلی قاری، الموضوعات الکبری، سانگہ ہل؟ ص ۳۱۰۔۳۱۱

۲۵۔ نقوش (رسول نمبر)، ج ۲ ص ۵۲۸ (۳۷)

۲۶۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ص ۲۹۰ (۴۲۷)

۲۷۔ الکتب الستۃ، السنن ابی داؤد، الریاض ۱۴۲۰ھ/۱۹۹۹ء، ص ۱۲۵۹ (حدیث نمبر ۴۹۴)، جامع الترمذی، ص ۱۶۸۲ (حدیث نمبر ۴۰۷)

۲۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی ص ۲۰۵ (۲۸۵)

۲۹۔ صحیفہ ھمام بن منبہ، ص ۸۹، خطباتِ بہاولپور، ص ۵۳

۳۰۔ سیرت ابن اسحاق، ص کد۔ کط۔

۳۱۔ ماہنامہ ''دعوۃ'' اسلام آباد، جلد ۹، شمارہ ۱۰، مارچ ۲۰۰۳ء ص ۳۱، (ڈاکٹر محمود احمد غازی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسویں صدی کے ممتاز ترین محقق)

۳۲۔ خطباتِ بہاولپور، ص ۵۸

۳۳۔ مولانا عبد الشہید نعمانی، فرامین نبویؐ (ترجمہ وشرح مکاتیب النبی صلی اللہ علیہ وسلم للامام ابوجعفر الدیبلی ۳۲۲ھ)، کراچی ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء، ص ۲۳

۳۴۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ...... بیروت ۱۳۸۹ھ/۱۹۶۹ء، ص ۲۵ تا ۳۰۹

۳۵۔ ایضاً ص ۴۹۱ تا ۵۰۹

۳۶۔ ایضاً ص ۲ ی

۳۷۔ نعمانی، فرامین نبویؐ، ص ۲۳۔۲۴

۳۸۔ ایضاً، ص ۳۳، ۳۷، ۴۱، ۴۷۔۴۸، ۶۰، ۶۶، ۷۸، ۸۷ اور ۱۱۳

۳۹۔ خطباتِ بہاولپور، ص۔ب ی

۴۰۔ فرح ناز، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بطور سیرت نگار (غیر مطبوعہ مقالہ برائے ایم اے)، بہاو الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان سیشن ۱۹۹۸ء۔۲۰۰۰ء، ص ۴۱

۴۱۔ سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی" علی گڑھ، جنوری۔مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۱۰۹ (ڈاکٹر محمد سعود عالم قاسمی: حمید اللہ اور اسلامی علوم کی تحقیق)

۴۲۔ صحیفہ ہمام بن منبہ، حیدر آباد (دکن) ۱۳۷۵ھ/۱۹۵۶ء، ص ۸ (محمد رحیم الدین: حرف آغاز) جبکہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ "مذکورہ بالا حوالوں میں سے بعض کے لیے میں ڈاکٹر یوسف الدین صاحب کی نوازشوں کا ممنون ہوں۔ص ۶۳

۴۳۔ صحیفہ ہمام بن منبہ، ص ۶۴، بخاری مسلم میں احادیث کی نشان دہی کی تفصیلی فہرست ص ۵۹ تا ۶۳ پائی جاتی ہے

۴۴۔ ایضاً، ص ۵۵ تا ۶۹

۴۵۔ ایضاً ص ۱۱ تا ۷۷

۴۶۔ ایضاً، ص ۱۰

۴۷۔ ایضاً، ص ۱۰

۴۸۔ ایضاً، ص ۹

۴۹۔ صحیفہ ہمام بن منبہ (ناشر: رشید اللہ یعقوب)، کراچی ۱۴۱۹ھ/۱۹۹۸ء، ص ۲

۵۰۔ ماہنامہ "دعوۃ" اسلام آباد، ص ۶۴ (ڈاکٹر محمد عبداللہ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ علمی روایات کے امین)

☆ اس قدیم طبع کے علاوہ دیگر نادر و نایاب کتب کی فراہمی کے سلسلہ میں اپنے مہربان دوست، بیت الکتب فیصل آباد کے مؤسس جناب علی ارشد صاحب کا انتہائی ممنون ہوں)

۵۱۔ صحیفہ ہمام بن منبہ، ملک سنز کارخانہ بازار، فیصل آباد ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۳ء، ص ۱ تا ۲۰

۵۲۔ صحیفہ ہمام بن منبہ، فیصل آباد، ص ۴۵؛ حیدر آباد، ص ۴۹

۵۳۔ صحیفہ ہمام بن منبہ، فیصل آباد، ص ۱۹

۵۴۔ سیرت ابن اسحاق، ص ۴۸

۵۵۔ ایضاً، ص ۳۱۹ تا ۳۲۲

۵۶۔ ایضاً، ص ۳۲۳ تا ۳۲۴

۵۷۔ ایضاً، ص ۳۲۵ تا ۳۴۳

۵۸۔ ایضاً،ص۳۴۴ تا ۳۸۹

۵۹۔ ملا علی قاری، الموضوعات الکبری (تحقیق وتعلیق: محمد الصباغ)، سانگلہ ہل ؟، ص۳۶

۶۰۔ امام صغانی، الدر الملتقط فی تبیین اللغلط ویلیہ کتاب الموضوعات، بیروت ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء، ص۶ (کتاب الموضوعات)

۶۱۔ امام صغانی، کتاب الموضوعات، ص۶؛ ملا علی قاری، الموضوعات الکبری، ص۴۶۰؛ امام شوکانی، الفوائد المجموعہ فی الاحادیث الموضوعۃ القاھرۃ ؟ ص۴۲۳

۶۲۔ امام صغانی، کتاب الموضوعات، ص۶؛ ملا علی قاری، الموضوعات الکبری، ص۴۰۷

۶۳۔ فرح ناز، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بطور سیرت نگار، ص۴۱

۶۴۔ ابوحنیفہ الدینوری، الاخبار الطّوال (ترجمہ: پروفیسر محمد منور)، لاہور ۱۹۸۶ء، ص۲۸۲

۶۵۔ ابوحنیفہ الدینوری، الاخبار الطّوال (ترجمہ پروفیسر محمد منور)، اردو سائنس بورڈ، لاہور، باراول ۱۹۶۶ء، باردوم اپریل ۱۹۸۶ء، صفحات ر+۴۰۷

۶۶۔ ابوحنیفہ الدینوری، الاخبار الطّوال، ص۔و (مقدمہ محمد حمید اللہ)

۶۷۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: الاخبار الطّوال، ص۶۵ تا ۸۰

۶۸۔ تفصیلات کے لیے: سعید بن منصور، کتاب السنن، (تحقیق وتعلیق: حبیب الرحمٰن اعظمی)، ص۱۳ تا ۳۰ (المقدمہ من الاستاذ الدکتور حمید اللہ)

۶۹۔ ڈاکٹر علی آک یوز، مصنف سعید بن منصوری از سر نو تالیف، استنبول ۱۹۹۷ء (بزبان ترکی مطبوع مقالہ برائے پی ایچ ڈی) ص۹

۷۰۔ صحیفہ ھمام بن منبہ، ص۷

۷۱۔ تفصیلات کے لیے: ڈاکٹر علی یاردم، حدیث ii، ازمیر (ترکی) ۱۹۹۲ء، ص۴۹۔۵۰

۷۲۔ مصنف عبد الرزاق (تحقیق: حبیب الرحمٰن الاعظمی) جوہانسبرگ ۱۳۹۲ھ/۱۹۷۲ء، الجزاء العاشر (ص۳۷۹ تا آخر یعنی ۴۶۸ تک) اور الجزاء الحادی العاشر (مکمل) کتاب الجامع لمعمر بن راشد پر مشتمل ہے۔

۷۳۔ سہ ماہی ''تحقیقاتِ اسلامی'' علی گڑھ، ص۱۰۴۔

۷۴۔ ماہنامہ ''الرشاد'' اعظم گڑھ، مئی ۱۹۸۳ء، ص۴۵۔۴۴ (مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی مدظلہ۔ مصنف عبد الرزاق)

۷۵۔ ایضاً، ص۴۷۔

۷۶۔ تفصیلات کے لیے دیکھیے: ''الدراسات الاسلامیہ، اسلام آباد جنوری۔ مارچ ۱۹۸۵ء، ص۵۔۲۰ (د۔ حمید اللہ: اقدم آثار تدوین الحدیث کتابہ)

۷۷۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور، ص۳۶۔

۷۸۔ ایضاً، ص۳۶۔

کتاب السردو الفرد فی صحائف الاخبار

لابی الخیر احمد بن اسمعیل القزوینی

ترتیب و تعلیق مع انگریزی ترجمہ: ڈاکٹر محمد حمید اللہ

* پروفیسر عبدالرحمٰن مؤمن

حضور اکرم ﷺ کے ارشادات، سیرت وسوانح اور حالات ومعاملات سے متعلق جو مواد مسلمانوں کے یہاں پایا جاتا ہے وہ نہ صرف کیفیت وکمیت کے لحاظ سے حیرت انگیز ہے بلکہ اس کی مثال دُنیا کے کسی مذہب میں نہیں ملتی۔ اس مواد میں کتب حدیث کی ضخیم مجلدات، اسماء الرجال کا عظیم الشان ذخیرہ اور سیرتِ نبویؐ پر لاتعداد کتابیں شامل ہیں۔ علامہ محمد یوسف شامی کی کتاب ''سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد'' جس کی پانچ جلدیں چھپ چکی ہیں، اور شاید ۱۵ سے زائد جلدیں ہنوز تشنہ طباعت ہیں (۱) دُنیا میں اپنی نوعیت کی منفرد اور ضخیم ترین کتاب ہے۔

بعض حلقوں کی طرف سے یہ لغو بات کہی جاتی ہے کہ بخاری ومسلم جیسی حدیث کی کتابیں آنحضور ﷺ کے وصال کے دوسو برس بعد لکھی گئیں لہذا ان پر کلیتًا اعتبار نہیں کیا جاسکتا۔ یہ گمان علم حدیث کی تاریخ سے ناواقفیت پر مبنی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے وصال سے قبل ہی اسلام جزیرۂ عرب میں پھیل چکا تھا اور تقریباً پانچ لاکھ افراد مشرف بہ اسلام ہو چکے تھے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر ایک لاکھ چالیس ہزار صحابہ کرام موجود تھے۔ صحابہ کرام کو آنحضور ﷺ سے جو عقیدت وارادت تھی اور آپ ﷺ کے ارشادات وتعلیمات کے تحفظ اور ترسیل وابلاغ کے ساتھ جو اعتناء انہوں نے اور ان کے بعد آنے والی نسلوں نے کیا اس کی نظیر انسانی تاریخ میں ناپید ہے۔ تواتر اور اسناد کے التزام کے ساتھ حدیث کا جو مہتم بالشان ذخیرہ ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوا اس میں نہ صرف یادداشت بلکہ تحریر کو بھی دخل تھا۔ چنانچہ عہدِ نبوی ﷺ ہی میں سینکڑوں وثائق وفرامین ضبط تحریر میں لائے گئے تھے۔ ان وثائق وفرامین کو جن میں ۳۰۰ سے زائد خطوط بھی شامل ہیں، فاضل محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے اپنی کتاب:

---

* پروفیسر صدر شعبہ عمرانیات، بمبئی یونیورسٹی بمبئی، انڈیا۔

''الوثائق السیاسیة فی العھد النبوی والخلافة الراشدہ ''میں بڑے سلیقہ سے جمع کر دیا ہے۔(۲)

آنحضور ﷺ نے اپنے زمانہ کے حکمرانوں کو جو تبلیغی خطوط لکھے تھے ان میں سے پانچ اپنی اصل شکل میں آج بھی محفوظ ہیں۔(۳)

یہ خطوط ہرقل روم، مقوقس، منذر بن ساوی، نجاشی اور کسریٰ کے نام لکھے گئے تھے۔ ان خطوط کے متون میں جو حدیث وسیرت اور تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں اور اصل خطوط میں کوئی تفاوت نہیں پایا جاتا۔ یہ کتب حدیث کے معتبر ہونے کا ایک بڑا ثبوت ہے۔

متعدد صحابہ کرام نے حدیث کو ضبط تحریر میں لانے کا اہتمام کیا تھا۔ ان میں کبارِ صحابہ مثلاً حضرت ابو ہریرہؓ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ اور حضرت سعد بن عبادہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام شامل ہیں۔ بالفاظ دیگر علم حدیث کی تدوین صحابہ کرامؓ کے زمانہ ہی میں شروع ہو چکی تھی۔ حدیث کا ایک قدیم ترین مجموعہ وصحیفہ ہمام بن منبہ ہے۔ ہمام بن منبہ (متوفی ۱۰۱ھ) حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد تھے۔ صحفیہ ہمام بن منبہ کی تمام مرویات صحاح ستہ میں موجود ہیں نیز اس کا پورا متن مسند احمد بن حنبل میں موجود ہے۔ صحیفہ ہمام بن منبہ کے قلمی نسخے دمشق، قاہرہ اور برلن میں پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ان تمام مخطوطوں کا مقابلہ کر کے تعلیق وتقدیم کے ساتھ اسے دمشق سے شائع کرایا۔(۴)

حدیث کی دیگر قدیم کتابوں میں جواب زیورطبع سے آراستہ ہو چکی ہیں، مسند حمیدی، سنن سعید بن منصور، مصنف عبدالرزاق اور امام عبداللہ بن مبارک کی کتاب ''الزہد والرقایق'' شامل ہیں۔

۱۹۸۴ء میں پاکستان ہجرہ کونسل نے اسلامی نظریہ حیات، تہذیب اور معاشرت پر سو(۱۰۰) اہم ترین کتابیں ازسرنو شائع کرنے کا منصوبہ بنایا تھا۔ یہ کتابیں بارہ خانوں میں تقسیم کی گئیں۔

- مذہب واخلاقیات
- تعلیم
- فلسفہ
- سیاسیات

- قانون
- تاریخ
- تہذیب و معاشرت
- فلکیات
- علوم طبیعیہ
- ریاضیات
- طب و معالجہ
- اطلاقی علوم اور ٹیکنالوجی

ابوالخیر احمد بن اسمٰعیل القزوینی کی کتاب ''السرد و الفرد فی صحائف الاخبار و نسخها المنقولة عن سید المرسلین'' اسی منصوبہ کے تحت اسلام آباد سے ۱۴۱۱ھ میں شائع کی گئی۔ اس کتاب کا خطی نسخہ وزیر شہید علی پاشا کے ذخیرہ کتب واقع سلیمانیہ لائبریری استانبول میں موجود ہے۔ مخطوطہ کی تاریخ ۷؍صفر ۵۹۹ ہجری ہے۔ اس کتاب میں ۴۳۶ روایات پر مشتمل گیارہ صحائف ہیں جو دراصل عہدِ صحابہؓ کے قدیم ترین مجموعہ ہائے حدیث کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کتاب کی تمام مرویات میں اسناد کا التزام کیا گیا ہے۔ ان میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی تین صحائف ہیں۔ ایک ان کے شاگرد ہمام بن منبہ کا مرتب کردہ ہے، دوسرا کلثوم بن محمد کا اور تیسرا عبدالرزاق کا ترتیب دیا ہوا ہے۔ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت کردہ حدیثوں کے دو صحیفے ہیں۔ ایک ان کے شاگرد حمید الطّویل کا ترتیب کردہ ہے اور دوسرا خراش کا۔ حضرت علیؓ کی مرویات کے دو صحیفے ہیں۔ ایک ان کے اہل خانہ کی زبانی اور دوسرا اشج کا روایت کردہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی مرویات کے دو صحیفے ہیں۔ ان میں ایک عبدالرزاق کا روایت کردہ ہے اور دوسرا جویریہ بن اسماء کا، ایک صحیفہ جعفر بن نسطور روی کا ہے جو صحابہؓ میں سے ہیں؟ ایک صحیفہ حضرت خضر اور حضرت الیاس علیہما السلام کی مرویات پر مشتمل ہے۔

بدقسمتی سے کتاب السرد والفرد کے جامع و مرتب ابوالخیر احمد بن اسمٰعیل القزوینی کے بارے میں معلومات دستیاب نہیں ہیں۔ ان کے بیٹے ابوبکر محمد بن احمد قزوینی نے ان کی کتابوں کو روایت کیا ہے۔ کتاب ''السرد والفرد'' کے گیارہ صحائف کی مرویات اس طرح ہیں:

- صحیفہ ہمام بن منبہ ۱۱۸
- صحیفہ کلثوم ۶۲

○ صحیفہ عبدالرزاق	۴۷	○ صحیفہ حمید الطّویل	۱۰
○ صحیفہ اہل البیت	۱۹	○ صحیفہ خضر والیاس	۲۱
○ صحیفہ اشج	۲۰	○ صحیفہ جعفر بن نسطور روی	۱۱
○ صحیفہ خراش	۱۴	○ صحیفہ عبدالرزاق	۲۷
○ صحیفہ جویریہ	۸۳	○ کل مرویات	۴۳۶

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے، جن کے سر اس مخطوطہ کی دریافت کا سہرا ہے، تمام مرویات کی تخریج کی ہے اور صحاح ستہ نیز مسند احمد بن حنبل میں پائی جانے والی مرویات کی نشاندہی کی ہے۔ ہر صحیفہ کے آخر میں اہم رواۃ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے معلومات فراہم کی ہیں ان میں ایک راوی ابو محمد عبداللہ بن محمد بن زیاد السندی ہیں جو چوتھی صدی ہجری کے مُحدّث ہیں۔ان گیارہ صحائف میں سب سے اہم صحیفہ ہمام بن منبہ ہے جس کو حدیث کی قدیم ترین کتابوں میں ہونے کا شرف حاصل ہے۔صحیفہ علیؓ کی بیس مرویات میں سے جو ان کے اہل بیت سے نقل کی گئی ہیں، صرف دو روایتیں صحاح ستہ میں ملتی ہیں، ان میں سے ایک صحیح بخاری میں ہے:

سمعت رسول الله ﷺ يقول: ''من احسن الى احد من اهل بيتى بعدى شفعت له يوم القيامة ويكون فى الجنة معى ''

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جو میرے بعد میرے کسی اہل بیت سے اچھا برتاؤ کرے گا میں اس کے لیے قیامت کے دن شفاعت کروں گا اور وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔''

دوسری روایت ابن ماجہ میں ہے:

سمعت رسول الله ﷺ يقول: أن الدين قبل الوصية وانتم تقرؤون من بعد وصية يوصىٰ بها اودين ۔ (النساء۴:۱۲)

''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا کہ آپ ﷺ نے فرمایا قرض کی ادائیگی، وصیت سے پہلے
ہے، تم لوگ (یہ آیت) تلاوت کرتے ہو ، من بعد وصية يوصىٰ بها او دين

اسلامی روایات میں حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ کی شخصیت کچھ پراسراری ہے۔ ان کے بارے میں عام طور سے یہ خیال پایا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ ''کتاب السرد والفرد'' کے صحیفہ خضر والیاس میں ہے کہ راوی ایک غار میں داخل ہوئے اور راستہ بھول گئے۔ اتنے میں اچانک ان کو حضرت خضر علیہ السلام نظر آئے۔ ان کے ساتھ حضرت الیاسؑ بھی تھے۔ راوی نے ان سے پوچھا: هل رأيتما محمداً ﷺ ''کیا تم نے آنحضور ﷺ کو دیکھا ہے؟'' انہوں نے جواب دیا ''ہاں''۔ راوی نے ان سے درخواست کی کہ آپ مجھ سے آنحضور ﷺ کی چند حدیثیں راویت کریں تا کہ میں آپ کی سند سے ان کو روایت کروں اس صحیفہ میں حضرت خضرؑ اور حضرت الیاسؑ سے روایت کروہ ۲۱ مرویات ہیں۔ ان میں سے صرف ایک روایت صحاح ستہ میں اور ایک مسند احمد بن حنبل میں ہے۔

صحیفہ خضرؑ والیاسؑ میں مروی روایت نمبر ۷:

سمعنا رسول الله ﷺ يقول: لو ان العباد لم يذ نبوا لخلق الله تعالىٰ
خلقاً يذنبون ثم يغفر لهم انه هو الغفور الرحيم (مسلم اور ترمذی میں ہے)

روایت نمبر ۸:

سمعنا رسول الله ﷺ يقول: ''ما على الارض رجل يقول لا اله الا
الله والله اكبر وسبحان الله والحمد لله ولا حول ولا قوة الا بالله العلى
العظيم الا غفرت ذنوبه ولو كانت مثل زبد البحر (مسند احمد بن حنبل میں ہے)

صحیفہ جعفر بن نسطور روری میں ۱۲ مرویات ہیں، ان میں سے کوئی روایت صحاح ستہ میں نہیں پائی جاتی۔ اس صحیفہ میں جعفر بن نسطور روری کو صحابی بتایا گیا ہے لیکن اس بارے میں تاریخ اور اسماء الرجال کی کتابوں میں کوئی معلومات نہیں ملتی۔ شیخ ابوالفضل محمد بن علی الخراسانی المہتدی کی ملکیت میں صحیفہ جعفر بن نسطور روری کا جو نسخہ تھا اس کے اخیر میں یہ لکھا ہوا تھا:

''ابوالحسن علی بن الحسین سے اس نسخہ کی صداقت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ان کے استاد ابوداؤد نے اپنے استاد ابوالقاسم منصور کی زبانی یہ سنا کہ جعفر بن نسطور غزوہ تبوک میں آنحضور ﷺ کے ہمراہ تھے اتفاق سے آنحضور ﷺ کا کوڑا نیچے گر پڑا جعفر بن نسطور نے کوڑا اٹھا کر آپ ﷺ کو دیا آنحضور ﷺ نے ان کے لیے درازئ عمر کی دُعا فرمائی چنانچہ جعفر بن نسطور کی عمر ۲۸۰ برس کی ہوئی اور انہوں نے بصرہ میں وفات پائی۔''

یہ روایت رتن ہندی والی راویت سے ملتی جلتی ہے جس کے بارے میں محدّثین اور اصحابِ جرح وتعدیل لکھتے ہیں کہ یہ باطل ہے۔(۵)

صحیفہ جعفر بن نسطور میں یہ روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ من یاکل ما یسقط من القصعة او الخوان رفع عنه الجنون والمرض والحمق وعن اولاده تغیر اللون والحمی والجنون۔ (روایت نمبر۴)

''جس نے رکابی یا خوان سے گرا ہوا دانہ اٹھا کر کھالیا وہ جنون اور بیماری اور حماقت سے محفوظ رہے گا اور اس کی اولاد برص، بخار اور جنون سے محفوظ رہے گی۔''

یہ روایت موضوع معلوم ہوتی ہے۔محدّثین عظام نے موضوع روایتوں کی جو صفتیں بتلائی ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ اس میں معنوی رکاکت پائی جاتی ہو نیز یہ کہ وہ عقل انسانی یا مشاہدہ کے خلاف ہو۔علامہ ابن جوزی فرماتے ہیں:

'' ما احسن قول القائل اذا رأیت الحدیث یباین المعقول او یخالف المنقول اوینا قض الاصول فاعلم انه موضوع'' (٦)

''کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ جب کسی حدیث کو عقل ونقل کے خلاف دیکھو یا اصول کے خلاف پاؤ تو جان لو کہ وہ موضوع ہے۔''

''کتاب السر دو و الفرد'' کی اشاعت بلاشبہ ایک اہم علمی و دینی خدمت ہے جس کے لیے فاضل مرتب و مترجم اور پاکستان ہجرہ کونسل دونوں مبارکباد اور اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ فجزاهم الله خير الجزاء

(بشکریہ ''معارف'' اعظم گڑھ، جولائی ۱۹۹۴ء)

حواشی و حوالہ جات

۱۔ یہ کتاب اب مکمل اشاعت پذیر ہے، اور اس کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ پندرہ جلدوں میں ہیں آخری جلد میں پوری کتاب کا اشاریہ دیا گیا ہے۔

۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ: الوثائق السیاسیہ، طبع بیروت (چھٹا ایڈیشن) نیز ڈاکٹر صاحب کی اردو کتاب ''رسول اکرم کی سیاسی زندگی''، کراچی ۱۹۸۴ء۔

۳۔ ڈاکٹر صاحب نے اسی موضوع پر فرانسیسی زبان میں:

"Six Originaux Des Letters DiplomaTiques Du Prophete De L'Islam"

کے نام سے ایک کتاب لکھی ہے، طبع پیرس ۱۹۸۶ء۔

۴۔ صحیفہ ہمام بن منبہ (مع اردو ترجمہ، طبع حیدرآباد، مع انگریزی ترجمہ، دسواں ایڈیشن، طبع حیدرآباد)۔

۵۔ ذہبی، میزان الاعتدال، جلد ۱، ص ۱۰۹، ابن حجر: لسان المیزان، ج ۲، ص ۴۵۰۔

۶۔ سیوطی، جلال الدین، تدریب الراوی، ص ۱۰۰۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مصنّف سیرت نبویہ ﷺ

* ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ

[ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ (۱۹/اکتوبر ۱۹۰۱ء-۴/نومبر ۱۹۷۷ء) ۔(۱) عربی زبان وادب اور علوم اسلامیہ کے فاضل، محقق اور استاذ تھے، وہ کئی زبانوں مثلاً انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی، عربی، فارسی، اردو وغیرہ میں کامل دسترس رکھتے تھے، گورنمنٹ کالج جھنگ سے تدریس کا آغاز کیا، بعدازاں گورنمنٹ کالج لاہور اور اورئینٹل کالج، پنجاب یونیورسٹی لاہور کے شعبہ عربی میں بھی تدریسی خدمات سرانجام دیں ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ مراسم تھے، وہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی علمی فتوحات سے واقف تھے۔ دونوں حضرات کی علمی تحقیقات ماہنامہ ''معارف'' کی زینت بن رہی تھیں، موتمر مستشرقین عالم کے اجلاسوں میں بھی ملاقات ہوتی رہی۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ ۱۹۵۰ء میں ایک علمی مجلس میں شرکت کے لیے لاہور تشریف لائے تھے، میزبانی کا شرف ڈاکٹر عنایت اللہ شیخ کو حاصل ہوا ڈاکٹر عنایت اللہ شیخ نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی فرانسیسی کتب کا اردو میں ترجمہ شروع کیا تھا۔ معلوم نہیں کہ وہ کس حد تک کسی کتاب کا ترجمہ مکمل کر سکے، ذیل میں مضمون جہاں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے حالاتِ زندگی، ان کی علمی خدمات کا بیان ہے وہیں ان کی فرانسیسی زبان میں لکھی گئی دو جلدوں میں سیرت نبویہؐ پر جامع تبصرہ بھی، ماہنامہ معارف اعظم گڑھ کے شکریہ کے ساتھ اس کو شائع کیا جارہا ہے۔(مدیر)]

---

* سابق چیئرمین شعبہ عربی پنجاب یونیورسٹی، لاہور۔

''معارف'' کے صفحات میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی سیرت نبویہ کا مختصر تذکرہ چند بار آ چکا ہے، جو فاضل موصوف نے حال ہی میں فرانسیسی زبان میں تالیف فرمائی ہے، میری طرح ان کے بہت سے دوسرے نیاز مند بھی اس اہم تصنیف کے بارے میں مزید تفصیلات حاصل کرنے کے خواہشمند تھے، مصنف علام نے جو چند جملے اس کے متعلق اپنے مکتوب گرامی مندرجہ معارف بابت دسمبر ۱۹۶۰ء میں لکھے ہیں، وہ بھی کافی وشافی ثابت نہ ہوئے بلکہ ناظرین کے سمندِ شوق پر ان سے اور تازیانہ لگا، آخر کار میں نے وفور شوق سے مجبور ہو کر ایک طرف تو کیمبرج کے مشہور تاجر کتب ڈبلیو ہیفر اینڈ سنز کو کتاب کی بہم رسانی اور ترسیل کے لیے فرمائش بھیج دی اور دوسری طرف ڈاکٹر صاحب کے کوان کے پیرس کے پتہ پر لکھ بھیجا کہ آپ کی ''سیرتِ نبویہ ﷺ'' کا معارف میں مختصر ذکر آیا ہے، براہ کرم اطلاع دیجئے کہ کتاب کا پورا عنوان کیا ہے، اور اس کا ناشر کون ہے، تا کہ اس کے حصول میں آسانی رہے، اس استفسار کے جواب میں ڈاکٹر صاحب موصوف نے کتاب ہی بھیج دی جو راقم الحروف کو چند دن ہوئے بذریعہ ڈاک موصول ہوگئی ہے۔

اب میں اپنا خوشگوار فرض سمجھتا ہوں کہ کتاب کی وصولی سے جو خوشی مجھے حاصل ہوئی ہے اس میں ناظرین معارف کو بھی شریک کروں اور چند سطریں کتاب کے بارے میں بطور تعارف لکھوں جن سے دلدادگان سیرت کی تسکین کا قدرے سامان ہو جائے۔ ڈاکٹر صاحب موصوف تقریباً تیس سال سے سیرتِ نبویؐ کے متعلق نئے نئے عنوان قائم کر کے جدید معلومات فراہم کر رہے ہیں اور اس موضوع کے نئے نئے گوشے روشن کر رہے ہیں، بالفاظ دیگر ایک مدت دراز سے ریاضِ رسالت میں نئے نئے پھول کھلا رہے ہیں اور مشتاقانِ رسولؐ کے دیدۂ دل کو منور و معطر کر رہے ہیں، اپنے مرغوب موضوع کی طرف وہ جس دلآویز انداز میں بار بار رجوع کرتے آئے ہیں، اسے دیکھ کر عرب شاعر کی یہ بیت بے اختیار زبان پر جاری ہوتے ہیں۔

اَعِدْ ذِکْرَ نُعْمَانَ لَنَا اِنَّ ذِکْرَہٗ
هُوَ الْمِسْكُ مَا کَرَّرْتَہٗ یَتَضَوَّعُ

ان ہی منتشر پھولوں کو جمع کر کے اب فاضل مذکور نے نہایت سلیقہ کے ساتھ ایک خوبصورت گلدستہ تیار کیا ہے

اور اسے اہل فرانس کی خدمت میں پیش کیا ہے جن کے ہاں وہ ایک مدت سے مقیم ہیں، انہوں نے اپنے میزبانوں کے پاس خاطر سے اسے فرانسیسی کا جامہ پہنایا ہے۔

اگر چہ ڈاکٹر صاحب نے اس تالیف کے لیے فرانسیسی زبان اختیار کی ہے مگر بفضل خدا مشرق میں بھی ان کے بعض ایسے قدر دان بلکہ رمز شناس موجود ہیں جو ان کی ہر نوائے شیریں کو فردوسِ گوش بنانے کے لیے بے تاب ہیں:

سخن کز بہر دیں گوئی چہ عبرانی چہ سریانی

مکان کز بہر حق جوئی چہ جا بلقاچہ جا بلسا

ڈاکٹر صاحب کی تالیف کردہ ''سیرتِ نبویہ'' دو جلدوں میں منقسم ہے، جن کی مجموعی ضخامت ۷۴۳ صفحات ہیں، صفحات کا شمار مسلسل ہے، اس تسلسل کا ایک فائدہ یہ ہے کہ انڈکس میں صفحات کا اشارہ کافی ثابت ہوا، جلد کا ذکر غیر ضروری ٹھہرا، کتاب سفید کاغذ پر خوبصورت ٹائپ میں چھپی ہے، سنہ اشاعت ۱۳۷۸ھ مطابق ۱۹۵۹ء اور مقام طباعت و اشاعت پیرس ہے، ناشر کا پتہ اور پورا نام حاشیہ میں دیکھیے۔ (۲)

پہلی جلد میں جو ۴۴۰ صفحات میں ختم ہوئی ہے، رسول اکرمؐ کی زندگی کے واقعات کا بیان ہے، مضامین کی فہرست حسب ذیل ہے:

> پیش لفظ، تدوین سیرت کی ضرورت مذہبی اور علمی نقطۂ نظر سے، سیرتِ نبویہ ﷺ کے مصادر و مآخذ، بعثت نبویؐ کے وقت مختلف اقطاع عالم کی حالت، قریش مکہ، ظہور قدسی، طفولیت اور ایام جوانی، حرب فجار، ازدواج، مذہبی شعور کی بیداری، بعثت، آغاز تبلیغ، ہجرت حبشہ، قریش کا بنو ہاشم سے مقاطعہ، معراج النبی ﷺ، مدینہ میں اشاعت اسلام، اشاعتِ اسلام میں عورتوں کا حصہ، میثاقِ مدینہ اور اس کا ترجمہ، قریش مکہ کے ساتھ تعلقات، سلسلہ غزوات (بدر، احد، احزاب وغیرہ) صلح حدیبیہ، فتح مکہ، حجۃ الوداع، خطبہ حج، تبلیغی مراسلات بنام شاہانِ زمانہ، قبائل عرب کے ساتھ تعلقات، یہود اور نصاریٰ کے ساتھ تعلقات، دیگر اہل مذاہب کے ساتھ تعلقات، صوبہ جات اور ان کی سرحدیں۔''

دوسری جلد صفحہ ۴۴۱ سے شروع ہو کر صفحہ ۷۴۳ پر ختم ہو جاتی ہے۔ فہرست مضامین حسب ذیل ہیں:

''رسول اکرمؐ کی خانگی زندگی، ازواجِ مطہرات، اصول الدین (القرآن، حدیثِ نبوی) عقائدِ اسلامی، اخلاقی تعلیم، اصولِ معاشرت، نظام تعلیم، مکہ کی شہری مملکت، سلطنت کا اسلامی تصور، عدالت گستری، اقتصادی نظام (اسواق العرب)، محاصل سلطنت، اخراجات کی مدات، حاکم کا صرفۂ خاص، زکوٰۃ وصدقہ، تجارتی منڈیاں اور اجناس کے نرخنامے، فوجی نظام، سفارت، سیاستِ نبویؐ کے چند بنیادی اصول، عہدِ نبویؐ کی طرز معاشرت، اسلام اور جمالیات، فنون لطیفہ، رسول اکرم کی وفات اور تدفین، مسئلہ خلافت۔''

ان میں اکثر مضامین ایسے ہیں جن کو فاضل مصنف اس سے پیشتر سپرد قلم کر چکے ہیں مگر ان میں بعد نظر ثانی ترمیم ہوئی ہے، چنانچہ بعض طویل مقالات کو کتاب کی موجودہ ضخامت اور گنجائش کی مناسبت سے قدرے مختصر کر دیا گیا ہے اور بعض کو پھیلا دیا ہے، بعض عنوانات نئے ہیں، مثلاً فوجی نظام، سلطنت کی مالیات، تقسیم مملکت، صوبہ جات اور اضلاع اور ان کی سرحدیں وغیرہ۔

سیرت کے آخر میں ان تمام کتابوں کی فہرست ہے جن سے مصنف علام نے اپنی تالیف میں کام لیا ہے، اس فہرست میں جو سات صفحوں میں پھیلی ہوئی ہے، مروجہ سیرت وتاریخ کے علاوہ کتب حدیث کا وسیع ذخیرہ ہے، اور دیگر متفرق قسم کی کتابیں ہیں جن میں سیرت نبویؐ کے متعلق کارآمد معلومات ملتی ہیں، یہ طویل فہرست فاضل مصنف کی وسعتِ نظر پر شاہد عدل ہے۔

مصنف نے اپنی کتاب کی غرض وغایت کو اور اسے فرانسیسی زبان میں تحریر کرنے کے سبب کو خود ہی اپنے مختصر مگر جامع پیش لفظ میں واضح کر دیا ہے، لہذا ان امور کو اپنے الفاظ میں بیان کرنے کی بجائے یہی بہتر سمجھتا ہوں کہ اس پیش لفظ کا ترجمہ ہدیہ ناظرین کر دیا جائے۔

''اگرچہ فرانسیسی زبان کا دامن ادبی خزانوں سے مالا مال ہے، مگر میری رائے میں اس میں ابھی تک سیرت نبویؐ پر کوئی ایسی کتاب نہیں لکھی گئی جس میں رسول اکرمؐ کی زندگی اور ان کی

تعلیم کا جامع بیان ہو، اسلام کا شمار دنیا کے عظیم الشان مذاہب میں ہوتا ہے، اسی مذہب کے بانیؐ کی سیرت کتاب ہذا کا وہ موضوع ہے جو اہل تحقیق کے لیے کئی پہلوؤں سے جاذبِ توجہ ہے۔ دنیا کی مختلف زبانوں میں سیرت نبویہؐ پر ہزارہا مقالے اور کتابیں لکھی جا چکی ہیں مگر تعجب ہے کہ وہ تنظیمی ادارے جو امت کی فلاح و بہبود کے لیے قائم ہوئے تھے، محققین کی نگاہ سے اوجھل رہے ہیں، اس بارے میں جو تشنگی پائی جاتی ہے اس کو دور کرنے کی تالیفِ ہذا میں پہلی بار کوشش کی گئی ہے۔ سیرت نگاروں نے آج تک واقعات کے بیان میں بالعموم ترتیب زمانی کا لحاظ رکھا ہے مگر رسولِ خداؐ چونکہ بہت سے اعداء دین کے ساتھ بیک وقت برسرِ پیکار رہے تھے، اس لیے ان جماعتوں کے ساتھ آپ کے تعلقات کی جو نوعیت تھی، محض تسلسل زمانہ کی پابندی سے اس کی بخوبی وضاحت نہیں ہوسکتی، لہذا اس تالیف میں واقعات کو خاص موضوعات کے تحت الگ الگ ابواب میں جمع کیا گیا ہے، اس طریق کار سے کلام میں بعض اوقات قدرے تکرار ہوگئی ہے مگر اس سے بیان زیادہ مربوط اور زیادہ مؤثر بن گیا ہے۔ اس کتاب کی تحریر کا ایک سبب اور بھی ہے، مؤلف سوربون (یعنی پیرس یونیورسٹی) کا پرانا طالب علم ہے اور بارہ سال سے اہل فرانس کی مہمان نوازی سے محظوظ و مستفید ہو رہا ہے، اپنے میزبانوں کی مہربانی کے اعتراف کی مجھے اس سے بہتر اور احسن صورت نظر نہ آئی کہ میں اپنے قلم کے ذریعہ سے جو اس دنیا میں میرا واحد مال و متاع ہے، اپنی تیس سالہ مسلسل تحقیقات کے نتائج کو ان کی خدمت میں پیش کروں، وہ تحقیقات جو سیرت کے اصلی مصادر و مآخذ کے علاوہ دوسرے پیشرو محققین کی علمی کاوشوں پر مبنی ہیں۔''

مندرجہ بالا پیش لفظ میں چند ایک ایسے امور کی طرف اشارہ ہے جن کا ایک خاص پس منظر ہے۔ یہ پس منظر ''معارف'' کے بعض ناظرین سے پوشیدہ نہ ہوگا مگر اس موقع پر اگر میں چند گزارشات اس کے متعلق پیش کروں تو انہیں شاید بے محل تصور نہیں کیا جائے گا۔ ڈاکٹر صاحب نے اپنے ''قلم'' کی طرف جو لطیف اور درد انگیز اشارہ کیا ہے وہ ان کے نیازمندوں کے لیے بیحد رقت انگیز ہے:

ے اپنے ''قلم'' کا نام لیا تو نے ہم نشیں

اک تیر میرے سینے میں مارا کہ ہائے ہائے

۱۹۴۷ء کے انقلاب کے وقت ڈاکٹر صاحب حیدرآباد (دکن) سے باہر تھے، حالات نے اجازت نہ دی کہ وطن واپس جا سکیں، ان کا جو کچھ اثاثہ اور جو کچھ مادی اور معنوی مال و متاع تھا وہیں رہ گیا اور وہ زبان حال سے یہ کہہ رہے تھے:

ے نہ لٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا

رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

مگر ہاں ایک چیز تھی جس کو زمانے کا ظالم اور غاصب ہاتھ ان سے کسی صورت میں نہ چھین سکا اور وہ ان کا قلم معجز رقم تھا، جس کو انہوں نے اپنے پیش لفظ میں اپنا واحد مال و متاع کہا ہے، یہی وہ رشک انگیز قلم ہے جس کی انتھک روانی نے علم و فضل کے وہ دریا بہائے ہیں جن پر کوثر و تسنیم کا دھوکا ہوتا ہے انقلاب سیاسی و ملکی کے بعد انہوں نے پیرس میں پناہ لی، پھر حکومتِ پاکستان کی دعوت پر دستور سازی کے سلسلے میں ایک مشیر خصوصی کی حیثیت سے ڈیڑھ سال کراچی میں بسر کیا، اور ایک مرتبہ ۱۹۵۰ء میں ایک علمی محفل کی شرکت کے لیے چند دن لاہور بھی تشریف لائے اور مجھے اپنی میزبانی کا شرف بخشا یہی وہ زمانہ ہے جب مجھے اس مردِ درویش کو قریب سے دیکھنے کا اتفاق ہوا جس کا علمی انہماک فناء فی العلم کے درجے تک پہنچا ہوا ہے اور جس کے علمی کارناموں نے علمائے سلف کی یاد تازہ کر دی ہے۔

ع مباش منکرِ غالب کہ در زمانہ تست

ڈاکٹر صاحب کی مسلمہ فضیلت اور ان کی بین الاقوامی شہرت کی بناء پر پاکستان کے سرکاری اور علمی اداروں میں ہزار ڈیڑھ ہزار مشاہرہ کے کئی عہدے ان کے لیے چشم براہ تھے، لیکن انہوں نے بغیر کسی پس و پیش کے بیش قرار مشاہروں سے منہ موڑا اور محض علم دوستی اور علم پروری کے جذبہ سے متاثر ہو کر درویشی اور قناعت سے اپنا ناطہ جوڑا۔

پاکستان کو خیر باد کہہ کر اگر انھوں نے پھر پیرس کا رخ کیا تو یہ کوئی تعجب کی بات نہ تھی، وہ اپنے طالب علمی کے زمانے میں بھی وہاں کی یونیورسٹی میں اکتسابِ علم کر چکے تھے اور اپنے تجربہ کی بنا پر جانتے تھے کہ تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں جو علمی ذخیرے اور دوسرے وسائل ان کو پیرس میں میسر آ سکتے ہیں وہ کسی اور جگہ آسانی سے مہیا نہیں ہو سکتے، اندریں حالات اگر انہوں نے پیرس کو اپنے لیے بطور دار الہجرت اختیار کیا تو یہ حسن انتخاب نہ صرف ان کے حسن مذاق کی دلیل ہے بلکہ ان کی علمی خدمات کے پیش نظر قابل صد داد بھی ہے۔

ڈاکٹر صاحب موصوف نے گذشتہ چند سالوں میں جو علمی خدمات انجام دی ہیں وہ اسلامی نقطۂ نظر سے نہ صرف قابل ذکر ہیں بلکہ لائق صد تحسین ہیں، اولاً انہوں نے ایک فرانسیسی ادیب کے ساتھ مل کر قرآن مجید کا فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے عربی متن کو سامنے رکھ کر اسے فرانسیسی میں منتقل کیا اور ان کے شریک کار نے محاورۂ زبان اور سلاستِ بیان کے لحاظ سے ترجمہ پر نظر ثانی کی اور ادبی نقطۂ نظر سے ان کی نوک پلک درست کی اور اس اہتمام کے ساتھ آخر کار یہ ترجمہ فرنچ بک کلب (Club Francais Dulivre) کی طرف سے شائع ہوا، اس سے قبل فرانسیسی زبان میں قرآن مجید کے چند ترجمے موجود تھے، مثلاً Kasimirsky کا ترجمہ جو پہلی بار ۱۸۴۰ء میں شائع ہوا اور پھر کئی مرتبہ چھپا، ابھی حال ہی میں پروفیسر بلاشیر (Blachere) اپنا جدید فرانسیسی ترجمہ دو جلدوں میں شائع کر چکے ہیں، (مطبوعہ پیرس ۱۹۴۹ء۔ ۱۹۵۱ء) مگر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب غالباً پہلے مسلمان فاضل ہیں جن کو کلام پاک کو فرانسیسی زبان میں ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، اس ترجمہ کی خاص خوبی اور اہمیت یہ ہے کہ فاضل مترجم نے ترجمہ کی صحت کے ساتھ ساتھ خالص اسلامی نقطۂ نظر کو ملحوظِ خاطر رکھا ہے اور یہ ایک ایسی بات ہے جس کی اغیار سے توقع رکھنا عبث ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا دوسرا تازہ کارنامہ علامہ بلاذری (متوفی ۲۷۹ھ) کی ''انساب الاشراف'' کی پہلی جلد کا ایڈٹ کرنا ہے، بلاذری تیسری صدی ہجری کا ایک نامور مورخ ہے جس کی ''فتوح البلدان'' ایک عرصے سے علمی حلقوں میں مشہور ومتداول چلی آ رہی ہے، مگر اس کے مقابلہ میں ''انساب الاشراف'' ایک مطول کتاب ہے جس میں عربوں کی تاریخ، ان کے نامور خانوادوں کے اعتبار سے لکھی گئی ہے اور مختلف خاندانوں اور افراد کے تذکرہ کے ضمن میں ان کے عہد کی تاریخ بھی آ گئی ہے، ایک مدت ہوئی پروفیسر آلورت (Ahlwardt) نے اس کا ایک حصہ

جرمنی سے شائع کیا تھا (۳) جس میں عبدالملک اموی کے عہد خلافت کا بیان ہے، پھر بیت المقدس کی عبرانی یونیورسٹی (Hebrew University) کی طرف سے ان کے دو حصے اور شائع ہوئے (۴) جو بنو امیہ خصوصاً حضرت عثمانؓ کے عہد خلافت کے متعلق ہیں، چونکہ وہاں اس کی آئندہ اشاعت کا کام رک گیا ہے اس لیے اب مصری فضلاء کی ایک کمیٹی نے ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی قیادت میں اس اہم تاریخی کتاب کی مکمل اشاعت کا بیڑا اٹھایا ہے، اس نئے بندوبست کے مطابق پہلی جلد کی تصحیح و ترتیب ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے سپرد ہوئی جو قاہرہ کے مشہور ناشرین دارالمعارف کی طرف سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہو چکی ہے (۵) اور اشاریوں اور فہرستوں کو شامل کر کے ۷۲۲ صفحات میں ختم ہوئی ہے، چونکہ انساب الاشراف کی ابتداء بنو ہاشم سے ہوتی ہے اور رسول اکرمؐ کے حالات کے ضمن میں عہد رسالت کی پوری تاریخ آ گئی ہے اس لیے کتاب کی پہلی جلد سیرتِ نبویؐ کے ساتھ مخصوص ہو گئی ہے۔ بلاذری دیگر مؤرخین مثلاً محمد بن اسحٰق، الواقدی اور محمد بن سعد سے متاخر بلکہ ایک حد تک ان کا خوشہ چیں ہے، مگر اس نے دیگر ثقہ لوگوں سے بھی روایت کی ہے، لہٰذا اس کی تالیف کا ابتدائی حصہ سیرتِ نبویؐ کے اہم ماخذ میں شمار ہونے کے لائق ہے، ڈاکٹر صاحب نے اپنی وسیع اور وافر معلومات کی بدولت اس حصہ کو بڑی خوبی سے ترتیب دیا ہے، اس لیے اس حصہ کی اشاعت کو بھی ان کی خدمات میں شمار کرنا چاہیے، جن کا تعلق سیرتِ نبویؐ کے ساتھ ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا تیسرا تازہ کارنامہ فرانسیسی زبان میں سیرتِ نبویہؐ کی تالیف ہے، جس کے تعارف کی غرض سے یہ سطور سپرد قلم ہوئی ہیں، متفرق مضامین جو آپ نے اس دوران علمی رسالوں میں لکھے، ان پر مستزاد ہیں اور پھر توفیق الٰہی اور تائید ایزدی کی شان کریمی دیکھئے کہ فاضل موصوف نے یہ تمام اسلامی اور ملی خدمات اس زندلم یزل کے پہلو میں بیٹھ کر ادا کی ہیں جس کا نام فرانس ہے، اہل پیرس کی رنگینی ان کے بے نظیر شہر کو رات کے وقت بقعہ نور بنا دیتی ہے اور لوگ اسے مدینۃ النور کہتے ہیں، جہاں کا ہر ذرہ زائرین کے دامن دل کو اپنی طرف کھینچتا ہے مگر اس کے ساتھ ہی ہمیں اس امر کو فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ اس شہر سے آفتاب عالم کی کرنیں پھوٹ پھوٹ کر نکلتی ہیں جو دور دور تک اقطاع عالم کو روشن کرتی ہیں۔ وہاں کی عشرت گاہوں اور نگار خانوں کے افسانے تو زبان زد خاص و عام ہیں، مگر عدل و انصاف کا تقاضا ہے کہ کبھی کبھی وہاں کے علمی اداروں اور ثقافتی مرکزوں کا بھی تذکرہ ہو جائے جو دنیا میں فقید المثال ہیں، سب سے پہلے وہاں کا قومی کتب خانہ (Bibliolheque National) قابل ذکر ہے جس پر

اہل فرانس کو بجا طور پر ناز ہے اور جس میں علاوہ دیگر علمی ذخیروں کے مشرقی زبانوں کی لاکھوں مطبوعہ کتابیں اور ہزاروں نادر قلمی نسخے محفوظ ہیں۔ وہاں سوربون (Sorbonne) کی یونیورسٹی ہے جہاں ہر علم وفن کے مستند اور قابل ترین اساتذہ سینکڑوں کی تعداد میں لیکچر دیتے ہیں اور علم کے دریا بہاتے ہیں۔ پھر اسی یونیورسٹی کا ایک مخصوص معہد یا ادارہ ہے جسے Institue desetudes Islamiques کہتے ہیں اور جہاں خاص اسلامیات یعنی اسلامی علوم کے متعلق تحقیقی کام ہوتا ہے، پروفیسر بلاشیر آج کل اس کے مدیر اعلیٰ ہیں اس کے علاوہ وہاں مشرقی زبانوں کا ایک علیحدہ مستقل مدرسہ ہے۔ جو (Ecoledes Langues Orientales venantes) کے نام سے ۱۷۹۵ء سے قائم ہے اور درس وتدریس کے علاوہ مشرقی زبانوں اور ادبیات کے متعلق اعلیٰ پایہ کی سینکڑوں کتابیں شائع کر چکا ہے، ان اداروں کے علاوہ کئی ایسی سوسائٹیاں ہیں جہاں مستشرقین جمع ہو کر تبادلہ خیالات کرتے ہیں اور باہمی تعاون سے علم کی حدود کو آئے دن وسیع کرتے رہتے ہیں، مثلاً فرانس کی (Societe Asiatique) ۱۸۲۲ء سے مصروف عمل ہے جس کا مشہور مجلّہ (Journal Asiatique) تقریباً ۱۴۰ سال سے باقاعدگی کے ساتھ شائع ہو رہا ہے اور بیش بہاء معلومات کا خزینہ ہے۔ ایک خاص رسالہ اسلامی مسائل اور مباحث کے متعلق ہے۔ جو ۱۹۲۷ء سے پروفیسر ماسینیون (Massignon) کی ادارت میں (Rewe desetudes Islamiques) کے نام سے شائع ہو رہا ہے اور اس سے پہلے (Revue du monde Musliman) کے نام سے معروف تھا، ایک رسالہ (Arabic) کے نام سے علوم عربیہ کے ساتھ مخصوص ہے جسے پروفیسر لوی پرووانسال (Levi-OProvencal) نے ۱۹۵۴ء میں جاری کیا اور جس میں عربی زبان کے اساتذہ اور محققین اپنے مقالات شائع کرتے رہتے ہیں، ان کے علاوہ پیرس میں کئی عجائب خانے ہیں جن میں مشرقی صنعت وحرفت اور فنون لطیفہ کے اعلیٰ اور نادر نمونے موجود ہیں جن سے ان علوم کی تحقیق سے کام لیا جاتا ہے، غرض پیرس نہ صرف اپنے ظاہری جمال کے لحاظ سے عروس البلاد ہے بلکہ علمی کمال کے اعتبار سے بھی قبۃ العالم کہلانے کا مستحق ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ کے احوال وآثار کے سلسلے میں پروفیسر محمد اسلم لکھتے ہیں:

ڈاکٹر شیخ عنایت اللہ ۹ راکتوبر ۱۹۰۱ء کو امرتسر (انڈیا) پیدا ہوئے، انہوں نے ۱۹۲۳ء میں ایم۔اے کیا اور ۱۹۲۶ء میں گورنمنٹ کالج جھنگ سے تدریس کا آغاز کیا۔ ۱۹۲۹ء میں موصوف حکومت کے وظیفے پر انگلستان چلے گئے، جہاں انہوں نے لندن یونیورسٹی سے ۱۹۳۱ء میں پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ ۱۹۴۸ء میں ڈاکٹر صاحب گورنمنٹ کالج لاہور میں شعبہ عربی اور اسلامیات کے صدر مقرر ہوئے، ۱۹۵۴ء میں انہوں نے اورینٹل کالج میں اعزازی طور پر پڑھنا شروع کیا، ۱۹۵۶ء میں گورنمنٹ کالج لاہور سے ریٹائرمنٹ کے بعد موصوف اورینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، لاہور کالج میں شعبہ عربی کے سربراہ مقرر ہوئے، جہاں سے وہ ۱۹۵۹ء میں ریٹائر ہوئے۔ ڈاکٹر عنایت اللہ شیخ انگریزی کے علاوہ فرنچ، جرمن اور اطالوی زبانوں سے بھی کما حقہ واقف تھے۔ لائڈن یونیورسٹی نے، انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کی مشاورتی کونسل کا رکن منتخب کر کے ان کی علمیت کا اعتراف کیا، ان کی تصانیف میں سے دعوتِ اسلام (آرنلڈ) ترجمہ، تاریخ ابن خلدون (ترجمہ) مسلمانوں کے فنون ترجمہ، تاریخ اسلام (نصابی کتاب) اور تحقیق اللغات کے علاوہ

- Goegraphical Factors in Arabian: Life and History.
- Why we learn the Arabic Language.
- Social and Political Organization of the Arabs in Relation to the Physical Condition of their land.

خاص طور پر قابل ذکر ہیں: ڈاکٹر شیخ عنایت کا کا انتقال ۴ رنومبر ۱۹۷۷ء کو لاہور میں ہوا (خفتگان خاک لاہور تحقیقات پاکستان، دانش گاہ، پنجاب، بارِاول ۱۹۹۳ء، ص ۱۸۳۔۱۸۴)

2- Muhammad Hamudullah.Dr. Le Prophite del Islam :Sa vieet Son Oeuvre, Labrairie Philosophique J.Virn, 6, Placede la Sorborne, Paris V ۱۳۷۸. A.H= 1959 A.V.

ڈاکٹر صاحب کی اس فرانسیسی کتاب کے کئی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور ہر بار آپ نے اس میں ترمیم واضافہ کیا ہے اس کا ترکی اور انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے۔ انگریزی ترجمہ ڈاکٹر محمود احمد غازی نے کیا ہے۔ جس کی پہلی جلد ڈاکٹر مصلح الدین ٹرسٹ، اسلام آباد نے شائع کی ہے۔

3- Al-Baladhuri, Ahmaed b. Yahya b Jabir, Ansab al-Ashraf, 11th Volume e. Ed, ahlwardt, Greifswald. 1883.

4- Ansab al-Ashraf, 5th Volume, Ed, Dr. S.D.F. Goitein, Jerusalem, 1936.

Ansab al-Ashraf 4th B. Volume, Ed. Max Scholessinger, Jorusalem, 1938.

5- Ansab al-Ashraf, 1st Volume, Ed.Dr. Muhammad Hamidullah, Egypt 1959.

بشکریہ ماہنامہ ''معارف اعظم گڑھ'' ج ۸۸، عدد ۱، جولائی ۱۹۶۱ء، ص ۲۲ تا ۳۱ میں شائع ہوا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی چند مشہور کتب سیرت کا تعارف اور ان کے مندرجات

* لطف الرحمٰن فاروقی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم (۱۹ر فروری ۱۹۰۸ء۔ ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۲ء) دور جدید کے مشرق و مغرب میں مقبول ایک جدید اسلامی محقق ہیں۔ جو علم و تحقیق کے جدید منہاج اور معیار سے پوری طرح آگاہ تھے اور یورپ میں بیٹھ کر تمام زندگی جدید و قدیم منہاج بحث و تحقیق سے استفادہ کرتے رہے۔ ان کے اصل مآخذ قرآن و سنت اور مسلمانوں کے معتبر اہل علم کی تصانیف تھیں۔ انہوں نے اسلام کو بے کم و کاست علمی انداز میں دنیا کے سامنے پیش کیا۔ وہ تحقیق و تصنیف، تلاش و جستجو، نقد و احتساب کے ان تمام ذرائع کو ناقابل تردید حقائق کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ اسلام کے بنیادی مآخذ قرآن و حدیث، فقہ، سیرت اور صدر اسلام کی تاریخ کو موضوع بحث بناتے ہیں۔ وہ ثانوی مآخذ و مصادر پر بھروسہ کرنے کے بجائے اوّلین مآخذ و مصادر کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس سلسلے میں مطبوعات کے ساتھ ساتھ مخطوطات سے بھی استفادہ کرتے ہیں۔ مضمون کی تفہیم کے ساتھ الفاظ کی تحقیق ان کے مآخذ، استعمال، مماثلات، رجال اور مقامات کی تحقیق کے ساتھ ایسی جزئیات کا بھی احاطہ کرتے ہیں جو نادر و نایاب اور دلچسپ معلومات پر مشتمل ہوتی ہیں۔

ان کی تحقیق و جستجو کا ایک پہلو یہ ہے کہ وہ تاریخی مقامات کا بچشم خود مشاہدہ کر کے اطمینان قلب حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ان مواقع کی شہادت کو قلم بند کر کے اپنے موضوع کو مستند اور محکم بناتے ہیں مثلاً ''عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی'' کی طبع ثانی کے پیش لفظ میں ''عہد نبویؐ کے میدان جنگ'' میں اضافے کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''عہدِ نبوی کے میدان جنگ'' کئی بار چھپی ہے، لیکن خیبر، تبوک، موتہ وغیرہ کے عینی مشاہدہ کا موقع ملے تو کتاب میں اضافہ ہوسکتا ہے۔'' (۱)

مگر اس میں لفظ خیبر پر حاشیہ نمبر ۲ کے تحت لکھتے ہیں:

---

* اسسٹنٹ پروفیسر، دعوۃ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

''اس کے لکھنے کے بعد خیبر جا سکا اور کتاب مذکورہ کے انگریزی ایڈیشن میں اس کے متعلق معلومات بڑھا سکا۔''(۲)

اس بات سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ کسی بھی موضوع کو مستند بنانے کے لیے آپ کس طرح بے چین و بے تاب رہتے تھے اور مستند شواہد تک پہنچے بغیر موضوع پر قلم نہیں اٹھاتے تھے۔

اس سلسلہ میں میدانِ اُحد کے محل وقوع اور حضور اکرم ﷺ کے جنگ کے لیے اس مقام کے انتخاب کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:

''اُحد ایک پہاڑ ہے جو مدینے کے شمال میں تین ساڑھے تین میل کے فاصلے پر شرقاً غرباً پھیلا ہوا ہے کہ مکے کے متعلق سب جانتے ہیں کہ وہ مدینے کے جنوب میں واقع ہے۔ عرصے سے میں یہ سوچتا اور بہتوں سے پوچھتا رہا کہ مکے والے مدینے کے جنوب پر کیوں حملہ آور نہیں ہوئے اور کس مصلحت سے مدینے کے شمال میں جا کر اپنی واپسی اور اپنی کمک وغیرہ کا راستہ بند کر لیا۔ جب میری کسی طرح تشفی نہ ہوئی تو مجبوراً میں اس نتیجے پر پہنچا کہ موجودہ اُحد میں وہ مقام نہیں ہے جہاں غزوہ اُحد پیش آیا اور یہ قدیم اُحد اصل میں مدینے کے جنوب میں قُبا کے قرب و جوار میں کس جگہ واقع ہوگا۔ قدیم مؤرخین اور جغرافیہ نگاروں کے متفقہ بیان کہ اُحد مدینے کے شمال میں ہے اور حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ کا مزار بھی میری تشفی نہ کر سکے۔ لیکن جب میں نے برسرِ موقع مقامیاتی (ٹوپوگرافیکل) مطالعہ کیا تو وہ چیز سمجھ میں آ گئی جو بیسیوں کتابوں کی سالہا سال ورق گردانی سے بھی نہ آئی تھی۔'' (۳)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے سیرتِ رسولؐ کو نہ صرف اپنی بحث و تحقیق کا موضوع بنایا، بلکہ اپنی زندگی کا اسوہ اور رہنما بھی قرار دیا۔ وہ اپنی تالیف ''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' کے ''عرضِ مؤلف'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

''غرضِ مؤلف، ناشرین ابتدائی، ناشر حالی، ناظرین سب کے لیے سیرت بابرکت نبویؐ کا مطالعہ و خدمت باعث سعادت ہے۔'' (۴)

مزید لکھتے ہیں:

''ایک اور چیز واضح کرنی ہے، قرآنِ مجید میں رسول اکرمؐ کو سارے مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ اور ہر طرح قابل تقلید نمونہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ نمونہ معجزات اور خارق عادات طریق کار کے متعلق نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس ناچیز نے سیرت پاکؐ کے انہی پہلوؤں پر زور دیا ہے جو عالم اسباب کے مناسب اور ہر انسان کے لیے قابل عمل ہوں۔'' (۵)

اگر چہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلامی علوم کے مختلف شعبوں میں انتہائی مہارت اور کامیابی کے ساتھ اپنی خدمات انجام دیں۔ مگر ان کی تمام تر تحقیق و کاوش و جستجو کا محور سیرتِ نبی ﷺ ہے۔ اس سلسلہ میں آپ کو دورِ جدید کا مجدد علوم سیرت کہنا مناسب ہوگا کیوں کہ سیرت پر آپ کی تحقیق کا کام ایک منفرد کام ہے۔ آپ نے سیرت کے اصلاحی پہلو کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا۔ جو تاریخ ادبیات سیرت میں ایک نئے اسلوب اور ایک نئے دور کا آغاز ہے جو آپ ہی کے ہاتھوں ارتقائی منازل طے کرتے گئے۔ سیرت کے موضوعات پر آپ کی متنوع خدمات جدت اور امتیازی حیثیت کی حامل ہے۔ چنانچہ آپ کو جدید سیرت نگاروں کا پیش رو اور عاشق رسول ﷺ کہنا بھی مناسب ہے۔ البتہ اس عشق میں وہ دنیائے عقل کو مطمئن کرتے ہوئے اپنا کردار ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے ہر پہلو کی پیروی کرنا ہر مسلمان خاص و عام پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

﴿ لَقَد كَانَ لَكُم فِي رَسُولِ اللّٰهِ اَسوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَن كَانَ يَرجُوا اللّٰه وَاليَومِ الآخِرِ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيراً ﴾ (۶)

''درحقیقت تم لوگوں کے لیے اللہ کے رسولؐ میں ایک بہترین نمونہ ہے۔ ہر اس شخص کے لیے جو اللہ اور یوم آخرت کا امیدوار ہو اور کثرت سے اللہ کو یاد کرے۔''

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہر مومن کو زندگی کے ہر شعبہ میں رسول اللہ ﷺ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ ایک اور آیت کریمہ سے اس بات کی تائید ملتی ہے اس میں ہر شخص کو جو اللہ تعالیٰ سے محبت کا دعویٰ کرتا ہے، آپ ﷺ کی پیروی کا حکم دیا ہے۔ ارشاد ہے:

﴿ قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَحِيْم۔ قُلْ اَطِيْعُوْا اللّٰهَ وَالرَّسُولَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِيْن ﴾

''اے نبیؐ) ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہوتو میری پیروی کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں کو معاف کردے گا بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ بتادیں کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرو پھر اگر وہ روگردانی کریں تو یقیناً اللہ ایسے لوگوں سے محبت نہیں رکھتا جو انکار کرنے والے ہوں۔''

یہاں بھی اللہ تعالیٰ سے محبت کی کسوٹی رسول اللہ ﷺ کی اتباع ہی کو قرار دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ذات کو کسی خاص شعبہ زندگی کا نمونہ نہیں بنایا۔ بلکہ یہ نمونہ زندگی کے تمام شعبوں کے لیے ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو قیامت تک محفوظ رہنا لازم ہے۔ اس لیے صحابہ کرامؓ سے لے کر آج تک عاشقان رسولؐ آپؐ کی زندگی کے ہر پہلو کو محفوظ رکھنے اور اگلی نسل تک منتقل کرنے کا اہتمام کرتے رہے جو آج ہمارے سامنے سیرت کے نام سے موجود ہے۔ ہمارے سلف صالحین نے بڑی دیانت داری سے سیرت خیر البشرؐ کے ہر پہلو کو کما حقہ محفوظ کر دیا۔ مگر ہر دور کے تقاضے کے پیش نظر کبھی کوئی پہلو زیادہ نمایاں ہوتا تھا تو کبھی کوئی پہلو۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ چونکہ اُس دور میں تحقیق و تصنیف کے میدان میں آئے جب مسلمانان عالم اور خاص کر برصغیر پاک و ہند کے مسلمان ایک طویل عرصہ سے رائج اغیار کی غلامی سے آزاد ہو کر دوبارہ اس رسول اللہ ﷺ کے قائم کردہ اسلامی معاشرہ اور اسلامی ریاست کے قیام کے لیے جدوجہد میں ہمہ تن مصروف تھے جنہوں نے پہلی بار دنیا کے سامنے ایک خوشحال پرامن فلاحی اسلامی معاشرہ قائم کرکے، کامیابی کے ساتھ چلا کر دکھایا چنانچہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم نے سلف صالحین کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اسلام کی عظمت رفتہ کو سامنے لانے میں دور حاضر کے پیشرو کا کردار ادا کیا۔ سیرت رسول اللہ ﷺ کے اس منفرد پہلو کو تحقیق و تالیف کا موضوع بنانے کے سلسلہ میں مؤلف اپنی اولین تالیف میں رقمطراز ہیں:

''قرآن مجید میں رسول اکرمؐ کو سارے مسلمانوں کے لیے اسوۂ حسنہ اور ہر طرح کا قابل

تقلید نمونہ قرار دیا ہے۔ یہ نمونہ معجزات اور خارق عادات طریق کار کے متعلق نہیں ہو سکتا۔
اس لیے اس ناچیز نے سیرت پاکؐ کے انہیں پہلوؤں پر زور دیا ہے جو عالم اسباب اور ہر انسان کے قابل عمل ہوں۔'' (۸)

سیرت کے موضوع پر آپ کے بیشمار مضامین ومقالات کے علاوہ عربی، اردو، انگریزی اور فرانسیسی میں حسب ذیل تالیفات اور تصنیفات ہیں:

- مجموعة الوثائق السياسيه للعهد النبویؐ والخلافة الراشده
- رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی
- عہد نبویؐ کے میدان جنگ
- عہد نبوی ﷺ میں نظام حکمرانی
- خطباتِ بہاولپور
- سیرت ابن اسحاق مسماة بكتاب المبتدا و المبعث و المغازی
- محمد رسول اللہ ﷺ

- The First Written Constitution in the World.
- The Prophet's Establishing a state and his succession

- پیغمبر اسلام حیات وکارنامے
- عہدِ نبوی ﷺ اور خلافت راشدہ میں سفارت کاری
- مکاتیب نبوی ﷺ کی چھ اصلیں
- عہدِ نبویؐ کا مدینہ

سیرت النبی ﷺ پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی سب سے ضخیم اور باقاعدہ تصنیف فرانسیسی زبان میں ہے جس کا عنوان ہے:

Le Prophete de I' Islam: Sa Vie et Son Oeurev

(The Life and Work of the Prophet of Islam)

اس کے علاوہ بھی آپ کا زیادہ تر کام فرانسیسی زبان میں ہے۔ جب کہ ان کی مادری زبان اردو ہے۔ اس سلسلے میں آپ لکھتے ہیں:

''مادری زبان سے کس کو محبت نہیں ہوتی، لیکن گزشتہ تیس سال سے فرانس میں قیام کے باعث زیادہ فرانسیسی ہی لکھتا رہا ہوں۔''(۹)

ذیل میں ڈاکٹر صاحب کی معروف کتب سیرت کا تعارف اور ان کے مندرجات کا خلاصہ پیش خدمت ہے۔

❶ خطباتِ بہاولپور

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلامی علوم کے مختلف شعبوں میں خدمات انجام دیں۔ مگر ان کی تمام علمی سرگرمیوں اور خدمات کا مرکز و مدار سیرت رسول اللہ ﷺ ہے۔ یہ خطبات پندرہویں صدی ہجری کے آغاز پر بہاولپور کی اسلامیہ یونیورسٹی میں ۱۸ تا ۲۰ مارچ ۱۹۸۰ء کو اہل علم و دانش کے سامنے دیئے گئے اور ہر خطبے کے اختتام پر سامعین کے سوالات کے تسلی بخش جوابات دیئے جو بعد میں ''خطباتِ بہاولپور'' کے نام سے موسوم ہوئے۔ خطبہ پیش کرتے ہوئے ان کے سامنے کوئی تحریری مسودہ نہیں تھا۔ جب کہ ہر خطبہ اپنی جگہ ایک مکمل کتاب ہے۔ اس سے ان کی قوت حافظہ، موضوع پر عبور، مواد و مآخذ پر دسترس اور ترتیب بیان، حیران کن حد تک سامنے آتی ہے۔ یہ علمی خطبات ۱۹۸۱ء میں بہاولپور سے شائع ہونے کے بعد ضروری تصحیح و ترامیم کے ساتھ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد سے بھی شائع ہوئے۔

اس کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی "The Emergence of Islam" کے نام سے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی ہی نے شائع کیا ہے۔ یہ ترجمہ افضل اقبال صاحب نے کیا ہے۔

کتاب کل ۳۸۵ پیراگرافوں پر مشتمل ہے جس کے ۱۲ مقالات میں سے حسب ذیل ۶ مقالات خالصتاً سیرت سے متعلق ہیں۔

① عہدِ نبویؐ میں مملکت اور نظم ونسق

② عہدِ نبویؐ میں نظام دفاع اور غزوات

③ عہدِ نبویؐ میں نظام تعلیم

④ عہدِ نبویؐ میں نظام تشریع وعدلیہ

⑤ عہدِ نبویؐ میں نظام مالیہ وتقویم

⑥ دین (عقائد، عبادات، تصوف)

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی کے ایڈیشن میں توضیحی نقشوں اور اشاریہ کا اضافہ بھی کر دیا گیا۔ مثلاً صفحہ ۱۱۳ اور ۲۷ پر حضرت عثمانؓ سے منسوب قرآن مجید کے دو قلمی اوراق کے عکس اور صفحہ نمبر ۲۲۵ پر نقشہ میدان غزوہ بدر ۲۳۳ پر نقشہ میدان غزوہ خندق، ۲۴۰ پر نقشہ میدان اُحد وخندق اور ۲۴۹ پر نقشہ خیبر ہیں جس سے کتاب کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوا۔ ڈاکٹر صاحب نے پوری کتاب کو پیراگرافوں میں تقسیم کیا اور خود اشاریہ بھی ترتیب دیا۔(۱۰)

کتاب کی تیسری اشاعت کے وقت ڈاکٹر صاحب نے اس پر نظر ثانی فرمائی۔ اس سلسلہ میں پیش لفظ میں لکھتے ہیں:

> ''اب تیسری اشاعت کے وقت مجھے پہلی بار موقع ملا کہ زبانی تقریروں کو جس طرح تحریری صورت دی گئی تھی اس پر نظر ڈال سکوں، اور جہاں میری مراد کو سمجھنے میں مدوّن صاحب سے غلطی ہوئی تھی اسے درست کر سکوں۔ اپنی غلطیاں اور کوتاہیاں تو میں دور نہیں کر سکوں گا، لیکن میرے الفاظ اور میرے مفہوم کے تعین میں سہو ہوا تو اب اس کی اصلاح کر دی گئی ہے۔ وِللّٰہِ الحمد۔ یہ اب گویا پہلا مستند ایڈیشن ہے۔ حوالے تو یہاں نہیں دیئے جا سکے، لیکن بیانات کا اب میں ذمہ دار ہوں۔(۱۱)

اس دور میں شائع ہونے والی اس موضوع کی یہ بھی ایک اہم کتاب ہے۔ کتاب کے نام سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی رسول اللہ ﷺ کی نبوی زندگی کے اطلاقی پہلو سے متعلق ہے کہ ان کے ہاتھوں ایک اسلامی ریاست کی بنیاد کس طرح پڑی اور اس کے خدوخال کیا تھے؟ اس پر یہ کتاب ماخذ کی حیثیت رکھتی ہے۔

اگر چہ یہ ۷۳ صفحات پر مشتمل ایک مختصر کتاب ہے مگر کن اصولوں پر اسلامی ریاست قائم ہوئی اور اس کو چلانے کے لیے کیا ہدایات ہیں اس کتاب سے اس بارے میں مکمل رہنمائی ملتی ہے۔

دراصل پندرہویں صدی ہجری کے آغاز میں دنیائے اسلام میں اسلامی علوم کی احیاء کی سرگرمی شروع ہوگئی تھی چنانچہ ایک عاشق رسول ﷺ کی حیثیت سے آپ نے محسوس کیا کہ ملت کے سامنے نئے دور کے تقاضے کو سامنے رکھتے ہوئے ان اصولوں کو جدید اصطلاحات کے ساتھ پیش کیا جائے جن کی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ نے کامیابی کے ساتھ ایک اسلامی ریاست قائم کی، جسے بعد میں بھی ان کے خلفاء نے جاری رکھا۔

ڈاکٹر صاحب کے مطابق انہوں نے اس مطالعہ کے ذریعہ، چند قدیم اور معروف حقائق کی جدید تشریح کی طرف اہل قلم کی توجہ مبذول کروائی ہے۔ جس میں علوم کی خدمات اور حقائق کی تلاش کے علاوہ ان کا اور کوئی مقصد نہیں۔(۱۴)

اس کتاب کی اشاعت کے بارے میں ڈاکٹر این اے بلوچ لکھتے ہیں: ۱۹۸۷ء میں پاکستان ہجرہ کونسل کی دعوت پر کونسل کی جانب سے ایک صد عظیم کتابوں کے انتخاب کے سلسلہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اسلام آباد تشریف لائے تھے، اس موقع پر انہوں نے کونسل کے چیئرمین جناب اے۔ کے بروہی کو پیرس کے اسلامک کلچرل سنٹر کی سلسلہ اشاعت نمبر ۲ کی کتاب حیدر آباد (دکن) سے ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۶ء میں شائع ہونے والی کتاب کا ایک نسخہ ہدیہ دیا۔ کتاب دیکھ کر جناب اے۔ کے بروہی صاحب نے اس بیش قیمت تصنیف کا ایک پاکستانی ایڈیشن شائع کرنے کی خواہش ظاہر کی، جس میں مدینہ کی اسلامی ریاست کا دستور شامل ہو، جس میں فاضل مصنف دسترس رکھتے ہیں۔ چنانچہ مصنف کی جو کتاب ''دنیا کا پہلی تحریری دستور'' کے عنوان سے ۱۹۷۹ء اور ۱۹۹۵ء میں شائع ہوئی تھی۔

اس کوایک نیافصل نمبر ااا کے تحت شامل کر دیا۔ جس سے کتاب کی جامعیت اور قدر میں مزید اضافہ ہوا۔ (۱۳)
یہ کتاب حسب ذیل کل XI عنوانات میں منقسم ہے:

(i) The Quranic Conception of the State

قرآن کا تصورِ ریاست

(ii) Conception of State in Islam.

اسلام میں ریاست کا تصور

(iii) The First Written Constitution in the Word.

دُنیا کا پہلا تحریری دستور

(iv) Translation of the Text of the Constitution.

دستور کے متن کا ترجمہ

(v) The Propeht as a Statesman and his Treatment of Non. Muslim Subjects, and its fruits.

رسول اللہ ﷺ بحیثیت ماہر حکمران اور غیر مسلم رعایا کے ساتھ ان کا سلوک اور اس کے نتائج

(vi) Budgeting and texation in the time of the Prophet.

رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تخمینہ زر اور محاصل کا نظام

(vii) Financial Administration in the Muslim Prophet.

مسلم ریاست کا مالی نظام

(viii) Constitutional Problems in Early Islam.

اسلام کے قرون اولیٰ میں دستوری مسائل

(ix) 1400 The Anniversary of the War of Banu an Nadir.

غزوہ بنونضیر کی ۱۴۰۰ سال

(x) The teliguided Batteles of Jamal and Siffin.

جنگ جمل وصفین کے دوررس نتائج

(xi) The Episode of the Project of a written testament by the Prophet on his Death-Bed.

❸ مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ للعہد النبوی ؐ والخلافۃ الراشدۃ

☆ کسی بھی حکمران کی شخصیت و کردار کو سمجھنے میں اس کے فرامین و معاہدات اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ ہجرت کرنے کے ساتھ ہی جس شہری مملکت کی بنیاد رکھی وہ ''روزانہ دوسو چوہتر مربع میل کی اوسط سے وسعت اختیار کرتی ہے۔ اور دس سال بعد جب آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی تو دس لاکھ سے زیادہ مربع میل کا رقبہ آپ کے زیر اقتدار آ چکا تھا جو تقریباً ہندوستان کے برابر وسیع علاقے کی فتح ہے۔ (۱۴) اس دوران آپ ﷺ کو بے شمار لوگوں سے واسطہ پڑا ان کو مختلف دستاویزات لکھ کر دیئے ان میں سے کچھ تو تاریخ میں محفوظ ہیں اور کچھ ناپید ہو گئے۔ کچھ شاید اب بھی دریافت ہونے سے رہ گئے۔

☆ یہ کتاب سیرت کے موضوع پر اپنی نوعیت کی انتہائی اہم تاریخی دستاویز ہے۔ اس میں رسول اللہ ﷺ سے متعلق ۲۷۵ (پونے تین سو) سے زائد مکتوبات، فرامین، معاہدے، دعوتی مکاتیب، عمال کا تقرر نامہ، آراضی وغیرہ کے عطیہ نامہ، امان نامے، وصیت نامے اور مختلف افراد سربراہان کی طرف سے موصول شدہ مکتوبات کے جوابات وغیرہ کی دستاویزیں جمع کی گئی ہیں۔ جس کو وثیقۃ النبی ﷺ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ سیرت النبی ﷺ اور تاریخ اسلامی کے معتبر مآخذ ہیں۔ اس کتاب کے دو ایڈیشن مطبعہ لجنۃ التالیف والترجمہ والنشر قاہرہ مصر سے ۱۹۵۶ء اور تیسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء میں بیروت سے شائع ہوا۔ بعد ازاں ۱۹۸۵ء میں نظر ثانی شدہ ایڈیشن بھی بیروت سے شائع ہوا۔ اس کا ایک فرانسیسی ایڈیشن ۱۹۳۵ء میں شائع ہوا تھا۔

ان وثیقہ جات کے سلسلہ میں مؤلف رقمطراز ہے۔

''اپنے مطالعات سیرت کے سلسلے میں اس کی بھی کچھ خدمت کی سعادت حاصل ہوئی۔ ۱۳۶۰ھ میں ''مجموعۃ الوثائق السیاسیۃ فی العھد النبوی ﷺ والخلافۃ الراشدۃؓ'' کے نام سے ایک کتاب مصر میں شائع ہوئی۔ اس میں عہد نبوی ﷺ کے کوئی پونے تین سومکتوبات یکجا ہوئے۔ پھر خلافت راشدہؓ کا کچھ ذخیرہ ہے۔ اس کتاب کے چھپنے کے بعد سے کوئی ڈیڑھ دو درجن مزید مکتوبات کا پتہ چلا۔ مطبع جدید کا موقع ملے تو ان کا بھی اضافہ ہو کر پبلک کے استفادے کی صورت ہوسکتی ہے۔ مؤلف طبع جدید کے حاشیہ میں لکھتے ہیں طبع ثانی ۱۳۷۶ھ میں مصر میں ہوگئی۔ اب ۱۳۸۷ء میں طبع ثالث کی تیاری ہے۔ کئی درجن اور خطوط کا پتہ چلایا ہے۔'' (۱۵)

نیز کتاب مذکورہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

''راقم مؤلف نے فرامین نبویؐ اور زمانہ ہائے خلفائے راشدین کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں شائع کیا۔ جس کے ساتھ ان فرامین کی تاریخی حیثیت پر سیر حاصل بحث کی۔ ناممکن ہے کہ اس بحث کے مطالعہ کے بعد آپ اس دور کی سیاسی حیثیت کا اندازہ نہ لگا سکیں اور اس عنوان پر راقم نے ۱۹۵۳ء میں پیرس سے پی۔ایچ۔ڈی کی سند حاصل کی۔ بعد میں جو اصلی وثائق دستیاب ہوئے انہیں بطور تکملہ کے پیش کردہ مقالہ میں شامل کر دیا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ پیش کردہ مقالہ برائے سند اور بعد مرتبہ تکملہ کے درمیان عدم مطابقت کا شبہ نہیں رہا۔'' (۱۶)

اس سلسلہ میں طریق وتدوین سے متعلق لکھتے ہیں:

''ہم نے اس مجموعہ کو دو حصوں میں منقسم کر دیا ہے (الف) عہد نبویؐ کے متعلق معاہدات (ب) زمانہ ہائے خلفائے راشدینؓ کے معاہدات اور دونوں کے متعلق سیاسی اور جغرافیائی حیثیت وضمیمے اور نقشے ضم کر دیے گئے ہیں۔'' (۱۷)

اس بیان سے ان وثیقہ جات کے بارے میں ذہن میں پیدا ہونے والے تمام سوالات کے جوابات مل جاتے ہیں۔ کتاب کے شروع میں ایک انتہائی مفید مقدمہ ہے جس میں آغاز میں ہی یہ وضاحت کردی گئی ہے:

''بلاشبہ دُنیا کی تاریخ میں عہدِ نبوی ﷺ سیاسی، دینی اور اقتصادی اعتبار سے ممتاز ہے، لیکن اس عہد کی تاریخ قلمبند کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے فرامین کے بغیر چارہ نہیں۔ اس بارے میں اہم ترین مآخذ وہی ہیں، ہم نے اسی ضرورت کے لیے عہد نبویؐ کے فرامین و معاہدات اور وثیقہ جات کو جمع کرنا ضروری سمجھا۔'' (۱۸)

مؤلف نے اس مقدمے میں جن نکات پر بحث کی وہ حسب ذیل ہیں:

قسم اوّل: ''ظہورِ اسلام''

معاہداتِ نبوی ﷺ، مکاتیبِ نبوی ﷺ پر اردو میں دو کتابیں، طریق تدوین، عہدِ نبوی ﷺ کے سیاسی اثرات، ہجرت کے بعد قریش مکہ پر ہجرت کا اثر، عجمی ملکوں سے شاہان فارس اور روم کا رویہ، قبائل کا معاملہ، تکملہ وثائق بنو بیل۔

قسم دوم: خلفائے راشدین کے معاہدات

جو دو فصلوں میں منقسم ہیں:

- فصل متعلقہ روم
- فصل متعلقہ ''فارس و ایران''

اس ضمن میں یہ بات واضح کردی گئی ہے کہ ان معاہدات میں وہ بے شمار وثیقے قارئین کی نظر سے گزریں گے جن کا تذکرہ واقدی اور بلاذری نے فتوحات (روم و ایران) کے ضمن میں کیا ہے۔ اس لیے کہ ان معاہدات سے ہمارے موضوع کو تعلق نہیں اگر یہ فرمایئے تو بے جا نہ ہوگا کہ خلفائے راشدین کے معاہدات فی المعنی تکملہ بیان و مقصد کی غرض سے ملحق کیے گئے ہیں۔ اسی طرح ہم نے وہ معاہدات قلم انداز کردیے ہیں جو معتبر مآخذ سے نہیں ملے۔

اقسام مندرجات

اس ضمن میں حسب ذیل کل ۷ اقسام کے وثائق کا ذکر کیا گیا۔

① معاہدات جدید یا ماسبق کی تجدید

② مکاتیب مشتمل بہ دعوت اسلام

③ احکام سرکاری وعمال کے فرائض اور طریق کار

④ وثیقہ جات عطائے ارضی واجناس

⑤ امان نامے اور وصایا

⑥ متعین کردہ افراد کے لیے ہدایات

⑦ مکاتیب نبویؐ کے جواب میں آمدہ مراسلہ

اس کے علاوہ ایک اور قسم کے فرامین ومعاہدات کا ذکر کیا جو نصاری اور مجوس ویہود کے لیے ہیں اور یہ کثرت سے پائے جاتے ہیں، مگر یہ حد صحت تک نہیں پہنچتے۔ (۱۹)

اس کتاب کے کئی زبانوں میں تراجم شائع ہوئے، اردو زبان میں مولانا ابو یحی امام خان نوشہروی نے ۱۹۳۵ء کی فرانسیسی ایڈیشن سے ترجمہ کیا ہے مگر مؤلف نے اس کو ناقص قرار دیا ہے۔ لکھتے ہیں:

> ''اس کا اردو ترجمہ لاہور میں ''سیاسی وثیقہ جات'' کے نام سے کسی صاحب نے مجھے مسودہ بتائے بغیر طباعت اول کی اساس پر چھاپا ہے۔ بدقسمتی سے اصل کی ساری خصوصیات (مآخذ اشاریہ) وغیرہ حذف کردی گئی ہیں ترجمے کی صحت کا بھی ذمہ دار نہیں ہوں۔'' (۲۰)

❹ عہدِ نبویؐ کے میدانِ جنگ

یہ غزوات نبویؐ پر ایک نہایت ہی قابل قدر اور منفرد کتاب ہے۔ یہ مقالہ پہلی مرتبہ ۱۳۵۹ھ/۱۹۴۰ء میں شعبہ دینیات وفنون، جامعہ عثمانیہ کے مجموعہ تحقیقات علمیہ کے سالنامہ ہفتم میں شائع ہوا تھا جسے اہل علم و دانش کی غیر معمولی پذیرائی ملی۔ کیونکہ مصنف نے حربی اور عسکری نقطۂ نگاہ سے ایک منفرد انداز میں اس پر کام کیا اور ان مقامات کا چشم دیدہ مشاہدہ بھی کیا۔ اس مقصد کے لیے آپ دو مرتبہ حجاز مقدسہ بھی تشریف لے گئے تھے اور میدان جنگ کے توضیحی نقشہ جات تیار کئے تھے۔ مؤلف کی ان کاوشوں اور علمی جستجو کے بارے میں ان سے قربت وعقیدت رکھنے والے ڈاکٹر محمود احمد غازی رقمطراز ہیں:

> ''کتاب عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ نہ صرف ڈاکٹر صاحب کی قدیم تصنیفات میں سے ہے بلکہ اس کا موضوع بھی بڑا منفرد قسم کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جغرافیہ سیرت اور عسکریات سیرت کا نہ صرف قدیم ترین ماخذ سے مطالعہ کیا بلکہ خود مقامات کا مشاہدہ کیا، مقامات کو خود ناپ کر ان کے فاصلے متعین کیے اور ان کے نقشے بنائے۔ اپنے اس مطالعہ کو ڈاکٹر صاحب نے ایک مختصر لیکن نہایت مفید اور فاضلانہ کتاب میں پیش کیا جس کے اب تک اردو، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں متعدد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔'' (۲۱)

اس منفرد موضوع پر محققانہ کام ادا کرنا کوئی آسان کام نہیں تھا۔ بلکہ اس کام میں ان کو ہراول دستہ کا کام کرنا پڑا خود رقمطراز ہیں:

> ''سیرتِ نبوی ﷺ کے جنگی حصے پر بھی مواد کی کوئی کمی نہیں، لیکن غزوات نبویؐ پر تاریخی نہیں بلکہ حربیاتی (فن حرب کے) نقطۂ نظر سے میرے پڑھنے یا سننے میں اب تک کوئی چیز نہیں آئی۔ ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کی جگہوں پر کچھ لکھنے کے لیے حربیاتی اور تاریخی، ہر دو بالکل مختلف قسم کی مہارتیں درکار ہیں۔ میں ان دونوں سے بھی محروم رہا ہوں۔ لیکن ''مردے از غیب بروں آید و کارے بکند'' کا یا خود میں ان صلاحیتوں کے پیدا ہونے اور ''نو من تیل''

کے فراہم ہونے کا انتظار کرنا، اُن تھوڑی بہت معلومات کو بھی ضائع کر دیا تھا جو مطالعے اور سفر سے اتفاقاً مجھے حاصل ہوئے ہیں۔ اس لیے جو بھی مجھ سے ہوسکا مرتب کیا گیا ہے۔''(۲۲)

چنانچہ یہ کتاب ایک طرح سے نامکمل شائع ہوتی رہی۔ اس سلسلہ میں دیباچہ طبع ثالث میں مؤلف رقمطراز ہیں:

''اس پورے دوران میں جنگ کے باعث مکرر سفرِ حجاز کا موقع نہ ملا، اور غزوہ خیبر کے اہم تشنہ جز کی تکمیل نہ ہوسکی۔''(۲۳)

اس تمنا کا اظہار وہ ایک اور کتاب کے پیش لفظ کے تحت کرتے ہیں:

''عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ کئی بار چھپی ہے لیکن خیبر، تبوک، موتہ وغیرہ کے عینی مشاہدہ کا موقع ملے تو کتاب میں اضافہ ہوسکتا ہے۔''(۲۴)

خیبر کا مشاہدہ کرنے کے بعد مذکورہ پیش لفظ خیبر پر حاشیہ نمبر۲ کے تحت لکھتے ہیں:

''اس کے لکھنے کے بعد خیبر جاسکا اور کتاب مذکورہ کے انگریزی ایڈیشن میں اس کے متعلق معلومات بڑھا سکا۔''(۲۵)

معلوم ہوا کہ انگریزی ایڈیشن میں تو اضافہ ہوسکا مگر اردو ایڈیشن کا دامن ان اضافوں سے خالی رہا۔ چنانچہ الہدیٰ پبلی کیشنز کے روح رواں مولانا ڈاکٹر محمد میاں صدیقی صاحب نے بے انتہاء کاوش سے اس کتاب کا ایک شایانِ شان ایڈیشن تیار کیا اور اپنی نگرانی میں اس کتاب کو اعلیٰ معیار پر طبع کرایا۔ چونکہ موصوف خود بھی سیرت کے محقق اور مصنف ہیں چنانچہ حیدر آباد دکن سے شائع ہونے والا نسخہ حاصل کیا گیا جو مؤلف نے اپنی تصحیح و نگرانی کے ساتھ شائع کروایا تھا۔ ۱۹۴۵ء کا مطبوعہ نسخہ حاصل کر کے ڈاکٹر حمید اللہ کی ڈرائنگ کے مطابق ماہرین سے میدان ہائے جنگ کے نقشے بنوائے اور کتاب کی ایڈیٹنگ بھی کی اور مؤلف نے جتنی تصاویر اس کتاب میں شامل کی تھیں ان تمام تصاویر کو اہتمام کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر لیا گیا۔

⑤ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی

یہ سیرت رسولؐ پر کوئی جامع اور مکمل کتاب نہیں ہے بلکہ مؤلف مختلف اوقات میں اس موضوع پر جو علمی مقالات پیش کرتے رہے اور رسائل میں شائع ہوتے رہے ان کو یکجا کر کے شائع کر دیا گیا۔ اس کتاب کو مؤلف نے عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی کی رفیق جلد قرار دیا ہے۔ جو سنہ وار کی جگہ علاقہ وار سیاست کا آئینہ ہے۔ (۲۸) یہ کتاب پہلی دفعہ ۱۹۵۰ء میں شائع ہوئی تھی اس کے بعد مصنف نے ۱۳۸۷ھ میں از سرِ نو نظر ثانی کی اور متعدد مفید اضافے اور تصحیح بھی کی۔ اس کے علاوہ ایک نئے اصل مکتوب نبویؐ کی دریافت (نامہ مبارک بنام کسریٰ) کا اضافہ کر دیا اور اس نامہ مبارک کا فوٹو بھی اشاعت میں شامل کیا گیا۔ یہ کتاب کل ۸۱۱ پیراگرافوں پر مشتمل ہے۔ (۲۷) کتاب کے عنوان سے ہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ سیرت کے موضوع پر ایک منفرد کتاب ہے۔ جو رسول اللہ ﷺ کے سیاسی کارناموں کے ارتقائی منازل اور اسلام کے بین الاقوامی تعلقات سے متعلق ہے۔ چونکہ یہ کتاب کوئی مربوط تصنیف نہیں اور ہر مضمون مختلف اوقات میں شائع ہوا۔ اس لیے مضامین کا آپس میں ربط معلوم نہیں ہوتا اس لیے ناظرین کی الجھن کو دور کرنے کی غرض سے مؤلف نے مضامین کے سن اشاعت درج کر دیئے البتہ اس بات کی وضاحت کر دی کہ ہر مضمون کو مکرر شائع کرتے ہوئے ضروری اضافے اور ترامیم کی گئی ہیں۔ یہ حسب ذیل کل ۳۳ مضامین ہیں۔

۱۔	عرض مؤلف (خصوصی)	۱۳۶۹ھ	۱۹۴۸ء
۲۔	سیرت کا مطالعہ کس لیے کیا جائے	۱۳۵۷ھ	۱۹۳۸ء
۳ تا ۱۵	''مواد و ماخذ'' سے ''نبوت کے مکی دور'' تک	۱۳۶۳ھ تا ۱۳۶۵ھ	۱۹۴۴ء تا ۱۹۴۷ء
۱۶	تبلیغ رسالت	۱۳۶۹ھ	۱۹۵۰ء
۱۸	صلح حدیبیہ	۱۳۶۱ھ	۱۹۵۰ء
۱۹	فتح مکہ (ساڑھے تیرہ سو سالہ سالگرہ فتح مکہ کے موقع پر)	۲۲ رمضان ۱۳۵۸ھ	۱۹۳۹ء

۲۰	عربی حبشی تعلقات	۱۳۵۴ھ	۱۹۳۵ء
۲۱	مکتوب نبویؐ بنام نجاشی	۱۳۶۱ھ	۱۹۳۵ء
۲۲	مکتوب نبویؐ کے دو اصول	۱۳۵۵ھ	۱۹۳۶ء
۲۳	خط قیصر روم	۱۳۵۴ھ	۱۹۳۵ء
۲۴	عربوں بیزنطینیوں کے تعلقات	۱۳۵۴ھ	۱۹۳۵ء
۲۵	الف۔ عربی ایرانی تعلقات	۱۳۵۵ھ	۱۹۳۶ء
۲۵	ب۔ ایک نئے اصل مکتوب نبوی کی دریافت، نامہ مبارک نبویؐ بنام کسریٰ (خصوصی)	۱۳۸۷ھ	۱۹۶۷ء
۲۶ تا ۲۹	عہدِ نبویؐ میں یہود، تا عہدِ نبویؐ کی سیاسی دستاویزیں	۱۳۶۹ھ	۱۹۵۰ء
۳۰	امہات المومنین	۱۳۶۳ھ	۱۹۴۴ء
۳۱	عالمگیر گھتیاں	۱۳۶۶ھ	۱۹۴۷ء
۳۲	انسانیت کا منشور	۱۳۶۹ھ	۱۹۵۰ء
۳۳	دوشاہاں در اقلیمے	۱۳۶۵ھ	۱۹۴۶ء

اس کے بعد حسب ذیل مضامین پر بحث کی گئی جب کہ ضرورت کے مطابق ہر مضمون کو مختلف ذیلی عنوانات میں تقسیم کر دیا گیا۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کس لیے کیا جائے۔ ''مواد و ماخذ'' بعثتِ نبوی کے وقت دنیا کی حالت چین، ہند، ترکستان، روی و ایرانی، حبش، عرب اور مکہ کا انتخاب دعوت اسلامی کے مرکز کے طور پر، مکے کی حالت

ولادت باسعادت سے قبل، ختم المرسلین کے لیے آپؐ کے انتخاب کی وجہ، ولادت باسعادت، نوعمری، نوجوانی تجارت کا مشغلہ، شادی خانہ آبادی، سماجی اور شہری زندگی، آفتاب رسالت کا طلوع، نبوت کا مکی دور، تبلیغ دین میں عورتوں نے کیا ہاتھ بٹایا۔ قریش سے تعلقات صلح حدیبیہ کی فتح مبین، فتح مکہ سے انسانیت کی فتح بہمیت اور شیطانیت پر، حبشہ اور عرب، اصل مکتوب نبویؐ بنام نجاشی کی نئی دستیابی، مکتوبات نبویؐ کے دو اصول (مقوقس اور منذر کے نام) آنحضرت ﷺ کا خط قیصر روم کے نام، عربوں کے تعلقات بیزنطینی حکومت سے، عہد نبویؐ کے عربی، ایرانی تعلقات ایک نئے اصل مکتوب نبویؐ کی دریافت (نامہ مبارک بنام کسریٰ) عہد نبویؐ میں یہود، عام قبائل عرب سے تعلقات، اورارتداد و بغاوت، عہدِ نبویؐ کی سیاسی دستاویزیں، امہات المومنین اور ازواج مطہرات نبویؐ اور بین الاقوامی عصبیتوں کا دور کیا جانا، بعثت نبویؐ کے وقت چند عالمگیر گتھیاں اوران کا اسلامی حل، انسانیت کا منشورِ اعظم (خطبہ حجۃ الوداع) خلافت نبویؐ کے بعض اصول (دوشاہاں در اقلیمے)۔ اس کتاب کے صفحہ ۶۹ پر عمارت خانہ کعبہ کا نقشہ، صفحہ ۱۰۱ پر حدود مملکت نبویہ بوقت صلح حدیبیہ ۶ ھ و نقشہ عرب اور تخمینی نقشہ سلطنت ایران بوقت آغاز اسلام اور نقشہ مملکت اسلام بوقت وصال رسولؐ، پانچ اصل مکتوبات نبوی کے عکس جو صفحہ ۱۴۰، ۱۴۹، ۱۵۴، ۱۵۶ اور ۲۳۲ پر منقش نے کتاب کی قدر میں بے انتہا اضافہ کیا۔ کتاب کے آخر میں تفصیلی اشاریہ شامل ہے۔

❻ عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی

یہ کتاب ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے سیرت نبوی پر مختلف چھوٹے بڑے مقالات کا مجموعہ ہے جو پہلی بار ۱۹۴۴ء ۱۳۶۳ھ کے اواخر میں مکتبہ جامعہ، دہلی نے شائع کی، اس کے بعد حیدر آباد (دکن) کے مکتبہ ابراہیمہ نے دوبارہ شائع کی۔ اس کے بعد سے ایک طویل عرصہ یہ کتاب نایاب تھی اور نظر ثانی و اضافہ شدہ ایڈیشن ۱۹۸۱ء میں اردو اکیڈمی سندھ، کراچی نے شائع کیا جو کل ۱۵۱ پیراگرافوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب رسول کریم ﷺ کے عہد مبارکہ کی علمی، ثقافتی اور سیاسی سرگرمیوں سے بحث کرتی ہے، اس کتاب کو آپ نے اس سلسلہ کی ایک اور تالیف ''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' کی رفیق جلد قرار دیتے ہوئے طبع ثانی کے پیش لفظ میں لکھا ہے:

''اس کی ایک رفیق جلد رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی ہے جو سنہ وار کی جگہ علاقہ وار سیاست کا

آئینہ دار ہے۔ مثلاً رومیوں، ایرانیوں، یہودیوں، عرب کے قبیلوں پر الگ الگ ابواب میں
بحث ہے۔'' (۲۸)

مذکورہ پیش لفظ میں مؤلف نے جغرافیہ سیرت پر لکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی کہ اس میں ''مشاہد سفر و حضر، قبائلی دیار، بلاد عرب، پہاڑ، وادیاں، سب کے متعلق محل وقوع اور عام معلومات فراہم کرتا ہے۔ (۲۹)

مگر اس دوران الگ سے کوئی کتاب تصنیف کرنے کا موقع ہی نہیں ملا چنانچہ تمام تازہ ترین معلومات کو اس کتاب میں شامل نہیں کر سکے البتہ اس نظر ثانی واضافہ شدہ طبع ثالث کی پیش لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کمی کو پورا تو کر دیا ہے مگر فرانسیسی زبان میں لکھتے ہیں :

> ''ناظرین سے یہ عرض کروں کہ اس اثناء ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ء میں میں نے فرانسیسی میں سیرت نبویہؐ پر دو ضخیم جلدوں میں ایک کتاب شائع کی ہے جس کی جلد دوم ایک معنی میں زیر نظر اردو تالیف ہی کا نیا ایڈیشن تھا۔ اس میں بعض وہ ابواب بھی آ چکے ہیں جن کا موجودہ اردو کتاب کے پیش لفظ طبع ثانی میں تجویز اور تمنا کے طور پر ذکر کیا گیا ہے مثلاً نظام مالیہ، نظام عسکری وغیرہ۔'' (۳۰)

زیر نظر کتاب کل ۱۲ مضامین و مقالات پر مشتمل ہے اور ہر مضمون ضرورت کے مطابق متعدد ذیلی عنوانات کے تحت منقسم ہے۔

پہلے مضمون کا عنوان ہے ''رسول اکرمؐ کی سیرت کا مطالعہ کس لیے کیا جائے؟ تمہیدی بحث کے بعد حسب ذیل، ذیلی عنوانات کے تحت بحث کی گئی۔ مسلمانوں کے لیے، غیر مسلموں کے لیے اور ہر کسی کے لیے۔

دوسرے مضمون کا عنوان ہے ''شہری مملکت مکہ'' اس میں بھی ابتدائی بحث کے بعد ذیلی عنوانات ہیں تاریخ شہر، جغرافیہ شہر، سیاسی نظام، مذہبی نظام، نظام عدلیہ، نظام عدل گستری، نظام سفارت، نظام فوج اور سماجی نظام، اس ضمن میں تین نقشے بھی دیئے گئے پہلا نقشہ عرب جس میں قریش کا رحلۃ الشتاء والصیف یا کارروانی راستے دکھائے گئے۔ دوسرا نقشہ شہر مکہ کا ہے اور تیسرا نقشہ مسجد حرم کعبہ کا ہے۔

تیسرے مقالہ کا عنوان ہے ''دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور'' اس میں بھی حسب ذیل ذیلی عنوانات ہیں۔ اوّل عہد نبویؐ کی ایک اہم دستاویز، اصول متن دستور کے ماخذ، متن کے اقتباسات کے ماخذ، اس موضوع پر یورپی زبانوں کے مضامین اور آخر میں ترجمہ دستور مملکت مدینہ بعہدِ نبویؐ۔

چوتھے مقالہ کا عنوان ہے ''قرآنی تصور مملکت'' اس میں بھی حسب ذیل عنوانات ہیں۔ اسلامی مملکت، دین و دنیا کا ملاپ، بیعت، عدل گستری، شورائیت، جہاں بانی کے قواعد، قومی دولت، اخلاق عامہ، سیاسی اصلاحات، جانشینی اور خاتمہ کلام۔

پانچویں مقالہ کا عنوان ہے ''اسلامی عدل گستری اپنے آغاز میں'' یہ چالیس صفحات پر مشتمل ایک مقالہ ہے۔

چھٹے مقالہ کا عنوان ہے ''عہد نبویؐ کا نظام تعلیم'' یہ حسب ذیل تین ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے۔ عرب میں زمانہ جاہلیت میں تعلیم، قبل ہجرت اسلام اور بعد ہجرت۔

ساتویں مقالہ کا عنوان ہے ''جاہلیت عرب کے معاشی نظام کا اثر پہلی مملکت اسلامیہ کے قیام پر'' یہ مقالہ بھی حسب ذیل ذیلی عنوانات پر منقسم ہے۔ تمہید عرب کے مختلف علاقے، اس نظام کا اثر، اسلام کی آمد، اس مضمون کے ضمن میں صفحہ ۲۲۳ پر عرب کے میلوں کی ترتیب زمانی ومکانی کا ایک نقشہ مضمون کی قدر میں اضافہ کرتا ہے۔

آٹھویں مقالہ کا عنوان ہے ''عہد نبویؐ کی سیاست کاری کے اصول'' یہ حسب ذیل عنوانات پر مشتمل ہے مکہ کی اہمیت تبلیغ رسالت، اندرونی استحکام، انسانی خون کی عزت، فنون حرب کی ترقی واستفادہ، خبر رسانی اور ناکہ بندی، معاشی دباؤ غنیم کے دوستوں کو توڑ لینا، دشمنوں سے گھیرنا، دعایہ کاری، دشمن کے ایک طبقے کو موہ لینا، دشمن میں پھوٹ ڈلوانا، معزز دشمنوں کا اسلام میں بھی اعزاز۔

اس ضمن میں صفحہ نمبر ۲۳۶ میں ایک نقشے کے ذریعہ جبل الطارق سے ملایا وجاوا تک مشارق ومغارب میں پھیلی ہوئی مسلم دنیا دکھائی گئی ہے اور صفحہ ۲۳۷ پر ایک نقشے کے ذریعہ رسول اللہؐ کی سیاست خارجہ کے سلسلہ میں مختلف ممالک وریاستیں دکھائے گئے ہیں۔

نویں مضمون کا عنوان ہے ''تالیف قلبی (عہد نبویؐ کی سیاست خارجہ کا ایک اہم اصول''۔

دسویں مضمون کا عنوان ہے ہجرت (نوآبادکاری) اس مضمون میں حسب ذیل ذیلی عنوانات پر بحث کی گئی۔

ترک وطن، عہد نبویؐ میں ہجرت کا تاریخی مفہوم، نومسلموں کو اسلامی علاقے میں آنے کا حکم دینا، نوآبادکاری یا مفتوحہ علاقے میں مسلمانوں کو بسانا، نظربندی، تبادلہ آبادی، منتقلی وجلاوطنی۔

گیارہویں مضمون کا عنوان ہے۔ آنحضرتؐ اور جوانی۔

بارہویں مضمون کا عنوان ہے ''آنحضرتؐ کا سلوک نوجوانوں کے ساتھ'' اس کے آخر میں ایک ذیلی عنوان ہے اسپورٹس اور مردانہ کھیل۔

آخر میں ۵۴ صفحات پر مشتمل حروف تہجی کی ترتیب سے ایک اشاریہ ہے جس سے کسی بھی موضوع پر کوئی بات تلاش کرنا آسان ہوگیا ہے۔

7 محمد رسول ﷺ

سیرت کے موضوع پر یہ ایک باقاعدہ تصنیف ہے جو بنیادی طور پر انگریزی میں ترکی حکومت کی فرمائش پر لکھی گئی۔ اس کتاب کا انگریزی عنوان ہے: Muhammad Rasulullah۔ دوسو صفحات پر مشتمل یہ کتاب ۱۹۷۴ء مطابق ۱۳۹۴ھ میں حیدرآباد (دکن) سے چھپی ہے اور کراچی سے بھی ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی ہے اس کتاب میں مصنف کی مختلف زبانوں میں شائع ہونے والی بیس پچیس کتابوں اور مضامین کی فہرست بھی شامل ہے۔ (۳۱) بعد میں یہ کتاب ''رسول اللہ محمد کے نام سے ترکی میں بھی شائع ہوئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ نذیر حق نے کیا ہے جو ماہنامہ نقوش رسول اللہ ﷺ نمبر، جلد نمبر ۲ میں شامل ہے البتہ اس ترجمہ کے بارے میں مولف نے اپنی ذمہ داری سے لاتعلقی کا اظہار کیا ہے۔ (۳۲) اگرچہ یہ کتاب ۱۶/ابواب میں تقسیم ہے مگر پوری کتاب کے مضامین کو کل ۴۲۱ دفعات یا پیراگرافوں کی شکل میں بیان کیا گیا ہے ابواب کو بھی مزید ذیلی عنوان میں تقسیم کیا گیا ہے مگر دفعات کا سلسلہ آخر تک جاری رکھا۔ مثلاً باب اوّل کا عنوان ہے ''تعارف'' تمہیدی بیان کے بعد ذیلی عنوان ہے ''نسب وولادت'' اس کے بعد ذیلی عنوان ہے شادی اور عائلی زندگی۔ پھر روحانی تحقیق کا محرک اور آخر میں اللہ کا جدید ترین منشور۔

باب دوم کا عنوان ہے'' دنیا دین کیوں؟'' اس میں بھی تمہیدی بیانات کے بعد حسب ذیل عنوانات ہیں ''زرتشتی مذہب، برہمنیت (ہندومت) بدھ مت، صابیت، یہودیت اور عیسائیت ان ذیلی عنوانات کے تحت ان مذاہب وعقائد کی بے ثباتی دلیل سے ثابت کی گئی ہے۔

باب سوم کا عنوان ہے'' پیغام اور اس کے متعلقات'' اس میں بھی تمہیدی بیان کے بعد حسب ذیل، ذیلی عنوانات ہیں: پیغمبر پر ایمان، آخرت پر ایمان اور صلوۃ یعنی نماز۔

باب چہارم کا عنوان ہے: ''تبلیغ اسلام اور اس کے نتائج'' اس عنوان میں بھی مسلسل مدلل تمہیدی بحث کے بعد صرف ایک ذیلی عنوان ہے''معراج'' اور اس پر یہ باب اختتام کو پہنچتا ہے۔

باب پنجم کا عنوان ہے: ''یثرب۔ مدینۃ النبیؐ'' یہ عنوان بھی تمہیدی بحث کے بعد مندرجہ ذیل عنوانات پر مشتمل ہے: جمعہ کا پہلا اجتماع، مدینہ کو ہجرت کا فیصلہ، مہاجرین کی آبادکاری، مکیوں کا ردعمل، مدنی ریاست، اس ضمن میں میثاق النبی کے تحت دفعہ وار میثاق مدینہ بیان کیا گیا ہے اس کے بعد آخر میں دفاعی معاہدے ہیں۔

باب ششم کا عنوان ہے: ''مکہ سے تعلقات'' اور یہ حسب ذیل عنوانات پر مشتمل ہے: مالیاتی اصلاحات، تکمیل دین، خطبہ حجۃ الوداع اور حج کے معانی۔

باب ہفتم کا عنوان ہے: ''عرب قبائل سے تعلقات'' اس میں بھی مدلل تمہیدی بحث کے بعد حسب ذیل عنوانات قائم کیے ہیں۔ بنوسلیم، بنوہوازن اور بنوغطفان۔

باب ہشتم کا عنوان ہے: ''یہود سے تعلقات'' اس باب میں صرف مذکورہ قوم سے تعلقات پر بحث کی گئی۔

باب نہم کا عنوان ہے: ''خارجہ تعلقات'' اس عنوان کے تحت حسب ذیل عنوانات ہیں: بازنطین، مصر، حبشہ، ایران، یمن، عمان، بحران، سمارہ، ہندوستان، ترکستان اور چین۔

باب دہم کا عنوان ہے: ''اسلامی معاشرہ کی تنظیم'' اس عنوان کے تحت تمہیدی بحث کرتے ہوئے ارکان حکومت کا شجرہ نسب دکھایا گیا اور بتایا گیا ہے کہ مختلف قبائل کی ایک دوسرے سے رشتہ داری کو سمجھنے کے لیے یہ مددگار

ثابت ہوگا اس کے بعد اس ضمن میں ذیلی عنوان ''رسول اللہ کی تعلیمات کا تحفظ'' اسی پر تمہیدی بحث کے بعد دکھایا گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات گردش زمانہ سے کیسے محفوظ رہیں۔اس کے بعد ذیلی عنوان کے طور پر قرآن حکیم، حدیث اور سنت اس کے بعد سیرت رسول اللہ ﷺ اور وثیقہ جات نبوی ﷺ کے تحت کتبے، خطوط رسول ﷺ کی ذاتی استعمال کی اشیاء پر بحث کی گئی۔پھر عقل اور فوق الفطرت کے ذیلی عنوانات کے تحت مدلل بحث کی گئی۔

باب یازدہم کا عنوان ہے: ''رسول اسلام کی تعلیمات'' اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات پر مدلل بحث کر کے ان کی بالادستی ثابت کرنے کے بعد اسلامی قوانین پر مجموعی بحث کی گئی اور نکتہ چینی کے عنوان سے ایک امریکی مشنری مصنف کی طرف سے طلاق اور تعدد ازواج، پر اٹھائے گئے اعتراض کا عالمانہ جواب دیا۔اس ضمن میں اسلام میں جہاد کے تصور اور اسلام کے تعزیری قوانین کے اثبات پر مدلل بحث کی۔

باب دوازدہم کا عنوان ہے: ''رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی'' اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی عائلی زندگی کے بارے میں تمہیدی بحث کرنے کے بعد ''اللہ سے معاملہ'' پر بحث اور اسی کے بعد ذیلی عنوان قائم کیا ہے، ملازم اور غلام جس میں اس نادار طبقے کی دستگیری میں اسلام کا منفرد کردار ثابت کیا اس کے بعد ذیلی عنوان قائم کیا گیا ہے ''ازواجِ مطہرات'' اس میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اطلاقی پہلوؤں پر مدلل بحث کی گئی اور رسول اللہ ﷺ کی شادیوں کے مقاصد کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

باب سیزدہم کا عنوان ہے: ''دورِ نبوی ﷺ کا معاشرہ'' اس عنوان کے تحت قبائل عرب کی خصوصیات اور افادیت بیان کرنے کے بعد ''معاشرتی آداب، عقیقہ، اور عرب میں رائج مختلف رسوم ورواج پر بحث کی گئی ہے۔ معاشرے کی خصوصیات کے بعد اس کے تحت رسول اللہ ﷺ کی قائم کردہ معاشرہ کی خصوصیات کو بیان کیا گیا ہے۔ یہ سلسلہ کا آخری عنوان ہے۔جو اس بحث کا خلاصہ ہے۔

باب چہاردہم کا عنوان ''رسول اللہ ﷺ کے کام پر ایک نظر'' جس میں تمام مباحث کا خلاصہ بیان کیا گیا۔

باب نمبر پانزدہم کا عنوان ''رسول خدا کا وصال'' اس باب میں رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے لمحات پر بحث کی گئی۔

باب ہشدہم کا عنوان ہے: ''تدفین اور جانشینی'' پر مفصل اور مدلل بحث کے بعد کتاب ختم کر دی گئی۔(۳۳)

❽ Le Prophet de l; Islam Savie et Son Oeurve

(The Life & Work of the Prophet of Islam)

یہ کتاب بنیادی طور پر فرانسیسی زبان میں لکھی گئی اور مصنف نے اس کتاب میں رسول اللہ ﷺ کی پوری زندگی کو مختلف نظام ہائے حیات کے تحت مستند مصادر و مراجع کی بنیاد پر تصنیف کی۔ سیرت کے موضوع پر سب سے مربوط و مکمل کتاب ہے جس میں سابقہ تمام کتابوں سے وہ مضامین بھی شامل ہیں جن کو ان کتابوں میں شامل نہیں کر سکے اور جس کا اظہار آپ نے اپنی کتاب ''عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی'' کی طبع ثالث کے پیش لفظ میں کیا ہے۔(۳۴)اب دیکھتے ہیں، وہ کون سے مضامین و ابواب ہیں جو مذکورہ تصنیف میں شامل نہیں ہو سکے، اور اس فرانسیسی کتاب میں شامل کیا گئے۔ لکھتے ہیں:

> ''البتہ جغرافیہ سیرت ابھی ذہن میں ہے۔ مشاہد سفر وحضر قبائلی دیار نیز بلاد عرب، پہاڑ، وادیاں، سب کے متعلق محل وقوع اور عام معلومات فراہم کرنا ہے۔ شاید خدمت نبویہ کی آئندہ کوئی اور چیز بھی ذہن میں آئے۔''(۳۵)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی تمنا پوری کر دی مگر فرانسیسی یا انگریزی میں مثلاً عہد نبویؐ کے میدان جنگ کے تذکرہ میں خیبر کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

> ''اس کے لکھنے کے بعد خیبر جا سکا اور کتاب مذکورہ کے انگریزی ایڈیشن میں اس کے متعلق معلومات بڑھا سکا۔''(۳۶)

دراصل اس کتاب کی جلد دوم میں زیادہ تر رسول اللہ ﷺ کے نظام حکمرانی ہی کو موضوع بحث بنایا گیا۔ چونکہ کتاب فرانسیسی میں ہے۔ اس لیے بیشتر مسلم اہل علم و دانش کے لیے استفادہ کرنا آسان نہ تھا۔ اس مشکل کو ڈاکٹر محمود احمد غازی نے حل کر دیا۔ انہوں نے اس ضخیم کتاب کی جلد اوّل کا انگریزی میں ترجمہ کیا اور ڈاکٹر محمد مصلح الدین اسلامک ٹرسٹ کی طرف سے شائع کر دیا۔ جلد دوم ابھی باقی ہے۔ مذکورہ جلد اول بڑے سائز میں 9+522 صفحات پر مشتمل ہے جو پانچ ابواب ۱۵ فصلوں میں ۱۷۰۵ پیراگرافوں یا دفعات پر مشتمل ہے اور ہر فصل تفصیل کے لیے متعدد ذیلی عنوان پر منقسم ہے۔

باب اول کا عنوان ہے *The Introduction* (تعارف)۔ اس میں مندرجہ ذیل سات فصلیں ہیں:

1- " The Prophet of Islam : Why to Study his life.

پیغمبر اور اسلام، مطالعہ سیرت کی ضرورت و اہمیت

2- " Material and Primary Sources"

مواد اور ابتدائی ماخذ

3- " Environment and Circumstances? "

حالات اور ماحول

4- " Choice of the Venue."

جگہ کا انتخاب

5- " Choice of Macca as Centre. "

مرکز کے طور پر مکہ کا انتخاب

6- The Choice of Muhammad for the supreme Divine Mission.

اعلیٰ الٰہی مشن کے لیے محمد ﷺ کا انتخاب

7- " The Prophet's Ancestors."

رسول اللہ ﷺ کے اجداد

باب دوم کا عنوان ہے *The Appearance* (بعثت نبویؐ) اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:

1- " Birth of Muhammad. "

رسول اللہ ﷺ کی پیدائش

2- " The Orphan at the Uncle House. "

یتیم اپنے چچا کے گھر میں

3- " War of Profanation and the order of Chivalry. "

ایک غیر مقدس جنگ اور ناداروں کی دادرسی کی تنظیم

4- Life of Independence.

خودمختار زندگی

5- Marriage and Family Life

شادی اور عائلی زندگی

6- Awaking of Religions Conseience.

مذہبی احساس ذمہ داری کی بیداری

باب سوم کا عنوان ہے *Mission* (دعوت واعلان تبلیغ) اس میں حسب ذیل فصلیں ہیں:

1- Beginning of the Mission

دعوت وتبلیغ کا آغاز

2- Communication of the Divine Message

پیغام الٰہی کا رابطہ

3- Emigration to Abyssinia

حبشہ کی طرف ہجرت

4- Social Boycott

سماجی بائیکاٹ

5- In Search of Asylum

ایک پناہ گاہ کی تلاش

6- Mirej and Miracles

معراج اور معجزات

7- Islamization of Madina

مدینہ میں نفاذِ اسلام

8- The Women's Role in Islam Before the Hijrah

ہجرت سے پہلے خواتین کا کردار

چوتھے باب کا عنوان ہے *The Hijrah or Immigration to Madinah* (ہجرت یا مدینہ میں آباد)

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:

1- First Measures taken in Madina

مدینہ میں پہلا کام

2- Organising a Community

ایک قوم کو منظّم کرنا

3- Constitution of the State

ریاست کا دستور

پانچویں باب کا عنوان ہے *The Political Religious Life* (مذہبی سیاسی زندگی)

اس باب میں مندرجہ ذیل فصلیں ہیں:

1- Relations with the Quraish of Mecca.

قریش مکہ کے ساتھ تعلقات

2- The Ahabish Tribe

قبائل احابیش

3- Relations with the Abyssians

حبشہ والوں سے تعلقات

4- The Origional of the letter of the Prophet to Nagus.

نجاشی کے نام رسول اللہ ﷺ کے اصل مکتوب نبویؐ

5- Relations with Egypt.

مصر سے تعلقات

6- The Original of the Letter to the Moqauquis

مقوقس کے نام اصل مکتوب نبویؐ

7- Relations with the Byzantine Empire

بیزنطینی بادشاہت سے تعلقات

8- Original of the Letter to Heraclius

ہرقل کے نام اصل مکتوب نبویؐ

9- Relations with Iran

ایران سے تعلقات

10- Original of the Prophet's Letter to Kisra

کسری کے نام رسول اللہ ﷺ کا اصل مکتوب

11- Relations with the Iranian Colonies

ایرانی نوآبادیات کے ساتھ تعلقات

12- Tje Original of the Letter to Al-Mundhir

المنذر کے نام اصل مکتوب نبویؐ

13- The Original of the Letter of the Prophat to the Sovereigns, Jafar and Abd of Uman.

خودمختار جعفر اور عبد عمان کے نام اصل مکتوب نبویؐ

14- Arab Tribes of the Peninsula

جزیرہ نمائے عرب کے قبائل

15- The Ambassador Par Excellence Amr Ibn Umaiyah

عمرو بن امیہ کی کامیاب سفارت کاری

16- Other Arab Tribes

دیگر عرب قبائل

17- Hawazin Tribe and Town of Taif

قبیلہ ہوازن اور شہر طائف

18- Other Tribes

دیگر قبائل

19- Denunciation of the Pacts of the Alance with Pagans.

کفار سے اتحادی معاہدوں کی تنسیخ

20- Appostasy and Rebellion of Certain Tribes

بعض قبائل کا دعویٰ نبوت اور بغاوت

21- Relations with the Jews

یہودیوں سے تعلقات

22- Jews Outside Madina

مدینہ سے باہر کے یہود

23- Relations with the Christions

عیسائیوں سے تعلقات

24- Jesus Christ and Christianity According to the Quran.

عیسیٰ علیہ السلام اور مسیحیت، قرآن حکیم کی نظر میں

25- Other Religions

دیگر مذاہب

26- The Frontiers and Administrative Division of the State.

ریاست کی سرحدیں اور انتظامی معاملات

مصنف نے اس کتاب کو صرف اپنی زندگی بھر کے مطالعہ کا ثمر ہی قرار نہیں دیا بلکہ مسلسل تحقیق و جستجو کا نتیجہ قرار دیا اور انگریزی ترجمہ کے بارے میں یہ بھی کہا کہ یہ انگریزی متن فرانسیسی ایڈیشن کا صرف ترجمہ نہیں بلکہ متعدد اضافوں اور تصحیح پر مشتمل ہے۔(۳۷)

⑨ سیرت ابن اسحاق کی بازیابی

حدیث کے موضوع پر ''صحیفہ ہمام بن منبہ'' کی طرح ''سیرت ابن اسحاق'' کی بازیابی اور تحقیق و تعلیق کے ساتھ منظر عام پر لا کر شائقین سیرت اور محققین علوم سیرت کے لیے دستیاب کروینا ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک اہم کارنامہ ہے۔ رائج ترین قول کے مطابق سیرت رسول اللہ ﷺ کے موضوع پر یہ ایک قدیم ترین تالیف ہے اور ہر دور میں اسے علمی دنیا میں شہرہ آفاق حیثیت حاصل رہی ہے اور وہ تمام مصنفین جنہوں نے سیرت کے موضوع پر قلم اٹھایا ہے انہوں نے اس کتاب کو صحیح ترین اور مستند ترین ماخذ اور مرجع قرار دیا ہے اور علمائے سیرت کا اس بات پر تقریباً اجماع ہے کہ مغازی اور ظہور اسلام سے لے کر رسول اللہ ﷺ کی وفات تک قرون اولیٰ کے متعلق ان کی خبروں کا قابل اعتماد ماخذ یہی تاریخ ہے۔ لیکن مرورِ زمانہ کے ساتھ ساتھ یہ کتاب ناپید ہوگئی تھی یہاں تک کہ اس کا ایک بھی مکمل نسخہ دنیا میں موجود نہ رہا۔ اور گمان ہو چکا تھا کہ یہ کتاب تمام وکمال صفحہ ہستی سے ناپید ہو چکی ہے اور اس کا کوئی بھی حصہ دستیاب ہونے کا امکان نہیں ہے۔

بالاخر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تحقیقی جستجو نے اس نادر علمی نسخہ کو منظر عام پر لانے میں اہم کردار ادا کیا انہوں نے اس کی تصحیح اور مراجعت میں انتہائی صبر سے کام لیا اور اس اسلامی علمی ورثہ کی اشاعت کا اہتمام کیا۔ انہوں نے مسلمانوں کے ہاں علمی تاریخ پر تحقیق بحث کرتے ہوئے اس کتاب کا مقدمہ لکھا ہے اور جملہ مصادر کو کھنگال کر ابن اسحاق کی زندگی اور ان کے علمی کارنامے پر خلاصہ کی شکل میں سیر حاصل تبصرہ کیا اور اس کے مقدمے کے آخر میں جملہ مصادر کی فہرست شامل کر دی۔ اس کتاب کی تصحیح اور مقابلہ میں استاذ سید محمد طاہر فاس شریک رہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈووکیٹ نے کیا اور پہلی دفعہ نقوش رسول نمبر جلد یازدہم شمارہ نمبر ۱۳۰ مورخہ جنوری ۱۹۸۵ء میں شائع ہوا۔ اختتام پر ''محاکمہ سیرت ابن اسحاق'' کے عنوان سے محقق و مدون ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ایک فاضلانہ مقالہ شامل کیا جو صفحہ ۲۵۵ سے ۳۹۵ پر محیط ہے۔ جس میں مصنف کتاب کے احوال و آثار پر گفتگو کی گئی ہے۔ (۳۸)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی (نظر ثانی واضافہ شدہ) کراچی، اردو اکیڈمی، سندھ، ۱۹۸۱ء ص ۷۔

۲۔ ایضاً: ص ۷۔

۳۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ (تدوین واضافہ) محمد میاں صدیقی، راولپنڈی، علمی مرکز طبع اول، اگست ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۱۔۱۰۲۔

۴۔ محمد حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، کراچی، دارالاشاعت، اشاعت ہفتم، ۱۹۸۷ء ص ۵۔

۵۔ ایضاً، ص ۶۔

۶۔ الاحزاب ۳۳: ۲۱۔

۷۔ آل عمران، ۳۱۔۳۲۔

۸۔ محمد حمید اللہ، رسول اکرم کی سیاسی زندگی، ص ۶۔

۹۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبوی میں نظام حکمرانی، ص ۹۔

۱۰۔ ایس ایم زمان، ڈاکٹر، حرف تقدیم، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بہاولپور، اسلام آباد، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اشاعت چہارم، ۱۹۹۲ء۔

۱۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، پیش لفظ مؤلف برائے اشاعت سوم، ایضاً ص ۸۔

12- Muhammad hamidullah, Dr. The Prophet's Establishing, a state and his succession, Islamabad, Pakistan Hijra Council, 1408 A.H, 1988. A.C. Preface

۱۳۔ نفس مصدر، این، اے بلوچ، ایضاً، ص ۱۱۷۔۱۱۱۔

۱۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہد نبویؐ کے میدان جنگ، ص ۱۹۔

۱۵۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۳۱۱۔

۱۶۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، مرتبہ، سیاسی وثیقہ جات از عہد نبویؐ تا بہ خلافت راشدہؓ (مترجم مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی) لاہور مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۶۰ء، ص ۶۔۵۔

۱۷۔ نفس مصدر، محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، ایضاً، ص ۶۔

۱۸۔ ایضاً، ص ۱۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۔۱۸۔

۲۰۔ ایضاً،ص ۳۱۱۔

(ii) رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ایضاً ص ۲۱۱۔

۲۱۔ غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، مقدمہ عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ، ص ۱۴۔

۲۲۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ، ص ۲۰۔

۲۳۔ ایضاً،ص ۱۶۔

۲۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۷۔

۲۵۔ ایضاً،ص ۷۔

۲۶۔ ایضاً،ص ۷۔

۲۷۔ محمد رضی عثمانی، عرض، ناشر، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۳۔

۲۸۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ایضاً، ص ۷۔

۲۹۔ ایضاً،ص ۷۔

۳۰۔ ایضاً،ص ۸۔

۳۱۔ ایضاً،ص ۷۔

۳۲۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، خطباتِ بہاولپور، ص ۳۸۲۔

۳۳۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، محمد رسول اللہ، ترجمہ نذیر حق، نقوش رسول نمبر جلد دوم شمارہ نمبر ۳۰، لاہور، ادارۂ فروغ اردو، دسمبر ۱۹۸۲ء، ص ۶۸۲۔۱۱۲۔

۳۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، ص ۸۔

۳۵۔ ایضاً،ص ۷۔

۳۶۔ ایضاً،ص ۷۔

37- Muhammad Hamudullah, Dr, The Life and Work of Prophet of Islam, Vol.1, Translated, by Ghazi, Mahmood Ahmed, Islamabad, Dr. Muslihuddin Islamic Trust Islamabad, 1998. Preface to the First English Edition, P (III)

۳۸۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، سیرت ابن اسحاق، مسماۃ بکتاب المبتدا والمبعث والمغازی، جسے اہل علم تیرہ سو سال سے ڈھونڈ رہے تھے، تالیف محمد اسحاق بن یسار، ترجمہ نور الٰہی ایڈووکیٹ، لاہور، ادارۂ فروغ اردو، نقوش رسول نمبر جلد یازدہم، شمارہ نمبر ۱۳۰، جنوری ۱۹۸۵ء، ص ۳۹۵۔۱۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی سیرت نگاری میں اہم خصوصیات

* پروفیسر ڈاکٹر عبدالرؤف ظفر

قرآن مجید کے بعد سیرتِ رسول ﷺ ہی بنی نوع انسان کے لیے دائمی نمونہ عمل اور انسانیت کے لیے ابدی سرچشمۂ ہدایت ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام نے نہ صرف نہایت اہتمام سے قرآن پاک کے متن، پیغام اور معانی و مطالب کو محفوظ کر کے بعد میں آنے والی نسلوں تک پہنچایا، بلکہ سیرتِ رسول ﷺ بھی انہی کے ہاتھوں محفوظ و مدوّن ہوئی۔

پہلی صدی ہجری میں کتب حدیث مغازی و سیرت ضبط تحریر میں آئیں۔ برصغیر پاک و ہند میں پہلی صدی ہجری کی آخری دہائی میں سیرتِ رسولؐ پر عربی اور فارسی زبان میں تابعین کے کام سے لے کر گیارہویں صدی ہجری کے اوائل تک اگرچہ محدود پیانے پر کام ہوا لیکن گیارہویں صدی سے تیرہویں صدی ہجری تک بے شمار کتب سیرت مختلف عناوین کے لحاظ سے تالیف ہوئیں۔

انیسویں صدی عیسوی میں نئے اسلوب کے ساتھ سیرت رسولؐ پر سرسید احمد خانؒ، علامہ شبلی نعمانیؒ اور سید سلیمانؒ ندوی کی تصانیف منظر عام پر آئیں۔ شبلی اور سید صاحب کے بعد ان کے معاصرین قاضی محمد سلیمان سلمان منصور پوری، مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹیؒ، ابوالکلام آزادؒ، مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ اور مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ نے سیرتِ رسولؐ پر محتاط تحقیق اور مدافعت رسولؐ پر شاہکار تخلیق کیے۔ اس محققانہ کام کو دیکھ کر بعض لوگوں نے محسوس کیا کہ شاید اب اس موضوع میں کسی نئے اسلوب کی گنجائش نہ ہو لیکن جب ان حضرات کے بعد آنے والے ایک محقق کا کام سامنے آیا تو خیال ہونے لگا کہ سیرت پر تو ابھی کام کیا آغاز ہی ہوا ہے اور تحقیق کے اصل میدان تو اب کھلے ہیں۔ اس محقق کا نام محمد حمید اللہ ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو دورِ جدید کا امام سیرت بلکہ مجدد علوم سیرت کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ سیرتِ رسول ﷺ پر آپ کا تحقیقی کام اپنے انداز کا ایک منفرد اور اچھوتے اسلوب کا آئینہ دار ہے۔ آپ نے گذشتہ ایک صدی کے دوران سیرت سے متعلق موضوعات پر جو تحقیق کی ہے وہ اپنی وسعت اور تعمق، گہرائی اور تحقیق کے اعتبار سے تاریخ ادبیات سیرت میں ایک نئے اسلوب بلکہ ایک نئے عہد کے آغاز وارتقاء کی غماز ہے۔

---

* ڈائریکٹر سیرت چیئر، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور۔

علم حدیث کے ذریعے سے ڈاکٹر صاحب کا تعلق علم سیرت سے پیدا ہوا پھر انہوں نے تمام تر زندگی سیرت پر کام کرتے ہوئے گزار دی۔ کہا جا سکتا ہے کہ سیرت پر جو کام ہونا تھا وہ ہو چکا جنہیں لکھنا تھا لکھ چکے، اب سیرت پر کوئی نئی معلومات اور ذخیرہ کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ ظاہر ہے ڈاکٹر صاحب نے کوئی نیا ذخیرہ سیرت تو دریافت نہیں کیا جو واقعات و روایات سیرت دستیاب ہیں ڈاکٹر صاحب نے انہی روایات اور واقعات سے کام لیا لیکن انہوں نے بعض ایسے سوالات اٹھائے اور ان کے جوابات دیئے جن سے قدیم مصنفین نے اعتناء نہیں کیا تھا۔ صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ جس سے اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب نے کس انداز سے سیرت کے واقعات کو بیان کیا اور اس کی تشریح و توضیح کی۔ ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب ''اسلامی ریاست: عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد'' کے باب اوّل: ''مملکت اور نظم و نسق'' میں لکھتے ہیں:

> ''آج میرے پیش نظر صرف یہ بتانا ہے کہ کن حالات میں پیغمبر اسلام ﷺ کو اس بات پر مجبور ہونا پڑا کہ ایک حکومت قائم فرمائیں۔ حکومت کی اقامت پر مجبور ہونے کا لفظ میں اس لیے استعمال کر رہا ہوں کہ نبی دنیا اور دنیوی اقتدار کا طالب نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود پیغمبر اسلامؐ ایک مملکت قائم کرتے ہیں اور اس مملکت کے حاکم اعلیٰ کی حیثیت سے حکمرانی بھی فرماتے ہیں۔ یہ کن حالات میں ہوا؟ اور کس طرح یہ مشکل کام سرانجام پایا؟ اور پھر اس مملکت میں جس کا وجود ہی نہ تھا۔ ہر چیز کا نظم و نسق حضور ﷺ کے قائم کردہ اور ایسا نظم و نسق چھوڑا کہ وہ آپ کے بعد صدیوں تک چلتا رہا اور نبی اکرم ﷺ کے نظام جہاں بانی سے فائدہ اٹھاتے آرہے ہیں۔''(۱)

ڈاکٹر صاحب نے علم حدیث اور حدیث کے ذخائر سے کام لینے کے ساتھ ساتھ جب سیرت پر اپنی کتابیں تصنیف کیں اور خاص طور پر فرانسیسی زبان میں ان کی دو جلدوں میں جو سیرت پر کتاب ہے وہ اپنے موضوع پر عجیب اور منفرد انداز کی تحریر ہے اس میں انہوں نے صرف حدیث اور سیرت کی کتابوں سے مدد نہیں لی بلکہ قدیم جاہلی ادب، علم انساب، تذکرہ، سوانح عمری، سفرناموں اور ایسی ہی دوسری کتابوں سے بھرپور کام لیا ہے۔ اور ان سب میں سیرت سے متعلق جو مواد تھا ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف اسے اپنے تصنیف میں شامل کیا ہے بلکہ اس سے سیرت نبویؐ کی تشریح و توضیح بھی کی ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا اسلوب سیرت نگاری

سیرت پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی آٹھ زبانوں میں فاضلانہ تحقیقی تصانیف، تراجم، مقالات اور خطبات کی مکمل فہرست ترتیب دینا تو ممکن نہیں ہے۔ جن کتب تک میری رسائی ہوئی ہے ان سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی سیرت نگاری پر روشنی ڈالی گئی ہے ان کی کتب، سیرتِ رسولؐ کے ایسے پہلوؤں کو سامنے لاتی ہیں جو اپنی انفرادیت میں ایک عجیب امتیاز رکھتے ہیں۔ بطور سیرت نگار آپ کی سیرت نگاری کے چند پہلو درج ذیل ہیں:

❶ حقائق پسندی

ڈاکٹر صاحب حقائق کو مصلحتاً پوشیدہ رکھنے کے قائل نہیں بلکہ ان کی تحریریں حقیقت پسندی اور معقولیت کی بہترین مثالیں ہیں: ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' کے تتمہ عرض میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''حبیب خدا، روحنا فداہ، کی ذات دوستوں کی تعریف وتوصیف سے بھی اس طرح بالا ہے جس طرح دشمنوں کی طنز وتشنیع سے۔ خدا سلف صالح کو جزائے خیر دے کہ انہوں نے بڑی دیانت داری سے سیرت خیر البشرؐ کے ہر پہلو کو بے کم وکاست بعد والوں کے لیے محفوظ کیا اور لومۃ لائم کی پرواہ کیے بغیر ان چیزوں کو بھی بیان کیا جو پہلی نظر میں بعض دوستوں کو پسند نہیں آتیں۔ اگر چہ ذرا غائر نظر ڈالنے والا اس ظاہری دھبے کے حسن و کمال پر پھڑک اٹھتا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ یہ نمونہ معجزات اور خارق عادات و طریق کار کے متعلق نہیں ہوسکتا۔ اس لیے اس ناچیز نے سیرت پاک کے انہی پہلوؤں پر زور دیا ہے جو عالم اسباب کے مناسب اور ہر انسان کے لیے قابل عمل ہوں۔ پیچیدہ معاملات میں تاویل وہ کی ہے جو اس انسانی حیثیت کے زیادہ قریب ہو۔ یہ شانِ رسالتؐ میں بے ادبی وبدگمانی سے نہیں، قرآنی اور ربانی احکام کی تعمیل میں ہے۔'' (۲)

ڈاکٹر صاحب اپنی تصنیف ''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' میں ایک اور مقام پر لکھتے ہیں کہ:

> ''پیغمبر اسلام اگر چہ بنو ہاشم سے تعلق رکھتے تھے لیکن ایک تو آپ عبد المطلب کے بڑے بیٹے کے بڑے بیٹے نہ تھے اور نہ کسی طور پر جانشین تھے، بلکہ یتیم پیدا ہوئے تھے

اور چچا نے پرورش کی تھی۔ یہ کہنا گستاخی نہیں بلکہ امر واقعہ کا اظہار کرنا ہے کہ آنحضرت ﷺ ایک جونیئر گھرانے کے جونیئر فرد تھے۔ آپ کو نبی تسلیم کرنا بنی امیہ ہی کو نہیں خود بنی ہاشم کے سینئر افراد کو گراں گزرتا تھا۔ ظالم چچا ابولہب ہی نہیں بلکہ ہمدرد سرپرست چچا ابوطالب کو زندگی بھر اپنے سے چھوٹے کی یہ حیثیت وقار کرنا اوقات کے خلاف ہی نظر آتا رہا۔'' (۳)

''عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ'' میں ڈاکٹر صاحب جنگ بدر کے سبب کو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''ایک طرف تو قریش کا مسلمانوں پر مظالم توڑ کر انہیں جلا وطنی پر مجبور کرنا، جلا وطنی پر ان کی جائیدادوں کو ضبط کر لینا اور ان کے نئے مسکن (حبشہ اور پھر مدینے) میں وہاں کے حکمرانوں اور بااثر لوگوں کو ان تارکین وطن کو پناہ نہ دینے کی ترغیب دینا، دوسری طرف ان ناانصافیوں کا بدلہ لینے کے لیے مدینہ سے مسلمانوں کا قریش پر معاشی دباؤ ڈالنا اور بزور قریشی قافلوں کی آمدورفت کو اپنے زیر اثر علاقے میں روک دینا، یہی بدر کی لڑائی کا باعث ہو سکتے ہیں۔ قریشی قافلوں کو لوٹ لینا، ڈاکہ اس وقت سمجھا جائے جب یہ بےقصور ہوں اور لوٹنے والے حکومتی نہیں بلکہ خانگی افراد ہوں ورنہ دو سلطنتوں میں کشیدگی پر نہ صرف جان بلکہ مال وآبرو کے خلاف بھی ہر فریق دوسرے کو نقصان پہنچانے کا پورا حق رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ میں ان لوگوں سے متفق نہیں ہوں، جو قریشی قافلوں کو لوٹنے کے لیے بھیجی ہوئی مہموں کے وجود ہی سے انکار کرتے ہیں۔'' (۴)

❷ ذخائر مخطوطات میں سے قدیم کتب کی دریافت

سیرت پر آپ کے تحقیقی کام کا سب سے اہم پہلو مستند واقعات رکتب کی دریافت، تدوین اور اشاعت ہے۔ حیات طیبہؐ کے بارے میں محمد بن اسحاق بن یسار (<u>۸۵ھ۔۱۵۱ھ</u>) کی مولفہ سیرت ''سیرۃ ابن اسحاق'' مسماۃ ''کتاب المبتدا و المبعث و المغازی'' صحیح ترین اور مستند ترین مراجع میں سے ہے۔ محمد الفاسی ''سیرۃ ابن اسحاق'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ:

''اس میں کوئی شک نہیں کہ سیرت ابن اسحاق میں سے کتاب ہذا کی اشاعت کو عربی

علمی ورثہ کے احیاء کی تاریخ میں ہمیشہ ایک عظیم واقعہ شمار کیا جائے گا۔علماء ومحققین کے قلوب مدت دراز سے اس کتاب کی طرف راغب ومشتاق تھے اس سے قبل یہ گمان ہو چکا تھا کہ یہ کتاب بہ تمام وکمال صفحہ ہستی سے ناپید ہو چکی ہے اور اس کے کسی حصہ کی دستیابی سے مایوسی لاحق ہو چکی تھی۔علامہ محقق استاذ محمد حمید اللہ نے اس کتاب کو منصہَ شہود پر لانے اور اس کی طباعت میں جو کوشش صرف کی ہے میں اس کی تعریف وتحسین کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔انہوں نے اس کی تصحیح و مراجعت میں بزرگوں کے سے صبر کا مظاہرہ کیا ہے کیونکہ اس ضمن میں مغرب کے علاوہ دیگر علاقوں سے خط و کتابت مطلوب تھی اور اس کے لیے طویل عرصہ درکار تھا۔اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انہوں نے اس جلیل القدر کتاب کو پردہ اخفاء سے نکال کر اس تحقیقی اور قیمتی اشاعت کا کام مکمل کر دیا ہے۔'' (۵)

سیرۃ ابن اسحاق کا اردو ترجمہ نور الٰہی ایڈووکیٹ نے کیا۔محمد طفیل نے ''نقوش'' کے رسول نمبر میں شائع کیا۔محمد طفیل، مدیر نقوش لکھتے ہیں کہ:

''جب میں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کو یہ لکھا کہ رسول نمبر کے لیے کوئی خاص چیز بھیجیں تو انہوں نے بتایا کہ ''سیرت ابن اسحاق'' دریافت ہوئی ہے۔مسودہ بھی تیار کر کے پبلشر کے حوالے کر دیا ہے۔مگر وہ ابھی تک نہیں چھپی۔ پبلشر کو خط لکھیے کہ جلد چھاپ دے۔چھپ جائے تو آپ اس کا اردو ترجمہ چھاپ دیں چنانچہ ایسا کیا گیا کیونکہ ہم سب تیرہ سو سال سے یہ سنتے آ رہے تھے کہ سیرۃ ابن اسحاق کا وجود ہے۔مگر معاملہ سب کی دسترس سے باہر رہا۔الحمد للہ کہ اتنے عرصے کے بعد آج ہم اس قابل ہوئے کہ سیرت ابن اسحاق کو اردو میں پہلی بار چھاپنے کا اعزاز حاصل کر رہے ہیں۔ اب سیرت کی کتابوں کو اس سیرت کی روشنی میں بھی سوچا، سمجھا اور لکھا جائے گا۔ پہلے ہم یہ جملہ پڑھتے تھے کہ ابن اسحاق نے یہ کہا، اب یوں پڑھیں گے کہ ابن اسحاق نے یہ لکھا ہے۔'' (۶)

سیرتِ نبوی پر اس کتاب کا مراکش کے قدیم شہر فاس کی جامع قرویین کے کتب خانے سے تلاش کر کے

شائع کرنا، ڈاکٹر صاحب کی بہت بڑی خدمت ہے۔ نادر ونایاب ذخیرہ حدیث کے مخطوطے کی دریافت بھی ان کا وہ کارنامہ ہے جسے تاریخی کہا جا سکتا ہے اور وہ صحیفہ ہمام بن منبہ کی ترتیب، انگریزی میں ترجمہ اور اس کی اشاعت ہے۔ تیسری صدی ہجری کے مشہور مورخ البلاذری کی کتاب ''انساب الاشراف'' کی پہلی جلد جو کہ سیرت نبویؐ پر ہے، کو مدون کر کے ڈاکٹر صاحب نے تاریخ اسلام کی بڑی خدمت سرانجام دی ہے۔ اسی طرح ابن حبیب بغدادی کی کتاب ''المحبر'' کو ایڈٹ کیا، اور اس کی فہارس بنائیں، یہ کتب انساب پر ہیں مگر ان میں سیرت نبویؐ پر بہت ہی عمدہ مواد دستیاب ہے ان سے بھرپور استفادہ فرمایا۔

❸ منفرد انداز تحقیق اور مشاہدہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے سیرت نبویؐ کے متعلق تحقیق میں جو اسلوب اختیار کیا ہے وہ بہت معیاری ہے، محض سنی سنائی اور روایتی بات نقل کر دینا کافی نہیں سمجھتے تھے بلکہ جب تک واقعہ کی تہہ تک نہ پہنچ جائیں اور اس کے ذرائع کی خوب چھان بین نہ کر لیں کوئی بات نقل نہیں کرتے مثلاً: ''عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ'' نہ صرف ڈاکٹر صاحب کی قدیم تصنیفات میں سے ہے بلکہ اس کا موضوع بھی بڑا منفرد قسم کا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے جغرافیہِ سیرت اور عسکریاتِ سیرت کا نہ صرف قدیم ترین ماخذ سے مطالعہ کیا بلکہ خود کئی ماہ مدینہ منورہ میں مقیم رہ کر غزوات نبویؐ کے مقامات کا مشاہدہ کیا۔ مقامات کو خود ناپ ناپ کر ان کے فاصلے متعین کیے اور ان کے نقشے بنائے۔

سیرتِ نبویؐ پر ڈاکٹر صاحب کی یہ کتاب اپنی ترتیب، تہذیب و تحقیق میں بالکل اچھوتی ہے۔ اس کو پڑھنے سے اس کی کئی ایک جہتیں سامنے آتی ہیں۔ پہلی اور اہم بات تو یہ ہے کہ ان غزوات کے میدانوں کا ڈاکٹر صاحب نے خود معائنہ کیا اور مشاہدہ کیا اپنے ہاتھ سے اس کے خاکے تیار کیے۔ اس لحاظ سے اس کتاب کو سیرت طیبہؐ پر لکھی جانے والی کتابوں میں ایک منفرد حیثیت حاصل ہوتی ہے یہ کتاب لکھتے ہوئے جب غزوہ اُحد پر پہنچے تو خیال آیا کہ یہ جنگ مدینہ منورہ کے سامنے کی بجائے شہر کے پیچھے کیوں لڑی گئی؟ اس لیے لکھنا ملتوی کر دیا۔ حالانکہ بقول انہی کے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ جنگ اسی میدان میں ہوئی اور اسی نام سے موسوم ہے۔ میدان اُحد اور جبل احد آج بھی اسی جگہ موجود ہیں۔ چنانچہ اس کے بیس سال بعد موصوف کو بغرض ادائیگی حج ارض حجاز آنے کا موقع ملا تو یہاں بھی مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ وغیرہ کے تمام کتب خانے چھان لیے۔

لوگوں سے گفتگو کی۔ یہاں تک بستیوں میں جا کر مقامی بدوؤں سے بھی ملے کہ شاید یہ بات انہیں سینہ بہ سینہ ملی ہو مایوسی ہوئی، لیکن بالآخر ان کی یہ حسن طلب مدینہ منورہ ہی میں ایک چھوٹی سی کتاب سے پوری ہوئی کہ جب کفار مکہ جنگ کے لیے نکلے تو ان کے پاس تیز رفتار سواریاں (گھوڑے اور اونٹ) بھی تھے تو انہوں نے طے کیا کہ سیدھے مدینہ کا رخ کرنے کی بجائے دور دور سے ہوتے ہوئے مدینہ کے پیچھے سے غفلت میں حملہ کیا جائے۔ ڈاکٹر صاحب کو اس انکشاف سے تشفی ہوئی تو وطن عزیز حیدر آباد لوٹ کر اس اہم دستاویزی کتاب کو مکمل کیا۔

ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کا اپنا ہی انداز ہے۔ اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ نے اپنی کتاب (Muhammad Rasulullah) میں نبی کریمؐ کی تاریخ پیدائش ۱۷؍جون ۵۶۹ء تحریر کی ہے حالانکہ دیگر مؤرخین نے ۱۲؍ربیع الاول ۵۷۱ء لکھی ہے۔ لیکن ہمارے محترم ڈاکٹر صاحب کو اس تاریخ سے بربنائے تاریخی شواہد اتفاق نہیں، آپ جون ۵۶۹ء کو ترجیحاً انتخاب کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

> " It was on Monday 17th June 569 of Christian era for determination of which see my article in the Journal of Pakistan Historical Society Karachi 1968 (xvi) 216-9 that a boy was born in an obscure part of the worked at Mecca, in the Desert continent of Arabia." (7)

اپنی اس تصنیف میں ڈاکٹر صاحب حضرت خدیجہؓ کے پہلے شوہر سے ایک بیٹے ہند ابن ابی ہالہ کی اپنے سوتیلے باپ (رسول خداؐ) سے غیر معمولی محبت اور احترام کو سامنے لاتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ہند ابن ابی ہالہ نبی کریمؐ کے حلیہ شریف کے بارے میں سب سے بڑا راوی قرار پایا اور وہ نہایت خوب صورت انداز میں آپؐ کے سراپے کو بیان کرتا ہے۔

> ''انؐ کا منہ یاقوتوں سے بھرا ہوا صندوقچہ تھا۔ انؐ کا چہرہ چودھویں کے چاند سے زیادہ حسین تھا۔'' (۸)

غارِ حرا کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''خوش قسمتی سے مجھے اس غار کو دیکھنے کی سعادت حاصل ہے۔جبل النور مکہ کے شرقی نواح میں شہر کے وسط سے تین چار کلومیٹر کے فاصلے پر واقع ہے۔حجاج جب منیٰ جاتے ہیں تو یہ پہاڑی ان کے بائیں جانب ہوتی ہے۔یہ مخروطی شکل کی بلند پہاڑی ہے جو آس پاس کے سلسلہ کوہ سے بالکل الگ تھلک ہے۔غار حرا پہاڑی کی چوٹی پر ہے اور ایسی چٹانوں سے عبارت ہے جو ایک دوسری کے اوپر کھڑی ہے۔اس کے اندر سے مٹی بہہ چکی ہے اور بڑے بڑے پتھر اس کی دیواروں اور چھت کا کام دیتے ہیں۔اندر سے غار اتنی بلند ہے کہ اس میں سیدھا کھڑا ہونا ممکن ہے۔غار کا طول وعرض بھی اتنا ہے کہ ایک انسان اس میں سہولت سے لیٹ سکتا ہے۔غار کی لمبائی چوڑائی سے زیادہ ہے۔ قدرتی طور پر اس کا رخ کعبۃ اللہ کی طرف ہے۔'' (۹)

ڈاکٹر صاحب کے اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے خود مشاہدہ کر کے یہ تحریر لکھی ہے۔ڈاکٹر صاحب اپنی محققانہ مہارت کے نمونہ ''عہد نبوی کے میدان جنگ'' میں جنگ خندق کا ذکر کرتے ہوئے اس موقع پر کھودی جانے والی خندق کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''کچھ تفصیلیں مجھے ملیں ہیں کہ یہ خندق اتنی چوڑی تھی کہ تیزی سے دوڑنے والا گھوڑا بھی اس کو پھلانگ کر عبور نہ کر سکے اور گہرائی اس قدر تھی کہ اندر کوئی آدمی ہو تو اپنے آپ باہر نہ آ سکے یعنی تین چار گز گہرائی ہوگی۔'' (۱۰)

آپ کی کتاب ''عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی'' میں دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور، کے عنوان کے تحت آپؐ کے عہد میں مملکتِ مدینہ کے دستور کے حصہ دوم پر تحریر آپ کی گہری تحقیق کو ظاہر کرتی ہے۔لکھتے ہیں کہ:

''دستور کا حصہ دوم، یعنی یہودیوں کا دستور العمل میرے خیال میں جنگ بدر کے بعد کا واقعہ کا ہوسکتا ہے اس سے پہلے کا ہونا قرین قیاس نہیں۔اگرچہ پوری دستاویز ایک ہی کل کی حیثیت رکھتی ہے۔اس کی عبارت اور اندازِ اسلوب سے بھی ایک ہی مرتب کنندہ کا ہونا پایا جاتا ہے اور مسلمان مؤرخ عام طور پر یہ بیان کرتے ہیں کہ یہ دستاویز ۱ھ کی ابتداء میں مرتب ہوئی۔لیکن یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ۱ھ میں دستاویز کا حصہ اوّل

مرتب ہوا ہوا اور بقیہ حصہ ۲ رہجری میں جنگ بدر کے بعد مرتب کر کے حصہ اوّل کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہو۔اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ ''لسان العرب'' میں اس دستاویز کا جہاں کہیں ذکر آیا ہے وہاں اس کے دو نام دیئے گئے ہیں۔ایک جملے میں اسے '' فی کتابه للمهاجرین والانصار '' کہہ کر اسے دستور العمل مہاجرین و انصار سے یاد کیا گیا ہے اور اسی سے ذرا نیچے حصہ دوم کے سلسلے میں '' ووقع فی کتاب رسول الله ﷺ لیهود ''دستور العمل یہودیان، کی اصطلاح برتی گئی ہے۔'' (۱۱)

''عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی'' کے باب ''ہجرت' میں ڈاکٹر صاحب لفظ ہجرت کے بارے میں اپنی تحقیق کو سامنے لاتے ہوئے لکھتے ہیں:

'' یہ لفظ ''ہجر'' سے ماخوذ ہے۔جس کے معنی حبشی اور بعض دیگر سامی زبانوں بلکہ خود قدیم عربی میں ''شہر'' کے ہیں۔ پھر مزید لکھتے ہیں جب ''ہجر'' کے معنی شہر کے ہیں تو ہجرت کے معنی ابتداء صرف یہی ہو سکتے تھے کہ کسی بستی، کسی شہر میں جا کر آباد ہو جانا اور خانہ بدوشی کی جگہ حضری زندگی اختیار کر لینا۔ پھر تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔غرض ہجرت کے لغوی معنی شہر میں جا بسنے کے تھے اور آسان ہے کہ کوئی صحرا کی تکلیف دہ زندگی کو چھوڑ کر نخلستان کی سرسبز بستی میں جا بسے تو لفظ ہجری کو بعد میں یہ معنی دیئے جائیں کہ کسی نعم البدل کو حاصل کرنا۔کسی خراب جگہ کو چھوڑ کر اچھی جگہ رہنا۔ میں سمجھتا ہوں کہ رسول کریمؐ کے ترکِ وطن کر کے مدینہ جا رہنے کو اسی آخر الذکر مفہوم میں بلحاظ ادب ''ہجرت'' کے نام سے موسوم کیا گیا۔ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ سیرتِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ کے سلسلہ میں ہجرت کے معنی صرف ہجرت مدینہ ہی نہ تھے بلکہ نومسلموں کا اسلامی علاقے میں آ کر اکٹھا ہونا اور مسلم نو آبادکاروں کا لے جا کر بسانا اسی نام سے یاد کیا گیا ہے۔'' (۱۲)

ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''خطباتِ بہاولپور'' کے خطبہ ۵ میں اس سوال کہ ''اسلام میں دوسری ریاست پر جارحیت کرنا جائز نہیں لیکن مدینہ کی ریاست جب مضبوط ہوگئی تو مکہ پر حملہ کرنے میں پہل کی گئی اس کی کیا وجہ تھی؟

کا جواب اگر دیکھا جائے تو آپ کی تحقیق جستجو کھل کر سامنے آ جاتی ہے آپ کہتے ہیں کہ:

حدیبیہ کے مقام پر ۶ رھ میں مسلمانوں اور اہل مکہ کے درمیان جو صلح ہوئی تھی، اس میں شرط یہ تھی کہ فریقین ایک دوسرے پر پوشیدہ یا علانیہ، ظلم وتعدی کرنے سے باز رہیں گے۔ اس کے باوجود جب مکہ کے حلیف قبیلے بنو کنانہ اور مسلمانوں کے حلیف قبیلہ بنوخزاعہ میں جھگڑا ہوا تو اہل مکہ نے معاہدے کی خلاف ورزی کرتے ہوئے بنو کنانہ کو ہتھیار فراہم کیے اور پھر چھپ کر قبیلہ بنوخزاعہ پر حملہ کیا اور مسلمانوں کو بھی قتل کیا۔ اسی صورت حال میں مسلمان سزا اور انتقام کے طور پر اہل مکہ پر حملہ کرتے ہیں۔ اسے جارحانہ حملہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ابتداء ان کی طرف سے ہوئی تھی اور جواب مسلمانوں نے دیا تھا۔ البتہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے میں کہوں گا کہ فتح مکہ کے موقعہ پر رسول اللہؐ نے ایک سپہ سالار کی حیثیت سے ایسا کارنامہ سرانجام دیا جس پر آدمی ششدر رہ جاتا ہے۔ اس زمانے میں دس ہزار کی فوج چھپ کر کہیں جا نہیں سکتی تھی اور رفتار اتنی سست تھی کہ مدینہ سے مکہ جاتے ہوئے اگر آج دو گھنٹے لگتے ہیں تو اس وقت دو ہفتے لگتے تھے اس کے بعد مسلمانوں کی فوج مدینہ سے مکہ شہر کے مضافات میں پہنچ کر کیمپ ڈالتی ہے۔ اس وقت تک مکہ والوں کو کوئی اطلاع نہیں ہوئی تھی۔
پھر شہر مکہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جاتا ہے ایک قطرہ خون بہائے بغیر آنحضرت ﷺ کے ایک جملے سے کہ:

> ''آج تم پر کوئی ذمہ داری باقی نہیں، جاؤ سب آزاد ہو، نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی کایا پلٹ گئی اور وہ سب کے سب راتوں رات پورے خلوص سے مسلمان ہو گئے۔ بہر حال تاریخی واقعات کی روشنی میں فتح مکہ کو جارحانہ جنگ قرار نہیں دیا جا سکتا۔'' (۱۳)

ڈاکٹر صاحب ''دین'' کے موضوع کے تحت لکھتے ہیں کہ:

> ''مغربی مؤرخوں کی تالیفات میں ایک اور چیز بھی نظر آتی ہے وہ کہتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی تو رسول اللہؐ لیٹ جاتے اور آپؐ کے چہرے کو ڈھانپ دیا جاتا، جیسا کہ پرانے کاہنوں کی عادت تھی۔ میں نے اس بارے میں تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ آپؐ کے چہرے کو ڈھانپ دینا اور آپؐ کا لیٹ جانا، صرف ایک مرتبہ پیش آیا ورنہ عام طور پر ایسی کوئی صورت کبھی واقع نہیں ہوئی۔ مثلاً اونٹنی پر ہیں، یا منبر پر کھڑے ہوئے خطبہ دے رہے ہیں تو وہاں پر چہرے یا جسم کو کسی کپڑے سے ڈھانپ دینے اور آپ کے

لیٹ جانے کی کوئی صورت کبھی پیدا نہیں ہوئی۔ وہ ایک واقعہ یہ ہے کہ جب حضرت عائشہؓ کی عفت کے بارے میں جھوٹے بہتان لگائے گئے تھے تو ایک دن آپ ﷺ حضرت عائشہؓ سے ملنے کے لیے، ان کے والد حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مکان میں گئے کیونکہ وہ اس زمانے میں اپنے والدین کے گھر تھیں۔ وہاں آنحضرت ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے گفتگو کی، کچھ سوالات کیے۔ پھر یکا یک آنحضرتؐ پر وحی کا نزول شروع ہوا۔ راوی لکھتا ہے کہ رسول اللہؐ لیٹ گئے اور آپؐ کے چہرے پر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ان کی بیوی نے احتراماً ایک چھوٹا سا کپڑا ڈال دیا۔ اس خیال سے کہ کہیں رسول اللہؐ کی متغیر حالت کو دیکھ کر ہم ہنس پڑیں یا ان پر بے ادبی سے نظر نہ پڑ جائے۔ اس ایک روایت کے علاوہ اور اس خاص واقعہ کے علاوہ کہیں یہ نظر نہیں آتا کہ وحی کے نزول کے وقت رسول اللہؐ لیٹ جاتے ہوں اور رسول اللہؐ کے چہرے کو لوگ ڈھانپ دیتے ہوں۔" (۱۴)

ان تمام حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہر بات کو پورے چھان پھٹک کر لکھتے ہیں۔ اور حدیث اور تاریخ کے تمام ذخیرے پر گہری نظر رکھتے ہیں۔

❹ جدید اور سائنٹفک انداز

ڈاکٹر صاحب کی تحریروں میں عام مبلغوں کی طرح جذبات کی بجائے معقولیت اور فکری اپیل ہوتی ہے وہ قدیم و جدید دونوں مآخذ کے حقیقی و تقابلی مطالعے کے بعد اپنے نتائج فکر، نہایت متانت کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں سائنٹیفک انداز و اسلوب کا دلکش نمونہ ہوتی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ قرآن و حدیث کے وسیع مطالعے، مختلف زبانوں پر عبور رکھنے اور موجودہ دور کے تقاضوں کو سمجھنے کے سبب، تمام تحریروں میں سائنسی انداز اختیار کرتے ہیں۔ اپنی کتاب ''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' جو ڈاکٹر صاحب کے کمالات کا آئینہ ہے، کے باب نمبر ۲۲ میں ''اصل مکتوب نبویؐ بنام نجاشی کی نئی دستیابی'' کے عنوان سے اس خط کی نقول حاصل کرنے کے لیے اپنی تگ و دو کے بارے میں رقم طراز ہیں:

''۱۱ر مئی ۱۹۳۹ء کو جب میں نے آکسفورڈ میں ''ابتدائے سن ہجری کے چند عربی

کتبات مدینہ'' پر ایک لیکچر دیا اور ان کتبات کے خط کا مقابلہ سابق میں دستیاب شدہ مکتوباتِ نبویؐ (بنام مقوقس و منذر) سے کیا تو پروفیسر مارگولیتھ (Margoliath) نے جلسے میں بیان کیا تھا کہ ایک مکتوبِ نبویؐ جو نجاشی حبشہ کے نام بھیجا گیا تھا دستیاب ہو گیا ہے اور اسکاٹ لینڈ کے ایک شخص مسٹر ڈنلاپ کے پاس ہے۔ جلسے کے بعد میں نے پروفیسر مارگولیتھ کے توسط سے اس شخص کو ایک خط بھیجا۔ کئی ماہ بعد مجھے اس کا جواب حیدر آباد میں ملا۔ خط نویسندہ مسٹر ڈنلاپ کا قیام ان دنوں شام میں تھا۔ جواب میں مکتوب مبارک کی ایک نقل جو ہاتھ سے کی گئی تھی منسلک تھی اور وعدہ تھا کہ سکاٹ لینڈ واپسی پر مجھے فوٹو بھی بھیجا جائے گا۔ نیز یہ کہ اس پر ایک مضمون جو لندن کے رسالہ جے۔ آر۔ اے ایس میں چھپے گا۔ اتنے میں جنگ شروع ہو گئی لیکن اتنے حالات میں نے اسلامک کلچر (حیدر آباد، اکتوبر ۱۹۳۹ء ص ۴۲۹ کی تعلیق نمبر ۱) اور مصر میں شائع شدہ کتاب الوثائق السیاسیۃ (مکتوب نمبر ۲۱ کی تعلیق) میں شائع کرا دیئے۔ مسٹر ڈنلاپ کا موجودہ مضمون صفحہ نمبر ۵۴ تا ۶۰ میں چھپا اور مکتوب مبارک کے فوٹو کا بلاک بھی وہیں شائع ہوا۔ اس کے بعد اس مکتوب کی مختصر تعریف ہے اور پھر مکتوب کی عربی عبارت درج ہے بعد ازاں ڈاکٹر صاحب نے اس پر تبصرہ کیا ہے۔'' مسٹر ڈنلاپ نے اس مکتوب کے جعلی ہونے کی رائے ظاہر کی۔ ڈاکٹر صاحب نے مسٹر ڈنلاپ کی سات دلیلیں نقل کر کے ان کے تسلی بخش جوابات دیئے ہیں (۱۵) پھر دلائل سے خط کو رسول اللہ ﷺ کا اصل مکتوب ثابت کیا ہے۔ (۱۶)

5 جدید عنوانات

ڈاکٹر صاحب نے سیرت النبیؐ کے مختلف گوشوں کے تعلق سے دلچسپ اور انوکھے عنوان قائم کر کے موجود نسل کے ذہنوں کو روشن کیا ہے۔ مثلاً عہدِ نبوی کے میدان جنگ، رسول اللہؐ کی سیاسی زندگی، عہد نبویؐ میں نظام حکمرانی، عہد نبویؐ کا نظام تعلیم، دنیا کا پہلا تحریری دستور، قرآنی تصورِ مملکت، ہجرت یا نو آبادکاری، اسی نوعیت کے خیال انگیز اور آج کے حالات سے مطابقت رکھنے والے ان کے بے شمار مضامین عصری تحقیقات کے طریقوں سے آراستہ، آئے دن مختلف زبانوں میں شائع ہوتے رہتے ہیں۔ آپ نے سیرت سے متعلق

بہت سے ایسے سوالات اٹھائے ہیں جن کا جواب سیرت کی عام کتابوں میں تو در کنار امہات الکتب میں بھی نہیں ملتا۔لیکن ڈاکٹر صاحب نے اپنی مخلصانہ تحقیق اور مجددانہ بصیرت سے ایسے بہت سے لا ینحل عقدے حل کیے اور تلامذہ سیرت کو نئی نئی روشنیاں عطا کیں: Muhammad Rusullah میں ڈاکٹر صاحب نے نبی کریمؐ پر نزول وحی کے واقعہ کو بیان کرتے ہوئے اسے ایک انوکھے عنوان کے تحت بیان کیا ہے اور عنوان کا نام ہے: ''اللہ کا جدید ترین منشور''۔(۱۷)

ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب ''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' میں ''رسول اکرم ﷺ کی سیرت کا مطالعہ کس لیے کیا جائے'' ہر سنجیدہ طالب علم اور ذاتی غور وفکر کے مستقل رائے قائم کرنے کے خواہش مند کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ رسول اسلام کا مطالعہ اب بھی کیوں کیا جائے؟ جب کہ آپؐ کی وفات پر ساڑھے تیرہ صدیاں گزر چکی ہیں۔علوم وفنون میں بے انتہاء ترقی ہو چکی ہے۔متمدن قوموں کے ماحول اور تصور حیات میں زمین وآسمان کا فرق آ چکا ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس بارے میں جو کچھ لکھا ہے اسے پڑھ کر قاری کو اطمینان حاصل ہوتا ہے اور تشنگی باقی نہیں رہتی۔آپ لکھتے ہیں کہ:

> ''یوں تو کسی مسلمان کی زندگی اسی وقت اسلامی کہلاتی ہے جب وہ قرآن مجید کے احکام کے مطابق ہو لیکن خود قرآن کریم نے متعدد موقعوں پر سنت نبویؐ کی قانونی حیثیت کو تسلیم کیا ہے اور اسے واجب التعمیل قرار دیا ہے۔ اس سے سنت نبویؐ یا صحیح و مسلمہ سیرت کی حیثیت بھی جُزءِ قرآن نہیں تو کم از کم ضمیمہ قرآن اور تتمہِ قرآن کی ہو جاتی ہے۔''

اس کے بعد چند آیات تحریر کرتے ہیں جو سنتِ رسول کی اہمیت کو ظاہر کرتی ہیں اور فرماتے ہیں کہ:

> ''ان اور دیگر آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ پیشوائے اعظم، سردار دو عالمؐ کا قول، آپؐ کا فعل اور جن چیزوں کو آپؐ نے اپنے صحابہ میں رواد برقرار رکھا ان سب پر عمل کرنا اتنا ہی ضروری ہے جتنا خود احکام قرآنی۔'' (۱۸)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی اس کتاب میں صلح حدیبیہ کے حوالے سے بھی یہ تذکرہ کیا ہے اور انوکھا عنوان تجویز کیا ہے: ''صلح حدیبیہ کی فتح یا عہد نبوی کی سیاستِ خارجہ کا شاہکار'' ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:

''حدیبیہ کی اس صلح (یا بقول قریش ''شکست'') کو قرآن مجید میں مسلمانوں کے لیے ''فتح مبین ''اور''نصر عزیز'' کے ناموں سے یاد کیا گیا ہے۔۔۔۔۔۔۔۔
اسلامی حکومت تو قریش کی منہ مانگی شرطیں منظور کرنے کو تیار تھی صرف خیبر سے ان کی غیر جانبداری مطلوب تھی۔ اسے قریش نے منظور کر لیا تھا بلکہ اس سے بھی زیادہ رعایتیں منظور کر لی تھیں۔ باسمك اللھم (یعنی اے اللہ تیرے نام سے) کے فارمولے میں کوئی شرک یا بت پرستی نہیں ہے اور ''محمد بن عبداللہ'' کو منظور کرنے میں مسلمانوں کا کوئی نقصان نہ تھا اسی طرح عمرے میں رکاوٹ معمولی امر ہے۔ اور ''من استطاع الیه سبیلا '' کے باعث اس وقت وہ مسلمانوں پر فرض نہ تھا۔ ایک طرف تحویل ملزمین کی توجیہ خود جناب رسالتؐ نے فرمائی کہ ہمارے پاس سے بھاگ کر آنے والا مسلمان ہی ہوگا اور اگر وہ اپنے ہم وطنوں کے مظالم پر صبر کرے گا تو خدا اس کو اجر دے گا۔ یوں بھی چند دنوں بعد اسلامی عملداری سے باہر نومسلموں نے قریشی کاروانوں کا کچھ اتنا ناطقہ تنگ کیا کہ خود قریش نے جناب رسالتؐ مآب سے التجا کی کہ اس شرط کو منسوخ کر کے ان نومسلموں کو مدینہ بلا لیں اور مسلمانوں کے لیے سخت نازک ترین زمانے میں حدیبیہ میں قریش کا اس صلح پر آمادہ ہو جانا اسلامی سیاست خارجہ کی ایک واقعی ''فتح مبین اور''نصر عزیز'' تھی جس کے باعث ان کے ہاتھ کھل گئے اور ایک مضبوط مستحکم حکومت قائم کر لی۔''

ڈاکٹر صاحب کے اس تمام بیان سے ہمارے لیے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آپؐ کے پیش نظر کیا حکمت تھی کہ جس کی بناء پر آپؐ نے قریش کا مطالبہ یا شرائط کو تسلیم کیا۔ اس وضاحت سے یہ بات ہمارے سامنے کھل کر آ جاتی ہے کہ ڈاکٹر صاحب واقعی سیرت سے متعلق نئی روشنی عطا کرتے ہیں کہ جس کی بناء پر اس وقت کے حالات کو واضح انداز میں دیکھا جا سکتا ہے۔ پھر ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''یہی وہ صلح حدیبیہ ہے جسے عہد نبوی کی سیاست خارجہ کا شاہکار کہنا چاہیے۔'' (۱۹)

❻ سیرت نبوی ﷺ کے نئے پہلوؤں کا انکشاف

ڈاکٹر صاحب گہرے مطالعے اور جستجو کی بنیاد پر سیرتِ نبویؐ کے بہت سے پہلو سامنے لاتے ہیں۔ ان کے اخذ کردہ نتائج ہمارے لیے نئے انکشافات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ نے ''خطباتِ بہاولپور'' میں محکم دلائل سے بہت سی نئی باتیں پیش کیں اور جا بجا ایسے نکات نکالے جن سے غور و فکر کی نئی راہیں کھلتی ہیں۔

آنحضرت ﷺ کا سلوک نوجوانوں کے ساتھ میں، ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ نبی کریمؐ ذمہ داری کا اکثر کام نوجوان ہی کے سپرد کرتے تھے۔ جب کوئی قبیلہ اسلام قبول کرتا تو آپ کسی ذہین فطین نوجوان کو اس کا سردار مقرر فرماتے۔ اسی طرح صفہ میں ابتدائی تعلیم اور لکھنا پڑھنا سکھانا، یہ کام نوجوان رضا کاروں کے سپرد تھا۔ آپؐ نے حضرت علیؓ کو ایک معرکے کا افسر بنایا اس وقت حضرت علیؓ کی عمر مشکل سے پچیس سال ہو گی۔ بعد میں انہیں گورنر اور قاضی کے عہدے بھی دیئے۔ اس کے علاوہ نبی کریمؐ نے مختلف نوجوانوں کی ذاتی صلاحیتوں کو دیکھ کر ایک فنی تخصیص کا موقع دیا۔ آپؐ کے مشیرانِ خاص بھی اکثر نوجوان تھے۔ غرض کہ ڈاکٹر صاحب اس مضمون کے ذریعے نبی کریمؐ کی سیرت کا اچھوتا پہلو ہمارے سامنے لائے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب عہدِ نبوی کی سیاستکاری کے چند اصولوں کو ہمارے سامنے لائے ہیں۔ اس طرح رسول اللہ ﷺ کی ''سیاسی زندگی'' میں ایک عنوان ''ختم المرسلین کے لیے آپؐ کے انتخاب کی وجہ قائم کیا ہے۔'' (۲۰)

❼ جدتِ اسلوب

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سیرت نبوی کے وہ گوشے سامنے لاتے ہیں جن پر اس انداز میں آج تک نہ لکھا جا سکا۔ اس کی ایک مثال ڈاکٹر صاحب کی کتاب ''عہدِ نبوی کے میدان جنگ'' ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

> ''سیرتِ نبویؐ پر دنیا کی ہر مہذب زبان میں کم یا زیادہ تفصیل کے ساتھ مواد فراہم ہو چکا ہے۔ اس مواد کے فراہم کرنے والے دوست بھی ہیں، مخالف و معاند بھی، سیرت نبوی کے جنگی حصے پر بھی مواد کی کوئی کمی نہیں لیکن غزوات نبوی پر تاریخی نہیں بلکہ حربیاتی (فن حرب) کے نقطہ نظر سے میرے پڑھنے یا سننے میں اب تک کوئی چیز نہیں آئی۔ ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کی جنگوں پر کچھ لکھنے کے لیے حربیاتی اور تاریخی دو مختلف قسم کی

مہارتیں درکار ہیں۔ میں ان دونوں سے بھی محروم رہا ہوں۔ لیکن مردے از غیب بروں آید و کارے بکند کا یا خود میں ان صلاحیتوں کے پیدا ہونے اور ''نومن تیل'' کے فراہم ہونے کا انتظار کرنا ان تھوڑے بہت معلومات کو بھی ضائع کر دینا۔ جو مطالعے اور سفر سے اتفاقاً مجھے حاصل ہوئے تھے۔ اس لیے جو مجھ سے ہو سکا مرتب کیا گیا ہے۔ اور اس کی کوتاہیوں کے پورے احساس و اعتراف کے ساتھ افادے و اعلام کے لیے نہیں بلکہ اصلاح کی غرض سے اہل علم کی خدمت میں پیش ہے۔'' (۲۱)

ڈاکٹر صاحب نے ''عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ'' میں نبی کریمؐ کے نظام دفاع اور آپؐ کے غزوات کو نہایت انوکھے انداز میں پیش کیا ہے اور ایسا انداز اختیار کیا ہے جس کی مثال اس سے پہلے نظر نہیں آئی تھی۔ کتاب عام فہم ہے اور اس میں کوئی پیچیدگی اور مشکل نظر نہیں آتی۔ آپ نے نبی کریمؐ کی فوجی مہم و فراست کو جس انداز میں بیان کیا ہے وہ قابل بیان ہے۔ سب سے پہلے لکھتے ہیں کہ:

''آپؐ نے کس طرح سے مسلمانوں کی سب سے پہلی، بہت ہی ننھی منی سلطنت جو مدینہ منورہ میں قائم ہوئی، اس کو ابتداء میں مختلف قسم کی مشکلات سے بچانے کے لیے کس طرح اپنی تدبیروں کا آغاز کیا تھا؟ مکہ معظمہ سے مسلمان ہجرت کر کے مدینہ آنے پر مجبور ہوئے اور خود رسول اللہؐ وہاں سے تشریف لائے تو شاید عام حالات میں کسی سلطنت کے قیام کی ضرورت پیش نہ آتی۔ لیکن مشرکین نے وہاں بھی چین نہ لینے دیا اور مدینہ والوں کو لکھ بھیجا کہ ہمارے دشمن (حضرت محمد) کو یا تو جان سے مار ڈالو یا انہیں اپنے ملک سے نکال دو، ورنہ ہم کوئی مناسب تدابیر اختیار کریں گے۔''

ڈاکٹر صاحب مزید لکھتے ہیں کہ:

یہ فوجی حملے کی دھمکی ایسی تھی کہ کوئی شخص آسانی سے اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا تھا۔ خاص کر وہ نبی جو دنیا کے سارے لوگوں کے لیے اسوہ حسنہ تھا۔ آپ بتاتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے اولین مسئلہ جو کہ مہاجرین کے روزگار اور ان کی فوری ضرورتوں کو پورا کرنے کا تھا، اس کے حل کے لیے مواخات کا طریقہ اختیار فرمایا۔ دوسری تدبیر آپؐ نے یہ فرمائی کہ مدینہ کے مختلف قبائل کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اپنے مذہبی اختلافات اور قبائلی

انفرادیت کے باوجود یہ مناسب ہوگا کہ تم سب مل کر ایک چھوٹی سی مملکت قائم کر لو۔ آپس میں مرکزیت پیدا کر لو اور اپنے دشمن کے مقابلے کے لیے ایک موجودہ قوت کو اس طرح مجتمع کر و کہ اس کا کوئی جز و ضائع نہ ہونے پائے۔ لہذا ایک مملکت قائم ہوئی جس میں مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور مشترکہ قبیلے داخل ہوئے اور ان سب نے آپ کو اپنا سردار تسلیم کر لیا۔(۲۲) فتح مکہ کا ذکر کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ:

''رسول اللہؐ حضرت بلالؓ کو حکم دیتے ہیں کہ اذان دو۔ اس دن وہ خانہ کعبہ کی چھت پر چڑھ کر اذان شروع کرتے اور کڑک کر ''اشھد ان محمّداً رسول الله'' کا نعرہ لگاتے ہیں۔ نماز کے بعد رسول اکرمؐ مکہ والوں سے مخاطب ہو کر پوچھتے ہیں کہ تم مجھ سے کیا توقع کرتے ہو؟ انہیں بیس سالہ ظلم، فتنہ انگیزی اور فساد یاد آتے ہیں اور وہ شرم سے سر جھکا لیتے ہیں اور سوائے اس کے کچھ نہیں کہہ سکتے کہ آپ شریف ہیں، شریف زادہ ہیں اس پر آنحضورؐ کے جواب کو تاریخ عالم میں لافانی ولاثانی کہنا چاہیے۔''(۲۳)

اب ان کی طرف مخاطب ہو کر فرماتے ہیں:

''تم پر اب کوئی مواخذہ، کوئی ذمہ داری نہیں، جاؤ تم سب کو چھوڑ دیا جاتا ہے۔''

ڈاکٹر صاحب کا یہ اسلوب بیان قاری کے لیے دلچسپی کا باعث بنتا ہے اور آپ کا اس قسم کا انداز اختیار کرنا قابل داد ہے۔ نبی کریمؐ کا مکے میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہونے کو ڈاکٹر صاحب نہایت دلکش انداز میں بیان کرتے ہیں:

''دس سال کی شبانہ روز جسمانی اور روحانی کاوشوں کے بعد مکے کا جلاوطن اب وہیں فاتحانہ داخل ہو رہا تھا مگر کس انداز سے؟ کسی جبار فاتح کی طرح اکڑتے، سینہ تانے، اور مسبب حقیقی کو بھلا کر نشہ خود پرستی میں سرشار؟ نہیں، بلکہ ابن ہشام کے مطابق بارگاہ خداوندی میں سرنیاز جھکائے اور بار بار اونٹنی کے کجاوے ہی پر سجدہ شکر ادا کرتے ہیں اور پچھلی مالی روحانی اذیتوں پر انتقام کے خیال کی جگہ ''لا تثریب علیکم الیوم اذھبوا فانتم الطلقا'' (آج تم سے کوئی مواخذہ نہیں ہوا۔ جاؤ تم سب آزاد ہو)

عفو اور عام درگزر کا اعلان کرتے ہوئے جو بالفاظ مولانا مناظر احسن گیلانی:

﴿ اُدْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّداً وَقُوْلُوا حِطَّةٌ ﴾

''اس شہر میں داخل ہوؤ اور جیسا چاہو کھاؤ'' لیکن دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے معافی کہتے ہوئے داخل ہوکی خالص اسلامی شان کا مکمل مظاہرہ تھا۔'' (۲۴)

❽ سیرت کے واقعات سے اہم نتائج اخذ کرنا

مصنف کو واقعات اور معلومات سے نتائج اخذ کرنے کا بہترین سلیقہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی قلم اٹھاتے ہیں۔ سیرت نبویؐ کے کسی نہ کسی نئے گوشے کو نمایاں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب Muhammad Rasullah میں نبی کریمؐ کی شادی کے حالات کے تحت لکھتے ہیں کہ حضرت خدیجہؓ نے آپؐ کے پاس خود نکاح کا پیغام بھیجا تھا۔ اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہوئے عربوں میں عورتوں کی عزت تھی لکھتے ہیں کہ:

''ایسا معلوم ہوتا ہے کہ عرب معاشرے میں خواتین کو نہایت بلند مقام حاصل تھا۔ یہ بھی درست ہے کہ عرب میں بیٹیوں کو پیدائش کے بعد دفن کرنے کے واقعات ہوئے ہیں لیکن ایسے واقعات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ پھر یہ واقعات انفرادی نوعیت کے ہیں اور ان کا منبع بھی عورت کی حد سے زیادہ بڑھی ہوئی تکریم کا رجحان ہے۔ (۲۵)

ایک دفعہ قحط کے دوران آپ کی رضاعی ماں حلیمہ آئیں۔ دوسرے یتیم، بیوائیں اور بے نوا مسافر، وہ انہیں امداد کے لیے اپنی اہلیہ کے پاس بھیجتے اور وہ ہمیشہ ایسے افراد کی کھلے دل سے امداد کرتیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''اس حقیقت سے صاف ظاہر ہے کہ خواتین (عرب میں) اپنے مال و دولت پر مکمل اختیار رکھتی تھیں اور ان کے شوہر بھی ان کی مرضی کے بغیر ان کی دولت صرف کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔'' (۲۶)

مکہ کے مملکت اسلامیہ میں شامل ہونے کے بعد اور نبی کریمؐ کے اس اعلان سے پہلے کہ آئندہ کوئی کافر

بت پرستی کی غرض سے کعبۃ اللہ میں داخل نہیں ہو سکے گا، مسلمان تو کعبۃ اللہ کو دین اسلام کا مرکز کے طور پر استعمال کر رہے تھے اور عرب کے کونے کونے سے آنے والے کفار خانہ خدا میں بت پرستی کی رسوم بھی ادا کر رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اس سے یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ مکہ کو جبراً اسلامی مملکت میں ضم نہیں کیا گیا بلکہ رسول خداؐ نے شہر کی حکومت تبدیل کرنے پر اکتفا کیا۔ (۲۷)

⑨ مسلمہ حقائق نئی تعبیریں یا انفرادیت

ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی تحقیق سے نہ صرف نئے حقائق منظر عام پر لاتے ہیں بلکہ مسلمہ حقائق کی نئی نئی تعبیریں پیش کرتے ہیں بلکہ بعض چیزوں میں ان کی انفرادیت ہے۔ لیکن اپنی تاویلات پر بضد نظر نہیں آتے بلکہ فیصلہ قاری پر چھوڑے ہیں اور مناسب و بہترین کی بقاء پر یقین رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب اپنی کتاب:
" The Prophet's Establishing a State and His Succession" کے پیش لفظ میں لکھتے ہیں کہ:

"In Collecting here my humble studies on certain aspects of the problem my only ambition is to focus attention of scholars to some new interpretations of old and well known facts. They have come to my mind, Yet I do not insist on them. I believe in the survival of the fittest." (28)

اس کی ایک مثال ہمیں ڈاکٹر صاحب کی کتاب "رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی" میں بھی ملتی ہے کہ جس میں آپ نے واقعات کی تاریخوں پر اختلاف کرتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار کیا مثلاً کسریٰ پرویز کا اپنے بیٹے کے ہاتھ قتل ہونا، اس قتل کی اطلاع آپ تک پہنچنا وغیرہ کی تاریخوں اور واقعات کے بارے میں اپنی رائے ظاہر کر دی اور یہ بھی لکھ دیا ہے کہ:

"مجھے ان اخذ کردہ نتائج پر اصرار نہیں ہے اور اگر اہل علم ان کی اصلاح کر سکیں اور گھتیوں کو سلجھا سکیں تو سیرۃ نبویہ کی ایک الجھن رفع ہو سکے گی۔" (۲۹)

اسی طرح اپنی کتاب ''خطباتِ بہاولپور'' کے موضوع ''عہدِ نبوی میں نظام مالیہ اور تقویم'' میں ایک نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ زکوٰۃ مکہ مکرمہ میں ہی شروع ہوئی اور اس پر اصرار نہیں کرتے، فرماتے ہیں کہ:

''اگر مکہ ہی میں زکوٰۃ فرض ہو چکی تھی، جس معنی میں ہم فرض سمجھتے ہیں تو اس کا ہمیں کوئی ثبوت نہیں ملتا یعنی مکہ میں رسول اکرمؐ کی طرف سے اس کی وصولی اور خرچ کا انتظام کیا گیا ہو یا اس کی مقدار معین ہوگی۔ اس کی میعاد مقرر ہوگی۔ اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ان حالات میں مجبوراً اس نتیجے پر پہنچنا پڑتا ہے (اور میری ذاتی رائے ہوگی، آپ پابند نہیں کہ اسے قبول بھی کریں) کہ زکوٰۃ کی ابتداء اور اس کا آغاز اخلاقی اور رضا کارانہ اساس پر ہوا۔ رسول اللہؐ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ اپنی تجارت، زراعت اور دیگر کمائیوں سے خدا کی راہ میں خرچ کرو اور کوئی تعجب نہیں کہ وقتاً فوقتاً مسلمان خود رسولؐ کی خدمت میں مال پیش کرتے ہوں تا کہ اپنی صوابدید سے اس مال کو خرچ کریں اور کبھی خود ہی اپنی صوابدید سے خرچ کرتے ہیں۔'' (۳۰)

اس لحاظ سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب اپنی رائے میں اکیلے معلوم ہوتے ہیں لیکن انداز تحکمانہ نہیں بلکہ علمی اور محققانہ ہے اور قاری کو مزید تحقیق کرنے اور سوچنے پر ابھارتے ہیں۔

⑩ مستشرقین کے اعتراضات کے جوابات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی کتب سیرت میں مستشرقین کے اعتراضات کے مسکت جوابات دیئے ہیں۔ رسول اللہؐ کے خط کو جعلی ثابت کرنے کے لیے ڈنلاپ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا لیکن ڈاکٹر صاحب نے بدلائل اس خط کو اصل ثابت کیا۔ اسی طرح حدیث رسول کو بعد کی پیداوار قرار دینے کے تمام دلائل کو صحیفہ ہمام بن منبہ کی دریافت نے غلط ثابت کر دیا اسی طرح الوثائق السیاسیہ بھی تدوین حدیث کی ابتدا دور رسالت سے ثابت کرتی ہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، اسلامی ریاست، عہد رسالت کے طرز عمل سے استشہاد (الفیصل ناشران وتاجران کتب، لاہور ۱۹۹۲ء) ص ۹۔

۲۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی (دارالاشاعت کراچی، ۱۹۸۷ء طبع ہفتم) ص ۶۔

۳۔ ایضاً، ص ۳۷۔

۴۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ (اسلامی اکادمی لاہور) ص ۸۷۔

۵۔ محمد طفیل، نقوش، رسول نمبر (جلد ۱۱، شمارہ ۱۳۰، ادارۂ فروغ اردو، لاہور،) تقدیم۔

۶۔ ایضاً۔

7- Dr. Muhammad Hamidullah, Muhammad Rasulullah, (Idara-e-Islamiat Lahore) P19

۸۔ ایضاً، ص ۳۳۔

۹۔ ایضاً، ص ۴۱۔

۱۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ، ص ۶۰۔

۱۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی (اردو اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۷ء) ۸۵۔۸۶۔

۱۲۔ ایضاً، ص ۲۶۳۔۲۶۵۔

۱۳۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور، (اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۴۰۱ھ) ص ۱۳۳۔

۱۴۔ ایضاً، ۱۴۷۔۱۴۸۔

۱۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۱۴۰۔

۱۶۔ ایضاً، ص ۱۴۷۔۱۴۸۔

۱۷۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، محمد رسول اللہؐ، ص ۴۳۔

۱۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی، ص ۹۔۱۱۔

۱۹۔ ایضاً، ص ۱۰۷۔

۲۰۔ ایضاً، ص ۴۴۔

۲۱۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ، عہدِ نبویؐ کے میدان جنگ، ص ۲۰۔

۲۲۔ ایضاً،ص۲۳۔۲۴۔

۲۳۔ ایضا،ص۶۴۔

۲۴۔ ایضاً،ص۶۴۔۶۵۔

۲۵۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ،محمد رسول اللہؐ،ص۲۸۔

۲۶۔ ایضاً،ص۳۰۔

۲۷۔ ایضاً،ص۱۲۱۔

۲۸۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ،محمد رسول اللہؐ(دیباچہ)۔

۲۹۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ،رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی،ص۲۲۴۔

۳۰۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ،خطباتِ بہاولپور،ص۲۶۸۔

خطوط نبویؐ کی اصلیت پر مستشرقین کے اعتراضات۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

* ڈاکٹر محمد اکرم رانا

برصغیر پاک و ہند میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم جن فرزندانِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین متین کی خدمت کے لیے منتخب فرمایا اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ان کا نام ایک سند کا درجہ بھی رکھتا ہے۔ان میں ایک نہایت ہی محترم نام ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مرحوم کا بھی ہے، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ عالم اسلام کے اُن گنے چنے محققین میں سے تھے،جنہیں مغرب کی کم و بیش دس بارہ زبانوں میں عبور حاصل تھا۔آپ نے اعلیٰ تعلیم ، جرمنی اور فرانس کی جامعات سے حاصل کی تھی،ان کے پی ایچ ڈی سطح کے مقالات ،فرانسیسی اور جرمن زبان میں لکھے گئے تھے۔حیدرآباد کے بعد آپ کا مستقل قیام چالیس برس تک پیرس میں ہی رہا اور فرانسیسی زبان میں قرآن ،حدیث ،فقہ،تاریخ و سیرت اور دیگر بے شمار موضوعات پر آپ کے تحقیقی مقالات و نگارشات شائع ہوئیں۔ڈاکٹر صاحب مؤتمر مستشرقین عالم کی کانفرنسوں میں اکثر و بیشتر شریک ہوتے رہے،اور اُن کی روداد یں بھی قلم بند کیں جو ماہنامہ ''معارفِ اعظم گڑھ''(۱) میں شائع ہوئیں،آپ نے مستشرقین سے براہِ راست استفادہ بھی کیا اور ان کے منہج و اسلوب سے گہری واقفیت بھی حاصل کی ، مستشرقین کے علمی و تحقیقی کام کے معترف بھی رہے ، اور اُن کی تحقیقی فروگذاشتوں ، تسامحات اور اعتراضات پر اُن کا نام لے کر اور کبھی اشارے کنایے سے اصلاح کی ،اور اُن کی غلط فہمیوں کو آشکارا کیا۔

مستشرقین کے بارے میں آپ کا عموی رویہ یہ رہا کہ اُن پر لعن طعن نہ کی جائے ،اور اُن کو برا بھلا نہ کہا جائے بلکہ انہی کے اسلوب میں اُن کی غلط فہمیوں کی اصلاح کی جائے ، اور انہیں کے منہج تحقیق میں اس طرح ان کے اعتراضات کا جواب دیا جائے کہ پتہ بھی نہ چلے اور اصلاح بھی ہو جائے۔''دارالمصنفین''اعظم گڑھ میں ایک سیمینار بعنوان''اسلام اور مستشرقین''میں شرکت اور مقالہ پڑھنے کے لیے اُن کو دعوت دی گئی ، جس کے جواب میں انہوں نے ایک خط تحریر فرمایا۔اس خط سے اُن کی مستشرقین کے بارے میں رائے کا اظہار ہوتا ہے۔خط کے مندرجات یہ ہیں:

---

* ایسوسی ایٹ پروفیسر،شعبہ علوم اسلامیہ، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

''ابھی ابھی شام کی ڈاک میں نوازش نامہ ملا، اور سرفراز کیا، چالیس، پینتالیس سال ہو گئے، آپ سے دارالمصنفین میں ملاقات کا شرف حاصل ہوا تھا، اور آپ کی نوازش اور مہمان نوازی بھولی نہیں، تب کی ملنساری ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کی ہر وقت کی ہے۔ و فقکم اللّٰہ وعا فاکم۔

آپ کی فرمائش سر آنکھوں پر، لیکن مستشرقین کی شکایت کے ارادے سے اس ناچیز کو بالکل اتفاق نہیں، اگر محترم علی میاں نے مجھ سے اس پر پیشگی گفتگو کی ہوتی تو میں ادب سے عرض کرتا کہ ایسا نہ کریں! ان میں سے ہر فرو پیشہ ور عناد اور دشمنی نہیں رکھتا اور جو اکا دکا رکھتا ہے، وہ اس طرح کی کانفرنسوں اور شکایت ناموں سے شدید دشمنی دکھانے لگتا ہے (جیسا کہ کچھ دنوں سے یہاں نظر آ رہا ہے) ہم اپنے بچوں کو انہی کے ہاں بھیجتے ہیں اور ان کے پرزہ کاغذ (ڈاکٹری کی سند) پر اتراتے ہیں، پھر انہی کی شکایت کریں؟ اخلاق تو اس کی اجازت نہیں دیتے؟ وہ مسلمان نہیں ہیں ان سے توقع کرنا کہ وہ سو فیصد ہماری باتوں کی داد دیں یہ عبث ہے ان کے دین اور ان کی دنیا کے متعلق کیا ہم بھی مبالغہ آمیز شکایتیں، اور تنقیدیں نہیں کرتے؟

میرا اپنا تاثر یہ ہے کہ وہ عام طور پر عمداً اسلامی چیزوں پر اعتراض نہیں کرتے، وہ مخلص ہوتے ہیں یعنی اپنے علم اور اپنی فہم کے مطابق تاثر لیتے اور بتاتے ہیں اور گالی گلوچ کے ساتھ نہیں، خالص علمی انداز میں ان کو ان کی غلطیاں بتائیں تو عام طور پر فوراً مان لیتے ہیں، ایک تجربہ عرض کرتا ہوں، شاخت آنجہانی سے آپ ناواقف نہیں، ایک مرتبہ انقرہ میں امام سرخسی کا جشن منایا گیا، پہلے شاخت صاحب کی تقریر تھی، پھر میری باری آئی، انہوں نے اپنی رائے بیان کی، اس سے پیشگی واقف ہوئے بغیر میں نے ان چیزوں کی تردید کی، جشن کے صدر نے بعد میں مجھ سے بیان کیا کہ شاخت نے اپنی پڑھی ہوئی تقریر واپس مانگ لی، اور بہت سی ترمیموں کے بعد دی، کہ آپ اسے چھاپ سکتے ہیں، یہی تجربہ مجھے اٹلی کے سب سے بڑے مستشرق ''لیوی دملا ویدا'' سے رہا۔ جزیہ اور زمیوں سے دگنی چنگی کی وجہ سے میری بحث پڑھ کر مجھے خط لکھا، کہ تمہاری ان دلیلوں پر تو کوئی یہودی ربی بھی زبان نہیں کھول سکے گا۔

غرض اس ناچیز کی رائے میں ان کی چیزوں کو کھلے دل سے پڑھ کر ان کی غلط فہمیوں کو خالص علمی انداز

میں دور کریں ہو سکے تو ان کا نام بھی نہ لے کر، زیر بحث مسئلہ کو اس طرح پیش کریں کہ اعتراض خود ہی دور ہو جائے اور ظاہر ہے کہ یہ چیز محنت چاہتی ہے، تو زیادہ صحیح اور مفید ہوگا۔" (۱)

تاہم مستشرقین کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا موقف بڑا صاف اور واضح ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

"ایک طرف تو ہمارے یورپی مؤلف ہیں۔ ان کے نزدیک دُنیا کی کوئی اچھی چیز کسی مشرقی سے ممکن ہی نہیں۔ ان کا بیان ہے بلکہ ادعا ہے کہ اسلامی فقہ صرف قانون روما کی معرب شکل ہے اور وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ ان کا جی چاہتا ہے کہ ایسا ہی ہو۔" (۲)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی کتاب "امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی" کے ایک حاشیے میں گولڈ زیہر کی علمی غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے لکھا ہے:

"گولڈ زیہر کو دھوکہ ہوا ہے اور العامری محمد بن عبدالرحمٰن مشہور ابن ابی ذئب کو سب سے قدیم مؤطا نویس قرار دیا۔ حتیٰ کہ ان کی وفات سے بھی سہو سے ۱۳۰ھ لکھ دی ان کی وفات اصل میں ۱۵۹ھ میں ہوئی یہ غلطی تحقیق مزید نہ کرنے سے گولڈ زیہر کے حوالے سے بروکلمان نے بھی تاریخ ادبیات عربی میں دہرا دی۔ ان دونوں نے زرقانی کا حوالہ دیا ہے لیکن زرقانی نے ابن ابی ذئب کی جگہ ابن الماجشون کو تقدم عطا کیا ہے۔" (۳)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا مستشرقین کے حوالے سے مطالعہ بہت گہرا تھا۔ انہوں نے "مؤتمر مستشرقین" ہند کے اجلاس حیدرآباد ۱۹۴۱ء میں بزبان انگریزی "رومی قانون کا اثر اسلامی قانون پر" ایک مقالہ پڑھا جس کے لیے انہوں نے فرانسیسی مصنف بوسکے، اطالوی مؤلف نالینو(Nalino) انگریزی مصنفین، ولسن(Wilson) اور شیلڈن آموس، لاطینی مؤلف گایوس کا خصوصی مطالعہ کیا(۴) اس طرح "شہری مملکتِ مکہ" پر آپ کا مقالہ ایک پرمغز مقالہ ہے اس میں آپ نے لامنز(Lammens) پروفیسر ہیالڈے، جاوٹ(Jowett) ولہاوزن(Welhausen) اور اسپرنگر(Springer) وغیرہ کے حوالے دیئے اور جہاں جہاں ضرورت ہوئی ان کی اصلاح کی۔(۵)

آپ نے فرنگی محققین کی بعض باتوں پر تعجب کا اظہار کیا ہے کیونکہ ان کی باتیں ہی کچھ نرالی ہوتی تھیں مثلاً ایک

فرانسیسی مستشرق کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ ان کا یہ مؤقف کہ بحیرہ نے سارے کا سارا قرآن مجید، محمد عربی ﷺ کو لکھوا دیا تھا کتنا تصوراتی اور خیالی ہے۔ ان کے اپنے الفاظ ہیں۔

" It is amusing to see the flight of imagination of the French orientalist Carra de veaux, who has written a whole book " On Bahira the author of the Quran". Can a boy of nine years learn by heart in a few mintues the 114 chapters of the Quran, and a generation later communicate them to his people as "Divine message?." (6)

پروفیسر خورشید احمد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے منہج واسلوب تحقیق پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میری نگاہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ مسلمانوں میں پہلے اور آخری مستشرق (Orientalist) تھے۔ مستشرق میں ان کو اس لیے کہہ رہا ہوں کہ انہوں نے مستشرقین کے طریق تحقیق (Methodology) پر ایسی قدرت حاصل کر لی تھی جیسی غزالی نے یونانی فلسفہ پر، ان کے اصل ماخذ قرآن وسنت اور مسلمانوں کے معتبر اہل علم کی تصانیف تھیں۔ انہوں نے اسلام کو جیسا کہ وہ ہے دُنیا کے سامنے پیش کیا۔ البتہ تحقیق وتصنیف، تلاش وجستجو، نقد واحتساب کے ان تمام ذرائع کو کامیابی وقدرت کے ساتھ استعمال کیا جو مستشرقین کا طرۂ امتیاز سمجھے جاتے ہیں اور اس طرح علمی میدان میں اہل مغرب کا جو قرض مسلمانوں پر تھا اسے فرض کفایہ کے انداز میں ڈاکٹر صاحب نے چکا دیا اور ساتھ ساتھ وہ کیا جسے انگریزی محاورے میں Paying in the same coin کہا جاتا ہے۔'' (۷)

سیرت اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حضور پاک ﷺ کی سیاسی زندگی، آپ کے غزوات، سفر ہجرت، خطوط اور وثائق کی

تلاش وترتیب میں جو گرانقدر خدمات انجام دی ہیں وہ سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔انہوں نے مستشرقین کے اعتراضات کے ایک ایک کر کے جوابات دیئے۔ جواب میں انہوں نے جس تحمل و بردباری کا مظاہرہ کیا ان کی ذیل میں ہم نے اس طرح وضاحت کردی ہے کہ کوئی پہلو تشنہ نہ رہ جائے۔

دریافت شدہ خطوط نبویؐ کی اصلیت پر مستشرقین کے اعتراضات اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

حیات محمدؐ کا یہ بھی ایک امتیازی پہلو ہے کہ آپ کی سیرت کا نہ صرف ایک ایک گوشہ محفوظ ہے بلکہ آج سے کئی صدیاں پہلے آپ نے مختلف سربراہان کے نام جو دعوتی خطوط ارسال فرمائے تھے ان میں سے بھی کئی خط اپنی اصل حالت میں دریافت ہو چکے ہیں۔جن میں مکتوب گرامی بنام نجاشی، بنام ہرقل، بنام مقوقس، بنام منذر بن ساوی، بنام کسریٰ وغیرہ۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی تحقیقات سیرت میں خطوط نبوی پر جامع تحقیقات پیش کی ہیں، اس موضوع پر ایک مستقل تصنیف ''خطوط نبویؐ کی چھ اصلیں'' تالیف فرمائیں۔ڈاکٹر صاحب نے خطوط نبویؐ کی اصلیت پر مستشرقین خصوصاً ڈنلاپ، موسیورے نو، ڈاکٹر بیکر، کتانی، موسیو وائٹ، نولڈ یکے، فشر وغیرہ کے اعتراضات کے مسکت جواب دیئے ہیں اور ان دریافت شدہ مکاتیب نبوی کو اصل قرار دیا ہے۔

ذیل میں مستشرقین کے اعتراضات اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات پیش خدمت ہیں۔

ڈنلاپ کے اعتراضات

ڈنلاپ ایک مستشرق ہے۔وہ سکاٹ لینڈ کا رہنے والا تھا۔انہوں نے ایک مکتوب بنام نجاشی کو دمشق کے ایک خانگی فرد سے حاصل کیا۔ جسے اس فرد نے دمشق میں ۱۹۳۸ء میں حبشہ کے ایک پادری سے خریدا تھا۔اس نامہ مبارک کی روشنائی کھجور کے رنگ کی طرح سرخ تھی۔ڈنلاپ نے اس خط کو انگلستان میں برٹش میوزیم کے مسٹر بل(Bell) اور مسٹر فلٹن(Filtton) کو دکھایا، اس کے علاوہ مشہور مستشرق پروفیسر مارگولیتھ(Margoliouth) اور گلاسگو کے مسٹر رابسن (Robson) نے بھی دیکھا اور جانچا۔اس خط کو واپس دمشق میں اصل شخص کو پہنچا دیا گیا تھا۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ کو اس خط کی کاپی بھجوائی گئی تھی کیونکہ انہوں نے ڈنلاپ کو بذریعہ مارگولیتھ ایک خط لکھا تھا جس کے جواب میں یہ عکس انہیں حیدر آباد بھیجا گیا تھا۔مسٹر ڈنلاپ نے اس خط کے جعلی ہونے کی رائے دی۔ سات دلیلیں لندن کے

رسالہ۔ جے۔ آر۔ ای۔ ایس میں شائع کرائیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان دلیلوں کے جوابات بھی اسی رسالے میں شائع کرائے اور انہیں اپنی مشہور زمانہ کتاب ''رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی'' میں بھی شائع کرایا۔

ڈنلاپ کے دلائل

① پیغمبر اسلام نے خطوط بھیجے ہی نہیں کیونکہ آپ اپنے کو عالمگیر نبی نہیں سمجھتے تھے بلکہ صرف عرب کی اصلاح چاہتے تھے۔ اصل میں بعد کے زمانے میں جب عیسائی مسلمان ہوئے اور انہوں نے بتایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام دُنیا میں اپنے حواری تبلیغ کے لیے بھیجے تھے تو مسلمانوں نے بھی اپنے نبی کی عزت کسی سے گھٹی ہوئی نظر نہ آنے کے لیے یہ قصہ گھڑ لیا۔

② مقوقس (شاہ مصر) اور منذر ابن ساوی (حاکم بحرین) کے نام جو اصل مکتوبات نبوی ﷺ دستیاب ہوئے تھے، ان کے متعلق نولڈیکے (Noldeke) اور شوالی (Schwalli) نے جعلی ہونے کی رائے دی تھی۔

③ برٹش میوزیم کے ماہرین نے موجودہ جھلی کو جعلی قرار دیا۔

④ سیرۃ ابن ہشام میں جہاں مکتوبات نبویہ کے بھیجے جانے کا ذکر ہے وہاں شروع میں ابن اسحٰق کا نام نہیں ہے۔ (گویا یہ روایت ابن ہشام کی یا ان کے زمانے کی پیداوار ہے)

⑤ قرآن مجید کے جو پرانے نسخے ملتے ہیں ان کے خط سے اس مکتوب کا خط کافی مختلف ہے۔

⑥ آج کل بہت سی چیزیں پرانی کہہ کر بیچی جا رہی ہیں مگر وہ جعلی چیزیں ہیں۔

⑦ اس خط کا متن جو عربی تاریخوں میں ہے اس میں اور جھلی کی عبارت میں خاصا فرق ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

① یہ ایک بے تکا اعتراض ہے۔

﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْن﴾ ۔﴿ مَا اَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَآفَّةً لِلنَّاسِ﴾

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ﴾ وغیرہ قرآن مجید کی متعدد آیات بتاتی ہیں کہ رسول عربی ﷺ عالمگیر نبی تھے۔ یہ اور بات ہے کہ انسان ہونے کی وجہ سے اس عالم اسباب میں آپ نے اپنی تبلیغی زندگی صرف حجاز میں گزاری۔

② ایسے اعتراضات ناواقف اور جاہل لوگوں کے ہیں اگر کچھ خطوط جعلی ہوں تو کیا یہ ضروری ہے کہ موجودہ خط بھی جعلی ہی ہو۔(۸)

③ برٹش میوزیم کے دو ماہرین نے صرف اتنا کہا کہ جھلی اتنی پرانی نہیں معلوم ہوتی کہ عہد نبوی ﷺ کی ہو۔ اس قسم کے تخمینی معاملات میں ''ماہرین'' میں جتنا کثیر اور مضحکہ خیز اختلاف ہوتا ہے وہ علم آثار قدیم سے ادنی مس (تعلق) رکھنے والے بھی جانتے ہیں۔ ہم نے اصلی جھلی کو دیکھنے کا موقع نہیں پایا۔ ممکن ہے بعض دوسرے ماہر دیکھیں تو اس جھلی اور اس کی تحریر کو اتنا ہی قدیم قرار دیں۔ جتنا اس کی عبارت سے ظاہر ہوتا ہے راقم کے نزدیک مستشرقین تو مسلمانوں کی ہر چیز کو تعصب کی عینک سے دیکھتے ہیں۔

④ عبارت کے شروع میں '' قال ابن اسحٰق'' نہ کہنے سے کچھ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ ایک تو دوران عبارت میں کئی جگہ ابن اسحٰق کا ذکر ہے اور دوسرے ابن ہشام نے آخر میں بیان کیا ہے کہ فلاں فلاں مکتوبات کا ذکر خاص میرا ہے جس کے معنی صاف یہ ہیں کہ باقی خطوط کا ذکر ابن اسحٰق ہی کے حوالے سے ہے۔

⑤ اول تو قرآن مجید کا خط خاص آرائش سے لکھا جانا چاہیے اور معمولی سرکاری مراسلے الگ دفتری خط میں دوسرے مقابلہ تو ایسی تحریروں سے ہو جو مسلم طور سے عہد نبوی یا اس کے قریبی زمانے کی ہوں نہ کہ کئی صدی بعد کی تحریروں سے۔

⑥ یہ بچگانہ اعتراف ہے۔ بازار میں تاجر بھاؤ بڑھانے کی کوئی چیز پرانی بتائے تو ہمیشہ اور سو فیصد صورتوں میں اس کا جھوٹ کہنا کیا ضروری ہے ہم کو اپنی ذاتی رائے قائم کرنی چاہیے نہ کہ دودھ سے جل چکے ہوں تو چاچھ بھی پھونک پھونک کر ہی پیئیں۔

⑦ یہ دلیل توجہ کی مستحق ہے میری رائے یہ ہے کہ تمام اسلامی مؤرخ متفق ہیں کہ یہ خط ۶ / ھ میں بھیجا گیا۔

مگر اس کے بعض جملے مثلاً میں تیرے پاس اپنے چچازاد بھائی جعفر کو بھیج رہا ہوں جس کے ہمراہ چند مسلمان بھی ہیں جب وہ تیرے پاس آئے تو ان کی مہمان داری کر............ایسے ہیں جن سے اس گمان کی تائید ہوتی ہے کہ یہ خط آنحضرت ﷺ نے اپنے چچازاد بھائی کو ان کے ہجرت کر کے حبش جاتے وقت بغرض تعارف (تقریباً ۵ر نبوی) میں دیا ہوگا۔ بنا براں جو متن ہمارے سامنے ہے وہ اصل میں دو الگ الگ خطوں کی عبارتوں کا مرکب ہوگا۔ مکتوب ثانی بے شک ۶ رھ میں بھیجا جاسکتا ہے تاکہ نجاشی کو اسلام لانے کی دعوت کی تبلیغ کرے، رہا وہ خط جس میں مہاجرین کے پہنچنے پر ان کی مہمان داری کرنے کی خواہش کی گئی ہے۔ ۶ رھ کے اواخر میں کسی طرح نہیں لکھا جاسکتا کیونکہ مہاجرین کو حبشہ پہنچ کر تب کوئی چودہ سال گذر چکے تھے اور اس وقت تو وہ وہاں سے مدینہ واپسی کی تیاری کر رہے تھے۔ (۹)

رہا تاریخوں میں درج متن سے اختلاف اس کی وجہ سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں کہ روایت باللفظ کی طرح روایت بالمعنی کا عربوں میں رواج رہا اور جتنا بھی اختلاف تاریخوں کے متن اور جھلی کے متن میں ملتا ہے۔ وہ صرف ایک ہی مفہوم کو دوسرے مترادف الفاظ میں ظاہر کرنے پر مشتمل ہے اور بس خود مسٹر ڈنلاپ نے تسلیم کیا ہے اگر ابن الاثیر نے اپنی تاریخ میں ایک جگہ جو نامکمل اقتباس دیا ہے اس کی جگہ پورا متن دیا ہوتا تو جھلی کی عبارت سے سو فیصد متفق ہوتا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مزید وضاحتیں

موجودہ خط کی مہر سابق میں دستیاب شدہ مکتوبات پر کی مہر کے بالکل مطابق ہے۔ اس کی اہمیت پر جتنا بھی زدور دیا جائے کم ہے۔ چونکہ سابقہ مکتوب اور موجودہ مکتوب کی تحریر مختلف ہے اس لیے اس کا بھی اب امکان نہ رہا کہ دونوں کو ایک ہی شخص کا جھل قرار دیا جائے ان دونوں کی دستیابی کے مقامات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔

جھلی کی عبارت کا رسم الخط خاص اہمیت رکھتا ہے چنانچہ ''فاقبلوا'' کی جگہ بغیر الف کے ''فاقبلو'' لکھا گیا ہے نیز ''اتبع'' کی جگہ (ت) کے دو شوشے ''تتبع'' ہیں اگر مسٹر ڈنلاپ کی رائے کے مطابق اسے صرف ۷۰ یا ۸۰ سال کی جعلی تحریر سمجھیں تو ان خصوصیات کی توجیہ ناممکن ہے اس طرح کے لکھنے کا رواج عہد نبوی ﷺ میں رہا ہونا قرآن مجید سے ثابت ہے اور حالیہ زمانے میں کوئی اسے لکھے تو یہ غلطی سمجھا جاتا ہے۔

خط میں نقطے اوراعراب بالکل نہیں ہیں حالانکہ نقطوں وغیرہ کا رواج پہلی صدی ہجری ہی سے شروع ہو گیا تھا۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ جعلی نقطوں اور اعراب کی ایجاد سے قبل کی ہے۔ الفاظ کے ٹکڑے کر کے آدھا لفظ ایک سطر میں اور باقی دوسری سطر میں لکھنا مثلاً رسول، الیہ/ک وغیرہ میں صرف قدیم زمانے میں رائج تھا اور آج کل اس کا رواج نہیں ہے۔ مقوقس اور منذر بن سادی کے اصل مکتوبات نبوی ﷺ میں بھی یہی چیز ملتی ہے۔ خط جس جگہ سے اور جن حالات میں دستیاب ہوا ہے وہ بھی ہر طرح شبے سے پاک ہے اس کو وہیں ہونا بھی چاہیے تھا حبشی اطالوی جنگ میں مفلس مفروروں کا اسے لا کر کسی کے ہاتھوں میں بیچ دینا ہر طرح معقول سمجھا جا سکتا ہے۔(۱۰)

موسیو رے نو، کے اعتراضات

مشہور فرانسیسی مستشرق موسیو رے نو نے پیرس کے سہ ماہی رسالے ژورنال آزیاتیک ''۱۹۵۴ء ج ۴ میں ایک خط شائع کرایا جو اس کے نام قاہرہ سے موسیو بےلین (Belin) نے ۱۰/ مارچ ۱۸۵۲ء میں لکھا تھا۔ یہ خط تقریباً بیس صفحوں پر مشتمل ہے۔ اس کے ضروری اقتباسات ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اپنی کتاب ''رسول اکرمؐ کی سیاسی زندگی'' کے صفحات ۱۳۵ تا ۱۳۸ درج کیے ہیں۔ اس خط کا تذکرہ جرجی زیدان کے رسالہ الہلال (مصر) نے نومبر ۱۹۰۴ء کے پرچے کے صفحہ ۱۰۴ پر کیا مگر یہ لکھا کہ:

> ''اس دریافت کا علمی کتابوں میں مطلق کوئی ذکر نہیں۔ حالانکہ مستشرقین اس کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔''

لیکن آکسفورڈ کے پروفیسر مارگولیتھ (Mergoliouth) نے جب ان کی توجہ دلائی کہ اس خط کو شائع کیا جا چکا ہے تو مجبوراً انہوں نے الہلال کے دسمبر والے شمارے میں اس بات کو تسلیم کر لیا۔

اس خط میں جو بڑا اعتراض ہے وہ یہی ہے کہ اس خط کی تحریر اتنی قدیم نہیں معلوم ہوتی بلکہ کافی عرصہ بعد کی ہے۔ اس بات کا تذکرہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام (لفظ مقوقس) سے بھی معلوم ہوتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا جواب

اگر چہ راقم ڈاکٹر صاحب کا جواب اوپر نقل کر چکا ہے تاہم بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ موسیو بے لین (Belin) نے اس خط کی تحریر پر کوئی رائے زنی نہیں کی۔ لہذا اعتراض کی وقعت ختم ہو جاتی ہے۔

ڈاکٹر بیکرز (Beckers) کا تبصرہ

ڈاکٹر بیکرز جرمنی کے رہنے والے ہیں وہ وزیر تعلیم بھی رہ چکے تھے انہوں نے اپنی کتاب میں اس مکتوب نبوی ﷺ کو جعلی قرار دیا ہے ان کے الفاظ یہ ہیں۔

''غالباً وہ حدیث کی کسی یادداشت (یا کتاب) کا ورق ہوگا۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا جواب

موصوف نے اس خط کے شائع شدہ فوٹو کو دیکھنے کی بھی زحمت گوارہ نہیں کی۔ میں نہیں سمجھتا کہ حدیث کی کتابوں یا بیاضوں میں جہاں یہ خط نقل ہو سکتا ہے، نقل نویس خط کے آخر مہر کی بھی ہو بہو نقل اتارنے کی کوشش کرے گا۔ مہر کی جگہ یا تو توضیح ہوگی کہ مہر میں فلاں الفاظ تھے یا زیادہ سے زیادہ ایک سادہ دائرہ بنا کر مہر کے الفاظ کی نقل اس میں لکھی جائے گی۔ اس کے برخلاف شائع شدہ خط کے متعلق بیانات سے اور خود ہر دو فوٹوؤں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں مہر کی کچھ اس طرح کی ہے کہ اسے صرف نقل نویس یا کاتب کے قلم سے بنی ہوئی قرار نہیں دیا جا سکتا۔ (۱۱)

کتانی (Cattani) کے اعتراضات

کتانی نے اپنی کتاب Annali dell Islam میں یہ اعتراضات کیے ہیں:

① اسلامی تاریخی بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ مقوقس نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں دو عیسائی لونڈیاں بھیجیں۔ مقوقس اسکندریہ کا بطریک (پادری) تھا اور یہ بات قرین قیاس نہیں کہ ساتویں صدی عیسوی کا کوئی پادری عرب کے کسی ''بے دین'' کو دو عیسائی لونڈیاں تحفہ دے۔

② مقوقس کا نام بعد کے اسلامی مورخ کچھ اور بیان کرتے ہیں اور عہدِ نبوی ﷺ کے مقوقس کا نام حقیقت میں کچھ اور تھا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

① اس وقت اسکندریہ کے بطریرک کو اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق اس سے زیادہ کچھ بھی معلوم نہ تھا جتنا اسے مکتوب نبوی ﷺ میں لکھا ہوا ملا یا جو اسے مسلمان سفیر نے بیان کیا۔

مقوقس مانوفزائٹ (Monophysite) فرقے کا عیسائی تھا اور باور کرتا تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام میں دو نہیں صرف ایک طبیعت تھی۔ ان حالات میں وحدانیت کی تعلیم دینے والے عربی نبی کو اگر مقوقس ایک نئے فرقے کا ہی بانی خیال کرتا تو کوئی تعجب کی بات نہیں!

رہا ماریہ اور شیریں کا معاملہ تو اس کا منشاء سوائے اس کے کچھ نہ ہوگا کہ نبی عربی کو فرقہ طبیعت واحدہ کا راسخ العقیدہ عیسائی بنا لینے میں ان لونڈیوں سے کام لے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مزید لکھتے ہیں کہ:

> ''عیسائی عورتوں کا غیر عیسائیوں میں سیاسی اغراض اور تبلیغ عیسائیت کے لیے بھیجا جانا نہ صرف ایک عام روزمرہ کا واقعہ ہے بلکہ نہایت قدیم بھی۔ صلیبی لڑائیوں کے دوران یہ ایک مقدس اور ثواب کا کام سمجھا جاتا تھا پوپوں نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ یورپ کی خوبصورت عورتیں مسلمان مجاہدوں کو اپنے پر فریفتہ کرنے کی کوشش کریں۔''یوں عیسائیت کی خدمت کریں۔'' (۱۲)

دوسرا اعتراض کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ یہ صحیح ہے کہ عہد نبوی ﷺ کے مقوقس کا نام بنیامن تھا۔ بنیامن کو خسرو پرویز نے فتح مصر کے بعد اسکندریہ کا پادری بنایا تھا اور یہ قبطی شخص تھا دس سال بعد جب قیصر روم نے ایرانیوں کو مصر سے نکالا تو قبطی صدر بھی ڈر کے مارے بھاگ گیا اس وقت قیروس نامی سپہ سالار گورنر تھا اگر مسلمان مؤرخ ان ناموں میں غلطی کریں یا خلط ملط کریں یا ایک زمانے کے پادری کو دوسرے پادری کے زمانے میں بیان کریں اس سے ان بیانات کو تو غلط قرار دیا جا سکتا ہے مگر مکتوب نبوی ﷺ کو اس بنا پر جعلی قرار دینا کسی اور دلیل کا محتاج ہے۔ (۱۳)

موسیو وائٹ (Wiet) کے اعتراضات

موسیو وائٹ یہودی النسل مستشرق ہیں۔ پیرس کے مدرسہ السنہ مشرقیہ میں عربی کے مدرس تھے۔ ان کے دو اعتراضات ہیں۔

① مکتوب نبوی بنام مقوقس کی عبارت مکتوب الیہ کے نام کو چھوڑ کر لفظ بہ لفظ وہی ہے جو مکتوبات نبوی بنام نجاشی و قیصر روم کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تینوں خط فرضی ہیں۔

② مقوقس کا یہ خط سلمان عبدالمجید خاں اول کے ہاتھ فروخت کر دیا گیا اور وہ استنبول میں آثار نبویہ کے ساتھ رکھا گیا لیکن مصر میں آج بھی ایک صاحب کے ہاں کہتے ہیں کہ یہ خط موجود ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

① پہلے اعتراض کے متعلق کسی حیرت کی ضرورت نہیں یہ تینوں خط عرب مورخوں کے بیان کے مطابق ایک ہی دن لکھے گئے تھے۔ تینوں کا مقصد بھی ایک ہی تھا۔ اور تینوں عیسائی حکمرانوں کے نام تھے۔ کوئی تعجب نہیں جو کاتب بھی ایک ہی رہا ہو ان حالات میں یہ بالکل معمولی بات ہے کہ تینوں کی عبارت ایک ہی ہو

② دوسرا اعتراض محض سنی سنائی بات پر مبنی ہے انہیں وہ خط دیکھنے کا موقع نہیں ملا۔ میں نے بھی بہت کوشش کی۔ موقع نہ ملا اور نہ میری تلاش شاید اس اعتراض کے متعلق کوئی تفصیلی معلومات فراہم کرتی۔

نولڈیکے (Noldeke) کے اعتراضات

① اس زمانے میں دستاویز لکھنے کا خط غالباً اتنا زیادہ کوئی نہ ہوگا۔

② اس زمانے میں لوگ دستخط کے لیے سیاہی سے مہر نہیں کرتے تھے۔ بلکہ ''طین خاتم'' یعنی ایک طرح کی چکنی مٹی چمٹنے والی پر مہر دباتے تھے۔

③ اس قسم کی تحریروں میں کاتب کا نام ہونا چاہیے بلکہ خط لے جانے والے سفیر کا نام بھی ہونا چاہیے۔ (۱۴)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے جوابات

① اس مکتوب نبوی کا صحیح فوٹو تو نہیں ملا اور نہ ہی عہد نبوی کی کوئی اور مسلمہ تحریر ہمارے پاس ہے کہ اس سے طرز تحریر کا مقابلہ کیا جاسکے یہ ایسا جواب ہے جس پر وقت ضائع کرنے کی ضرورت نہیں۔

② نولڈیکے نے ایک تو اپنے دعوی کے ثبوت میں کوئی حوالہ نہیں دیا ''طین خاتم'' کا ذکر عربی ادبیات میں ملتا ہے لیکن یہ مٹی خط کے اوپر لپٹے ہوئے کاغذ یعنی لفافے پر لگائی جاتی تھی جس طرح آج کل لاک لگائی جاتی ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے پروفیسر مولانا سید ابراہیم کے ریمارک بھی قابل ذکر ہیں ''مٹی پر مہر لفافے کے اوپر لگائی جانی چاہیے کہ لفافہ کوئی کھول نہ لے اصل خط پر تحریر کے آخر میں جو مہر کی جاتی ہے اس کا سیاہی سے ہونا ہی زیادہ قرین قیاس ہے۔

③ ابن عبدالبر (استیعاب) کا بیان قابل غور ہے وہ لکھتے ہیں کہ عہد نبوی میں ابتداً خط کے آخر میں کاتب کا نام نہیں ہوتا تھا۔

خط بنام المنذر بن ساوی اور فشر (Fiesicher) کے اعتراضات

فشر کے نزدیک یہ خط جعلی ہے کیونکہ:

① المنذر بن ساوی کے نام آنحضرت ﷺ کے خط بھیجنے کا ذکر تو ملتا ہے لیکن خط کی عبارت کہیں نہیں ملتی۔

② پیش نظر فوٹو میں مرسل اور مرسل الیہ کا نام تو صاف ملتا ہے لیکن اس سے آگے جعلساز نے عربی نما شکلیں بنا دیں ہیں۔

③ ان بے معنی شکلوں میں کہیں کہیں عربی الفاظ پڑھے جاتے ہیں لیکن ان میں املاء کی ایسی غلطیاں ہیں کہ کسی عرب کاتب کی جانب منسوب نہیں کی جاسکتیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے جوابات

① پہلا اعتراض محض لاعلمی کا نتیجہ ہے منذر کے نام ایک نہیں بلکہ نصف درجن سے بھی زائد خط لکھے گئے کیونکہ منذر مسلمان ہو چکے تھے اور ایک اہم صوبے کے گورنری کے اختیارات ان کو سپرد کیے گئے تھے۔ اس گورنر کو لکھے گئے خط میں صرف ایک جگہ خفیف سا فرق ہے جب کہ معنوں میں کوئی فرق نہیں یہ کاتب کے ذہن کا سہو ہو سکتا ہے۔

② فشر خود یہ خط نہ پڑھ سکا اس لیے اسے ناقابل فہم قرار دے دیا۔

③ تیسرا اعتراض بے معنی ہے چودہ سو سال پہلے لکھے ہوئے خط میں اگر کہیں سے سیاہی اڑ گئی ہے یا اس کے دھبے پھیل گئے ہیں یا ٹریس لینے والے سے شکلیں بگڑ گئی ہیں تو عہد نبوی ﷺ کے کاتب کا کیا قصور؟

مزید یہ کہ فشر کے مطابق اس مکتوب کو ۱۸۶۲ء میں دمشق سے ایک اطالوی نے اڑایا تھا مگر ۱۹۱۷ء میں خواجہ کمال الدین نے دمشق میں یہ خط اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا نیز اس طرح کا خط سلطان صلاح الدین کے رشتہ داروں کے ہاں موجود تھا۔

مکتوب مقوقس اور مکتوب منذر دونوں کی مہر باوجود نقل کرنے والوں کے فرق کے یکساں ہے جو کافی اہم شہادت ہے۔ (۱۵)

مستشرقین کا وحی کے بارے میں اعتراض

مستشرقین نے وحی کے حوالے سے بھی تفصیلی گفتگو کی ہے بعض اسے مرگی کی بیماری کے مشابہ قرار دیتے ہیں مثلاً مشہور جرمن مستشرق اسپرنگر کہتا ہے کہ "یہ ایک بیماری ہے۔" نزول وحی کے متعلق عربی کتابوں میں جو روایات اور بیانات ہیں کہ جب وحی آتی تو رسول اللہ کا چہرہ سرخ ہو جاتا، آپ پسینے پسینے ہو جاتے اور سکتے کا عالم طاری ہو جاتا تو اسپرنگر کہتا ہے کہ یہ علامات مرگی کی بیماری کی ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس پر اپنا اظہار خیال کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

''اسپرنگر نے وحی کے بارے میں اور وحی کی کیفیت سے متعلق ساری معلومات جمع نہیں کیں،
بلکہ صرف چند چیزیں لیں اور ان کی اساس پر کہا کہ یہ فلاں بیماری کی علامات ہیں۔''

میرے خیال میں یہ صحیح علمی اور دیانت دارانہ طریقہ نہیں ہوسکتا چنانچہ میں نے وہ حدیثیں جمع کی ہیں جن میں وحی کے نزول کے وقت کا مشاہدہ مختلف صحابیوں سے مروی ہے۔ ایسی حدیثیں جو میں نے جمع کیں ان میں ایک بات غیر معمولی ہے جس کی طرف اسپرنگر نے اشارہ تک نہیں کیا چہ جائیکہ اس کی توجیہ یا اس سے استدلال کی کوشش کرتا وہ یہ ہے کہ جب وحی نازل ہوتی تو وہ تمام صحابہ جن کو اس کا مشاہدہ ہوا تھا کہتے ہیں کہ اس وقت رسول اللہ ﷺ اتنے بوجھل ہو جاتے کہ اس بوجھ کا تحمل تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اگر آپ کسی اونٹنی پر سوار ہوتے اور اس وقت وحی نازل ہونے لگتی تو اونٹنی آپ کے بوجھ کو برداشت نہ کرسکتی اور مجبور ہو جاتی کہ بیٹھ جائے۔ اگر وہ بیٹھنا نہ چاہتی یا بیٹھ نہ سکتی تو اس کے پاؤں سیدھے ہو جاتے اور اکڑنے لگتے۔ علی ہذا القیاس اسپرنگر نے کسی بات کی توضیح نہیں کی۔ دوسری طرف مرگی کا مرض (بیمار) تشنج کی حالت میں ہوتا ہے ہاتھ پاؤں مارتا ہے بے قرار ہوتا ہے اس کی زبان سے کچھ آوازیں نکلتی ہیں۔ لیکن وہ بالکل ناقابل فہم ہوتی ہیں۔ وہ کچھ کہتا ضرور ہے لیکن سمجھ کچھ نہیں آتا۔

ان حالات میں غور کریں تو کوئی ایسا واقعہ آپ ﷺ کی زندگی سے متعلق موجود نہیں ہے لہذا مرگی کا انتساب حضور ﷺ کی جانب درست نہیں بلکہ حضور ﷺ کی زبان مبارک سے جو آوازیں نکلتی وہ قابل فہم ہوتیں اور اکثر تو وہ آپ کے ذہن پر نقش ہوتیں اور آپ کو یاد ہوتیں۔ آپ صحابہؓ کو فوراً سنا دیتے۔ مغربی مؤرخوں نے ایک اور اعتراض اس سلسلے میں یہ کیا ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی تو رسول اللہ ﷺ لیٹ جاتے اور آپ ﷺ کے چہرے کو ڈھانپ دیا جاتا جیسا کہ پرانے کاہنوں کی عادت تھی (۱۶) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اس بارے میں مکمل تحقیق کی۔ تاریخ و سیرت کی کتابوں سے واقعہ درج کیا ہے کہ جب حضرت عائشہؓ پر بہتان طرازی کی جارہی تھی تو ان دنوں آپ ﷺ جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے گھر میں موجود تھے آپ ﷺ پر وحی نازل ہوئی تو ابوبکر صدیقؓ نے آپ ﷺ کے چہرہ اقدس پر کپڑا ڈال دیا۔

''مبادا کہ رسول اللہؐ کی حالت دیکھ کر ہم کہیں ہنس پڑیں اور ان پر بے ادبی سے نظر نہ پڑ جائے۔''

ایک اور واقعہ جو اس سے ملتا جلتا ہے کہ ایک صحابی آپ کو وحی کی کیفیت میں دیکھنے کی بڑی آرزو کرتے تھے حضرت عمرؓ نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر یہ موقع فراہم کر دیا۔ اس وقت آپ پردے کی اوٹ میں تھے۔ حضرت عمرؓ نے پردے کو ذرا کھینچ کر کہا کہ ''اندر دیکھو لو'' صحابی کہتے ہیں کہ جب میں نے دیکھا تو آپ ﷺ کا چہرہ مبارک سرخ تھا اور سانس قدرے زور سے آرہی تھی، پھر پردہ کھینچ لیا گیا۔ ہم بیٹھے رہے۔ جب وحی کی کیفیت ختم ہوگئی تو آپ ہم میں موجود تھے ان دو واقعات کے علاوہ کسی روایت میں ایسی تفصیل نہیں ملتی جو کاہنوں کی حالت اور اس طرح کی چیزوں سے مشابہت رکھتی ہو۔ (۱۷)

علم حدیث اور مستشرقین

مستشرقین کے جواب میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے علم حدیث میں ایک خاص انداز سے کام کیا ہے۔ عام طور پر مستشرقین کا یہ نظریہ ہے کہ علم حدیث تاریخی اعتبار سے مستند نہیں ہے اس لیے کہ علم حدیث کے بیشتر متداول مجموعے تیسری صدی میں مرتب ہوئے اس وجہ سے مستشرقین نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ چونکہ تین چار سو سال بعد یہ چیزیں لکھی گئی ہیں لہذا سہو اور نسیان کا امکان ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ان اولین شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے اس موضوع کا علمی جواب دینے کا فیصلہ کیا اور پوری تحقیق سے یہ ثابت کیا کہ صحابہ کرام اور خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ مبارک میں حدیث کی تحریر وتسوید اور تدوین کا کام شروع ہو چکا تھا دور تابعین میں اس کام میں بڑی وسعت پیدا ہوئی۔ حدیث کے جتنے بھی مجموعے ہیں وہ سند متصل رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ۱۹۴۳ء۔۱۹۴۲ء میں صحیح بخاری کے مآخذ پر کام شروع کیا اور ابتدائی طور پر انہوں نے پتہ چلایا کہ صحیح بخاری کے مآخذ میں ایک اہم مآخذ مصنف عبدالرزاق کا ہے اس کا جائزہ لیا گیا پھر انہوں نے بتایا کہ عبدالرزاق کا ذخیرہ پہلے جمع ہو چکا تھا تاہم شائع نہ ہو سکا جواب شائع ہو چکا ہے اور مصنف عبدالرزاق کے نام سے ہر جگہ ملتا ہے۔ امام عبدالرزاق کے مآخذ میں معمر بن راشد کا نام آتا ہے۔ ان کا ذخیرہ بھی اس وقت نہیں چھپا تھا لیکن اب چھپ چکا ہے اور ''جامع معمر'' کے نام سے ملتا ہے اس طرح ذخیرے کے توسط سے تابعین تک علم حدیث کی سند مل گئی۔

معمر بن راشد کے دوماً خذ تھے ایک عبداللہ بن عمرو بن العاص۔ کون نہیں جانتا کہ ان کا صحیفہ صادقہ جس میں پانچ سو احادیث تھیں حضور ﷺ کے زمانہ میں مرتب کرلیا گیا تھا۔ دوسرا مجموعہ حضرت ابو ہریرہؓ کے تلامذۃ بالخصوص ہمام بن منبہ کا مرتب کردہ تھا اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں جو صحیفہ صادقہ تیار ہوا، اس سے فائدہ اٹھایا معمر بن راشد نے، ان سے یہ ذخیرہ منتقل ہوا عبدالرزاق کو اور جہاں سے یہ ذخیرہ امام بخاری کو منتقل ہوگیا۔ اب کون مستشرق ہے جو کہ کہے کہ علم الحدیث کو دوسو سالوں بعد مرتب کیا گیا لہٰذا مقبول نہیں ہے داد دینی چاہیے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تحقیق کی کہ ان کی محنتِ شاقہ رنگ لائی۔ علم الحدیث کے موضوع کو اعتراضات سے محفوظ کرلیا گیا ہے۔ یہ بنیادی کام ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی کوششوں کا رہینِ منت ہے۔ (۱۸)

تاریخ مکہ اور مستشرقین

مکہ کی تاریخ، مذہبی حیثیت، سفارتی طریقہ کار اور فوج کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ گاہے بگاہے لامنس (Lammens) کا ذکر کرتے ہیں کیونکہ لامنس نے بھی مکہ پر آرٹیکل سپردِ قلم کیا ہے اس میں فوج کے حوالے سے لامنس (Lammens) نے دلچسپ دعوے پیش کیے جن میں مکہ والوں نے حبشی غلاموں اور تنخواہ یاب نوکروں کی ایک مستقل فوج قائم کرنے کا ذکر ہے۔

ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

> ''اس قابل مگر بدقسمتی سے بیحد متعصب اور غیر ہمدرد یسوعی (Jesuite) پادری کا منشاء اس پوری کاوش سے صرف یہ ثابت کرنا تھا کہ قریش ایک نہایت بزدل قوم تھی جو لڑائی سے جی چراتی تھی۔ لیکن چونکہ اس کے تجارتی مفاوات بہت پھیلے ہوئے تھے اس لیے اپنے معاملات کی حفاظت کے لیے انہیں قوت کی ضرورت تھی۔ مزید براں انہوں نے غلاموں اور تنخواہ یاب لوگوں کی ایک فوج قائمہ مکے میں تیار کرلی تھی۔'' (۱۹)

خلاصہ کلام

ڈاکٹر محمد حمید اللہ بیسویں صدی کے عظیم مسلم اسکالر تھے جنہوں نے علم و تحقیق کی آخری حدود کو چھوا۔ انہوں نے قانون بین الممالک، قرآن مجید، حدیث نبوی اور سیرت کے حوالے سے عمدہ کام کیا۔ انہوں نے مستشرقین میں رہ کر ان کی تحریروں کو پڑھا اور ان کی علمی غلطیوں کی اصلاح کی۔ آپ نے کوئی جارحانہ طرز تحریر اختیار نہیں کیا بلکہ Mild طریقے سے مغربی مصنفین کو ہدف تنقید بنایا۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے سیرت کے حوالے سے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کو نکھار کر پیش کیا۔ اس مضمون میں یہ دعویٰ تو نہیں کیا جاسکتا کہ ڈاکٹر صاحب نے جہاں جہاں یورپین کی غلطیوں کی اصلاح کی ان کا احاطہ کر دیا گیا ہے لیکن نمونہ کے طور پر ڈاکٹر صاحب کے خیالات کی ترجمانی کی ضرور کوشش کی ہے۔ علم حدیث پر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا کام بنیادی اہمیت کا حامل تھا۔ کسی مستشرق یا مستغرب نے حدیث پر مزید تنقید کا حوصلہ نہیں کیا۔

آخر میں ایک بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اگرچہ علیحدہ مستشرقین پر کوئی مقالہ یا کتاب سپرد قلم نہیں کی لیکن آپ نے مستشرقین کے غبارے سے ہوا نکال دی۔ آپ نے ثابت کر دیا کہ رومی قانون کا اسلامی قانون پر کوئی اثر نہیں۔ قرآن مجید رسولِ عربی ﷺ پر نازل ہوا تھا نہ کہ بحیرہ نے اس کو املاء کرایا تھا۔ حضور ﷺ کے لکھے ہوئے خطوط اصل حالت میں موجود ہیں نقالی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ علم حدیث حضور ﷺ کے دور سے ہی تحریر ہونا شروع ہو گیا تھا نہ کہ دوسو سال بعد کی پیداوار ہے۔ اس طرح ہم وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی پوری زندگی دفاع اسلام کے لیے تحقیق و تحریر اور ترجمہ میں گزر گئی اور آپ نے تحریک استشراق کے بارے میں اپنا موقف واضح کر دیا۔ لیکن یہ سمجھنا بھی خام خیالی ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے جوابات کے بعد مستشرقین نے اپنا کام ترک کر دیا ہے۔ مستشرقین اپنی روایت اور ثقافت کے امین ہیں اس سلسلے میں وہ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اسلامی روایات کی بیخ کنی کی کوشش کرتے ہیں۔ مسلم سکالرز کو ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے منہج تحقیق میں اچھے انداز میں ان کے جوابات دیتے رہنا چاہیے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ، مئی ۱۹۸۳ء، ج ۱۳۱، شمارہ ۵، ص ۳۸۹۔۳۹۰۔
۲۔ امام ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی، اردو اکیڈیمی سندھ، کراچی، ۱۹۸۷ء ص ۵۴۔
۳۔ ایضاً: ص ۳۹۔
۴۔ یہ مقالہ مستشرقین ہند کے اجلاس حیدرآباد ۱۹۴۱ء میں پڑھا گیا اس کا عنوان تھا ''رومی قانون کا اثر اسلامی قانون پر''
۵۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، دارالاشاعت مولوی مسافر خانہ، کراچی، ص ۱۳۔
6- Muhammad Rasulullah, Idara Islamiat, Lahore P.26
۷۔ ماہنامہ ''دعوۃ''، دعوۃ اکیڈمی، اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، مارچ ۱۹۰۳ء، ص ۷۸۔
۸۔ تفصیلی جواب مجلّہ عثمانیہ، ج ۹، شمارہ ۳۔۴ اور اسلامک کلچر ۱۹۳۹ء میں موجود ہے۔
۹۔ اس جواب کی تفصیل ایک فرانسیسی مقالہ میں درج ہے جو ۱۹۳۴ء میں شائع ہوا، اس کے علاوہ انجمن ترقی اردو کی شائع کردہ کتاب ''حبش اور اطالیہ'' کے باب عرب اور حبشہ میں موجود ہے۔
۱۰۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ص ۱۲۳۔
۱۱۔ ایضاً: ص ۱۲۳۔
۱۲۔ ایضاً، ص ۱۴۱۔
۱۳۔ ایضاً، ص ۱۴۲۔
۱۴۔ یہ اعتراضات ان کی کتاب میں دیکھیں؟ Geschicte des Qorans, 2nd ed. P.109
۱۵۔ رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی، ۱۵۰۔
۱۶۔ خطباتِ بہاولپور، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ص ۱۴۵۔۱۴۶۔
۱۷۔ ایضاً، ص ۱۴۸۔
۱۸۔ ماہنامہ ''دعوۃ'' مارچ ۲۰۰۳ء، ص ۲۷،
۱۹۔ عہدِ نبویؐ میں نظام حکمرانی، ص ۶۸۔

کتاب المعتمد کی تحقیق وتدوین میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے منہج واسلوب کا جائزہ

* ڈاکٹر علی اصغر چشتی

امام ابوالحسین بصری (م ۴۳۶ھ) کی کتاب ''المعتمد'' اصولِ فقہ کے بنیادی مراجع اور مصادر میں شمار ہوتی ہے۔ فقہ اور اصولِ فقہ کے مجال میں جو بھی طالب علم بحث وتحقیق کرنا چاہتا ہے وہ اس کتاب سے مستغنی نہیں ہوسکتا۔ اس کتاب میں جتنی شرح وبسط کے ساتھ اصول ومباحث پر گفتگو کی گئی ہے وہ اس فن کی دیگر کتب میں نہیں ملتی۔

امام ابوالحسین کے بعد آنے والے اصولیین کی تالیفات کا مطالعہ کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ اکثر مؤلفین نے کتاب المعتمد سے استفادہ کیا ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ آپ کے منہج واسلوب کو بعد میں آنے والوں نے پوری طرح Follow کیا ہے۔

امام ابوالحسین بصری کا اپنا تعلق معتزلہ سے تھا۔ اس لحاظ سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ آپ محض معتزلہ کے ہاں مقبول ہوتے اور دوسرے مکاتبِ فکر کے علماء آپ کی مؤلفات کو درخور اعتناء نہ سمجھتے۔ لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ آپ کو زیادہ پذیرائی دیگر مکاتبِ فکر کے ہاں حاصل رہی۔

اس ضمن میں احناف، شوافع، مالکیہ اور حنابلہ کے اساطین واعلام ایک ہی صف میں نظر آتے ہیں۔ امام سیف الدین الآمدی نے'' الإحكام في أصول الاحكام ''میں نہ صرف یہ کہ آپ کے اسلوب کو اختیار کیا ہے بلکہ کئی مباحث میں اپنے مکتبِ فکر کے متقدمین سے اختلاف کرتے ہوئے امام ابوالحسین کے دلائل کو وزنی قرار دیا ہے۔ مثال کے طور پر حدیث مرسل کی حجیت کے بارے میں ائمہ شوافع کا مؤقف یہ ہے کہ مراسیل شروط کے ساتھ حجت ہیں۔ امام آمدی نے اس مؤقف سے اختلاف کیا ہے اور وہ سارے دلائل جو امام ابوالحسین بصری نے ''المعتمد'' میں پیش کیے ہیں۔ امام آمدی نے الاحکام میں ترتیب وار ذکر کیے ہیں۔

---

* ڈین، کلیہ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

متقدمین کا طریقہ یہ رہا ہے کہ وہ اپنے اسلاف اور شیوخ کے مخطوطات اور مجموعات سے اپنے بیاضوں میں معلومات نقل کرتے تھے اور نام لیے بغیر ان معلومات کو اپنے تلامذہ تک منتقل کرتے تھے۔ اس طرح اسلاف کا علم اخلاف تک منتقل ہوتا تھا۔ امام ابوالحسین بصری کی معلومات بھی اسی طرح بعد میں آنے والے علماء تک منتقل ہوتی رہی ہیں۔

امام الحرمین اور امام غزالی کے ہاں بھی امام ابوالحسین کا رنگ پایا جاتا ہے۔ ان حضرات کا اسلوب یہ ہے کہ جب کسی موضوع پر بحث کرتے ہیں تو اس کے بارے میں پہلے نقلی اور پھر عقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ اور ہر ایک دلیل کی ہر پہلو سے وضاحت کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس میں اپنی طرف سے فرضی سوال کرتے ہیں اور پھر اس کا جواب دیتے ہیں۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ مؤلف سائل بھی ہے اور مجیب بھی ہے۔ پڑھنے والا جب سوال پڑھتا ہے تو سوچتا ہے کہ اس کا جواب کیا ہوگا بعد میں جب جواب پڑھ لیتا ہے تو خوش ہو جاتا ہے کہ جواب بہت مسکت ہے۔ لیکن اس کے بعد جب ایک اور سوال اس کے سامنے آتا ہے تو وہ پھر پریشان ہو جاتا ہے۔ اس اسلوب کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ قاری کو کسی قسم کی اکتاہٹ اور تھکاوٹ محسوس نہیں ہوتی۔ بلکہ اس کی دلچسپی اور رغبت میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ وہ جب تک پوری کتاب کو پڑھ نہیں لیتا اس وقت تک اُسے ہاتھ سے نہیں رکھتا۔

امام ابوالحسین بصری اپنی اس کتاب کے بارے میں لکھتے ہیں:

'' ثم الذی دعانی الی تألیف هذا الكتاب فی أصول الفقه ، بعد شرحی '' كتاب العهد '' واستقصاء القول فيه ، أنی سلكت فی '' الشرح '' مسلك الكتاب فی ترتيب أبوابه ، وتكرار كثير من مسائله، وشرح أبواب لاتليق بأصول الفقه من دقيق الكلام ، نحو القول فی اقسام العلوم و حد الضروری منها و المكتسب ، وتوليد النظر العلم و نفی توليده النظر ، إلى غير ذلك ، فطال الكتاب بذلك و بذكر الفاظ '' العهد '' على وجهها ، وتأويل كثير منها ، فاحببت أن أؤلف كتاباً مرتبة أبوابه غير مكررة ، وأعدل فيه عن ذكر ما لا يليق بأصول الفقه

من دقيق الكلام، إذ كان ذلك من علم آخر، لا يجوز خلطه بهذا العلم، وإن يعلق به من وجه بعيد"۔ (۱)

اصولِ فقہ کے مجال میں اس کتاب کی تالیف وتدوین کے لیے میں اس وجہ سے آمادہ ہوا کہ اس سے پہلے میں نے "کتاب العھد" کی جو شرح مرتب کی اس میں ہر موضوع پر بڑی تفصیل کے ساتھ کلام کیا اس شرح میں ابواب کی ترتیب کا لحاظ میں نے اصل کتاب کے مطابق رکھا۔ اصل کتاب میں چونکہ بہت سے مسائل بار بار آتے ہیں۔ اس لیے شرح میں بھی وہ تکرار بحال رکھا گیا۔ کئی ابواب اس میں ایسے بھی آتے ہیں جن کا تعلق اصولِ فقہ کے بنیادی مباحث سے نہیں ہے مثلاً علوم کی اقسام اور اس سے متعلق ضمنی مسائل وغیرہ وغیرہ۔

ان غیر متعلقہ ابواب کی تشریح وتفصیل کرنے کی وجہ سے کتاب بہت ضخیم ہوگئی۔ کتاب کی ضخامت اور مباحث کی طوالت کو دیکھ کر مجھے ایک ایسی کتاب لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی جس کے ابواب میں تکرار نہ ہو۔ اور جس میں صرف ان مباحث پر گفتگو ہو جن کا تعلق براہِ راست "اصولِ فقہ" سے ہے۔ کتاب میں کسی ایسے مسئلہ کو زیرِ بحث نہ لایا جائے جس کا تعلق اصولِ فقہ کے علاوہ کسی اور فن سے ہو۔

امام ابوالحسین بصری نے کتاب المعتمد کی تدوین کے ضمن میں اپنا جو منہج مندرجہ بالا عبارت میں بتایا ہے اس منہج کو انہوں نے پوری کتاب میں نبھایا ہے۔ اس پوری کتاب میں آپ نے صرف ان مباحث پر معلومات پیش کی ہیں جو براہِ راست اصولِ فقہ سے متعلق ہیں اور ہر مبحث پر اتنا ٹھوس اور مستند مواد جمع کیا ہے کہ قاری اس کتاب کو پڑھ لینے کے بعد دیگر کتب سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ اس کتاب میں جن اہم اور اساسی مباحث کو زیرِ بحث لایا گیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

پہلے باب میں اصولِ فقہ کے ابواب کی ترتیب کے بعد کلام کی حقیقت اور تقسیم پر بحث کی گئی ہے۔ ص ۳۸ تک اس موضوع کے ہر ہر جانب کو بہت خوبصورتی کے ساتھ واضح کر دیا گیا ہے۔

دوسرے باب کا تعلق "اَوامر" سے ہے۔ اس باب میں "اَمر" کی جزئیات اور تفصیلات بڑی عمدگی کے ساتھ پیش کی گئی ہیں۔ ص ۴۳ سے ص ۱۷۷ تک "امر" سے متعلق احکام پر بہت طویل گفتگو کی گئی ہے۔

تیسرے باب میں ''نواھی'' سے متعلق مباحث ذکر کیے گئے ہیں یہ باب ص ۱۸۱ سے شروع ہوتا ہے اور ص ۲۰۱ پر ختم ہوتا ہے۔

چوتھے باب میں ''عموم اور خصوص'' کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں اس باب میں تقسیم وتخصیص کے حوالہ سے جتنے بھی اہم جوانب ہو سکتے ہیں ان پر بہت عمدہ کلام کیا گیا ہے۔ اصولِ فقہ کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے یہ ایک بہت قیمتی اور وقیع سرمایہ ہے۔ یہ باب ص ۲۰۱ سے شروع ہوتا ہے اور ص ۳۱۲ پر جا کر ختم ہوتا ہے۔

پانچواں باب '' مجمل اور مبین'' سے متعلق ہے اجمال وتفصیل اور تبیین کے ہر پہلو کو بہت واضح اسلوب میں پیش کیا گیا ہے۔ ص ۳۱۶ سے لے کر ص ۳۶۰ تک یہ بحث چلی ہے۔

چھٹے باب کا عنوان'' الکلام فی الأفعال '' ہے۔ اس باب کے تحت افعال سے متعلق بالکل اچھوتے اور انوکھے انداز میں نکات پیش کیے گئے ہیں۔ ص ۳۶۳ سے لے کر ص ۳۸۹ تک یہ بحث پھیلی ہوئی ہے۔

ساتویں باب کا عنوان ہے: ''الکلام فی الناسخ والمنسوخ ''اس باب میں نسخ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم بیان کرنے کے بعد ناسخ ومنسوخ اور نسخ کی حقیقت بتائی گئی ہے۔ نسخ کی شرائط اور نسخ شرائع پر گفتگو کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں نسخ تلاوۃ، نسخ الأخبار، نسخ الکتاب بالکتاب والسنۃ بالسنۃ، نسخ القرآن بالسنۃ اور نسخ کے دیگر احکام پر بہت مفید اور وقیع گفتگو کی گئی ہے۔

اس موضوع پر جتنا خوبصورت کلام اس باب کے تحت ملتا ہے اتنا کسی اور کتاب میں دستیاب نہیں۔ یہ باب ص ۳۹۳ سے شروع ہوتا ہے اور ص ۴۵۲ تک چلتا ہے۔

آٹھویں باب میں'' اجماع ''کو زیر بحث لایا گیا ہے۔ اس مبحث کے تحت اجماع کے تقریباً ہر پہلو پر بہت گہرائی کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ یہ باب ص ۴۵۷ سے شروع ہوتا ہے اور ص ۵۳۹ تک چلتا ہے۔

نویں باب کا عنوان''الکلام فی الأخبار '' ہے۔ اس باب کے تحت امام ابوالحسین بصری نے اخبار و روایات سے متعلق احکام پر بحث کی ہے۔ عام طور سے معتزلہ کے بارے میں یہ کہا جاتا ہے کہ یہ حضرات حدیث و سنت کی حجیت کے قائل نہیں اور اخبار و روایات کو یہ لوگ وزن نہیں دیتے۔ لیکن اس باب کا مطالعہ کرنے کے بعد

قاری بہت سہولت کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ معتزلہ کا جو موقف عام طور سے بتایا جاتا ہے وہ صحیح نہیں۔ یہاں امام ابوالحسین بصری نے اخبار وروایات پر اسی انداز سے گفتگو کی ہے جس طرح اہل سنت والجماعت کے دیگر فقہاء نے کی ہے۔ یہ باب اس پہلو سے بہت مفید اور وقعت کا حامل ہے۔ اس باب کا آغاز ص ۵۴۱ سے ہوتا ہے اور ص ۶۷۴ پر اس کا اختتام ہوتا ہے۔

دسواں باب ''قیاس اور اجتہاد'' سے متعلق ہے۔ قیاس اور اجتہاد کے بارے میں جتنے بھی سوال و جواب ہو سکتے ہیں۔ وہ سارے سوال و جواب مؤلف نے اس باب کے تحت ذکر کیے ہیں۔ یہ بہت تفصیلی مبحث ہے۔ ص ۶۹۰ سے شروع ہوتا ہے اور ص ۸۶۵ پر اس کی انتہاء ہوتی ہے۔

گیارہویں باب کا عنوان ''الکلام فی الحظر والاباحۃ '' ہے۔ یہ بڑی منفرد قسم کی بحث ہے۔ جو مؤلف نے بہت عمدہ اور شستہ انداز میں پیش کی ہے۔ خط اور اباحۃ سے متعلق جتنے بھی جوانب ہو سکتے ہیں۔ امام ابو الحسین بصری نے بہت کھول کر ان کی وضاحت کی ہے۔ یہ باب ص ۸۶۸ سے شروع ہوتا ہے اور ص ۹۲۶ تک پھیلا ہوا ہے۔

بارہویں باب کا عنوان ہے: ''الکلام فی المفتی و المستفتی '' اس باب کے تحت مؤلف نے اجتہاد اور تقلید کے حوالہ سے بڑی عمدہ بحث کی ہے۔ شروع میں فتویٰ، استفتاء اور شرائط استفتاء کے بارے میں بھی بتایا گیا ہے۔ یہ اس کتاب کا آخری باب ہے۔ اس کے بعد ''کتاب زیادات المعتمد '' کے ذیل میں ۲۳ مباحث ذکر کیے گئے ہیں اور کتاب القیاس الشرعی کے تحت پانچ فصول بیان کی گئی ہیں۔ یہ زیادات صرف اس نسخہ میں پائے جاتے ہیں جو مکتبہ لالہ لی، استانبول میں رکھا ہوا ہے۔ زیادات کے عناوین سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مباحث کتاب المعتمد کے اصل متن سے براہِ راست متعلق ہیں۔ ممکن ہے مؤلف نے ان معلومات کو بعد میں جمع کیا ہو یا کتاب المعتمد کے متن کی تلخیص کی ہو۔ کیونکہ زیادہ تر فصول و ابحاث میں ''المعتمد '' کے ابواب کا تکرار ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کتاب المعتمد کو تحقیق و تعلیق کے لیے کیوں منتخب کیا۔ بنیادی طور پر اس کے چار اسباب ہو سکتے ہیں:

① ڈاکٹر صاحب کا اپنا فطری میلان ابتدائی دور میں قانون کی طرف تھا۔ آپ نے جہاں قانون کے جدید نظریات اور جہات کا مطالعہ کیا وہاں شریعت اسلامیہ کے مصادر سے بھی بہت رسوخ اور وثوق کے ساتھ استفادہ کیا۔ اپنی قدرتی مناسبت اور میلان کی وجہ سے آپ نے کتاب المعتمد کو تحقیق و تعلیق کے لیے منتخب کیا۔

② کتاب المعتمد اصولِ فقہ کے مجال میں بنیادی اور اساسی مصدر کی حیثیت رکھتی ہے۔ فقہ اور اصولِ فقہ کے طلبہ اور اساتذہ اس کتاب سے مستغنی نہیں رہ سکتے۔ اس کتاب کے حوالے دیگر مصادر و مراجع میں کثرت سے ملتے ہیں لیکن خود کتاب تک رسائی اس وجہ سے دشوار تھی کہ کتاب غیر مطبوعہ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے فقہ اور اصولِ فقہ کے طلبہ اور اساتذہ کی اس دشواری کو محسوس کیا اور کتاب کو ایڈٹ کر کے چھپوا دیا۔

③ امام ابوالحسین بصری کا تعلق معتزلہ سے ہے معتزلہ کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ حضرات حدیث وسنت کی حجیت کے قائل نہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب نے ''المعتمد'' کو منظرِ عام پر لا کر معتزلہ کے بارے میں اس الزام کا ازالہ کیا ہے۔ امام ابوالحسین بصری نے بڑی تفصیل کے ساتھ ''الکلام فی الأخبار'' کے تحت اخبار و روایات سے متعلق احکام پر بحث کی ہے۔

اس موضوع پر آپ کے کلام سے اندازہ ہوتا ہے کہ معتزلہ کا مؤقف اخبار و روایات کے ضمن میں وہی ہے جو اہل سنت والجماعت کے دیگر فقہاء کا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ڈاکٹر صاحب نے کتاب المعتمد پر تحقیق و تعلیق کا کام کرتے ہوئے اس پہلو کو بطورِ خاص مدِ نظر رکھا ہے۔

④ کتاب المعتمد کو منظرِ عام پر لا کر ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب یہ بتانا چاہتے ہیں کہ متقدمین فقہاء مسلک و مشرب کو بالائے طاق رکھ کر ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے۔ یہ حضرات جہاں ایک دوسرے سے براہِ راست استفادہ کرتے تھے وہاں ایک دوسرے کی کتب اور مخطوطات سے بھی مستفید ہوتے تھے۔ امام ابوالحسین بصری نے جہاں اپنی کتاب میں اپنے اسلاف کی روایات اور دلائل کو نقل کیا ہے۔

وہاں ان کے اخلاف نے ان کے دلائل وشواہد کی پیروی کی ہے۔علوم کے ارتقاء اور تداول وتوارث میں یہ سلسلہ شروع سے چل رہا ہے اور اس بارے میں کسی قسم کے تعصب اور تحزب سے کام نہیں لینا چاہیے۔

مخطوطات

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کتاب المعتمد کو جن مخطوطات کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا ہے ان کی تعداد پانچ ہے۔

① ذاتی مخطوطہ: یہ مخطوطہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے پاس ذاتی حیثیت میں تھا جو یمن کے قاضی شیخ الأھدل کا ہدیہ ہے۔

② مخطوطة سيف الإسلام: یہ مخطوطہ سیف الاسلام عبد اللہ یمنی کا ہے۔جس کا عکس مصر کے معہد المخطوطات سے حاصل کیا گیا ہے۔

③ مخطوطه جامع صنعاء: یہ مخطوطہ جامع مسجد صنعاء یمن میں محفوظ ہے۔اس کا عکس معہد المخطوطات مصر سے لیا گیا۔

④ مخطوطه استانبول: یہ مخطوطہ استانبول کی لائبریری قابی سرائی میں محفوظ ہے۔اس کا عکس معھد المخطوطات، مصر سے حاصل کیا گیا۔

⑤ مخطوطة لاله لی: یہ مخطوطہ استانبول کی لائبریری لالہ لی میں محفوظ ہے۔ڈاکٹر صاحب نے اس مخطوطہ کا مائیکروفلم براہِ راست لائبریری سے حاصل کیا۔

ڈاکٹر صاحب نے ان پانچوں مخطوطات کو سامنے رکھ کر کتاب المعتمد کو ایڈٹ کیا ہے۔ان مخطوطات کے لیے آپ نے جو رموز استعمال کیے ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

اپنے ذاتی مخطوطہ کے لیے آپ ''ح'' استعمال کرتے ہیں جو حمید اللہ کا مخفف ہے۔مخطوطہ سیف الاسلام کے لیے ''س'' کا رمز لاتے ہیں جو سیف الاسلام کی طرف اشارہ ہے۔مخطوطہ جامع صنعاء کے لیے ''ص'' کا رمز استعمال کرتے ہیں جو صنعاء کی طرف اشارہ ہے۔

مکتبہ قابی سرائے کی طرف اشارہ کرنے کے لیے ''ق'' کا حرف لاتے ہیں اور مکتبہ لالہ لی کے مخطوطہ کے لیے ''ل'' کا حرف لاتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب نے ان پانچ مخطوطات کا تقابل کر کے بڑی محنت اور عرق ریزی کے ساتھ کتاب المعتمد کو مدوّن کیا ہے۔ اس ضمن میں محقق نے جن پہلوؤں پر خاص توجہ دی ہے ان کے بارے میں اجمال کے ساتھ تذکرہ کیا جاتا ہے۔

❶ آیات کی تخریج

فاضل محقق نے کتاب المعتمد میں جتنی آیات نقل کی ہیں ان سب کی تخریج کی ہے۔ ہر آیت کا نمبر بتایا ہے اور سورۃ کا نمبر بھی بتایا ہے۔ اس تخریج کی وجہ سے کتاب کے قاری کو یہ سہولت حاصل ہوگئی ہے کہ اگر وہ کسی آیت کی تفسیر اور تفصیل دیکھنا چاہے تو سورۃ اور آیت کے نمبر کی مدد سے تفسیری مراجع ومصادر تک بآسانی پہنچ سکتا ہے۔

❷ آیات کی وضاحت

فاضل محقق نے کتاب کے متن میں واردشدہ آیات کی بعض مواقع پر وضاحت بھی کی ہے۔ مثلاً:

① انّ عمر رضی اللّٰہ عنہ ، سأل النبی ﷺ عن ''الکلالۃ'' فقال : ''یکفیك آیة الصیف''........................

ڈاکٹر صاحب اس کی وضاحت حاشیہ میں یوں کرتے ہیں:

ھی آخر سورۃ النساء (۱۷۶/۴)' وسمّیت کذلك لأنھا نزلت فی زمن الصیف وتذکر أحکام الکلالة............(۲)

② قولنا: '' أمر''لا یقع علی الفعل الا مجازا ۔ ولو وقع علیه حقیقة ، لما تناوله ھا ھنا ، لتقدم ذکر الدعاء...........

اس عبارت کے ضمن میں فاضل محقق لکھتے ہیں:

الإشارة إلى أن الاية المذكورة آنفاً تقول اولا :''لا تجعلوا دعاء الرسول كدعاء بعضكم بعضا'' وذلك تقول''فليحذر الذين يخالفون''(۳)

محقق نے پوری کتاب میں جہاں جہاں مؤلف نے کسی آیت کی طرف اشارہ کیا ہے اس کی وضاحت کی ہے یہ وضاحت محقق کی محنت اور دلچسپی کی واضح دلیل ہے۔

❸ فہرست احادیث

کتاب المعتمد میں امام ابوالحسین بصری نے اپنے منہج کے مطابق آیات اور روایات کا وسیع ذخیرہ نقل کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان تمام روایات کی فہرست مرتب کی ہے۔ جس کی وجہ سے کتاب کی افادیت اور اہمیت میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ فہرست کتاب کے آخر میں پوری تفصیل کے ساتھ دی گئی ہے۔ ذیل میں بطور نمونہ چند روایات پیش کی جاتی ہیں:

① الإثنا ن فما فوقها جماعة.......................... ۲٤۸.

② أُحلّت لِي ساعة من نهار (قاله فى القتال يوم فتح مكة : ٤١٣)

③ إذا اختلف المتبايعان والسلعة قائمة بعينها تحالفا وترادّا .... ۱٦۲ حاشية، (راجع ۷۹۱)

④ أرأيت لو تمضمضت بماء ثم مججته ؟(قاله ' ، فى قبلة الصائم) ۷۳٥ ، ۷۳۷-۷۷۸

⑤ أينقص الرطب إذا يبس ؟۔ (قاله ، لما سئل عن بيع الرطب بالتمر)۳۰۲،۳۰٤

احادیث کی اس فہرست میں محقق نے اس موقع کی نشان دہی بھی کی ہے جس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے وہ

حدیث بیان فرمائی ہے۔اس فہرست کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ امام ابوالحسین بصری کے پاس حدیث کی روایات کا کتنا ذخیرہ تھا اور وہ ان احادیث سے کس طرح استدلال کرتے تھے۔ جو لوگ معتزلہ کا موقف یہ بتاتے ہیں کہ وہ احادیث و آثار کے منکر تھے یا احادیث و آثار کو اہمیت نہیں دیتے تھے ان کا کلام کتاب المعتمد میں منقولہ احادیث کو دیکھ کر غیر موثر ہو جاتا ہے۔

❹ احادیث کی وضاحت

فاضل محقق نے بعض مواقع پر احادیث کی وضاحت اگرچہ اجمال اور اختصار کے ساتھ کی ہے۔لیکن اس وضاحت کی وجہ سے کتاب کی افادیت بہت بڑھ گئی ہے۔مثلاً:

① قال عمر رضی اللّٰه عنه : لا ندع كتاب ربنا وسنّة نبينا بقول امرآة ، لا ندرى أصدقت أم كذبت ؟............

ڈاکٹر صاحب اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

هى فاطمة بنت قيس فى مسئلة نفقه المبتوته......(۴)

② وقد ذكر عيسى بن ابان وجوها من التراجيح : منها أن يكون أحدهما متفقا على استعماله كخبر الأوساق ....

فاضل محقق ''وساق'' کی وضاحت کرتے ہوئے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

'' وهو : لا زكاة فيما دون خمسة آوسق، ...... ويعارضه الحديث العموى : فيما سقت السماء العشر ''۔ (۵)

③ وقال (ابن عباس) : '' قضاء اللّٰه أولى من قضاء ابن الزبير '' ....

ڈاکٹر صاحب اس کی وضاحت یوں کرتے ہیں:

وهــو الـذى روى عـن الـنبـى عـليـه السـلام : لا تـحـرم الإمـلاجة ولا الإملاجتان " .... (٦)

④ ''إن النبى ﷺ لم يكره تحريم الأشياء المقيسة على الستة " ....

فاضل محقق اس کے تحت حاشیہ میں لکھتے ہیں:

'' اى الـربـا فـى الـذهـب والفضة و سـائر الاشياء الستة المذكورة فى الحديث ''۔(٧)

⑤ قال ابو الحسن وأبو عبيد الله :

ان كانت الزيادة مغيرة حكم المزيد عليه فى المستقبل، كانت نسخا، وإن لـم تـغيـرحـكـمـه فـى المستقبل ، بل كانت مقارنة له ، لم (تكن) نسخا، فزيادة التغريب فى المستقبل على الحد................

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ''تغریب'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

الإشـارة إلـى الـحـديـث : البـكر بالبكر جلد مائة وتغريب عام " اور ''الـحـد'' کے ضـمـن میں لکھتے ہیں : أى جلد مائة فحسب' المذكور فى القرآن (٢٤/ ٢) ۔(٨)

❺ مخطوطات کی تصحیح

فاضل محقق نے کتاب المعتمد کے پانچوں مخطوطات کو مدِنظر رکھ کر کتاب مدوّن کی ہے۔ ان مخطوطات میں سے جس مخطوطہ میں آپ کو کہیں کوئی کمی بیشی نظر آئی ہے آپ نے اُس کی تصحیح کی ہے۔ مثال کے طور پر:

① فان قالو ا : لو لم يكن الإستعمال طريقا إلى كون الاسم حقيقة ،

اس عبارت میں ''فان قالوا'' کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

ق : كلمة ''قيل '' وفوقه '' قالوا'' كأنّما الناسخ كتب '' قيل '' سهواً وأراد التصحيح ، ولكن نسى أن يخط على كلمة '' قيل '' (٩)

② ومنها ، أنّ الصحابة رضى الله عنهم نقلت أخباراً ، عند نزول الحاجة إليها

فاضل محقق اس عبارت کے تحت حاشیہ میں لکھتے ہیں:

كذا ''عليهم نقلت '' وكان يجب إمّا '' عليها نقلت '' أو ''عليهم نقلوا ۔ راجع الحاشية فيما مضر۔ والظاهر أن كلمة '' عليهم '' من تصحيح كاتب المخطوطة '' ق'' الذى لم يتعود على '' الصحابة رضى اللّٰه عنهم ''............ (١٠)

③ ثم نذكر الطريق إلى كون الناسخ ناسخاً ، ولما كان النسخ موقوفا على التنا فى ، وعلى ذكر التاريخ ،..................

ڈاکٹر صاحب اس بارے میں لکھتے ہیں:

اختلطت العبارة فى ق ، حيث '' ولما كان النسخ موقوفا على الشخص الواحد '' .... (١١)

④ وروى الواقدى أن أبابصير ، لمّا ردّه النبى ﷺ إلى قريش ، انحاز مع جماعة مِمّن أسلم من قريش.................

فاضل مدوّن اس کے ذیل میں لکھتے ہیں:

كذاح وسائر كتب التاريخ : حتى الواقدى ، كما رواه البلاذرى عنه ، فى أنساب الأشراف ، ق : أباجندل.......................(١٢)

⑤ ”والشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموها البتة نكالاً من الله“ ويحتمل أن يكون ذلك مِمّا أنزل وحياً..........

اس عبارت کے تحت ڈاکٹر صاحب رقم طراز ہیں:

إذا كان المراد به التورلة، فالحكم موجود فيها، راجع كتاب الاويين۔ ۲۰/۱۰/ وکتاب التثنیۃ ۲۲/۲۲۔......................(۱۳)

⑥ وأمّا القول بأن الحكم المعلق بالصفّة يَدُلّ على أنّ ما عداها بخلافه، إذا دخل ما عداها تحتها، نحو الشاهد الواحد، لأنه داخل فى جملة الشاهدين فقد تَقدمّ القول فيه فى تعليق الحكم بالعدد......................

اس عبارت کے ضمن میں فاضل محقق لکھتے ہیں:

زاد بعده ' س ولعلّه، حاشية: واعلم أن معنى الذى تقدّم فى تعليق الحكم بالعدد من قوله رحمه الله توضيح أن الحكم المعلق على العدد يدل على حكم مادخل تحته مثل أن يبيح الله تعالىٰ لنا جلد الزانى مائة مثلًا، فانا نعلم منه، إباحة جلده خمسين، ونعلم مته، نفى قصر الإباحة على الخمسين لأن الخمسين داخلة تحت المائة، وليس كذلك إذا أباح لنا مقدار قلتين من الماء إذا وقعت فيه نجاسة، فانه، لا يَدُلّ على إباحة قلّة واحدة وقعت فيها نجاسة وليست من جملة القلتين ولا على إباحتها، لأنها لم تدخل تحتها، وكذلك إذا آباح لنا الحكم بشهادة شاهدين فانه لا يدل على إباحة الحكم بشهادة شاهد واحد ولا على نفى شهادته۔ (۱۴)

اعلم أن الكلام العام هو كلام مستغرق لجميع ما يصلح له '......

فاضل مُدوّن اس عبارت کے ضمن میں لکھتے ہیں:............

ق في الحاشية : نقل عنه ' ابن الحاجب وزاد بأنه نحو عشرة ، ونحو ضرب زيد عمراً ، يدخل فيه مع أنه ليس بعام ، وكلام آبى الحسين إنما مر (؟ الماضى) يدفع هذا الرد ۔ (۱۵)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے کتاب المعتمد کو جس محنت، کدو کاوش اور غیر معمولی دلچسپی کے ساتھ مدوّن کیا ہے اس کا اندازہ مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر مذکورہ بالا امثلہ سے بآسانی لگایا جا سکتا ہے۔

یہاں محض آپ کی عرق ریزی کی ایک جھلک دکھائی گئی ہے۔ پوری کتاب کی تدوین میں آپ نے جو اضافات کیے ہیں ان کا تفصیلی جائزہ لینے کے لیے ایک کتابچہ کی ضرورت ہے۔ اس اجمالی مقالہ کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ جو طلبہ اور اساتذہ کتاب المعتمد کا مطالعہ کرنا چاہیں ان کے سامنے اس کتاب اور اس کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب کی تحقیق کا ایک خاکہ پیش کیا جائے تاکہ مطالعہ کرتے وقت وہ ان گوشوں کو مدِ نظر رکھ سکیں۔

مقدمہ

ڈاکٹر صاحب نے کتاب کے آخر میں ایک بہت وقیع اور خوبصورت مقدمہ فرانسیسی زبان میں قلم بند کیا ہے اس مقدمہ میں امام ابوالحسین بصری کے حالات وکوائف اور ان کی علمی خدمات کا احاطہ کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں جن مخطوطات کی بنیاد پر آپ نے کتاب المعتمد کو مدوّن کیا ہے۔ ان تمام مخطوطات کے بارے میں بہت قیمتی اور اساسی معلومات فراہم کی ہیں۔

یہ مقدمہ تقریباً پینتالیس صفحات پر مشتمل ہے۔ مقدمہ کے ساتھ ہی ان مخطوطات کے ابتدائی صفحات کا عکس بھی دیا گیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے پیرس میں بیٹھ کر مقدمہ تحریر کیا ہے اور ان طلبہ اور اساتذہ کو پیش نظر رکھا ہے جو فرنچ جانتے ہیں۔ اگر یہ مقدمہ انگریزی میں ہوتا تو وہ قارئین بھی اس سے مستفید ہو سکتے جو فرنچ نہیں جانتے۔

بہرحال حقیقت یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی علمی اور تالیفی وتدوینی خدمات میں کتاب المعتمد کی تدوین وتحقیق ایک بہت بڑی خدمت ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے حسن انتخاب کو داد دینی پڑتی ہے کہ آپ نے ایک ایسی کتاب کو اپنی توجہ کا مرکز بنا کر طلبہ اور اساتذہ کے سامنے پیش کیا۔ جو ''اصولِ فقہ'' کے میدان میں منفرد حیثیت کی حامل ہے اور جس کے مطالعہ کرنے سے طلبہ بہت ساری کتابوں کے مطالعہ سے مستغنی ہو جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ فاضل محقق کی یہ خدمت ان کے حسنات میں تا ابد شمار ہو اور اس کے ثمرات و برکات میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ کتاب المعتمد ۔ج ا،ص ۷۔

۲۔ کتاب المعتمد ۔ج ا،ص ۲۔۳۔

۳۔ ایضاً، ج ا،ص ۳۷۹۔

۴۔ ایضاً، ج ا،ص ۴۳۰۔

۵۔ ایضاً، ج ا،ص ۲۸۲ ۔

۶۔ ایضاً، ج ا،ص ۲۸۹ ۔

۷۔ ایضاً، ج ا،ص ۳۲۵۔

۸۔ ایضاً، ج ا،ص ۴۳۷۔

۹۔ ایضاً، ج ا، ص ۲۲۶۔

۱۰۔ ایضاً، ج ا، ص ۳۵۸۔

۱۱۔ ایضاً، ج ا،ص ۳۹۴۔

۱۲۔ ایضاً، ج ا،ص ۴۱۲۔

۱۳۔ ایضاً، ج ا،ص ۴۱۸۔

۱۴۔ ایضاً، ج ا،ص ۱۶۹۔

۱۵۔ ایضاً، ج ا،ص ۲۰۳۔

الوثائق السیاسیۃ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا تحقیقی منہج

* ڈاکٹر محمد ضیاء الحق

دورِ نبوی ﷺ اور عہدِ خلافت راشدہ کے وثائق و دستاویزات کی تدوین

دورِ نبویؐ اور عہد خلافتِ راشدہ کے وثائق کی اہمیت

مدینہ منورہ میں اسلامی ریاست کا قیام اور اس کی حدود کی بتدریج توسیع رسول اللہ ﷺ کی حربی، سیاسی اور تشریعی کوششوں کا نتیجہ ہے۔ اور یہ اس سیاسی مہارت کا ثمر ہے جو رسول ﷺ نے مختلف علاقوں اور قبائل کے ساتھ مسلمانوں کے تعلقات استوار کرنے کے لیے استعمال کی تھی۔ رسول ﷺ کی ریاست کے قیام و استحکام اور دفاع کے لیے کی جانے والی سیاسی، انتظامی اور حربی کوششوں کی گواہی وہ وثائق اور دستاویزات دیتی ہیں جو اس دوران تیار ہوئیں ان دستاویزات میں آپؐ کے خطوط، سرکاری حکم نامے اور معاہدات شامل ہیں۔ ان دستاویزات کو قبائل عرب کے مدینہ کی مرکزی حکومت کے ساتھ تعلقات کی نوعیت کی تحدید کے لیے تیار کیا گیا تھا۔ ان دستاویزات کی زبان اسلوب کتابت اور اہداف کے اعتبار سے مختلف انواع ہیں۔ (۱)

جن دستاویزات اور وثائق کو رسول ﷺ اور خلفاء راشدین سے منسوب کیا جاتا ہے ان کی اکثریت مستند ہے ان دستاویزات کی ایک بہت بڑی تعداد مختلف ادوار کے قیمتی ذخائر میں رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بہت عرصہ بعد تک بھی محفوظ رہی ہے۔ علماء اور محققین نے پہلی صدی ہجری سے ہی ان دستاویزات کو رسول اللہ ﷺ سے منسوب ہونے اور ان کی تشریعی اور تاریخی افادیت کی بناء پر اپنی علمی اور تحقیقی سرگرمیوں کا موضوع بنایا۔ کئی راویوں نے ان کو حدیثِ نبوی ﷺ کی ایک قسم قرار دیا ہے۔ (۲)

---

* چیئرمین، شعبہ اسلامک لاء، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

اوران دستاویزات کی اسناد کو روایت کرتے ہوئے ان خاندانوں تک پہنچایا ہے جن کے پاس یہ وثائق محفوظ تھے۔ ایسے دلائل بکثرت موجود ہیں جو اس بات کی نشان دہی کرتے ہیں کہ ان وثائق کے راویوں نے بکثرت ایسے خاندانوں کے افراد سے ملاقاتیں کیں جن کے ہاں یہ وثائق محفوظ تھے اور اکثر حالات میں اصلی وثائق سے نقل کر کے نصوص کو روایت کیا گیا۔ (۳)

علماء و محققین کی اصلی وثائق کو محفوظ رکھنے کی کوششوں کے علیٰ الرغم آج کے دور میں ان اصلی وثائق کی کم تعداد ہی محفوظ رہ سکی۔ جن وثائق کی اصل محفوظ ہے۔ ان میں رسول اللہ ﷺ کے مقوقس مصر، نجاشی اور منذر بن ساوی کے نام لکھے گئے خطوط بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ (۴)

وثائق و دستاویزات کے قدیم مجموعے

عہدِ خلافت راشدہ ہی میں قدیم دستاویزات کو جمع کرنے کے کام کا آغاز ہو گیا تھا چنانچہ کہا جاتا ہے کہ حضرت عمر کے پاس ایک صندوق تھا جس میں معاہدات سے متعلق دستاویزات کی نقول محفوظ کی گئی تھیں۔ یہ صندوق ۸۲ ہجری میں اس وقت جل گیا جب دیوان حکومت کو آگ لگی (۵) محدثین کے قدیم مجموعہ جات میں بھی وثائق کو جمع کیا گیا ہے۔ ان مجموعوں میں عبداللہ بن عباس، عمرو بن حزم کے مجموعے شامل ہیں، ان کے بعد عبداللہ بن ابی بکر بن محمد بن عمرو بن حزم، امام زہری، ابن اسحاق، واقدی، علی بن محمد القرشی، ہشام بن محمد بن السائب الکلبی، ابن المدائنی الطبری اور کئی دوسرے ابتدائی مصادر کا درجہ ہے جن میں رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے دور کے وثائق کی نصوص کو جمع کیا گیا ہے۔ چنانچہ واقدی رسول اللہ ﷺ کے منذر بن ساوی کی طرف لکھے گئے خط کو حضرت عکرمہ کی سند سے روایت کرتے ہوئے ان کا یہ قول بھی نقل کرتے ہیں:

"وجدت هذا الكتاب في كتب ابن عباس بعد موته فنسخته" (٦)

میں نے اس خط کو ابن عباس کے خطوط میں ان کی موت کے بعد موجود پایا اور وہاں سے میں نے اس کو نقل کر لیا۔ عمرو بن حزم کا مجموعہ اس ضمن میں وہ قدیم ترین مجموعہ ہے جو آج کے دور میں ہم تک پہنچا ہے۔ اس مجموعہ کو تیسری صدی ہجری کے عالم الدیبلی نے نقل کیا ہے اور ابن طولون نے اسے بطور ضمیمہ اپنی کتاب کے ساتھ منسلک کیا ہے۔ (۷)

ابن اسحاق نے یزید بن حبیب المصری کے اس قول کی نشاندہی کی ہے جس میں وہ کہتے ہیں کہ انہوں نے ایک ایسا نسخہ حاصل کیا جس میں رسول اللہ ﷺ کے وہ مکتوبات تھے جو آپ نے مختلف بادشاہوں کے نام لکھے تھے اور امام زہری نے اس نسخے کو درست تسلیم کیا ہے۔(۸) ابن سعد ابن سیرین کا یہ قول نقل کرتے ہیں کہ:

" انه لوكان متخذاً كتاباً لا تخذ كتابً رسائل النبى'' (۹)

ابن ندیم نے اپنی فہرست میں ابن الحسن المدائنی کی مؤلفات کے ضمن میں اس کی درج ذیل تالیفات کا بھی ذکر کیا ہے

عهود النبى۔

رسائل النبى۔

كتب النبى إلى الملوك إقطاع النبى۔

كتاب الخاتم والرسل۔

كتاب عن الذين كتب لهم الرسول كتب امان (۱۰)

ابن حجر ۸۵۲ھ/۱۴۴۹ء نے ابن الحسن المدائنی کی کتاب رسائل النبی سے نقل کیا ہے۔(۱۱) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ کتاب ابن حجر کے دور تک متداول تھی، ابن حجر نے المدائنی کا ذکر ان لوگوں میں کیا ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بادشاہوں کے نام خطوط کو جمع کیا تھا(۱۲) یہ تمام کتاب ابن حزم کے مجموعہ کا وہ حصہ معلوم ہوتی ہیں جواب موجود نہیں ہے۔ یا تو یہ وقت ضائع ہو چکا ہے۔ یا پھر خزانوں میں مخفی ہے(۱۳) رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین کے وثائق، فقہ اسلامی، تاریخ اور تراجم کی قدیم ترین کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں ان کتابوں میں امام ابو یوسف کی ''الخراج''، ابن ہشام کی ''السیرۃ النبویہ''، ابن سعد کی ''الطبقات الکبری'' بھی شامل ہیں۔ ابن سعد کے مجموعہ کے مطالعہ سے محسوس ہوتا ہے کہ ابن سعد کا اصل ہدف واقدی اور ہشام بن الکلبی سے منقول روایات کو مدون کرنا تھا اس لیے اس نے روایات کو نقد کے بغیر ہی قبول کر لیا(۱۴) ابوعبید القاسم بن سلام نے بھی کافی تعداد میں نصوص کو نہ صرف واقدی سے روایت کیا ہے بلکہ ان کی نقد بھی کی ہے۔ جیسا کہ دومۃ الجندل اور اِقطاع النبی لبلال المزنی جیسے وثائق کی نقد ابوعبید القاسم کی کتاب الاموال میں شامل ہے۔(۱۵) بعد کے مصادر نے درج بالا مصادر پر ہی اعتماد کیا ہے۔

جدید محققین کی وثائق کے حوالے سے خدمات

معاصر علماء اور محققین نے بھی وثائق و دستاویزات کی تحقیق و تدقیق اور جستجو کے لیے نمایاں خدمات سرانجام دی ہیں۔ ان علماء میں مسلمان اور مستشرقین دونوں شامل ہیں۔ مستشرق Wellhansen نے طبقات ابن سعد کے رسول اللہ ﷺ کے رسائل اور معاہدات سے متعلق ابواب کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا اور ان کے حواشی تحریر کیے Sepreber اور Caetani جیسے مستشرقین نے بھی بعض وثائق کا یورپی زبانوں میں ترجمہ کیا اور ان پر اصالت کے حوالے سے تحقیق کی، برصغیر پاک و ہند کے علماء نے بھی عہدِ النبیؐ کے وثائق کو خاص طور پر اپنی تحقیقات کا مرکز بنایا اور وثائق کی جمع و تدوین کے ساتھ ساتھ اردو میں ان کا ترجمہ بھی کیا۔ اس ضمن میں عبدالمنعم خان، عبدالجلیل نعمان اور ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ کے نام خاص طور پر نمایاں ہیں۔(١٦)

عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ کے وثائق کے ضمن میں ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ کی خدمات

عہدِ نبوی ﷺ اور خلافتِ راشدہ کے وثائق اور دستاویزات سے متعلق سب سے نمایاں اور مربوط کام ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ کا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے تقریباً ان تمام اہم وثائق اور دستاویزات کو مدون کیا جنہیں رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین سے منسوب کیا جاتا اور ان کے مصادر کی نشاندہی بھی کی، ڈاکٹر صاحب نے یہ کام بنیادی طور سوربوں یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے حصول کے لیے کیا۔ فرانسیسی میں ان کے اس تحقیقی کام کا موضوع:

" Documents Sur La Diplomatic Muslaman " تھا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ کام ١٩٣٥ء میں پیرس میں چھپا۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے اس کام میں وثائق کی نصوص کو علوم اسلامیہ کے مصادر کے وسیع ذخیرہ میں موجود مصادر سے جمع کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کا یہ کام ”مجموعة الوثائق السياسة فى العهد النبوى والخلافة الراشدة“ کے نام سے ١٩٦١ء میں مطبعه لجنة التاليف والترجمه والنشر کے زیر اہتمام چھپا اور اس کی اشاعت ڈاکٹر پاول کراوس، ڈاکٹر محمد طٰہٰ الحاجری اور عبدالعزیز محمد الأ ھوائی آفندی کی زیر نگرانی عمل میں آئی۔

وثائق کی تالیف کے اسباب وپس منظر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ان اسباب کی بھی نشاندہی کی جن کی بناء پر دستاویزات کی عہدِ نبویؐ اور خلافتِ راشدہ میں تالیف عمل میں آئی۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ لکھتے ہیں ہجرتِ نبویؐ سے پہلے کا دور تمہید اور تجربہ کا دور تھا اور مکہ میں مسلمانوں کی جماعت کی حیثیت ایک ملک کی نہ تھی اس لیے اس دور کی سیاست خارجہ میں عقبہ کی دو بیعتیں ہی اہم حیثیت کی حامل ہیں ان بیعتوں سے مسلمانوں کے اہل یثرب سے ان تعلقات کا پتا چلتا ہے جن کے نتیجے میں مسلمانوں نے مکہ سے یثرت کی طرف ہجرت کی اور وہاں پر ایک ریاست کی بنیاد رکھی۔ اس ریاست کے دستور کو میثاقِ مدینہ کے نام سے مدون کیا گیا جو کہ وثائق ودستاویزات کی فہرست میں سے سے پہلے درج کیا گیا ہے۔

میثاقِ مدینہ کے تحت رسول اللہ ﷺ نے ایک وفاقی Federation حکومت قائم کی جس میں یہود کو بھی شامل کیا۔ چنانچہ یہود سے متعلق دستاویزات وجود میں آئیں جنہیں اس مجموعہ میں شامل کیا گیا ہے۔

مدینہ کی طرف ہجرت اور وہاں پر ایک ریاست کی تشکیل کی بناء پر مسلمانوں کے قریش سے تعلقات میں پہلے سے موجود کشیدگی کی شدت میں اضافہ ہوگیا جس کے نتیجے کے طور پر مسلمانوں اور قریش کے درمیان احد خندق حدیبیہ اور فتح مکہ کی جنگیں ہوئیں ان جنگوں سے متعلق وثائق کو ایک خاص فصل میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے جمع کر دیا۔

صلح حدیبیہ کے بعد رسول اللہ ﷺ نے مختلف ممالک کے سربراہوں کے نام خطوط ارسال فرمائے چنانچہ ان خطوط سے متعلق وثائق کو ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے دو فصول میں جمع کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ نے کئی قبائل کو قریش کے مقابلہ میں اپنا حلیف بنالیا تھا۔ ان قبائل سے متعلقہ دستاویزات کو ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے ایک فصل میں مدون کر دیا۔

⑥ ۱۰ ہجری میں رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع ادا فرمایا اور اس موقع پر اپنا مشہور خطبہ ارشاد فرمایا۔ اس خطبہ میں مسلمانوں کے لیے حقوق اور فرائض کو واضح طور پر بیان کیا گیا چنانچہ عہد نبویؐ کے آخری وثائق میں خطبہ حجۃ الوداع کی نص کو شامل کیا گیا ہے۔

⑦ اس مجموعے کے دوسرے حصّہ میں خلافت راشدہ کے دور سے متعلق وثائق ہیں ان وثائق میں سے ایک فصل میں روی سلطنت سے متعلق وثائق ہیں جبکہ دوسری فصل میں ایرانی سلطنت سے متعلق وثائق ودستاویزات شامل ہیں۔(۱۷)

❻ دستاویزات اور وثائق کی نوعیت

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے جن دستاویزات کو الوثائق السیاسیۃ میں جمع کیا ہے ان میں زیادہ تر سیاسی اور سرکاری دستاویزات ہیں۔ تاہم بعض انفرادی دستاویزات بھی موجود ہیں۔ الوثائق السیاسیۃ میں جمع کردہ دستاویزات کو درج ذیل حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

① سرکاری معاہدات۔

② دعوتِ اسلام کے لیے مراسلات خصوصاً، سربراہان مملکت کی طرف لکھے گئے خطوط۔

③ سرکاری عہدیداروں کی تقرری اور اختیارات سے متعلق حکم نامے۔

④ زمین کی الائمنٹ کی دستاویزات۔

⑤ امان اور وصیت نامے۔

⑥ ایسی دستاویزات جس میں بعض لوگوں کو خصوصی اختیارات یا حقوق دیئے گئے ہیں۔

⑦ متفرق مراسلات، جو کہ رسول اللہ ﷺ کے مراسلات کے جواب میں آئے۔

عہدِ نبوی ﷺ سے متعلق الوثائق میں جمع کردہ دستاویزات کی تعداد۔

نمبر شمار	دستاویزات کی نوعیت	تعداد	الوثائق میں وثیقہ نمبر
①	معاہدات	۷۰	۱، ۸، ۱۱، ۳۱، ۳۲، ۳۳، ۳۴، ۴۰، ۴۱، ۹۴، ۹۶، ۹۷، ۹۸، ۱۰۲، ۱۰۴، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳،
②	اسلام کی طرف دعوت دینے کے لیے لکھے گئے مراسلات	۴۲	۱۵، ۱۶، ۲۱، ۲۲، ۲۶، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۳۶، ۳۷، ۳۸، ۳۹، ۴۲، ۴۹، ۵۱، ۵۳، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۷، ۶۸، ۵۴، ۵۵، ۵۶، ۵۷، ۵۹، ۶۰، ۶۷، ۶۸، ۷۶، ۷۷، ۸۶، ۹۹، ۱۰۷، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۳۹، ۱۴۰، ۲۰۶۔
③	سرکاری حکم نامے (عہدیداروں کی تقرری، اختیارات وغیرہ سے متعلق)	۵۶	۳، ۱۴، ۱۷، ۱۸، ۲۰، ۴۰، ۴۱، ۴۴، ۴۴، ۴۵، ۴۶، ۴۷، ۶۱، ۶۲، ۶۳، ۶۴، ۶۵، ۶۶، ۶۹، ۷۰، ۷۱، ۷۲، ۷۳، ۷۴، ۷۸، ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷، ۸۸، ۹۰، ۹۱، ۹۲، ۱۰۰، ۱۰۱، ۱۰۳، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۵۲، ۲۲۱، ۲۲۷، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۴۵، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۸۷۔

④	زمین کی الاٹ منٹ کے احکام	۳۶	۴۳، ۸۹، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۳۱، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۶۳، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۲۰۷، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۲۳، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۸،
⑤	امان نامے	۱۴	۲، ۱۹، ۸۳، ۱۳۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۴،
⑥	خصوصی استثناءات	۲	۹۵، ۲۳۶۔
⑦	متفرق مکاتیب	۳۳	۴، ۵، ۹، ۱۰، ۱۲، ۱۳، ۲۳، ۲۴، ۲۵، ۲۸، ۳۵، ۵۰، ۵۲، ۵۸، ۷۹، ۱۰۸، ۲۰۵، ۲۲۲، ۲۲۴، ۲۳۷، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۸۱۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دور کے خطوط اور دستاویزات

نمبر شمار	دستاویزات کی نوعیت	تعداد	الوثائق میں وثیقہ نمبر
①	مرتدین کے نام خطوط	۳	۲۴۷، ۲۸۱، ۲۸۲۔
②	سرکاری اہلکاروں کے نام خطوط	۷	۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۳۰۲۔
③	بادشاہوں/سربراہوں کے نام خطوط	۱	۲۸۹۔
④	معاہدات	۱۲	۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۳۰۰، ۳۰۱۔
⑤	مقامی کمانڈروں کے مفتوحہ علاقوں کے عوام کے نام خطوط	۵	۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے دور کی دستاویزات

نمبر شمار	دستاویزات کی نوعیت	تعداد	الوثائق میں وثیقہ نمبر
①	حضرت عمر کے اہلکاروں/ مقامی کمانڈروں کے نام خطوط	۱۹	۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۷، ۳۱۲، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۲۵، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۴۲، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۶، ۳۶۷۔
②	مقامی کمانڈروں /اہلکاروں کی طرف سے خلیفہ کی طرف خطوط	۱۳	۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۴۷۔
③	اہلکاروں کے تقرر نامے	۱	۳۲۶۔
④	معاہدات	۳۲	۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۶، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۸، ۳۶۹۔
⑤	متفرق	۳	۳۴۴، ۳۴۵، ۳۷۰۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دور کی دستاویزات

نمبر شمار	دستاویزات کی نوعیت	تعداد	الوثائق میں وثیقہ نمبر
①	اہلکاروں کے نام خطوط	۲	۳۷۰، ۳۷۱۔

❸ ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے مدون کردہ وثائق کے اہم خصائص

① الوثائق کے مصادر و مراجع کی نوعیت

ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے وثائق کے اہم مصادر کا ذکر کیا ہے اور ان پر نقد بھی کیا ہے چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ عہدِ نبویؐ کے وثائق کا سب سے اہم مصدر طبقات ابن سعد ہے جبکہ خلفاء راشدین کے دور کے معاہدات کے مصادر تاریخ طبری اور بلاذری کی ''فتوح البلدان'' ہیں۔طبری نے تاریخی واقعات کو مختلف روایات سے لیا ہے اور ایسی روایات بھی شامل ہوگئی ہیں جو ثقہ نہیں ہیں۔طبقات ابن سعد میں مصنف نے یہ کوشش کی ہے زیادہ سے زیادہ روایات کو جمع کر لیا جائے اور انہوں نے روایات کی چھان پھٹک کو ضروری خیال نہیں کیا۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ کہتے ہیں کہ ہمارے مصادر میں سے اہم مصدر ابوعبید القاسم بن سلام کی ''کتاب الاموال'' بھی شامل ہے یہ اگرچہ ایک معتبر مصدر ہے لیکن کہیں کہیں بعض جملوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔

ابن ہشام کی ''السیرۃ النبویہ'' اور امام ابویوسف کی ''کتاب الخراج'' مصادر میں سے نہ صرف سب سے قدیم ہیں بلکہ سب سے زیادہ ثقہ اور جامع بھی ہیں۔

② وثائق کے ذکر میں مصادر کی ترتیب

ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے ہر وثیقہ کے اختتام پر مصادر کو تاریخی اعتبار سے درج کیا گیا ہے نیز مختلف مصادر میں الفاظ اور ترتیب کے جو اختلافات پائے جاتے ہیں ان کو بھی درج کر دیا گیا ہے یہ اختلافات روایات بالمعنی کے نتیجے میں سامنے آئے ہیں اور ان سے کئی اہم نتائج سامنے آتے ہیں۔کئی دستاویزات کی نص بعض مصادر میں بیان ہوئی ہے۔جبکہ دوسرے مصادر میں نص موجود نہیں لیکن دستاویز کا ذکر موجود ہے چنانچہ ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے وثائق کے مصادر میں اس قسم کے اختلافات کا ذکر بھی کیا ہے۔ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے ہر وثیقہ کو ایک نمبر دیا ہے اور اس وثیقہ کے اختتام پر رموز واشارات سے مصادر کی طرف اشارہ کیا ہے۔ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے جو رموز استعمال کی ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

بآ ...... سیرۃ ابن اسحاق (فارسی ترجمہ)　　بعح ...... ابن عبد الحکم

بث...... اسد الغابة لابن الأثير

بح...... الإصابةلابن حجر

بحز...... ابن حزم

بحن...... مسند احمد بن حنبل

يد...... سنن ابى داؤد

بس...... طبقات ابن سعد

بسن...... سيرة ابن سيد الناس

بط...... اعلام السائلين لابن طولون

بع...... ابو عبيد

بعب...... الاستيعاب لابن عبدالبر

قلقش......القلقشندى

بعر...... ابن عبد ربه

بق...... زاد المعاد لابن القيم

بك...... ابن كثير

بلاد...... البلاذرى فتوح البلدان

به...... سيرة ابن ہشام

ببو...... الخراج لابى يوسف

ديب...... الديبلى

طب...... تاريخ الطبرى

عمخ...... عبد المنعم خان

قس...... القسطلانى

ع......عدد والمراد بالعدد عند ذكر

ب...... کتاب کے ورقه کی دوسری طرف (مثلا ورق ۲۰ ب)

الطرف الاول (مثلاً ورق۹)

ص...... الصفحة

ف...... الفقرة والفصل

ج...... الجزء او المجلد

س...... سطر

انظر...... يشير إلى البحوث الحديثة

[ ]+ ...... علامة الإضافة والمضاف

...... علامة الحذف

......علامة الاستمرار فى الرواية

قابل......يشير إلى الروايات غير الكاملة من الوثائق۔

③ وثائق کی زبان

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کہتے ہیں کہ مسلمانوں نے قرآنی عربی زبان کو بہت اہتمام سے محفوظ کیا ہے لیکن کچھ الفاظ ایسے ضرور ہیں جن کا استعمال آج کل کی عربی زبان میں نہیں ہو رہا اس قسم کے بعض الفاظ کا استعمال وثائق کی عبارت میں ہوا ہے جو ان وثائق کی اصل ہونے کی نشانی ہے۔

> ''مثلاً وثیقہ نمبر ۹۰ میں ''حق'' کا لفظ زکاۃ کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اسی طرح وثیقہ نمبر ا میں ''کتاب'' کا لفظ ''الفرض'' کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ اس طرح وثیقہ نمبر ۲۹۴ میں غلب کا لفظ مغلوب کے معنوں میں استعمال ہوا ہے۔ وثیقہ نمبر ۳۱۶ میں ذکر کا لفظ صلوٰۃ کے معنوں استعمال ہوا ہے''۔

لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ ہر جگہ غریب الفاظ کا استعمال درست ہو۔ عربی ادب میں بعض اوقات مصنفین نے تفاخر کے اظہار کے لیے غریب اور شاذ الفاظ کا استعمال کیا ہے۔ ابن الأثیر نے رسول اللہ ﷺ سے منسوب ایک خط میں غریب الفاظ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:

> ''ترکنا ذکرہ لأن رواتہ نقلوہ بألفاظ غریبۃ وبدّلوھا وصحّفوھا'' (۱۰)

> ''ہم نے اس (خط) کا ذکر کرنا چھوڑ دیا ہے کہ کیونکہ اس کو روایت کرنے والوں نے غریب الفاظ کا استعمال کیا اسے تبدیل کیا ہے اور اس میں تبدیلی کی ہے''۔

یہ خط وثیقہ نمبر ۱۳۳ میں موجود ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے نزدیک اس وثیقہ کے درست ہونے کا کم ہی امکان ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ لکھتے ہیں کہ صدر الاسلام میں عربی زبان سادہ اور فصیح تھی اور پر تکلف الفاظ کا استعمال اس میں موجود نہ تھا۔ بعض وثائق کے پر تکلف الفاظ ان وثائق کی صحت کو مشکوک کر دیتی ہے جیسا کہ واقدی کے روایت کردہ وثیقہ نمبر ۵۱، ۵۲ اور ۹۱ کی زبان ہے ان وثائق کے برعکس وثیقہ نمبر ۳۱ اور ۱۸۱ جو کہ اہل ایلا اور اہل الطائف کے ساتھ معاہدات سے متعلق ہیں کا اسلوب عربی اصل ہے اور ان وثائق کی صحت پر دلالت کرتا ہے۔

④ وثائق کے مندرجات

رسول اللہ ﷺ سے منسوب ایسے امان نامے جو مسلمان قبائل کے لیے لکھے گئے تھے اور ان میں ان قبائل سے دینی فرائض کی ادائیگی کے لیے کہا گیا ہے کہ درست ہونے میں کوئی امر مانع نہیں کیونکہ کسی کے لیے اس میں فائدہ کی کوئی بات نہیں۔ اگر کوئی تفاخر کے لیے ایسا امان نامہ گھڑے گا تو اس کا اظہار امان نامے کے اسلوب سے ہی ہو جائے گا۔ اس بناء پر ایسے امان نامے جن میں قبائل سے فرائض کی ادائیگی کا مطالبہ کیا گیا ہے اور ان کا اسلوب دورِ رسالت کے عمومی اسلوب تحریر سے مطابقت رکھتا ہے تو اس کو درست تسلیم کرنے میں کوئی امر مانع نہیں تاہم ایسے وثائق جن میں فرائض کی جگہ صرف حقوق کا ذکر ہے اور ایسی چیزوں کا بھی ذکر ہے جو دورِ رسالت میں نہ تھیں ان وثائق کو درست تسلیم نہیں کیا جاسکتا جیسے کہ یہودیوں کے بعض معاہدات جن کے متعلق یہودی یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ وثائق انصاری یہود اور مجوسیوں کے ساتھ کیے گئے معاہدات پر مبنی ہیں۔

بعض غیر محتاط مؤرخین نے بعد کے ادوار میں ابتدائی دور کے وثائق کی نصوص کو شامل کر دیا ہے جیسا کہ نجاشی کی طرف رسول اللہ ﷺ کا مکتوب، جس میں ام حبیبہ سے نکاح کروانے اور مہاجرین حبشہ کو مدینہ بھیجنے کا ذکر ہے۔ مثلاً وثیقہ نمبر ۲۴، ۲۵ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ایسے وثائق کو موضوع وثائق میں شمار کرتے ہیں۔

بعض وثائق کی عبارت بہت طویل ہیں چونکہ زیادہ تر وثائق روایتوں پر مبنی ہیں اس لیے طویل نصوص میں تحریف اور اختلاف کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا۔ بعض وثائق کی قراءت میں بھی اختلاف پیدا ہوا ہے جیسا کہ وثیقہ نمبر ۲۷ جس میں اسم ''الاکبر بن عبدالقیس'' لکھا گیا ہے جبکہ یہ نام انساب اور رجال کی کتب میں موجود نہیں ہے ہوسکتا ہے کہ یہ لکیذ بن عبدالقیس کا مصحف ہو جس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کی طرف مبعوث وفد قیس میں موجود ہے (۱۹)

⑤ املاء کی غلطیاں

اس بات سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وثائق میں املاء کی غلطیاں بھی موجود ہیں اور اس بات کا امکان بھی موجود ہے کہ بعض کاتبوں نے نقل کے دوران ہی عربی قواعد صرف ونحو کی روشنی میں موجود غلطیوں کو درست کر دیا ہو۔ مثلاً ''ابن ابو'' جیسی عبارتیں جو کہ قواعد صرف ونحو کی روشنی میں ابن ابی وغیرہ کر دی گئیں لیکن ڈاکٹر حمید اللہؒ کہتے ہیں کہ:

''اس کے باوجود میں نے چار جگہوں پر ایسے الفاظ موجود پائے ہیں۔''(۲۰)

بعض وثائق کے متعلق اس امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا کہ ان وثائق کو سیاسی مقاصد کے لیے گھڑ لیا گیا ہو مثلاً البلاذری اہل نجران کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے معاہد کی شروط کو روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''وقال یحیی بن آدم: وقد رایت کتاباً فی ایدی النجرانین کانت نسخته شبیهةً بهذه النسخة وفی اسفله: وکتب علی بن ابی طالب۔ ولاادری ماذا اقول فیه۔ (۲۱)

بعض وثائق میں لوگوں نے اپنی خواہشات کے لیے اضافے بھی کیے ہیں۔(۲۲)

⑥ وثائق کا تحقیقی معیار

ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ نے وثائق کے تحقیقی اعتبار سے حتمی اور درست ہونے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ انہوں نے کئی ایسے وثائق کی خود بھی نشاندہی کی ہے جن میں سقم موجود ہیں اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ وثائق السیاسیۃ کا ڈاکٹر محمد حمیداللہؒ کا کام ایک بنیادی نوعیت کا کام ہے اور اب یہ موجود محققین کی ذمہ داری ہے کہ ان وثائق پر مزید تحقیق کر کے ان کے بارے میں نئے حقائق کو منظر عام پر لائیں۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ عون الشریف قاسم، نشاۃ الدولۃ الإسلامیۃ علی عہد رسول اللہ ﷺ، (دارالکتب الإسلامیۃ، بیروت ۱۹۸۱م، ص : ۹۔

۲۔ عون الشریف قاسم، م،ن، ص:۹۔

۳۔ ابن سعد، محمد بن سعد، الطبقات الکبریٰ دار صادر، بیروت، ۱/۲۵۸

۴۔ دیکھیے : محمد حمید اللہ، رسول اللہ ﷺ کی سیاسی زندگی، وعون الشریف قاسم، م۔ن، ص : ۱۰۔

۵۔ محمد حمید اللہ، الوثائق، مقدمہ۔

۶۔ ابن طولون، إعلام السائلین : ص ٦، و ابن سید الناس، عیون الأثر : ۲/۲٦٦۔

۷۔ ابن طولون، إعلام السائلین، ص : ۴۸ : ۵۳۔

۸۔ ابن ہشام، السیرہ النبویۃ (دار احیاء التراث العربی ۱۹۹۴)، ۴/۲٦۳۔

۹۔ ابن سعد، الطبقات، ۷/ ۱۴۱۔

۱۰۔ ابن ندیم، محمد بن ابن یعقوب اسحاق، الفہرست، تحقیق رضا تجدد، ص ۱۱۳۔

۱۱۔ ابن حجر، احمد بن علی بن حجر العسقلانی، الاصابۃ فی تمیز اصحابۃ، (دار احیاء التراث العربی، بیروت ۱۳۲۸ھ): ۱/۵۲۰۔

۱۲۔ ابن حجر، فتح الباری شرح صحیح البخاری، (دار المعرفۃ بیروت ۸/۹٦)، ۸/۱۷۷۔

۱۳۔ عون الشریف، قاسم، م، ن، ص : ۱۱

۱۴۔ عون الشریف قاسم، م، ن، ص : ۴۱۔

۱۵۔ ابو عبید، کتاب الاموال، (دار الفکر ۱۹۸۸)، ص ۳۴۸۔

۱٦۔ عون الشریف قاسم، م،ن، ص : ۱۱۔

۱۷۔ محمد حمید اللہؒ، الوثائق، ص : یہ۔

۱۸۔ م، ن، مقدمہ۔

١٩۔ السهیلی، (عبد الرحمن ، الروض الأنف فی شرح السیرة النبویة لإبن ہشام ، دارالکتب الحدیثه ص ٤٢٨/٧۔

٢٠۔ دیکھیے : الوثائق کے وثیقه نمبر ٢١ ، ٢٢، ٣٣، ٨٠۔

٢١۔ البلاذری ، فتوح البلدان، ص ٥٠۔

٢٢۔ الوثائق ، مقدمه ۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا مطالعہ ادیان و مذاہب

* ڈاکٹر محمد عبداللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ (۱۹۰۸ء-۲۰۰۲ء) کی علمی دلچسپیوں اور تحقیقات و تصنیفات کا دائرہ بہت وسیع بھی ہے اور متنوع بھی۔ قانون بین الممالک سے تو انہیں آغاز ہی سے دلچسپی تھی تاہم قرآنِ حکیم، حدیث، سیرت النبی، اسلامی تاریخ، فقہ و قانون کے مختلف گوشوں میں نادر تحقیقات پیش کیں۔ اسلامی ادبیات وعلوم میں ان کی وسیع و متنوع تحقیقات وتحریرات کے باوصف ان کے مطالعہ کی خاص بات ملل واقوام اور ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ پیش کرنا ہے اور یہ خاصیت انہیں مختلف زبانوں کی مہارت اور وسیع مطالعہ سے حاصل ہوئی ہے۔ اردو، انگریزی، فارسی، عربی تو گویا ڈاکٹر مرحوم کی گھر کی زبانیں تھیں اس کے علاوہ فرانسیسی، جرمنی، اطالوی، ترکی اور روسی زبانوں میں بھی مہارت رکھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اردو، عربی، انگریزی اور فرانسیسی زبانوں میں معرکتہ الآراء تخلیقات وتحقیقات پیش کیں۔

مطالعہ ادیان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی دلچسپیوں کے محرکات

اگر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مطالعہ ادیان و مذاہب کے محرکات اور دلچسپیوں پر غور کیا جائے تو اس کا ایک بنیادی سبب دنیا کی مختلف زبانوں سے دلچسپی ہے۔ اور یہ دلچسپی قانون بین الممالک کے وسیع مطالعہ اور قرآن حکیم کے تراجم کی بدولت پیدا ہوئی ہے۔ دوسرا محرک ڈاکٹر مرحوم کا یورپ کے مرکز فرانس (پیرس) میں قیام پذیر ہونا ہے جو مختلف مذاہب، گوناگوں بوقلمونی تہذیبوں اور زبانوں کا مرکز ہے۔ ان محرکات و اسباب کا مختصر تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی اوّلین دلچسپی بین الاقوامی اسلامی قانون سے تھی چنانچہ جب آپ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن میں قانون بین الممالک کے استاد مقرر ہوئے تو انہوں نے طلباء کی تدریسی ضروریات کے پیش نظر اس موضوع پر پہلی کتاب، قانون بین الممالک کے اصول اور نظیریں، مرتب کی۔ کتاب کے پیش لفظ میں مصنفؒ نے موضوع کی دقت

* لیکچرار شعبہ علوم اسلامیہ (قائداعظم کیمپس) پنجاب یونیورسٹی لاہور۔

کے بارے میں تحریر کیا، اس کتاب کا موضوع ہمارے ملک کے لئے تو نہیں البتہ ہماری زبان کے لئے بالکل نیا ہے اس پر کوئی کتاب ہی نہیں۔ کوئی مضمون تک ہندوستانی زبان میں میرے دیکھنے میں نہیں آیا...... نصاب میں جس انگریزی کتاب کے دیکھنے کی سفارش کی گئی ہے وہ گیارہ سال پرانی ہے اس کے مواد کو عصری بنانا پہلا مقصد ہے۔(۱)

چنانچہ اس فن پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے قلم اٹھایا اور خوب لکھا چونکہ اس فن کے لئے قدیم وجدید، مشرق ومغرب کی تاریخ قانون کا مطالعہ ناگزیر تھا۔ یہی وجہ ہے انہوں نے مذکورہ فن کو کمال تک پہنچایا اور اس ضمن میں مصر، فلسطین، ہندوستان، یونان، روم کے ساتھ ساتھ یہودیت، مسیحیت اور اسلام کے اثرات کا تفصیلی مطالعہ پیش کیا۔ ڈاکٹر محمد الیاس اعظمی کے مطابق، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب مسلمانوں میں قانون بین الممالک کے پہلے ایسے ماہر ہیں جنہوں نے مختلف زبانوں سے واقفیت کے سبب مختلف قدیم وجدید قوموں اور ملکوں کے بین الممالک اصول وتصورات اور قوانین کا مطالعہ کیا اور کتابیں قلم بند کیں۔(۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی دوسری اہم دلچسپی قرآن حکیم کے تراجم سے تقریباً آغاز ہی سے رہی اس ضمن میں تراجم قرآن حکیم کی فہرست (Bibliography) ''القرآن فی کل لسان'' قابل ذکر ہے جس میں آپ ہر لحہ، ہر زبان میں تازہ بہ تازہ قرآن پاک کے تراجم کا اضافہ کرتے نظر آتے ہیں۔ اپنے ایک مکتوب میں یہ انکشاف کرتے ہیں ''القرآن فی کل لسان'' میں اب تک ڈیڑھ سو زبانوں میں ترجمے الحمدللہ شائع ہو چکے ہیں، (۳) ڈاکٹر محمد حمید اللہ قرآنی خدمت کی اس علمی دلچسپی میں حد درجہ حریص نظر آتے ہیں کہ مختلف ممالک میں اپنے علم دوست احباب کو مکتوبات کے ذریعے اس طرف متوجہ کرتے ہیں۔ ایک مکتوب میں لکھتے ہیں ''اگر پاکستان میں اردو، انگریزی یا دیگر زبانوں کے تراجم چھپیں تو ان شاء اللہ اس خادم کو آپ یاد رکھیں گے(۴) اسی طرح فرانسیسی ترجمہ قرآن کے دیباچے (پندرھویں ایڈیشن) میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یورپی زبانوں میں تراجم قرآن کا ذکر کیا ہے۔(۵) دنیا کی ان اہم زبانوں میں مہارت سے مطالعہ مذاہب سے دلچسپی پیدا ہونا لازمی امر ہے۔

مطالعہ مذاہب میں دلچسپی کا دوسرا بڑا محرک ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا یورپ کے اہم ملک فرانس (پیرس) میں مستقل قیام پذیر ہونا ہے۔ یہاں پر آپ کا زیادہ کام انگریزی، فرانسیسی اور جرمن زبان میں ہوا۔ دوسرے مذاہب کے پیروکاروں سے ملنے اور ان کے افکار وخیالات سے براہ راست آگاہ ہونے کا موقع ملا۔ اسی طرح مستشرقین کے اسلام کے بارے میں لٹریچر اور ان کے منہج واسلوب سے نہ صرف آگاہی ہوئی بلکہ آپ کا بیشتر تحقیقی وتصنیفی کام اسی ماحول میں

ہوا۔علاوہ ازیں ایک داعی اور مبلغ کے لئے ضروری ہے کہ وہ نہ صرف عصری علوم وفنون کے ہتھیاروں سے مسلح ہو بلکہ وہ دیگر اقوام وملل، ان کی تہذیب، زبانوں اور مذاہب سے بھی گہری واقفیت رکھتا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے لسانی مہارت اور استعداد کو دعوتی وتبلیغی مقاصد کے لئے بھرپور طریقے سے استعمال کیا اور ان مغربی زبانوں میں سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلامی قانون کے علاوہ اسلام کے عقائد وعبادات اور اس کی معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور سیاسی تعلیمات پر مختصر لیکن جامع کتب تصنیف کیں۔(٦)

مغرب کے مسیحی پس منظر کے پیش نظر ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی تصانیف کے ذریعے اسلام اور دیگر مذاہب بالخصوص مسیحیت کا تقابلی جائزہ بھی پیش کرتے رہے۔فرانس کے بعض اشاعتی اداروں نے مختلف دینیاتی و مذہبی مسائل پر ایسی کتب شائع کی ہیں جن میں مختلف مذاہب کے علماء کی تحریریں کہ جن میں مصنفین نے اپنے اپنے مذہب کا موقف پیش کیا ہے شامل کی گئی ہیں۔محمد حمید اللہ ایسی متعدد کتب کے شریک مصنف ہیں۔ایسی ہی ایک کتاب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر شائع ہوئی ہے تین ابواب پر مشتمل اس کتاب کا ایک باب ڈاکٹر صاحب کے قلم سے نکلا ہے جبکہ بقیہ دو ابواب یہودی اور عیسائی علماء کے ہیں۔اس باب میں انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نبوت و رسالت اور ان کی دعوت و تعلیمات کو اسلامی مآخذ کی روشنی میں اجاگر کیا ہے۔(٧) اسی طرح ڈاکٹر صاحب اپنی علالت سے قبل مسیحی اور اسلامی مآخذ کی روشنی میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حالات بھی تصنیف کر رہے تھے (٨) بلاشبہ اس نوعیت کی علمی و تحقیقی سرگرمیاں مسیحی حلقوں میں دعوت کے نقطہ نظر سے بڑی اہمیت وافادیت کی حامل ہیں۔ان کی بدولت سابق الہامی مذاہب اور ان کی اہم شخصیات کے بارے میں اسلام کے موقف کی اشاعت کا موقع ملتا ہے۔اسلام اور دیگر الہامی مذاہب کے باہمی تعلق کے بارے میں مسیحی حلقوں میں پائی جانے والی غلط فہمیوں کے ازالہ میں مدد ملتی ہے یہی وجہ ہے کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ مغرب میں دعوت اسلام کے سلسلہ میں مسیحیت کے تنقیدی مطالعہ کو بہت اہمیت دیتے تھے۔(٩) مختلف زبانوں میں مہارت، وسیع مطالعہ اور دیگر اقوام وملل سے ارتباط واختلاط کے سبب آپ کی تحقیقات، تصانیف و مقالات میں ادیان و مذاہب کا تقابلی مطالعہ نہایت دلچسپی کا حامل ہے۔ادیان و مذاہب کے تقابلی مطالعہ کی یہ چاشنی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کم وبیش تمام ہی تحریروں میں پائی جاتی ہے، اپنی معروف تصنیف Introduction to Islam کا آغاز اس اقتباس سے کرتے ہیں:

"In the annals of men, individuals have not been lacking who conspicuously devoted their lives to the socio-religious reform of their connected peoples. We find them in every epoch and in all lands. In India, there lived those who transmitted to the world the Vedas, and there was also the great Gautama Budha; China had its confucious; the Avesta was produced in Iran. Babylonia gave to the world one of the greatest reformmers the prophet Abraham (not to speak of such of his onces tors as Enoch and Noah about whom we have very scanty information). The Jewish people may rightly be proud of a long series of reformers: Moses, Samuel, David, Soloman and Jesus among others". (10)

پروفیسر عبدالقیوم قریشی ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے تقابلی مطالعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''ڈاکٹر صاحب السنہ شرقیہ یعنی اردو فارسی، عربی اور ترکی کے علاوہ انگریزی، فرانسیسی، جرمن، اطالوی وغیرہ زبانوں پر بھی عبور رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے۔ چنانچہ مختلف اقوام وادیان کے تاریخی اور تقابلی مطالعے کی بدولت آپ کے مقالات اور تصانیف کا علمی و تحقیقی مرتبہ نہایت بلند ہے۔ تبلیغ اسلام کے سلسلے میں آپ کو اسی لسانی مہارت سے بڑی مدد ملی۔ آپ نے اہل مغرب کو اسلام کی حقیقی تعلیمات اور پیغمبر اسلام کی سیرت طیبہ سے متعارف کرانے کے لئے مختلف یورپی زبانوں میں سینکڑوں مقالات اور متعدد کتابیں لکھیں۔ آپ اپنی تقریروں اور تحریروں میں عام مبلغوں کا مناظراتی اور جارحانہ انداز کبھی اختیار نہیں کرتے بلکہ قدیم وجدید مآخذ کے تحقیقی مطالعے سے اپنے نتائج فکر نہایت محتاط اور مثبت طریقے سے پیش کر دیتے ہیں چنانچہ آپ کی تحریر و تقریر کا یہ سائنٹیفک انداز اور

استدلال واستنباط کا مجتہدانہ اسلوب جدید دور کے سنجیدہ علمی مذاق کو بہت متاثر کرتا ہے'' (۱۱)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ خود بھی مذاہب وادیان کے تقابلی مطالعے کا ذکر اسلامی ادبیات میں نہایت دلچسپی سے کرتے ہیں۔ اس اسلوب کی اہمیت پر انہوں نے یوں روشنی ڈالی ہے:

> ''قرآن مجید میں مختلف مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے سلسلے میں بہت سے مذاہب کے عقائد کا ذکر آیا ہے (۱۲) خواہ یہ ذکر ان کی تردید کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو لہٰذا قرآن مجید کو پڑھنے والے کا فریضہ یہ بھی ہوگا کہ تفسیر یا دوسرے وسائل کے ذریعے ان مختلف ادیان کے متعلق اپنی معلومات میں اضافہ کرے ایسی معلومات اس کے لئے تبلیغ دین کے سلسلے میں بھی کارآمد ہو سکتی ہیں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں سے مناظرے کے وقت بھی۔ مثلاً دوسرے مذاہب کے لوگ سوال یا اعتراض کریں تو ان کے مذاہب سے واقفیت بعض اوقات بڑی کارآمد ثابت ہوتی ہے''۔ (۱۳)

چنانچہ ہم نے زیرِ نظر مقالہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی انہی دلچسپیوں کا جائزہ لیا ہے اور ان کی تصانیف و مقالات میں ادیان و مذاہب کے تقابلی مطالعے پر قلم اٹھایا ہے۔ مقالہ کے ذیلی عنوانات اس ترتیب سے سامنے آتے ہیں:

① مذاہب عالم کی کتب وصحائف۔

② مذاہب عالم کے عقائد۔

③ مذاہب عالم میں عبادات۔

④ مذاہب عالم کی تعلیمات۔

⑤ اصطلاحات مذاہب عالم۔

⑥ اسلام اور رواداری۔

⑦ مطالعہ ادیان و مذاہب کا متفرق مواد۔

⑧ خلاصہ بحث۔

❶ مذاہب عالم کی کتب وصحائف (Sacred Books of World Religions)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنی تصنیفات میں کئی مقامات پر مذاہب عالم کی کتابوں صحیفوں اور نوشتوں کو موضوع بنایا ہے اور پھر کچھ سوالات اٹھا کر ان کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان کے خیال میں:

"All the important religions of the world are based on certain sacred books, which are often attributed to divine revelations. It will be pathetic if, by some misfortune, one were to lose the original text of the revelations; the substitute could never be in entire confirmity with what is lost. The Brahmanists, Buddists, Jews, Paris and Christians may compare the method employed for the preservation of the basic teachings of their respective religions with that of the Muslims. Who wrote their books? Who transmitted them from generation to generation? Has the transmission been of the original texts or only their Translations? Have not fratricidal wars caused damage to the copies of the texts? Are there no internal contradictions or lacunac to which references are found elsewhere? These are some of questions that every honest seeker of truth must pose and demand satisfatory replies". (14)

ذیل میں کتب وصحائف کے حوالے سے ان کی تحقیقات پیش کی جاتی ہیں۔

○ صحفِ انبیاء

حضرت آدم علیہ السلام پر دس صحیفے نازل ہوئے تھے لیکن یہ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہمیں یہ بھی معلوم نہیں وہ کس زبان میں تھے چہ جائے کہ ان کے مندرجات کا علم ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے حضرت شیث علیہ السلام بھی پیغمبر تھے۔ ان کے متعلق بعض روایات میں ذکر ملتا ہے کہ ان پر بھی چند کتابیں نازل ہوئی تھیں لیکن ان کا بھی دنیا میں اب کوئی وجود نہیں۔ قدیم ترین نبی جس کی طرف منسوب کتاب کا کچھ حصہ ابھی حال ہی میں ہم تک پہنچا ہے حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ کچھ عرصہ پہلے فلسطین میں بحر مردار (Dead Sea) کے پاس بعض غاروں میں کچھ مخطوطے ملے ہیں۔ ان مخطوطوں میں سے ایک کتاب حضرت اخنوخ یا انوخ (۱۵) یعنی حضرت ادریس علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ حال ہی میں اس کتاب کے کچھ تراجم انگریزی زبان میں شائع ہوئے ہیں۔ اگرچہ اس بات کا کوئی حتمی و قطعی ثبوت موجود نہیں لیکن اب تک کی تحقیق کے مطابق ہم اسے قدیم ترین نبی کی کتاب کہہ سکتے ہیں۔ اس کتاب میں آخری نبی کی بشارت بھی ہے جس کو بعد میں عہد جدید (انجیل) کے باب مکتوب یہودا نے بھی نقل کیا ہے۔ (۱۶)

حضرت ادریس علیہ السلام کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بھی ہمیں کچھ اشارے ملتے ہیں عراق میں صابیہ کے نام سے ایک چھوٹا سا گروہ پایا جاتا ہے۔ جس کا ایک مستقل دین ہے۔ ان کا یہ دعویٰ ہے کہ ہم حضرت نوح علیہ السلام کی کتاب اور ان کے دین پر عمل پیرا ہیں۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ ایک زمانے میں حضرت نوح علیہ السلام کی پوری کتاب ہمارے پاس موجود تھی لیکن امتداد زمانہ کے باعث اب وہ ناپید ہے۔ اس کے مندرجات صرف چار پانچ سطروں میں ہمارے پاس موجود ہیں۔ جن میں اخلاقی تعلیم دی گئی ہے۔ اس کے بعد ایک اور نبی آئے جن کی کتاب کا ذکر خود قرآن مجید میں موجود ہے۔ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں۔ صحف ابراہیم و موسیٰ (۱۷) میں اس کا ذکر آیا ہے۔ ان کی کتاب [صحیفہ] کے مندرجات یہودی اور عیسائی ادبیات میں تو نہیں۔ قرآن مجید میں چند سطروں کی حد تک محفوظ ملتے ہیں۔ (۱۸)

○ اوستا (Avesta)

مجوسیوں کا مذہب زردشت کی لائی ہوئی کتاب 'اوستا' پر مبنی ہے۔ اوستا کے بارے میں کچھ معلومات ہیں۔ زردشت کی کتاب اس وقت کی 'زند' زبان میں تھی کچھ عرصہ کے بعد ایران پر دوسری قوموں کا غلبہ ہوا اور نئے فاتحین کی زبان وہاں رائج ہوئی۔ پرانی زبان متروک ہوگئی نتیجہ یہ ہوا کہ ملک میں مٹھی بھر عالم اور متخصصین کے سوا زند زبان جاننے والا کوئی نہ رہا۔ اس لئے زردشتی مذہب کے علماء نے نئی زبان پازند میں اس کتاب کا خلاصہ اور شرح لکھی۔ آج کل ہمارے پاس اس نسخے کا صرف دسواں حصہ موجود ہے۔ باقی غائب ہو چکا ہے۔ اس دسویں حصے میں بھی کچھ چیزیں عبادات کے متعلق ہیں اور کچھ دیگر احکام ہیں۔ بہرحال دنیا کی ایک اہم کتاب کو اوستا کے نام سے جانتے ہیں لیکن وہ مکمل حالت میں ہم تک نہیں پہنچ سکی۔ (۱۹)

○ ہندومت کی کتب

ہندوستان میں بھی کچھ دینی کتابیں پائی جاتی ہیں اور ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ یہ خدا کی طرف سے الہام شدہ ہیں۔ ان مقدس کتابوں میں وید' پران' اپنشد اور دوسری کتابیں شامل ہیں۔ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ سب کتابیں ایک ہی نبی پر نازل ہوئی ہیں۔ ممکن ہے متعدد نبیوں پر نازل ہوئی ہوں۔ بشرطیکہ وہ نبی ہوں۔ ان میں بھی خصوصاً پران نامی کتابوں میں کچھ دلچسپ اشارے ملتے ہیں۔ پران وہی لفظ ہے جو اردو میں پرانا یعنی قدیم ہے۔ اس کی طرف قرآن مجید میں ایک عجیب وغریب اشارہ ملتا ہے۔ وَإِنَّـهُ لَـفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (۲۰) اس چیز کا پرانے لوگوں کی کتابوں میں ذکر ہے' میں نہیں جانتا کہ اس کا پران سے کوئی تعلق ہے یا نہیں؟ بہرحال دس پران ہیں اس میں بھی آخری نبی کے بارے میں پیشین گوئی موجود ہے۔ (۲۱)

○ توریت (Torah)

حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل ہوئی وہ ''توریت'' کہی جاتی ہے لیکن دراصل توریت اس کتاب کا ایک جزء ہے توریت کے معنی ہیں' 'قانون'' یہودی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف پانچ کتابیں منسوب کرتے

ہیں۔(۲۲) پہلی کتاب' کتاب پیدائش کہلاتی ہے(۲۳) دوسری کتاب ''کتاب خروج'' جو مصر سے نکلنے کے حالات پر مشتمل ہے(۲۴) تیسری کتاب قانون ہے (۲۵) چوتھی کتاب کا نام اعداد وشمار ہے (۲۶) کیونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حکم دیا تھا کہ یہودیوں کی قبیلے وار مردم شماری کی جائے۔ پانچویں کتاب تثنیہ کے نام سے موسوم ہے(۲۷) جس کے معنی یہ ہیں کہ پرانی چیزوں کو دوبارہ دہرایا جائے۔ان کو Uptodate کیا جائے یا ان کی تشریح کی جائے۔ شروع شروع میں یہودیوں کے ہاں یہ پانچویں کتاب (تثنیہ) نہیں پائی جاتی تھی۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھ سوسال بعد ایک جنگ کے زمانے میں ایک شخص ملک کے اس وقت کے یہودی بادشاہ کے پاس ایک کتاب لایا اور کہا کہ مجھے یہ ایک کتاب غار سے ملی ہے معلوم نہیں کس کی ہے مگر اس میں دینی احکام نظر آتے ہیں بادشاہ نے اپنے زمانے کی ایک نبیہ عورت [Hulda] کے پاس اس نسخے کو بھیجا، یہ کہلا بھیجا کہ یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی کتاب ہے چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے چھ سوسال بعد اسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب کیا جانے لگا۔ اس کتاب کو تثنیہ کا نام اس لئے دیا گیا کہ اس میں پہلی چار کتابوں کے احکام میں سے چھ احکام خلاصے کے طور پر اور کچھ اضافے کے ساتھ دہرائے گئے ہیں۔ (۲۸) بہرحال ان پانچ کتابوں [خمسہ موسوی] کی سرگزشت یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد آنے والے انبیاء کے زمانے میں یہودیوں نے فلسطین کا کچھ حصہ فتح کیا اور وہاں حکومت شروع کی تو کچھ عرصے بعد عراق کے حکمران بخت نصر (بنوکدنصر) نے فلسطین پر حملہ کیا(۲۹) چونکہ اس کا دین یہودیوں کے دین سے مختلف تھا اس لئے اس نے صرف ملک فتح کرنے پر ہی اکتفا نہ کیا بلکہ ان دشمنوں کے دین کو بھی دنیا سے نیست و نابود کرنے کے لئے توریت کے تمام قلمی نسخوں کو جمع کر کے آگ لگا دی۔حتیٰ کہ توریت کا ایک نسخہ بھی باقی نہ رہا یہودی مورخوں کے مطابق اس کے ایک سوسال بعد ان کے نبی حضرت عزرا (Esdra) جو شاید عزیر علیہ السلام ہوں' یہ کہا کہ مجھے توریت زبانی یاد ہے۔انہوں نے توریت املا کروائی۔توریت کے اس اعادے کے کچھ عرصے بعد روما کے ایک حکمران اینٹوکس (Antiochus) نے وہی کام کیا جو بخت نصر نے کیا تھا۔یعنی یہودیوں کی تمام کتابیں جمع کر کے جلا دیں اس طرح وہ دوسری مرتبہ نیست و نابود کر دی گئیں۔(۳۰)

اس کے کچھ عرصے کے بعد ایک اور رومی حکمران طیطس (Titus) نامی کمانڈر کی ماتحتی میں اک فوج بھیجی اور اس نے تیسری مرتبہ فلسطین میں دستیاب شدہ یہودیوں کی تمام کتابوں کو جلا دیا۔

"The books of Moses records tell us how they were repeatedly destroyed and only partly restord". (31)

اب ہمیں توریت کے نام سے جو کتاب ملتی ہے وہ بائبل کے حصہ عہد نامہ قدیم (Old Testament) میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب پانچ کتابیں ہیں یہ کتابیں تین چار مرتبہ کی آتش زدگی کے بعد اعادہ شدہ شکلیں ہیں۔ ان کا اعادہ کس طرح ہوا اور کس نے کیا۔ اس کے متعلق ہمیں کوئی علم نہیں۔ البتہ جو شخص ان کتابوں کو پڑھتا ہے تو اسے دو چیزوں سے سابقہ پڑتا ہے۔ بعض اوقات اسے ایسی چیزیں نظر آتی ہیں۔ جو کھٹکتی ہیں اور اسے احساس ہوتا ہے کہ یہ اصل میں نہ ہوگی بعد کا اضافہ ہیں۔ بعض مقامات پر کمی محسوس ہوتی ہے اور تشنگی باقی رہتی ہے۔ چنانچہ بعض چیزیں جو زیادہ ہوگئیں ہیں وہ اس طرح کی ہیں کہ جو کتاب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اس میں وہ باتیں ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد پیش آئیں اگر آپ کتاب تثنیہ پڑھیں تو اس کے آخری باب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بیماری، وفات، تدفین اور اس کے بعد کے واقعات کا ذکر ملتا ہے (۳۲) ظاہر ہے کہ یہ حصہ بعد کا اضافہ ہے مگر یہ تو ایسی باتیں ہیں جنہیں ہر پڑھنے والا خود محسوس کر لیتا ہے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس میں دیگر کتنی چیزوں کا اضافہ ہوا ہے جو غیر محسوس ہوں۔ اسی طرح جن چیزوں کی کمی نظر آتی ہے یا جن کا وہاں ہونا ضروری تھا مگر وہ نہیں ہیں ایسی ہیں کہ کم از کم بیس مرتبہ اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں کہ اس حکم کی تفصیلیں فلاں باب میں ملیں گی۔ جن ابواب کے حوالے دیئے گئے ہیں ان میں سے ایک باب کا نام 'خدا کی جنگیں' اور ایک باب کا نام 'مخلص اور نیک لوگوں کی کتاب' ہے اور وہ باب سرے سے موجود ہی نہیں ہے (۳۳) توریت ضخیم صورت میں ہمارے پاس موجود ہے اور دنیا کی بیشتر زبانوں میں اس کے ترجمے ہو چکے ہیں۔

○ زبور (Psalm)

توریت کے بعد مسلمانوں میں عام طور پر زبور کا نام لیا جاتا ہے اور ہمارا تصور یہ رہا ہے کہ یہ بھی توریت اور انجیل ہی کی طرح کی ایک مستقل کتاب ہے۔ لیکن عہد نامہ عتیق (Old Testament) میں جو چیز حضرت داؤد علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور وہ جس کو سام (Psalm) یعنی زبور کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس میں صرف خدا کی حمد و ثناء کی نظمیں ہیں۔ کوئی نیا حکم نہیں ہے ہمارا یہ تصور ہے کہ ہر رسول یا نبی ایک نئی شریعت لاتا ہے لیکن اس کتاب

میں کوئی نئی شریعت نہیں ملتی جس طرح پرانی کتابوں میں اک آخری نبی کی بشارت ملتی ہے اس طرح زبور میں بھی ایسی چیزیں ملتی ہیں نیز جو سرگزشت توریت کی رہی وہی زبور کی بھی رہی۔ (۳۴)

○ انجیل (Gospel)

انجیل کے متعلق مسلمانوں کا تصور عام طور پر یہ ہے کہ وہ ایک مستقل کتاب تھی جو خدا کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی۔ لیکن ہمارے پاس عیسائیوں کے توسط سے جو انجیل پہنچی ہے وہ ایک نہیں بلکہ چار انجیلیں ہیں جو یہ ہیں

① متی (Mathew)

② مرقس (Mark)

③ لوقا (Luke)

④ یوحنا (John)

ہر انجیل ایک ایک آدمی کی طرف منسوب ہے۔ یہ چار کتابیں بھی ساری انجیلیں نہیں ہیں بلکہ خود عیسائی مؤرخوں کے مطابق ستر سے زیادہ انجیلیں پائی جاتی تھیں (۳۵) جن میں سے ان چار کو قابل اعتماد اور باقی کو مشتبہ قرار دیا گیا ہے ان کو پڑھنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدا کی طرف سے بھیجے ہوئے الہام یا وحی پر مشتمل نہیں بلکہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریاں ہیں۔ چار شخصوں نے یکے بعد دیگرے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری لکھی اور ہر ایک نے اس کو انجیل کا نام دیا (۳۶) حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر کوئی کتاب نازل ہوئی بھی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اسے لکھوایا نہیں اس لئے آج دنیا میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ اب جو انجیلیں موجود ہیں ان کی حقیقت یہ ہے کہ بہت سے لوگوں نے مختلف زبانوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریاں لکھیں اور ان سوانح عمریوں کو ہر مصنف نے انجیل کا نام دیا۔ ان میں سے چار کو کلیسا نے قابل اعتماد قرار دیا ہے اور باقی کو رد کیا ہے۔ ان چار انجیلوں کے انتخاب کے متعلق کسی کو کوئی علم نہیں کہ ان کو کس نے انتخاب کیا کب انتخاب کیا اور کن معیارات کو سامنے رکھ کر انتخاب کیا؟

فرانس کا ایک مشہور مؤرخ والٹیر Voltaire نے اپنی ایک کتاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ کلیسا کو یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ جو ستر سے زائد انجیلیں ہیں اور ان کے مندرجات میں اختلاف بھی ہیں ان میں سے صرف ان انجیلوں کا انتخاب کیا جائے جو قابل اعتماد ہوں۔ انتخاب کا یہ طریقہ کار اختیار کیا گیا کہ کلیسا میں ساری انجیلوں کو عبادت گاہ کے مقام کے پاس ایک میز پر جمع کر دیا گیا۔ پھر اس میز کو ہلایا گیا جو کتابیں نیچے گر گئیں۔ ان کو نا قابل اعتماد اور ہلانے کے باوجود جو کتابیں میز پر باقی رہیں ان کو قابل اعتماد قرار دیا گیا۔ یہ والٹیر کا بیان ہے اس نے کس بنیاد پر یہ بات کہی یہ بتانا میرے لئے دشوار ہے۔ ظاہر ہے کہ عیسائی لوگ اس کی تردید کرتے ہیں اور ایسی بات کہنے والا ان کے نزدیک جھوٹا اور بدمعاش تھا۔ بہرحال اس بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی لکھائی ہوئی کتاب دنیا میں موجود نہیں ہے جو چیز اس وقت ہمارے پاس انجیل کے نام سے ملتی ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمریاں ہیں۔ انہیں ہم سیرت عیسیٰ علیہ السلام کہہ سکتے ہیں۔ بعینہ جس طرح مسلمانوں کے ہاں سیرت نبوی کی کتابیں پائی جاتی ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انجیل کو لکھوایا کیوں نہیں اس کے جواب میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ رقمطراز ہیں۔

> ''میرے ذہن میں جو جواب آتا ہے (ممکن ہے غلط ہو) وہ یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ ان سے پہلے کے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو توریت نازل ہوئی تھی۔ اس کی کیا درگت بنی دشمن حملہ کرتے ہیں، اس کی توہین کرتے ہیں، اسے جلا دیتے ہیں اور نیست و نابود کر دیتے ہیں۔ غالباً انہوں نے یہ سوچا ہوگا کہ کہیں میری کتاب کا بھی وہی حشر نہ ہو لہٰذا بہتر ہے اسے لکھوایا ہی نہ جائے اس طرح یہ کتاب لوگوں کے ذہنوں میں رہے گی عبادت گزار نیک لوگ اسے ادب سے یاد رکھیں گے اور بعد کی نسلوں تک پہنچائیں گے۔'' (۳۷)

○ انجیل برناباس

برناباس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں میں سے تھے۔ یہ انجیل انہی کی طرف منسوب ہے زمانہ حال کی دستیاب شدہ ایک چیز ہے۔ اس کا کوئی پرانا نسخہ نہیں ملا اور وہ برناباس کی مادری زبان آرامی بھی نہیں ہے۔ بلکہ اطالوی زبان میں ہے اور اس کے قلمی نسخے کے حاشیے پر جا بجا عربی الفاظ بھی لکھے ہوئے ہیں۔ (۳۸)

○ قرآنِ مجید

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مذاہب عالم کی کتب اوران کے مقدس صحیفوں کی تاریخی واستنادی حیثیت بیان کرنے کے بعد قرآن حکیم کی تاریخ تدوین، صحت اور حفاظت پر بھی سیر حاصل بحث کی ہے۔ اس پوری بحث کا یہاں درج کرنا طوالت کا باعث ہوگا تاہم اہم نکات پیش کئے جاتے ہیں۔ تاکہ قرآن مجید کی استنادی حیثیت اور محفوظیت سامنے آجائے۔

① سابقہ انبیاء کی کوئی کتاب کامل صورت میں ہم تک نہیں پہنچی اس لئے ایک کامل اور محفوظ کتاب کی ضرورت تھی

② قرآن مجید کے لئے عربی زبان کا انتخاب کیوں کیا گیا؟

③ عربی زبان فصاحت وبلاغت کے ساتھ ساتھ غیر تبدل پذیر ہے۔

④ قرآن پاک کے بتدریج نازل ہونے میں حکمت۔

⑤ قرآن مجید کی تبلیغ واشاعت۔

⑥ قرآن مجید لکھنے اور حفظ کرنے کا اہتمام۔

⑦ تدوین قرآن مجید کا اہتمام۔

ان نکات کے علاوہ ڈاکٹر حمید اللہ کی تحقیقات سے دو اقتباس دلچسپی سے خالی نہ ہوں گے۔

① "The original of the Quran was in Arabic and the text is still in use ...... A text in the original language, a codification under the suspices of the prophet himself, a continued preservation by the simultaneous double control of memory and writing, in addition to studying under qualified teachers, and this by a large number of

individuals in every generation, and the absence of any variants in the text. These are some remarksable features of the Quran, the holy book of Muslims" (39)

② ''...... کچھ عرصہ پہلے کا ذکر ہے' جرمنی کے عیسائی پادریوں نے یہ سوچا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں آرامی زبان میں جو انجیل تھی وہ تو اب دنیا میں موجود نہیں۔ اس وقت قدیم ترین انجیل یونانی زبان میں ہے اور یونانی سے ہی ساری زبانوں میں میں اس کے ترجمے ہوئے۔ لہٰذا یونانی مخطوطوں کو جمع کیا جائے اور ان کا آپس میں مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ یونانی زبان میں انجیل کے جتنے نسخے دنیا میں پائے جاتے تھے کامل ہوں یا جزئی ان سب کو جمع کیا گیا اور ان کے ایک ایک لفظ کا باہم مقابلہ Collation ' کیا گیا۔ اس کی جو رپورٹ شائع ہوئی اس کے الفاظ ہیں' کوئی دو لاکھ اختلافی روایات ملتی ہیں' اس کے بعد یہ جملہ ملتا ہے کہ ان میں ۸/۱ اہم ہیں' غالباً اس رپورٹ کے بعد کچھ لوگوں کو قرآن کے متعلق حسد پیدا ہوا۔ جرمنی ہی میں میونک یونیورسٹی میں ایک ادارہ قائم کیا گیا قرآن مجید کی تحقیقات کا ادارہ' اس کا مقصد یہ تھا کہ ساری دنیا سے قرآن مجید کے قدیم ترین نسخے جمع کئے جائیں۔ جمع کرنے کا یہ سلسلہ تین نسلوں تک جاری رہا۔ اس کے تیسرے ڈائریکٹر Pretzl نے شخصاً مجھ سے بیان کیا (1933ء کی بات ہے) کہ ہمارے ادارے میں قرآن مجید کے بیالیس ہزار نسخوں کے فوٹو موجود ہیں اور مقابلہ کا کام جاری ہے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس ادارے کی عمارت پر ایک امریکی بم گرا اور عمارت کا کتب خانہ اور عملہ سب کچھ برباد ہو گیا۔ لیکن جنگ کے شروع ہونے سے کچھ ہی پہلے ایک عارضی رپورٹ شائع ہوئی تھی۔ اس رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں کہ قرآن مجید کے نسخوں میں مقابلے کا جو کام ہم نے شروع کیا تھا' وہ ابھی مکمل تو نہیں ہوا لیکن اب تک جو نتیجہ نکلا ہے وہ یہ ہے کہ ان نسخوں میں کہیں کہیں کتابت کی غلطیاں تو ملتی ہیں لیکن اختلاف روایت ایک بھی نہیں'' (۴۰)

○ حدیث کے مماثل چیزیں

قرآن کی مماثل چیزیں اور قوموں میں بھی ملتی ہیں۔ مثلاً یہود کے ہاں توریت اللہ کی نازل کردہ کتاب ہے یا اور قوموں کے ہاں بھی دعویٰ ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی کتابیں ہیں لیکن حدیث کی مماثل چیزیں دیگر قوموں میں مجھے نظر نہیں آتیں۔ بدھ مت میں ایسی چیز موجود ہے مگر اس کی وہ اہمیت نہیں ہے جو ہمارے ہاں حدیث کی ہے۔ بدھ مت کی اساسی اور بنیادی کتاب اسی قسم کی ہے جیسے ہمارے ہاں ملفوظات کے نام سے مشہور مجموعے ہیں۔

گوتم بدھ کے ملفوظات بھی صرف ایک شخص کے جمع کردہ ہیں لیکن حدیث کے مماثل کوئی ایسی چیز نہیں ملتی کہ بہت سے اہل ایمان اپنے مشاہدات اور اپنے مسموعات کو جمع کر کے بعد والوں تک پہنچانے کی کوشش کریں جیسا کہ حدیث کے مجموعوں میں کوشش کی گئی ہے...... صحاح ستہ جیسی حدیث کی کتابوں کے متعلق ہمیں یہ اطمینان ہے کہ ان کی تدوین، انسانی حد تک صحت کے تمام اصول و شرائط کے مطابق ہوئی ہے لہٰذا حدیث کی کم ترین درجے کی کتاب کو بھی میں پورے اعتماد کے ساتھ دوسری قوموں کی مستند ترین کتابوں پر ترجیح دوں گا گویا حدیث ایک ایسا علم ہے اور حدیث کے مندرجات ایسی چیزیں ہیں جن کے مماثل کوئی اور چیز دوسرے مذاہب میں ہمیں نظر نہیں آتی ان حالات میں تقابلی مطالعے کا امکان باقی نہیں رہتا۔(۴۱)

○ مذاہب عالم کے عقائد (Believes of the World Religions)

ایمان اور عقائد کے بہت سے اجزاء ہیں مثلاً توحید الٰہی پر ایمان، اللہ کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان، اس کے رسولوں پر ایمان، فرشتوں پر ایمان، آخرت اور روز جزاء پر ایمان، خیر و شر کے من جانب اللہ ہونے پر ایمان۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے عقائد و افکار کے تقابل کے باب میں بھی منفرد خیالات پیش کیے ہیں لکھتے ہیں:

> ''اگر ہم ان عقائد کا دیگر مذاہب کے مماثل عقائد سے مقابلہ کریں تو اسلام کی امتیازی حیثیت ظاہر ہوتی ہے اور ایسے نکتے نظر آتے ہیں جن پر آدمی واقعی سر دھننے لگتا ہے''۔(۴۲)

○ نظریہ توحید

عقائد کے سلسلے میں پہلی چیز اللہ پر ایمان ہے بعض ادیان اللہ کے ایک ہونے کے قائل ہیں اور اس بات کو صراحت سے بھی بیان کرتے ہیں حتیٰ کہ عیسائی بھی جن کے متعلق عام طور پر یہ تصور ہے کہ وہ تثلیث پر ایمان رکھنے کے باعث ایک نہیں تین خداؤں کو مانتے ہیں اسی طرح پارسی بھی خدا کے ایک ہونے پر ایمان کا اظہار کرتے ہیں ہندوؤں کے ہاں بھی بعض ایسے فرقے ہیں جو توحید پر ایمان رکھتے ہیں۔

اگر ہم غور سے دیکھیں تو نظر آتا ہے کہ اسلام کا نظریہ توحید بہ نسبت اور دینوں کی تعلیم کے زیادہ مقبول، زیادہ سادہ اور زیادہ اچھا ہے مثال کے طور پر جیسا کہ میں نے ابھی بیان کیا ہے کہ عیسائیوں میں تثلیث کا تصور پایا جاتا ہے لیکن کسی عیسائی سے پوچھو اور اس سے کہو کہ تم تین خداؤں پر ایمان رکتے ہو تو وہ تم سے لڑ پڑے گا۔ کہے گا قطعاً نہیں ہم ایک ہی خدا کو مانتے ہیں۔ باپ، بیٹا، روح القدس۔ یہ تینوں ایک ہی خدا کے مظہر ہیں میں زیادہ تفصیل میں نہیں جاؤں گا۔صرف چند اشارے کروں گا کہ ان کا یہ بیان کہ تثلیث سے مراد توحید ہی ہے' داخلی تضاد کے باعث ناقابل قبول ہو جاتا ہے۔ چنانچہ ابھی حال ہی میں کوئی سال ڈیڑھ سال کا عرصہ گذرا پیرس میں ایک عیسائی ادارے کی طرف سے مجھے دعوت ملی کہ کسی اسلامی موضوع پر لیکچر دوں اور اس میں اسلامی عقائد کا ذکر کروں وہاں میرا تعارف کراتے ہوئے وہاں کی پراٹسٹنٹ یونیورسٹی کے ریکٹر Rector نے بظاہر مجھ کو سمجھانے کے لئے اصرار اور تکرار سے کہا کہ عیسائی تین خداؤں کو نہیں مانتے ایک ہی خدا کو مانتے ہیں۔ اس کے بعد میں نے اپنی تقریر شروع کی اور اس کا مجھے جواب دینا ایک لحاظ سے ضروری ہو گیا۔ میں نے کہا کہ اگر عیسائی واقعی صرف ایک خدا کو مانتے ہیں تو بسر وچشم، لیکن عیسائیوں کے ہاں ایک طرف اصرار کے ساتھ یہ ادعاء ہے کہ خدا ایک ہے اور دوسری طرف ان کے ہاں آمنت باللہ کی طرح کی جو Creed پائی جاتی ہے اس میں ایسی چیزیں بیان ہوتی ہیں' جو اس کی تائید نہیں کرتیں بلکہ تردید کرتی ہیں۔ غالبًا آپ کو علم ہوگا کہ جس طرح مسلمانوں کے ہاں آمنت باللہ و ملئکۃ و کتبہ و رسلہ کی طرح ایک (Creed) پائی جاتی ہے اسی طرح عیسائیوں کے ہاں بھی ہے جس کے الفاظ کم وبیش اس طرح ہوتے ہیں کہ میں خدا پر ایمان لاتا ہوں اور خدا کے اکلوتے بیٹے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لاتا ہوں جن کو فلاں بادشاہ کے

زمانے میں تکلیف دے کر صلیب پر مارا گیا۔ پھر وہ جہنم میں گئے' تین دن وہاں رہے اس کے بعد آسمان پر گئے وہاں خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے۔ آئندہ زمانے میں وہ دوبارہ آئیں گے تا کہ زمین پر زندوں اور مردوں کا حساب لیں۔ پھر اس کے بعد کچھ اس طرح کے الفاظ ہوتے ہیں کہ 'گوشت پوست کے ساتھ ہی ہمارا حشر ہوگا اور ابدی زندگی حاصل ہوگی ۔تو میں نے اشارہ کیا کہ اگر یہ عقیدہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جانے کے بعد خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے تو کوئی شخص خود اپنے داہنے ہاتھ پر نہیں بیٹھتا۔ اس کے معنی یہی ہوں گے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام الگ ہیں اور خدا الگ ہے۔ وہ خدا کے معزز مہمان تو ہو سکتے ہیں کہ خدا کے داہنے ہاتھ پر بیٹھے ہیں لیکن وہ خود خدا نہیں ہو سکتے' اس طرح آپ دیکھتے ہیں کہ عیسائیوں کے توحید کا تصور ہونے کے باوجود اس کا اظہار (Formulation) اس طرح ہوتا ہے جو قابل قبول نہیں رہتا بلکہ خود اپنی تردید کرتا ہے۔ (۴۳)

توحید کے متعلق مسلمانوں کا تصور اتنا سادہ ہے اور اس قدر پر زور ہے کہ اس طرح کی کوئی چیز دوسرے مذہب میں نظر نہیں آتی۔ ابھی میں نے پارسیوں کا ذکر کیا زردشت بھی خدا کے ایک ہونے کا قائل ہے۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ وہاں ثنویت (Duality) یعنی دو خداؤں کا تصور بھی پیدا ہو گیا ہے۔ زردشت کہتا ہے کہ برائی کو خدا کی طرف منسوب نہیں کیا جا سکتا۔ نہ صرف یہ کہ خدا خود برا کام نہیں کرتا بلکہ یہ کہ برائی کا پیدا کرنے والا بھی خدا نہیں ہو سکتا۔ یہ خدا کی ذات کے منافی ہے کہ خدا جیسی ہستی برائی کو پیدا کرے۔ لہٰذا وہ کہتا ہے کہ برائی کا خالق الگ ہے اور بھلائی کا الگ ہے۔ اس طرح دو الگ خالق یا خدا ہیں۔ یہ نظریہ تو نیک نیتی پر مبنی ہے کیونکہ خدا کی عظمت کا احترام کرتے ہوئے وہ کہتا ہے کہ خدا برائی پیدا نہیں کرتا لیکن سوال یہ ہے کہ دنیا میں چونکہ اکثر اوقات برائی کو غلبہ حاصل ہوتا ہے اور بھلائی کو شکست ہوتی ہے' گویا بھلائی کا خدا مغلوب ہو جائے' کیا ہم اسے خدا تسلیم کریں گے؟ علمی نقطۂ نظر سے یہ دشواریاں جو اس طرح کے تصورات پیدا ہوتی ہیں وہ اسلامی تعلیم توحید میں بالکل نہیں۔ اسلامی عقیدہ توحید میں زور دیا گیا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ ایک طرف کامل نفی ہے۔ دوسری طرف استثناء کے ذریعے سے محدود بھی کر دیا گیا ہے کہ صرف یہی اللہ ہے۔ یہ زور بیان کسی اور مذہب کی تعلیم میں نظر نہیں آتا۔ حتیٰ کہ یہودیوں کے ہاں بھی صرف اتنا ہے کہ خدا ایک ہے لیکن یہ زور کہ لا الہ الا اللہ (کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے) وہ امر ہے جو یہود کی تعلیم میں بھی نہیں ملتا' (۴۴)

○ کتابوں اور رسولوں پر ایمان

اس کے بعد عقائد کا اہم جز کتابیں ہیں یعنی میں اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتابوں پر ایمان لاتا ہوں۔ یہ اتنا اہم کلمہ ہے کہ اس کے مماثل ہمیں کوئی چیز دوسرے مذاہب میں نظر نہیں آتی۔ وہ اس لئے کہ اگر یہاں یہ کہا جاتا' میں کتاب پر ایمان لاتا ہوں' یعنی قرآن مجید پر تو یہ صرف ایک کتاب ہوئی لیکن ہمیں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ ایک کتاب پر نہیں بلکہ خدا کی بھیجی ہوئی ساری کتابوں پر ایمان لانا ضروری ہے اس عقیدے میں ایک طرف فراخ دلی اور وسیع القلبی کا پہلو ہے اور دوسری طرف اسلام کے عالمگیر ہونے اور ابتداء سے لے کر قیامت تک مسلسل جاری رہنے کا تصور بھی ہے کیونکہ اگر ہم کتابوں پر ایمان لائیں تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ آدم علیہ السلام سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک جتنی بھی کتابیں آئی ہیں وہ سب مختلف لوگوں کی نہیں ہماری اپنی کتابیں ہیں۔ مثلاً توریت یہودیوں ہی کی کتاب نہیں بلکہ ہماری کتاب بھی ہے۔ انجیل عیسائیوں ہی کی کتاب نہیں ہماری کتاب بھی ہے۔ ایسی تعلیم ہمیں دوسرے مذاہب میں نہیں ملتی عام طور پر یہ دوسرے مذاہب والے یہ کہتے ہیں کہ سارے مذاہب غلط ہیں' انہیں چھوڑ دو۔ صرف ہمارا مذہب سچا ہے میں بھی بطور مسلمان کے یہی کہوں گا کہ میرا دین سچا ہے لیکن دوسرے مذاہب بھی اللہ کی طرف سے بھیجے ہوئے سچے اور الٰہی مذاہب ہیں۔ اگرچہ ان پرانے مذاہب پر عمل نہیں کرتا۔ اسلامی تعلیم یہ ہے کہ خدا کی بھیجی ہوئی ساری کتابیں خدا ہی کا حکم ہیں اور اسی بنا پر ہمارے لئے قابل احترام ہیں۔ اپنی معروف انگریزی کتاب Introduction to Islam میں رقمطراز ہیں:

> "...... Be it what it may, it is a dogma for every Muslim to believe not only in the Quran, but also in the collections of Divine revelations of Pre-Islamic epochs. The Prophet of Islam has not named Buddha, nor Zorooster nor the founder of Indians Brahminism. So the Muslims are not authorised to affirm categorically the Divine character, for instance, of Avesta or of Hindu Vedas; yet they cannot

formally reject either the possibility of the Vedas and Avesta having been in their origion based on Divine revelations, or of having suffered a fate similar to that of the pentateuch of Moses. The same is true in connection with what appertains to China Greeces and other lands".(45)

کتابوں اور رسولوں پر مبنی اس تصور کا نفسیاتی فائدہ بھی ہے بقول ڈاکٹر محمد حمید اللہ "اگر میں کسی یہودی یا کسی عیسائی کو یہ کہوں کہ تیرا مذہب جھوٹا ہے، تیری نجات کا واحد ذریعہ یہ ہے کہ تو اسلام قبول کرے، تیرے پاس جو کتابیں ہیں وہ لغو اور جلا دینے کے قابل ہیں، تو اسے دکھ ہوگا اور غالباً وہ جوش غضب سے اس قدر مغلوب ہو جائے گا کہ اسلام کی حقانیت کے بارے میں میری کوئی بات سننے یا ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا۔ اس کے برخلاف اگر میں اسے یہ کہوں کہ تمہارا دین بھی سچا ہے، تمہارے ہاں کی کتاب بھی سچی ہے، وہ اللہ کی طرف سے بھیجی ہوئی کتاب ہے اور وہی اللہ، جس نے تمہیں یہ کتاب دی اس نے ایک آخری کتاب بھی بھیجی ہے، تم اس کو پڑھو اور غور کر کے دیکھو کہ اس میں کیا بیان ہوا ہے، وہ نسبتاً زیادہ خوش دلی کے ساتھ اس کو پڑھنے اور غور کرنے کے لئے تیار ہوگا۔ اسی طرح اللہ کے تمام رسولوں پر ایمان لانے کا جو حکم دیا گیا ہے، اس میں بھی وہی فراخ دلی، وسیع القلبی، تحمل اور رواداری کا پہلو نظر آتا ہے۔ (۴۶)

○ جنت اور دوزخ کا تصور

ہندوؤں اور بدھ مت والوں کا تصور اس کے بارے میں کچھ اور ہی ہے۔ یہ دلچسپ ضرور ہے لیکن ظاہر ہے کہ اسے مسلمان قبول نہیں کر سکتے۔ وہ کہتے ہیں کہ کائنات کا وجود ازل سے ابد تک صرف اتنا ہی ہے جتنا ایک بلبلے کا وجود، جو دریا میں موج کے تلاطم سے پانی کی سطح سے اچھل پڑتا ہے پھر آن کی آن میں دوبارہ گر کر دریا کے پانی میں غائب ہو جاتا ہے۔ انسان کی ہستی بھی اس کائنات کے محض ایک جزو کی ہے۔ اسی طرح ان کا تصور تناسخ یہ ہے کہ اگر آدمی اچھا کام کرے تو اسے جزا ملے گی۔ میں ابھی بیان کروں گا کہ کیا ملے گی اور اگر برا کام کرے گا تو اسے سزا ملے گی۔ ہندوؤں کے عقائد کے مطابق یہ ہے کہ وہ سزا اس برائی کی نوعیت کے مطابق ہوگی۔ اگر اس نے تھوڑی برائی کی ہے۔ مثلاً

وہ بادشاہ ہے تو مرنے کے بعد غلام کے طور پر پیدا ہوگا۔ اگر اس نے اس سے بھی زیادہ برائی کی ہے تو وہ مرنے کے بعد کتا یا بلی بن جائے گا۔ اس کی برائی اگر اس سے بھی زیادہ ہے تو وہ درخت بنے گا۔ اس سے بھی بڑی برائی ہے تو وہ پتھر بن جائے گا۔ جمادات' نباتات' حیوانات یہ سب ارتقاء کی مدارج ہیں۔ اسی لحاظ سے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی کو پتھر بننے کی سزا دی گئی ہے تو اس پتھر کو ارتقاء کے ذریعے سے صدیوں کی مدت کے بعد درخت بننے کا موقع ملے گا۔ اگر درخت اپنی مدت حیات میں مفید کام کرتا رہے تو اس درخت کو صدیوں بعد جانور بننے کا موقع ملے گا۔ وہ جانور اگر اچھے کام کرتا رہے تو اسے ادنیٰ ترین قسم کا انسان یعنی شودر بننے کا موقع ملے گا۔ اگر شودر کی حیثیت سے انسان اچھے کام کرتا رہے اور اپنے فرائض انجام دیتا رہے تو مرنے کے بعد وہ دویش بنے گا۔ اس کے بعد کھتری بنے گا اس کے بعد برہمن بنے گا۔ اگر برہمن کی حیثیت سے اپنی زندگی اچھی طرح گذاری تو مرنے کے بعد دوبارہ خدا کی ذات میں ضم ہو جائے گا۔ جس طرح کہ وہ بلبلہ دوبارہ پانی میں گرا اور پانی بن گیا' برہمن دوبارہ خدا بن جائے گا۔ اگر برہمن نے زندگی برائی کے ساتھ گذاری تو اسے وہی سزا ملے گی اور یہ ان کا آواگون یا تناسخ کا تصور ہے۔ مسلمانوں کا تصور اس بارے میں جنت اور دوزخ کا ہے۔ خود قرآن حکیم اور حدیث میں صراحت سے بیان کیا گیا ہے کہ جنت میں جانوروں اور پرندوں کا گوشت کھانے کو ملے گا۔ وہاں شراب کی' شہد کی اور دودھ کی نہریں ہوں گی۔ تو اس کا مفہوم یہ لینا پڑے گا کہ ہمارے عرفان و شعور کے مطابق' ہمارے ذہن میں آسائش اور لذت کا جو تصور ہے اس تصور کے مطابق بتایا گیا ہے کہ جنت میں یہ نعمتیں ہوں گی۔ ورنہ قرآن میں صراحت سے کہا گیا ہے کہ وہاں وہ چیزیں ہیں جن کا تمہیں تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ جب ہمیں ان کا تصور بھی نہیں ہوسکتا جیسے کہ حدیث کے صاف الفاظ ہیں کہ جنت میں وہ چیزیں ہیں جنہیں نہ کسی آنکھ نے کبھی دیکھا' نہ کسی کان نے کبھی سنا' نہ کسی کے دل و دماغ میں ان کا خیال تک کبھی گذرا پھر ہم اسے کیسے سمجھائیں گے۔ انسانی زندگی میں انسان چاہتا ہے کہ اسے خوبصورت بیوی ملے۔ اچھی غذائیں ملیں وغیرہ وغیرہ تو قرآن مجید میں سمجھانے کے لئے ایسی ہی چیزوں کا ذکر آیا ہے جو انسان کو فطرتاً مرغوب ہیں بہرحال حور و قصور کی حقیقت تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے لیکن اگر یہ چیزیں نہ بھی ہوں تو بھی کوئی تضاد نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید خود کہتا ہے کہ تمہیں وہاں پر تمہاری خواہش کی ہر چیز ملے گی اور حدیث میں صراحت ہے کہ وہاں جو چیزیں ہیں ان کا تمہیں تصور بھی نہیں ہوسکتا تو امکانات باقی رہتے ہیں۔ (۴۷)

○ خیر وشر اور جبر وقدر کا تصور

عقائد کے سلسلے میں آخری چیز کہ برائی اور بھلائی دونوں اللہ کی طرف سے ہیں' بہت پیچیدہ ہے۔اس میں ایک طرف تو پارسیوں کے مذہب کی تردید ہوتی ہے جو یہ کہتے ہیں کہ نیکی کا خدا الگ ہے اور برائی کا خدا الگ ہے۔

اس نظریے میں منطقی اعتبار سے یہ خامی ہے کہ اگر نیکی کسی وقت مغلوب ہو جائے تو دوسرے معنوں میں اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ نیکی کا خدا مغلوب ہو یا اس کے باوجود ہم اسے خدا مانتے رہیں۔اسے عقل قبول نہیں کرتی۔اس کے برخلاف اسلام کہتا ہے''وقدر خیرہ و شرہ من اللّٰہ تعالی " یعنی خیر وشر دونوں اللہ کی طرف سے ہیں۔ تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ سزا کیوں دی جاتی ہے؟ جبر وقدر کا یہ مسئلہ بڑا پیچیدہ ہے اس پر دنیا کے ہر مذہب میں صدیوں سے بحث ہوتی آ رہی ہے اور اب تک اس کا کوئی حل نہیں نکل سکا؟ اگر ہم ایک جواب دیں کہ انسان مجبور ہے اور وہی کرتا ہے جو خدا نے مقرر کر رکھا ہے تو اس پر کچھ اعتراض ہوئے ہیں۔یہ ایک دوہری مشکل ہے یعنی دونوں صورتیں قابل اعتراض ہو جاتی ہیں۔اسی وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی سختی سے تاکید کی کہ اس بحث میں نہ پڑو۔تم سے پہلے کی قومیں اس مسئلے پر بحث کرنے لگیں اور گمراہ ہوگئیں۔ان حالات میں اصولاً مجھے مزید بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہونا چاہیے لیکن میں تھوڑی سی توضیح کرتا ہوں۔جیسا کہ میں نے آپ سے کہا کہ اگر انسان کو مجبور قرار دیا جائے یعنی ایک مشین کی طرح وہی کام کرتا ہے جو خدا نے مقرر کر رکھا ہے تو ہم یہ سوچتے ہیں کہ اگر ہم برائیاں کریں تو سزا کیوں دی جاتی ہے؟ یہ اعتراض اور یہ سوال ٹھیک ہے لیکن یہی بھلا مانس انسان یہ کیوں نہیں سوچتا کہ اگر میں بھلائی کرتا ہوں تو وہ بھی خود بخود بالا ارادہ ہوگی پھر مجھے جنت کا کیا حق ہے؟ اس پر وہ چیزیں ہمارے ذہن میں نہیں آتیں بلکہ ہم خود طے کرتے ہیں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں کرنا چاہیئے تو اس کا مفہوم یہ نکلتا ہے کہ اللہ کو معلوم نہیں کہ انسان کیا کرنے والا ہے حالانکہ وہ عالم الغیب ہے۔ساری اگلی اور پچھلی چیزوں کو ان کے وجود میں آنے سے پہلے سے جانتا ہے۔اگر ہم انسان کو قادر قرار دے دیں تو اس کے معنی یہ نکلتے ہیں کہ اللہ کو علم نہیں ہے کہ میں کیا کرنے والا ہوں اور اللہ ہمارے اس کام کو' جو ہم کرنے والے ہیں' خود پیدا نہیں کرتا بلکہ وہ ہم پیدا کرتے ہیں یہ ہے وہ دوہری شکل (Dilemma) جس کی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس بحث میں نہ پڑو۔

حقیقت میں یہ دونوں مختلف سطحوں کی مختلف درجات کی دو مختلف مداروں میں گھومنے والی چیزیں ہیں۔ انسان کی ذمہ داری اور جواب دہی' زمینی تصور ہے۔ اللہ کی قدرت، اللہ کا مقرر کرنا یہ آسمانی تصور ہے۔ ان دونوں میں کس طرح کے تصادم کا کوئی امکان نہیں پایا جاتا۔ گویا میں اپنے ہر کام کا زمینی مفہوم میں ذمہ دار ہوں اور یہ چیز آسمانی مفہوم میں خدا کی طرف سے پیدا ہوتی ہے۔ اس میں کوئی تضاد یا تصادم نہیں ہے۔ (۴۸)

مذاہبِ عالم میں عبادات (Religious Practices)

دنیا کے ہر مذہب نے عبادت اور پوجا پاٹ کا ایک نظام دیا ہے اس سے جہاں روحانی تسکین ہوتی ہے وہاں ایک مرئی یا غیر مرئی ہستی کے سامنے اطاعت و فرمانبرداری کا جذبہ بھی پروان چڑھتا ہے ڈاکٹر حمید اللہ نے عبادت کے اسلامی تصور پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

> "It may be recalled that the Islamic word for the service of worship is *'Ibadah'* which is from the same root a *'abd* i.e., slave. In other words worship is what the slave does, the service the master desires of him. (49)

اسلام اپنے محدود معنی میں اطاعت کرنے اور اپنے آپ کو دوسرے کے سپرد کر دینے کا نام ہے۔ جب جبرئیل نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اسلام کیا چیز ہے تو آپ نے فرمایا نماز پڑھنا' روزے رکھنا' زکوۃ دینا اور حج کرنا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان عبادات پر تقابلی انداز میں روشنی ڈالی ہے ذیل میں ان کی تحقیقات کا جائزہ لیتے ہیں۔

○ نماز عبادات کی جامع

نماز کا مقابلہ اگر ہم دوسری قوموں اور دوسری ملتوں کی عبادات سے کریں تو ہمیں اسلام کی بڑی فوقیت نظر آتی ہے یہودیوں کی عبادت کا طریقہ ہے کہ وہ اپنے مذہبی معبد کو جاتے ہیں اوران کا امام تورات کھول کر گھنٹے دو گھنٹے تک مسلسل تلاوت کرتا ہے اور سارے لوگ مرد اور عورتیں ادب کے ساتھ سنتے ہیں۔ پھر تلاوت ختم ہو جاتی ہے سارے لوگ اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں اور کوئی چیز نہیں ہوتی ہمارے ہاں کی طرح رکوع وسجدہ' قیام وقعود وغیرہ نہیں ہوتا۔

پارسیوں کے ہاں آتش پرستی ہوتی ہے اس کی بڑی دلچسپ کہانی ہے۔ میں اس تفصیل میں نہیں جاتا صرف اشارۃً ذکر کرتا ہوں اس کی توجیہہ بعد میں کروں گا۔ ہندوؤں کے ہاں گائے کی پوجا ہوتی ہے۔ عیسائیوں کے ہاں ایک طرح سے صلیب کی پرستش ہوتی ہے۔ کیا چیزیں ہیں؟ بظاہر یہودی' پارسی اور عیسائی ہماری طرح کے انسان ہیں۔ صاحب عقل وفہم ہیں۔ اس کے باوجود یہ کیا بات ہے کہ وہ جاہلانہ حرکت کرتے ہیں کہ آگ کی پوجا کرتے ہیں۔ لکڑی کی پوجا کرتے ہیں اور گائے (جانور) کی پرستش کرتے ہیں۔ ایک دن میرے ذہن میں خیال آیا کہ کسی کی تعریف دو طرح سے ہوسکتی ہے' براہ راست بھی اور بالواسطہ بھی مثلاً کسی مصور سے ہم کہیں کہ تم بڑے ماہر مصور ہو تو ظاہر ہے کہ وہ اس تعریف سے خوش ہوجائے گا۔ لیکن اگر مصور سے مخاطب ہوئے بغیر اس کی بنائی ہوئی چیزوں میں سے ایک طرف اشارہ کر کے ہم کہیں کہ کیا نفیس تصویر ہے تو اس بالواسطہ حمد وثنا سے مصور کو اتنی ہی خوشی ہوگی جتنی راست تعریف سے ہوسکتی ہے۔ پرانے مذہبوں میں بالواسطہ حمد وثنا کو اختیار کیا گیا مثلاً جس زمانے میں پارسی مذہب وجود میں آیا' اس وقت انسان نے آگ کو اپنے قابو میں کرلیا تھا آگ سے فائدہ اٹھانا اور اس کی ہلاکتوں سے بچنا انسان نے سیکھ لیا تھا۔ اس وقت اس نے سوچا کہ اللہ کی قدرت کے مظاہر اور شواہد میں سب سے طاقتور چیز آگ ہے کوئی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا۔ جو بھی قریب جاتا ہے جل کر ختم ہوجاتا ہے۔ لہٰذا پارسی مذہب کے بانیوں نے کہا کہ ہم خدا کی تعریف کرنا چاہتے ہیں تو اس کے بہترین مظہر آگ کی پرستش کرنا چاہیے۔

ہندوستان میں جب آریہ آئے تو انہوں نے اپنی زرعی معیشت میں گائے کو سب سے مفید اور منفعت بخش پایا' تو خدا کی اس سب سے بڑی نعمت کے گن گانے لگے اور خدا کی نعمتوں کی سب سے بڑی علامت کے طور پر اس کا احترام کرنے لگے۔ اللہ ایک منعم ہے۔ لہٰذا اس کا شکر ادا کرنے کے لئے وہ اس کی سب اچھی نعمت کی تعریف کرتے ہیں اور اس کا ادب کرتے ہیں یوں بالواسطہ وہ اللہ کا ادب کرنا چاہتے اور اللہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔ یہودیوں کے ہاں اپنی عبادت میں صرف توریت تلاوت کی جاتی ہے جس کو وہ خدا کا کلام کہتے ہیں۔ خدا کے کلام کی تلاوت ان کے نزدیک عبادت ہے کلام اللہ کی تلاوت کے معنی ہیں کہ ہم اللہ کے احکام سے واقفیت حاصل کریں اس پر عمل کریں اور اس کے مطابق اس تک پہنچیں۔ اس میں ایک عمیق مفہوم ہے۔ اللہ موجود ہے لیکن وہ ہمیں نظر نہیں آتا۔ یہ نہیں کہ وہ نہ ہو۔ وہ ہے اور ہم ہی اندھے ہیں کہ اسے دیکھ نہیں سکتے۔ لیکن بن دیکھے بھی ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور اس

تک پہنچنا چاہتے ہیں۔اس کا راستہ بھی ہمیں معلوم نہیں۔ یہ راستہ صرف خدا ہی جانتا ہے۔ایک اندھے کی ظاہر ہے کہ صرف آواز ہی کے ذریعے سے رہنمائی کی جاسکتی ہے۔اس لئے اندھے عاشق کو اس کا مہربان معشوق (اللہ سبحانہ وتعالیٰ) آواز کے ذریعے سے کلام کے ذریعے سے اپنا راستہ بتاتا ہے یہ ہے رمز جو توریت کی تلاوت میں مضمر ہے۔
عیسائیوں کے ہاں ایک طرح کی وحدانیت کا تصور بھی ہے اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کی ان لوگوں کو اس پر اصرار بھی ہے۔ان کے ہاں عبادت کے مراسم میں کئی چیزیں شامل ہیں ایک طرف تو وہ یہودیوں کی توریت ہی کی طرح سے انجیل کے اقتباسات کو عبادت کے وقت تلاوت کرتے ہیں' دوسری طرف ایک چیز ہے جیسے کمیونن کا نام دیا جاتا کمیونن پروٹسٹنٹ لوگوں کے ہاں نہیں ہے۔زیادہ تر کتھولک اور آرتھوڈکس فرقوں میں پایا جاتا ہے۔اس کے معنی یہ ہیں کہ نماز یعنی عبادت کی تکمیل ہونے کے بعد ان کا پادری انہیں روٹی کا ایک ٹکڑا دیتا ہے۔ جسے وہ کھاتے ہیں اور شراب کے چند گھونٹ دیتا ہے جسے وہ پیتے ہیں اور تصور یہ ہوتا ہے کہ ہم خدا کی ذات میں مدغم ہو گئے ہیں کیوں؟ انجیل میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو جب رومیوں نے گرفتار کر لیا اور انہیں سولی پر چڑھایا جانے والا تھا تو آخری رات کو جب وہ اپنے حواریوں کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے تو انہوں نے یکا یک ایک روٹی اٹھائی اور اپنے ساتھیوں کی طرف بڑھا کر کہا اسے کھاؤ یہ میرا جسم ہے پھر ایک گلاس اٹھایا اور کہا کہ اسے پیو یہ میرا خون ہے۔ انجیل کے اس بیان کردہ واقعہ کو عیسائیوں کے ہاں بہت اہمیت دی گئی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر ہم روٹی کھائیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا جسم بن جاتے ہیں اور شراب پئیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خون بن جاتے ہیں چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا ہیں اس لئے روٹی کھانے اور شراب پینے سے ہم خدا کو اپنے اندر مدغم کر لیتے ہیں یہ تصور بھی رمز کی حد تک قبول ہے۔(۵۰)

اب ہم دیکھیں گے کہ اسلام میں عبادت کا کیا طریقہ ہے۔نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھی جاتی ہے۔جس میں اللہ کی حمد وثنا ہے یعنی گویا ہم براہ راست حمد وثنا کرتے ہیں۔لہٰذا ہمیں ضرورت نہیں کہ کسی رمز کے ذریعے سے اللہ کی حمد کریں۔راست اور بالواسطہ دونوں چیزیں حمد کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔اور اسلام نے چاہا کہ اللہ جو ذات واجب الوجود ہے اس کی تعریف بھی راست ہونی چاہیے۔ بہر حال اسلام نے بتایا کہ اللہ کی تعریف خود اللہ کے بتائے ہوئے الفاظ کے ذریعے سے کریں یہودیوں کے ہاں توریت کے متعلق جو تصور ہے کہ اللہ کا کلام ہمارا راہنما ہے اس لئے چاہیے

کہ ہم اس کی تعمیل کریں۔ اپنی نماز میں ہم بھی قرآن مجید یا کلام اللہ پڑھتے ہیں۔ عیسائیوں کے ہاں کمیونین کا جو تصور ہے کہ ہم خدا کی ذات میں ضم ہو گئے وہ ایک مادی واسطہ ہے۔ اسلام نے دیکھا کہ اللہ کی ذات مجرد ہے۔ اس لئے اسے تقرب بھی مجرد طور سے ہونا چاہیے۔ وہ طریقہ مسلمانوں کے ہاں تشہد ہے۔ نماز کے اختتام کے وقت قیام' رکوع' سجود' حمد وثنا' غرض کائنات میں سے ایک نوع کے طریقہ عبادت کے ذریعے سے اللہ کو اپنی اطاعت شعاری کا یقین دلا کر ہم اپنے آپ کو اس بات کے قابل تصور کرتے ہیں کہ ہمیں اللہ کے حضور میں باریابی کا موقع ملتا ہے تو چھوٹا سلام کرتا ہے اور بڑا مہربانی سے سلام کا جواب دیتا ہے التحیات کے معنی ہیں آداب عرض کرنا۔ یہ چیز معراج کے واقعہ سے لی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معراج کے موقع پر اللہ کے حضور میں پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ''التحیات للّٰہ کہا۔ اس پر مہربانی سے جواب دیا ''السلام علیك ایھا النبی و رحمته اللّٰه و برکاته'' رسول اللہ نے اپنی امت کا بھی خیال فرمایا اور فوراً ہی کہا ''السلام علینا و علیٰ عباد اللّٰه الصٰلحین '' اور ہم سب حقیر امتوں کو بھی۔ ان برکات میں جو اللہ کی طرف سے نازل ہو رہی تھیں شامل کر لیا۔ حاضری اور ملاقات کو سلام اور جواب سلام کے ذریعے سے ہم نے رمز کے طور پر اختیار کیا ہے۔ اللہ کی ذات میں مدغم ہو جانے کا تصور ہمارے نزدیک نا قابل قبول ہے۔ اس کی جگہ ہم اللہ کا قرب حاصل کرتے ہیں۔ اس کے حضور میں حاضر ہو کر آداب بجا لاتے ہیں۔ وہ ہمارے سلام قبول کرتا ہے اور ہم پر رحمت و برکت نازل کرتا ہے۔ اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی عبادت ایک طرح سے سارے مذاہب عالم کے بلکہ ساری کائنات کے طریقہ ہائے عبادت کا خلاصہ ہے۔

کائنات میں تین طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ جمادات، حیوانات اور نباتات۔ جمادات کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ کبھی حرکت نہیں کرتے بلکہ ساکت رہتے ہیں۔ نماز میں ہم پہلے بے حرکت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ گویا جمادات کی عبادت کا طریقہ ہماری عبادت میں قیام کے ذریعے سے شامل ہو گیا۔ حیوانات ہمیشہ رکوع کی حالت میں رہتے ہیں یہ ان کی عبادت ہے۔ ہماری نماز رکوع کی حالت میں اسی کی مماثل ہے۔ درختوں کا منہ ان کی جڑیں جو زمین میں گڑی رہتی ہیں لہٰذا اسلامی عبادات میں نباتات کا طریقہ عبادت بھی شامل ہے۔ صرف جمادات، حیوانات اور نباتات ہی کی نہیں، نماز میں کچھ انسانی خصوصیات بھی ہیں جیسے التحیات اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اسلامی عبادت سارے دینوں بلکہ ساری کائنات کی عبادتوں کا مجموعہ ہے اس لئے ان سب سے فائق ہے۔ (۵۱)

○ روزہ کا تصور

حال ہی میں پیرس میں ایک کتاب شائع ہوئی ہے جسے ایک یورپین غیر مسلم (غالباً کیتھولک) ڈاکٹر ژوفرائے نے لکھا ہے اس کا عنوان 'روزہ' ہے۔ اسے پڑھتے ہوئے مجھے عجیب وغریب باتیں معلوم ہوئیں۔ اس کا کہنا ہے کہ روزہ طبی نقطۂ نگاہ سے بھی انسانوں کے لئے مفید ہے۔ وہ ایک دلچسپ انکشاف کرتا ہے کہ روزہ انسانوں میں ہی نہیں بلکہ کائنات کی اور چیزوں، مثلاً درختوں اور حیوانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ اگرچہ اس کا ہمارے موضوع سے کوئی براہِ راست تعلق نہیں تاہم آپ کی دلچسپی کے لئے عرض کرتا ہوں۔ جہاں تک حیوانوں کا تعلق ہے ان کے متعلق اس نے ذکر کیا ہے کہ ایسے وحشی جانور جو بالکل فطری حالت میں رہتے ہیں۔ جس زمانے میں برف باری ہوتی ہے انہیں کھانے پینے کی کوئی چیز نہیں ملتی اور بعض اوقات اس کا سلسلہ کئی کئی مہینوں تک جاری رہتا ہے جن علاقوں میں برفباری شدید ہوتی ہے وہاں برف کی وجہ سے مہینوں تک نظر نہیں آتی اس صورت میں ایسے جانور جو اپنی غذا کو خود حاصل کرتے ہیں انہیں نہ کوئی چیز کھانے کو ملتی ہے اور نہ پینے کو، اس کے باوجود وہ نہیں مرتے۔ اس نے لکھا ہے کہ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ جانور، پرندے، سانپ وغیرہ سب پہاڑوں کے غاروں میں چلے جاتے ہیں اور وہیں سو جاتے ہیں اس کو Hibernation کہتے ہیں۔ یعنی سردی کے زمانے کی نیند۔ اس کا سلسلہ ہفتوں بلکہ مہینوں تک جاری رہتا ہے۔ وہ بیان کرتا ہے کہ یہ نہ کھانے اور نہ پینے کی حالت، یعنی روزے کے باعث ان جانوروں میں نئے سرے سے جوانی آتی ہے۔ جب سردیوں کا زمانہ ختم ہوجاتا ہے اور بہار کا موسم آنے لگتا ہے تو ایسے پرندے، جو ان غاروں میں ہیں، ان کے پرانے پر جھڑ جاتے ہیں اور نئے پر نکل آتے ہیں۔ جن کی طراوت اور خوش نمائی سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نئے سرے سے جوان ہوگئے ہیں۔ اسی طرح سانپ کے متعلق وہ لکھتا ہے کہ اس کی جھلی جھڑ جاتی ہے اور اس کو ایک نئی کھال یا نیا چمڑا ملتا ہے جو چمک دمک میں پہلے سے بہتر ہوتا ہے۔ اس زمانے میں ان جانوروں میں واقعی ایک جوانی سی آجاتی ہے انہیں اپنی تعداد بڑھانے کے لئے نر کو مادہ سے ملنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے۔ اس زمانے میں ان روزہ رکھے ہوئے جانوروں میں پہلے سے زیادہ قوت اور پہلے سے زیادہ جوانی آجاتی ہے۔ اسی طرح درختوں کے متعلق وہ بیان کرتا ہے کہ سردیوں خصوصاً برفباری کے زمانے میں درختوں کے سارے پتے جھڑ جاتے ہیں انہیں کوئی پانی نہیں دیا جاتا۔ ان کی کسی قسم کی آبپاشی نہیں ہوتی۔ گویا وہ روزہ رکھتے ہیں روزے کی مدت ہفتوں

اور مہینوں تک چلتی ہے۔ یہ روزہ ختم ہونے پر درختوں کو ایک نئی جوانی حاصل ہوتی ہے۔ ان مشاہدات کی روشنی میں ڈاکٹر ژوفرائے کا کہنا ہے کہ انسانوں کو بھی ہر سال روزے رکھنے چاہئیں یہ ان کی صحت کے لئے بہتر ہوگا یہ ان کو نئی توانائی اور نئی جوانی عطا کریں گے۔ اس نے بہت سی لمبی بحثیں کی ہیں کہ آج کل بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جن کا ابھی تک کوئی علاج دریافت نہیں ہوا۔ ان کا علاج طویل یا مختصر فاقہ کشی، یعنی روزے کے ذریعے کیا جاتا ہے۔ آخر میں اس نے نتیجہ نکالا ہے کہ انسانوں کو ہر سال سات ہفتے لازماً روزہ رکھنا چاہیے اور ہر ہفتہ میں ایک دن روزہ چھوڑ دینا چاہیے اس طرح اسے بیالیس روزے رکھنے چاہیں اسے ہم ان کا چلہ کہہ سکتے ہیں اس کی رائے میں انسان کی صحت کو محفوظ رکھنے کا یہ بہترین طریقہ ہے یہ طبی مشورہ عیسائی دینی عقائد و احکام سے متاثر ہے۔ (۵۲)

انجیل میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نبوت ملنے سے قبل ایک صحرا میں معتکف ہوئے اور مسلسل چالیس دن روزہ رکھا تھا۔ ابتدائی عیسائی اس کی یاد میں خود بھی روزہ رکھنے لگے مگر عملدرآمد ہر جگہ یکساں نہ تھا۔ ۴۳۹ء سے پہلے شہر روما کے عیسائی صرف تین ہفتے روزہ رکھتے تھے تو اسکندریہ والے سات ہفتے جن میں سے سارے سنیچر اور اتوار مستثنیٰ ہوتے بجز ایک مقدس سنیچر کے اس طرح چھتیس روزے ہر سال رکھے جاتے تھے اور وہ خیال کرتے تھے کہ ۳۶ کی تعداد سال کا دسواں حصہ اور مال کی طرح غذا کا بھی دسواں حصہ زکات روزہ ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جو کوئی پورا رمضان کا مہینہ روزہ رکھے پھر اس کے بعد کے مہینے میں شوال میں چھ دن روزے رکھے تو یہ پورا سال روزہ رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ اصل میں ایک آیت کریمہ پر مبنی ہے من جآء بالحسنة فله عشرا مثالها (۵۳) کوئی ایک نیکی کرتا ہے تو اسے دس گنا ثواب دیا جائے گا یہ بہت ٹھیک بیٹھتا ہے کہ ایک مہینہ کے دس مہینے اور چھ دن کے ساٹھ۔ (۵۴) ہندوؤں کے ہاں روزہ ہے لیکن زمانہ اور تعداد زیادہ معین نہیں۔ اور لزوم بھی کم ہے۔ بانیان مذہب کی تاریخ پیدائش اور سورج گرہن اور چاند گرہن جیسے اثر انداز کرشمہ ہائے قدرت کے موقعوں پر دین دار لوگ روزہ رکھتے ہیں۔ اور سہ پہر کے تقریباً تین بجے افطار کر لیتے ہیں۔ میکسیکو کے سرخ فام لوگوں کے دینی سرکردہ سالانہ ۱۶۰ دن روزہ رکھتے ہیں گویا ایک دن آڑ۔ حدیث میں ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی بھی عادت تھی۔ بعض ممالک میں قدیم زمانے میں موسم بہار میں روزہ رکھنا واجب کیا گیا تھا تاکہ غیر شادی شدہ لوگوں میں زناکاری کم ہو۔ ایک حدیث میں بھی ہے کہ کسی کے پاس بیوی نہ ہو تو باعفت رہنے کے لئے روزہ رکھا کرے۔ (۵۵)

○ حج کا تصور

دوسری قوموں کا حج یا تو اپنے کسی بزرگ' کسی ولی کسی بانی مذہب کی زیارت کرنا ہے یا مظاہر قدرت اور عجائبات میں سے کسی بہت ہی عجیب چیز کی زیارت کرنا ہے۔ چنانچہ ہندو دریائے گنگا کے منبع کی زیارت کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اس میں بڑا ثواب ہے۔ دریائے گنگا اور جمنا کا سنگم جوالہ آباد کے مقام پر ہے۔ اس کی زیارت میں بڑا ثواب سمجھتے ہیں۔ اسی طرح عیسائیوں کے ہاں حضرت عیسیٰ کی جو مبینہ قبر ہے۔ ہر چند وہ کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر جا چکے ہیں اور قبر خالی ہے' لیکن ان کے نزدیک اس قبر کی زیارت کرنا بہت ثواب کا کام ہے۔ عام عیسائی جو بیت المقدس نہیں جا سکتے وہ سینٹ پیٹر [پطرس] کی قبر کی جو ویٹی کان (Vatican) اٹلی میں ہے' زیارت کرنا ثواب سمجھتے ہیں اور تو اور مذہب کے نام تک سے نفرت کرنے والے کمیونسٹ جب انگلستان جاتے ہیں تو ان کے نہایت ہی محترم افراد مثلاً وزیراعظم اور وزیر خارجہ بھی کارل مارکس کی قبر کی زیارت کو ضرور جاتے ہیں جو انگلستان میں دفن ہے گویا ان کے ہاں بھی حج پایا جاتا ہے۔ لیکن یہ سارے حج یا تو مظاہر قدرت کے کسی مقام کی زیارت یا اپنے کسی مقدس آدمی کی زیارت پر مشتمل ہے۔ مسلمانوں کا حج ان سب سے مختلف ہے اور وہ ہے اللہ کے گھر کی زیارت۔ اس کے حضور میں اس کے مکان میں حاضر ہو کر باریابی حاصل کرنا۔ کعبے کو علامتی طور پر بیت اللہ کہا جاتا ہے۔ یہ ایک رمز ہے جس کی توجیہہ ان نوجوانوں کے لئے شدید دلچسپی کا باعث ہو جنہوں نے کبھی اس پہلو پر غور نہیں کیا۔ اللہ کے اسماء حسنیٰ ننانوے ہیں۔ قرآن مجید میں ایسے نام بھی ہیں جو اللہ کی صفات کے مظہر ہیں مثلاً رزاق، خالق وغیرہ وغیرہ۔ ان ناموں میں سے جو نام میری رائے میں انسان اور خدا کے تعلقات کی سب سے بہتر نمائندگی کرتا ہے وہ نام ہے "الملک" بادشاہ۔ جب ایک نام کسی غرض کے لئے منتخب کر لیا گیا تو انسانی سوسائٹی میں اس نام کے ساتھ جو لوازم ہیں ان کو بھی قبول کرنا ہوگا۔ بادشاہ سے کچھ چیزیں خاص طور پر منسوب ہیں مثلاً بادشاہ کے پاس فوجیں ہوتی ہیں وللّٰہ جنود السموات و الارض' بادشاہ کے پاس خزانے ہوتے ہیں وللّٰہ خزائن السموات و الارض' بادشاہ کے پاس ملک ہوتا ہے۔ وللّٰہ ملك السموات و الارض' جب سلطنت کا رقبہ بہت وسیع ہو تو بادشاہ اس کے پایہ تخت یا صدر مقام تجویز کرتا ہے۔ پایہ تخت کے لئے انگریزی زبان کے ایک لفظ سے آپ واقف ہوں گے۔ (Metopolis) یہ ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی ہیں شہروں کی ماں۔ اس کے

معنی ہیں قرآن کا لفظ ''ام القریٰ'' اور شہر مکہ ام القریٰ ہی کے نام سے مشہور ہے۔ گویا اللہ کی سلطنت کا وہ صدر مقام ہے جب ایک میٹروپولیس یا ام القریٰ ہو تو وہاں بادشاہ کا محل بھی ہوگا چنانچہ بیت اللہ الحرام، اللہ کا مکان یا اللہ کا گھر وہاں پر موجود ہے۔ گویا کعبہ جو بیت الحرام ہے یہ اس بادشاہ کا محل ہے۔ کسی ملک میں بادشاہ ہو تو یہ ہمیشہ سے رواج رہا ہے کہ رعایا کے نمائندے پایہ تخت کو جا کر بادشاہ کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور اپنی اطاعت کا یقین دلاتے ہیں۔ حج کے سلسلے میں جب لوگ مکہ معظّمہ جاتے ہیں اور کعبہ کے سامنے حاضر ہوتے ہیں تو وہ حجر اسود پر اپنا ہاتھ رکھتے ہیں اور حجر اسود کو بوسہ دے کر طواف کا آغاز کرتے ہیں۔ اس کو ہمارے فقہاء دو ناموں سے یاد کرتے ہیں۔ اسے استلام بھی کہتے ہیں اور بیعت بھی کہتے ہیں بیعت کے معنی ہیں اپنے آپ کو بیچ دینا۔ اپنے آپ کو (اللہ کے ہاتھ) فروخت کر دینا اور کہہ دینا اے اللہ میں اپنی ذات کو تیرے سپرد کرتا ہوں۔ ہم اللہ سے ایک معاہدہ کرتے ہیں اور معاہدہ کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ ایک شخص دوسرے کے شخص پر اپنا ہاتھ رکھتا ہے ایک متواتر حدیث ہے جس کے الفاظ ہیں ''الحجر الاسود یمین اللّٰه فی الارض'' (حجر اسود زمین پر اللہ کا ہاتھ ہے) چنانچہ اللہ کے دائیں ہاتھ پر ہم معاہدہ کرتے ہیں اور بیعت کرتے ہیں جب ہم اپنی اطاعت کے ذریعے اپنے بادشاہ کو ہم اطمینان دلا دیتے ہیں کہ ہم اس کے سچے اور مخلص مطیع ہیں تو وہ سب سے بڑا اعزاز جو مالک ہمیں عطا کرتا ہے وہ قصر شاہی کی پاسبانی کا اعزاز ہے۔ جو ساری عمر کی بجائے سات مرتبہ طواف کرنا کافی قرار دیا گیا ہے۔ (۵۶)

❹ مذاہب عالم کی تعلیمات (Teachings of Religions)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اپنی تصنیفات میں جابجا ایسے اشارات دیئے ہیں جن میں مذاہب عالم کی تعلیمات کا ذکر ہے۔ طوالت سے بچتے ہوئے چند نکات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

○ قرآنی علوم

قرآن مجید پر نظر ڈالی جائے تو پتہ چلے گا کہ اس میں بے شمار علوم کا ذکر ہے۔ قرآن مجید میں صرف دین دعقائد عبادات اور متعلقہ اخلاقی چیزوں کا ذکر نہیں ہے بلکہ اس میں بہ کثرت اور علوم بھی نظر آتے ہیں۔ اگر میں توریت کو بنی اسرائیل کی تاریخ کہوں تو اس میں پہلے تمہیدی باب کے بعد جس میں حضرت آدم علیہ السلام سے موسیٰ علیہ السلام تک

کے حالات بیان کئے گئے ہیں باقی سب چیزیں بنی اسرائیل کی تاریخ سے متعلق ہیں۔اس طرح آپ انجیل کو پڑھیں تو وہ ایک ہی شخص یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری ہے۔اس کے برخلاف قرآن مجید نہ تو عرب کی تاریخ ہے اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح عمری بلکہ سارے بنی آدم کی تاریخ ہے قرآن مجید میں بے شمار بادشاہوں' نبیوں اور قوموں کے قصے بیان کئے گئے ہیں۔ان کے ذریعے مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ وہ گذشتہ لوگوں کے اچھے یا برے انجام کو سامنے رکھ کر ذمہ داری کے پورے احساس کے ساتھ زندگی گذاریں۔(۵۷)

○ غلام بنانا

آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ توریت وانجیل میں غلام بنانے کا ذکر تو ہے لیکن غلامی کی آزادی کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ایک بھی ایسی آیت توریت وانجیل میں نہیں ہے جس کی رو سے غیر یہودی غلاموں کو آزاد کیا جاسکتا ہو۔اس کے برخلاف قرآن نے کہا ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنا ایک بہت بڑی نیکی ہے اور آگے چلئے مختلف گناہوں کا کفارہ دینے کے لئے قرآن حکیم نے حکم دیا ہے کہ غلام کو آزاد کرو۔مثال کے طور پر ایک آدمی اپنی بیوی کو ظہار نامی طلاق دے کر پچھتائے یا کسی مسلمان کو غلطی سے قتل کردے تو علاوہ خون بہا کے قرآن مجید نے یہ حکم دیا ہے کہ غلام کو آزاد کر کے کفارہ دو۔اگر غلام تمہارے پاس نہ ہو اس صورت میں دوسرے کام انجام دے سکتے ہو مگر غلام آزاد کرنے کا حکم شروع میں آتا ہے۔قرآن حکیم کی سورۃ توبہ آیت ۶۰ میں ایک لفظ آیا ہے" فی الرقاب" اس پر سارے مفسرین اور فقہاء متفق ہیں کہ"رقاب" سے مراد دو قسم کے لوگ ہیں، ایک تو وہ مسلم یا غیر مسلم غلام جو ہماری ملکیت میں ہوں ان کی رہائی کے لیے یہ سرکاری رقم لگائی جائے دوسرے ہماری رعایا کے مسلم یا غیر مسلم لوگ جو دشمن کے ہاتھوں قید ہوجائیں ان کے فدیہ دینے کی بھی ضرورت ہے۔اگر حکومت کے بجٹ میں سالانہ ایک مخصوص رقم ملک کے غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے رکھنا لازی ہو تو بہت آسانی سے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ کچھ ہی دنوں کے بعد اس ملک میں ایک بھی غلام باقی نہیں رہے گا۔کیا ایسی مثال دنیا کی متمدن سے متمدن حکومت بھی پیش کرسکتی ہے؟ آج بھی لوگوں کو غلام بنایا جاتا ہے۔ان کی مرضی کے خلاف Concentration کیمپوں میں بھیجا جاتا ہے۔جہاں وہ غلاموں سے بھی بدتر زندگی گذارتے ہیں۔بہر حال میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر غلامی انسانیت کے لئے ناسور ہے تو کم از کم، اسلامی غلامی، انسانیت کے ناسور کا علاج ہے۔(۵۸)

○ قانونِ اسلامی کا امتیاز

جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو اس وقت دنیا کے سامنے ایک قانونی چیلنج تھا کہ اگر تم میں ہمت ہے تو اس رومی قانون سے بہتر قانون بناؤ۔ اس چیلنج کا ہمارے پیغمبر علیہ السلام نے جواب دیا اور وہ قانون بنایا جو جسٹینین (Justinian) کے قانون سے بھی حقیقتاً بہتر ہے۔ اس میں وہ کمزوری بھی نہیں جو جسٹینین کے قانون میں تھی بلکہ استحکام، استقامت اور پائیداری بھی ہے۔ اسلامی قانون میں جو وسعت اور ہمہ گیری ہے وہ رومی قانون میں نہیں ہے مثلاً جسٹینین کے کوڈ میں دینی امور اور عبادات کا قطعاً کوئی ذکر نہیں ہے اسی طرح اور بہت سی چیزیں جو اسلامی قانون میں ملتی ہیں وہاں نظر نہیں آتیں۔ اگر کوئی شخص غیر جانبداری سے رومی اور اسلامی قانون کا موازنہ کرے تو وہ یقیناً یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے گا کہ اسلامی قانون ہی بہتر ہے۔ میں نے چند ابواب کی حد تک رومی اور اسلامی قواعد کا تفصیلی مقابلہ کیا ہے اور ذاتی علم کی بنا پر یہ دعویٰ کر رہا ہوں۔(۵۹)

○ شرائع ماقبل۔ قانون کا اہم مآخذ

اسلام سے قبل کے صحف سماوی ''شرائع من قبلنا'' کا ذکر قرآن مجید میں کئی بار آیا ہے۔ چنانچہ سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَ كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ ﴾(٦٠)

ہم نے یہودیوں کے لئے توریت میں حکم دیا ہے کہ جان کے بدلے جان، آنکھ کے بدلے آنکھ، صراحت سے یہ توریت کا اور یہودیوں سے مختص قانون ہونے کے باوجود اسلامی قانون کا جز بن جاتا ہے۔

ایک دوسری مثال سورۃ نور آیت ۲ میں جہاں غیر شادی شدہ زنا کار مرد اور عورت کو ایک سو درے یا کوڑے مارنے کا حکم ہے، لیکن شادی شدہ لوگوں کی زنا کا کوئی ذکر قرآن میں نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے شادی شدہ، لوگوں کی زنا کاری پر توریت اور انجیل دونوں میں رجم کرنے کا حکم موجود ہے۔ (اور صحیح بخاری وغیرہ کی روایت کے مطابق رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی صحت کی توثیق بھی فرمائی ہے) لہٰذا جس توریتی اور انجیلی حکم سے قرآن نے سکوت کیا وہ برقرار رہے گا۔

چنانچہ اسلام میں بھی رجم کے حکم کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور بعد کے سارے خلفاء اور فقہاء نے برقرار سمجھا اور نافذ کیا۔ غرض شرائع من قبلنا بھی اسلامی قانون کا ایک ماخذ ہیں بشرطیکہ ان کی صحت کا ثبوت ملے اور قرآن وحدیث نے ان کو بدلنے کا حکم نہ دیا ہو۔ (۶۱)

5 اصطلاحات مذاہب عالم

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے جا بجا مذاہب عالم کی بعض اصطلاحات کی نہایت دلچسپ اور علمی انداز میں بحث کی ہے۔ ان میں سے چند ایک کا تذکرہ بے جا نہ ہوگا۔

○ بیت ایل

بائبل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جو قصہ بیان کیا گیا ہے اس میں لکھا ہے کہ جب وہ عراق سے ترک وطن کر کے فلسطین آئے تو انہوں نے مختلف مقامات پر ''بیت ایل'' تعمیر کئے۔ بیت وہی لفظ ہے جو عربی میں ہے اور ایل کے معنی اللہ کے ہیں۔ یہ لفظ ہم کو جبرئیل اور اسرائیل وغیرہ میں نظر آتا ہے۔ بیت ایل کے معنی ہیں ''اللہ کا گھر'' بائبل کے مطابق انہوں نے فلسطین کے بہت سے مقامات پر اللہ کی عبادت گاہیں تعمیر کیں اور مقامی باشندوں کو بتایا کہ اپنے پروردگار اور خالق کی کس طرح عبادت کریں۔ (۶۲)

○ ناموس

ناموس کا لفظ عام طور پر عزت کے لئے مستعمل ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں یہ مفہوم نہیں ہوسکتا (ورقہ بن نوفل کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے) بعض مفسرین ناموس کے معنی ''قابل اعتماد'' لکھتے ہیں۔ اسلامی ادبیات میں وہ روح الامین ہیں مگر یہ معنی بھی یہاں کام نہیں دیتے میرے ذہن میں آتا ہے کہ ناموس اصل میں ایک اجنبی لفظ ہے جو معرب ہو کر عربی زبان میں مستعمل ہوا۔ یہ یونانی زبان کا لفظ نوموس (Nomos) ہے یونانی زبان میں لفظ توریت کو نوموس یعنی قانون کہتے ہیں دوسرے لفظ میں ورقہ بن نوفل کا بیان ہے کہ یہ چیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کی توریت سے مشابہہ ہے اور یہی معنی زیادہ قرین قیاس ہیں۔ (۶۳)

○ انجیل

انجیل کے معنی ''خوش خبری'' کے ہیں اور اس کی وجہ تسمیہ غالبًا یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے جو حالات زندگی انجیل میں ملتے ہیں ان کے مطابق عام طور پر وہ کسی گاؤں میں جایا کرتے تھے اور وہاں کے لوگوں سے کہتے تھے۔ کہ میں بشارت دیتا ہوں کہ خدا کی حکمرانی اب جلد آنے والی ہے۔ شاید اسی اساس پر کتاب کا نام بھی یہی ہوگا۔ (۶۴)

○ فارقلیطس

یہ ایک یونانی زبان کا لفظ ہے اس کے معنی یونانی زبان میں Director یا راہنما کے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ خیال عام ہے کہ یہ وہ لفظ ہے جس کے معنی احمد کے ہیں۔ یہ خیال مسلمانوں میں غالبًا اس وجہ سے عام ہوا کہ مسلمانوں کے قدیم ترین سیرت نگار ابن اسحاق نے ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر قدیم دینی کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ چنانچہ فارقلیطس کا لفظ انجیل میں آیا ہے جس کے معنی احمد کے ہیں۔ یہ تھا خلاصہ اس قصے کا اور میں سمجھتا ہوں کہ ممکن ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پیشن گوئی فرمائی ہو جیسا کہ قرآن نے بھی اس کی تائید کی ہے: ﴿ وَ مُبَشِّرا بِرَسُوْلٍ یَأْتِیْ مِنْ بَعْدِیْ اِسْمُهٗ اَحْمَدْ ﴾ (۶۵)

پیر قلیطس اور پارا قلیطس (Para Kletos) دو یونانی لفظ ہیں ان میں تھوڑا سا فرق ہے۔ پیر قلیطس کے معنی ہیں جو حمد و ثنا کا مجسم نمونہ ہے احمد اور پارا قلیطس کے معنی ہیں Director یا رہنما۔ اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ پیشن گوئی فرمائی کہ آخری نبی آئے گا۔ جو ہادی ہوگا یا یہ فرمایا کہ آخری نبی آئے گا جو حمد و ثنا کا مجسم نمونہ ہوگا تو نتیجہ ایک ہی ہے۔ وہ ایک پیش گوئی کر رہے تھے کہ میں نے دین کی تکمیل نہیں کی۔ میرے بعد ایک اور نبی آئے گا وہ اس کی تکمیل کرے گا۔ اس میں کوئی تضاد نہیں ہے اس کی تائید انجیل کے بعض دوسرے قصوں سے بھی ہوتی ہے مثلاً ایک جگہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں مجھے جلد ہی دنیا سے جانا پڑے گا وہ مزید کہتے ہیں کہ یہ ضروری ہے کہ میں یہاں سے جاؤں تا کہ آسمانی باپ تمہیں وہ شخص روانہ کرے جو تمہیں وہ چیزیں بیان کرے گا جو میں اب تک بیان نہیں کر سکا ہوں۔ (۶۶)

○ ذوالکفل

قرآن مجید میں ایک ایسے پیغمبر کا بھی ذکر آیا ہے جسے ہم ہندوستان سے متعلق کہہ سکتے ہیں یہ پیغمبر حضرت ذوالکفل ہیں۔ان کے متعلق قرآن وحدیث میں تفصیلی صراحت موجود نہیں ہے بعض محدثین ومفسرین نے اس سلسلے میں اگر چہ لکھا ہے۔لیکن وہ قابل اعتماد نہیں۔ہم میں سے بہت سے لوگوں کے استاد مولانا مناظر احسن گیلانی کفل کہتے تھے کہ غالباً اس سے مراد گوتم بدھ ہے اس کی وجہ وہ یہ بتاتے تھے کہ ذوالکفل کے لفظی معنی کفل والے کے ہیں۔ اور کفل ''کپل وستو'' کی معرب شکل ہے یہ بنارس کے قریب ایک شہر ہے۔جس میں گوتم بدھ پیدا ہوئے تھے اس کی مزید تائید کے لئے وہ سورۃ التین کی آیات ۱ تا ۳ کی طرف اشارہ فرماتے تھے جس میں تمام مفسرین کے خیال میں چار پیغمبروں کا ذکر آیا ہے زیتون سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف اشارہ ہے،سینا سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی طرف، بلدالامین سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف۔والتین کیا ہے؟ بعض لوگوں نے کہا کہ اس سے مراد حضرت ابراہیم علیہ السلام ہیں لیکن حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی زندگیوں میں انجیر کو کوئی اہمیت حاصل نہیں رہی جب کہ مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے تھے کہ گوتم بدھ کے ماننے والوں کا متفقہ بیان ہے کہ گوتم بدھ کو جنگلی انجیر کے نیچے نروان حاصل ہوا تھا۔اس سے وہ استنباط کرتے تھے کہ قرآن مجید میں جہاں دنیا کے تمام بڑے مذاہب کا ذکر ہے وہاں بدھ مت کا بھی ذکر ایک بہت لطیف انداز میں کر دیا گیا ہے۔گوتم بدھ کے حالات چونکہ عربوں کو تفصیل سے معلوم نہیں تھے لہٰذا اس پر زور نہیں دیا گیا۔(۶۷)

❻ اسلام اور رواداری (Tolerance & Islam)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اپنی تصنیفات ومقالات میں جہاں مذاہب عالم کی کتب وعقائد،عبادات اور تعلیمات کا تقابلی مطالعہ پیش کیا ہے وہیں اس کا ایک دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کے ساتھ کیسا سلوک رکھنے کا روادار ہے۔نیز صدرِ اسلام سے دورِ جدید تک مسلمانوں کا غیر مسلموں کے ساتھ کیسا رویہ رہا ہے۔ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا یہ منفرد پہلو وسیع تحقیق کا متقاضی ہے۔تاہم یہاں پر چند اقتباسات پیش کر کے ان کے نقطۂ نظر کی طرف اشارہ کیا جا سکتا ہے۔اپنی معروف کتاب میں رقمطراز ہیں:

"The first Muslim state was founded and governed by the Prophet. It was the city-state of Madinah, a confederacy of autonomus villages, inhabited by Muslims, Jews, Pagan Arabs, and possibily a handful of Christians. The very nature of this state demanded a religious tolerance, which was formally recognized in the constitution of this state, which document has come down to us. The first treaties of defensive alliance were concluded with non-Muslim and were always scrupulously observed. (68)

اسی پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے ایک اور مقام پر لکھتے ہیں:

''غیر مسلموں کے متعلق اسلام کا کیا برتاؤ ہے؟''

اس آیت سے ہر شخص واقف ہوگا۔ لا اکـــراہ فـــی الـدیـن یعنی اسلام قبول کرنے کے لئے جبر کی کوئی اجازت نہیں۔ پیغمبر کا فریضہ صرف ابلاغ وتبلیغ ہے اس کے بعد نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے بارے میں حتمی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ کسی کو جبر کے ساتھ کبھی مسلمان نہیں بنایا گیا۔ غیر مسلموں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیے؟ قرآن میں یہ عجیب وغریب اصول ملتا ہے۔ کہ ہر مذہبی کمیونٹی کو کامل داخلی خود مختاری دی جائے حتی کہ نہ صرف عقائد کی آزادی ہو اور اپنی عبادات وہ اپنی طرز پر کر سکیں بلکہ اپنے ہی قانون، اپنے ہی ججوں کے ذریعے سے اپنے مقدمات کا فیصلہ بھی کرائیں۔ کامل داخلی خود مختاری کا قرآن کی کئی آیتوں میں ذکر ہے۔ جن میں سے ایک آیت بہت واضح ہے ﴿وَلْيَحْكُمْ اَہْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ﴾ (۶۹) یعنی انجیل والوں کو چاہیے کہ اس چیز کے مطابق احکام دیا کریں جو اللہ نے انجیل میں نازل کی ہے۔ ان احکام کے تحت عہد نبویؐ ہی میں قومی خود مختاری ساری آبادی کے ہر ہر گروہ کو مل گئی تھی۔ جس طرح مسلمان اپنے دین، عبادات، قانونی معاملات اور دیگر امور میں مکمل طور پر آزاد تھے، اسی طرح دوسری ملتوں کے لوگوں کو بھی کامل آزادی تھی۔ (۷۰)

ایک اور مقام پر مذکورہ بالا اصول کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اسلامی مملکت میں غیر مسلموں پر اسلامی قانون نافذ نہیں کیا جاتا۔ عہد نبویؐ میں قرآن مجید کے احکام کے تحت ہر مذہبی جماعت (عیسائیوں، یہودیوں وغیرہ کو داخلی خود مختاری حاصل تھی عقائد اور عبادات ہی کے متعلق نہیں بلکہ قانون و عدلیہ کے متعلق بھی)۔ (۷۱) ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے مستند شواہد کی روشنی میں یہ بتایا کہ مدینہ کی اسلامی مملکت میں پہلے تحریری دستور ''میثاق مدینہ'' میں اس داخلی خود مختاری کی مکمل ضمانت دی گئی تھی ایک دفعہ کے صریحاً الفاظ ''للمسلمین دینهم و للیهود دینهم'' اس طرف اشارہ کرتے ہیں۔ (۷۲) اسی طرح خلفاء راشدین کے دور میں بالخصوص حضرت عمرؓ نے اس رواداری کو بہت فروغ دیا۔ یہاں تک کہ حضرت عمرؓ نے زکوٰۃ سے غیر مسلموں (یہودیوں) کی امداد کی اور ان کے وظائف مقرر کیے بلکہ اس میں مجوسیوں کو بھی شامل کیا گیا۔ (۷۳) نیز یہ محض نظری اور کتابی تعلیمات نہیں عملاً صدر اسلام سے ان اصولوں پر عمل ہوا جس کا اعتراف کئی غیر مسلموں نے بھی کیا ہے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے زمانہ حال کے ایک متعصب رومن کتھولک پادری کے اقتباس کو بطور تائید کے نقل کیا ہے اس کے خیال میں: 'مسلمان عربوں کو یعقوبی [فرقہ] عیسائیوں نے بھی اپنے نجات دہندوں کی حیثیت سے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ مسلمانوں کی سب سے اہم جدت جس کا یعقوبی عیسائیوں نے دلی خوشی سے استقبال کیا' یہ تھی کہ ہر مذہب کے پیروؤں کو ایک خود مختار وحدت قرار دیا جائے اور اس مذہب کے روحانی سرداروں کو ایک بڑی تعداد میں دنیاوی اور عدالتی اقتدارات عطا کیے جائیں۔ (۷۴)

❼ مطالعہ ادیان و مذاہب کا متفرق مواد

مذکورہ بالا سطور میں ہم نے عقائد و عبادات اور کتب و صحائف کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے افکار و خیالات کا مطالعہ پیش کیا ہے۔ مقالہ کو مزید طوالت سے بچانے کے لئے چند مقالات کی طرف اشارہ ہی کافی ہوگا۔

○ فرانسیسی ترجمہ قرآن کے حواشی

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے فرانسیسی ترجمہ قرآن کے حواشی میں مذاہب عالم سے متعلق جا بجا مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں نیز جگہ جگہ بائبل کے حوالے دیئے ہیں۔ (۷۵)

○ اظہار الحق کے اردو ترجمہ پر مفید حواشی

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اظہار الحق (۷۶) کے اردو ترجمہ بائبل سے قرآن تک کے منصۂ شہود پر آنے کے بعد اس ترجمہ پر بھرپور تبصرہ لکھا (۷۷) اور اس کے فرانسیسی ترجمہ کی مدد سے ایسا اشاریہ مرتب کرنے کا بیڑہ اٹھایا جن میں فرنگی ناموں کا صحیح املاء کے ساتھ درج ہو۔ تاہم فوری طور پر انہوں نے ۱۰ اصفحات پر مشتمل حواشی اردو میں تحریر کر کے دیئے جو فرانسیسی مترجم نے کتاب کو دیئے تھے۔ محترم مولانا تقی عثمانی نے ڈاکٹر موصوف کی یہ کاوش بطور ضمیمہ کے پہلی جلد کے آخر میں چھاپ دی ہے۔ (۷۸)

○ جگن ناتھ آزاد کی نعتیہ شاعری کا فرانسیسی میں ترجمہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اردو زبان کے ایک معروف ہندو شاعر پنڈت جگن ناتھ آزاد کے اردو نعتیہ کلام کو فرانسیسی زبان کے قالب میں ڈھالا ہے اس کتابچے کا نام انہوں نے Hommage a Mahomet رکھا جو پہلی بار ۱۹۹۰ء میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اس ترجمہ کے ذریعے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اپنے مغربی قارئین کو یہ بتاتے ہیں کہ صرف مذہبی اہل قلم ہی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف میں رطب للسان نہیں بلکہ مشرق کے باسی غیر مسلم بھی اس عظیم ترین ہستی کی شان میں سخن سرا ہیں۔ (۷۹)

○ مجلّات ورسائل کے قابل ذکر مقالات

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے نہ صرف اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب کے لئے ایسے مقالات تحریر فرمائے جن میں مختلف مذاہب کی بیش بہا معلومات مہیا کی گئی ہیں بلکہ دیگر ملکی وغیر ملکی رسائل و جرائد میں بھی مقالات تحریر کئے۔ یہاں پر بعض مقالات کا تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک کسریٰ کے نام ایک نئی دریافت (۸۰) ابرھۃ (۸۱) احابیش قبائل (۸۲) اسلامی قانون پر بیرونی اثرات (۸۳) غرقِ فرعون (۸۴) ایلاف، جاہلیت میں عربوں کے معاشی وسفارتی تعلیمات (۸۵) حضرت ابوبکر کی سفارت بنام ہرقل (۸۶) زینب بنت جحش (۸۷) سیر قانون بین الممالک (۸۸) طائف (۸۹)

عربی حبشی تعلقات (۹۰) عہد نبوی کے عربی ایران تعلقات (۹۱) قصص القرآن اھد افھا و حکمھا (۹۲) قیصر روم کے نام آنحضرت کا خط (۹۳) یہود (۹۴) انگریزی مقالات میں قابل ذکر یہ ہیں:

- Relations of Muslims with Non-Muslims. (95)
- The Jewish background of the battle of Jomal and Siffin. (96)
- Religious symbolism. (97)
- The friendly relations of Islam with christianity and How they deteriorated. (98)

8 خلاصہ بحث

ہم نے اس مقالہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تصانیف و مقالات میں ان پہلوؤں کا جائزہ پیش کیا جن میں انہوں نے ادیان و مذاہب کے مطالعے پر تقابلی انداز میں بحث کی ہے۔ ان کی اس بحث سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جا سکتے ہیں۔

1. ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا ادیان و مذاہب کا مطالعہ بالذات نہیں ہے۔ بلکہ اسلامی عقائد و عبادات اور تعلیمات کی حقانیت اس مقارنہ و موازنہ کے ذریعے مبرھن کی گئی ہے۔
2. ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا ادیان و مذاہب کا مطالعہ اور جائزہ خشک اور اکتا دینے والا نہیں ہے بلکہ دلچسپ معلومات اور تحقیقات پر مبنی ہے۔
3. یہ تقابلی مطالعہ نہ صرف مذاہب عالم پر محیط ہے بلکہ دیگر اقوام و ملل، جغرافیہ و اعلام کو بھی شامل ہے۔
4. اس مطالعہ سے اسلامی عقائد و تعلیمات کے امتیازات نکھر کر سامنے آتے ہیں اور ایک داعی کا یہ بھی علمی فریضہ ہے کہ وہ اسلام کو عصری واقعات اور علوم کے تناظر میں پیش کرے۔

⑤ مطالعہ ادیان و مذاہب کے مطالعے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا اسلوب و انداز حریفانہ و جارحانہ نیز روایتی علماء کی طرح متکلمانہ و مناظرانہ نہیں ہے بلکہ اس مطالعہ کے ذریعے وہ دیگر ادیان و مذاہب کے پیرد کاروں کو اپنے قریب لانے کی کوشش کرتے نظر آتے ہیں اور کسی حد تک ان نکات پر لانے کی کوشش کرتے ہیں جن کا قرآن پاک کی اس آیت میں اشارہ ہے:

﴿قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ﴾(۹۹)

اس طرح ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا مطالعہ ادیان میں اسلوب جہاں ایک طرف داعیانہ اور خیر خواہانہ ہے وہیں محققانہ اور غیر جانبدارانہ بھی ہے۔ اپنے مخاطبین پر کسی قسم کے نظریات کو ٹھونسنے اور مسلط کرنے کی بجائے غیر جانبدارانہ حقائق پیش کر دیتے ہیں۔

⑥ مسلمان علماء و مفکرین ایک عرصہ سے مذاہب کے درمیان رابطہ یا مکالمہ بین المذاہب پر زور دے رہے ہیں۔ موجودہ دور میں تو اس کی اہمیت اور بھی دو چند ہو جاتی ہے ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نے اس ضرورت کو نہ صرف نظری اور علمی طور پر محسوس کیا اور اس طرف توجہ کی۔ بلکہ انہوں نے عملاً بھی بین المذاہب میں رابطہ کار کی حیثیت سے کام کیا اور وہ مغرب میں اسلام کے سفیر کی حیثیت سے پہچانے جاتے تھے۔(۱۰۰)

ان کی علمی خدمات اور عملی کاوشوں کا یہ وہ گوشہ ہے جو ابھی تک نظروں سے اوجھل ہے۔ ان سطور میں ان کی شخصیت و خدمات کے اسی پہلو کی طرف توجہ دلانے کی ایک کوشش کی گئی ہے۔ اب اہل نظر و فکر کا یہ کام ہے ان کی حیات و تحقیقات کے اس پہلو کو آگے بڑھائیں۔ (وما توفیقی الا باللہ)

حواشی وحوالہ جات

۱۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، قانون بین الممالک کے اصول اور نظریں، مکتبہ ابراہیمیہ حیدرآباد دکن، ۱۳۵۵ھ، پیش لفظ (اوّل) ص ۱۷۔۱۸

۲۔ محمد الیاس الاعظمی، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین الممالک، سہ ماہی فکر ونظر (خصوصی اشاعت) جلد ۴۰۔۴۱ اپریل۔ستمبر ۲۰۰۳ء، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، ص ۲۰۴، نیز اس موضوع پر مزید دیکھئے: ڈاکٹر محمد حمید اللہ، خطباتِ بہاولپور، خطبہ ۵، اسلامی قانون بین الممالک، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد، اشاعت ہفتم ۲۰۰۱ء، ڈاکٹر محمد ضیاء الحق، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین الممالک، فکر ونظر، حوالہ مذکور، صفحات ۲۰۷۔۲۷۰؛ ڈاکٹر محمد طاہر منصوری، اسلامی قانون بین الاقوام کی تشکیل جدید میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا کردار، فکر ونظر، حوالہ مذکور، صفحات ۲۸۷۔۳۰۵۔

۳۔ مکتوب ڈاکٹر محمد حمید اللہ بنام مظہر ممتاز قریشی نمبر ۱۵، اورینٹل کالج میگزین عدد خاص بیاد ڈاکٹر محمد حمید اللہ، کلیہ شرقیہ جامعہ پنجاب لاہور، ۲۰۰۳، ص ۱۶۳۔

۴۔ مکتوب ڈاکٹر محمد حمید اللہ بنام ڈاکٹر احمد خان نمبر ۶۲، سہ ماہی فکر ونظر، حوالہ مذکور، ص ۴۹۰۔

۵۔ مکتوب ڈاکٹر حمید اللہ بنام مظہر ممتاز قریشی نمبر ۱۱، اورینٹل کالج میگزین، حوالہ مذکور، نیز دیکھئے: ڈاکٹر صلاح الدین ثانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ بحیثیت قرآنی مترجم، مفسر، محقق، فکر ونظر، حوالہ مذکور، صفحات ۹۳۔۱۱۷ نیز دیکھئے:

M.Hamidullah, Paris, 1985, Introduction

۶۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: محمد ارشد، مغرب میں دعوتِ اسلام، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کاوشوں کا ایک جائزہ، فکر ونظر، حوالہ مذکور، ص ۳۴۰۔

۷۔ اپنے ایک مکتوب بنام مظہر ممتاز قریشی نمبر ۶۷ میں رقمطراز ہیں، اس ناچیز پر ایک نیا فریضہ لگایا گیا ہے۔ یہاں ایک ناشر حضرت ابراہیم پر ایک کتاب تین بابوں میں شائع کرنا چاہتا ہے۔ ایک یہودی معلومات، دوسرا عیسائی معلومات اور تیسرا اسلامی معلومات، اورینٹل کالج میگزین، حوالہ مذکور، ص ۱۹۴۔

۸۔ مکتوب بنام مظہر قریشی لکھتے ہیں، ایک نیا کام سر لیا ہے جب کہ پرانے کام بھی پورے نہیں ہوئے۔ وہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک مختصر سوانح عمری جس میں عیسائی فرقوں کے بے شمار اختلافی بیانات اور قرآن مجید کے بیانات کا مقابلہ ہو۔ یہاں آج کل عیسائیوں میں اسلام سے عداوت روز افزوں ہے، مکتوب ڈاکٹر حمید اللہ بنام مظہر ممتاز قریشی نمبر ۶۹، اورینٹل کالج میگزین، حوالہ مذکور، ص ۱۹۵۔

۹۔ تفصیل کے لئے دیکھئے' مقالہ محمد ارشد' مغرب میں دعوتِ اسلام ،ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی کاوشوں کا جائزہ ،فکر ونظر' حوالہ مذکور' ص۳۴۱ '۳۴۲۔

10. M. Hamidullah, Dr, Introduction to Islam, Sh. Muhammad Ashraf, Kashmiri Bazar Lahore 1974 P. 1

۱۱۔ محمد حمید اللہ'ڈاکٹر' خطبات بہاولپور'تعارف طبع اوّل'ادارہ تحقیقات اسلامی'اسلام آباد ۲۰۰۱ء،ص۱۵۔

۱۲۔ قرآن حکیم میں مختلف مذاہب وگروہوں کا تقابلی مطالعہ موجود ہے۔اس ضمن میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے اپنی کتاب'الفوز الکبیر' میں علم مخاصمہ کی جو اصطلاح استعمال کی ہے،نہایت دلچسپی کی حامل ہے۔جس میں باطل گروہوں کے عقائد وافکار کی تفصیلات ہی نہیں، ان کا عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ بطلان بھی کیا گیا ہے۔شاہ ولی اللہؒ نے مخاصمین کے چار گروہ بتائے ہیں: مشرکین، یہود، نصاریٰ، منافقین۔تفصیل کے لئے دیکھئے: شاہ ولی اللہ الفوز الکبیر فی اصول التفسیر،قرآن محل،تاجران کتب،مقابل مولوی مسافر خانہ،کراچی،۱۳۸۳ھ۔

۱۳۔ ایضاً' خطبہ نمبر۹،عہد نبویؐ میں نظام تعلیم، پیراگراف نمبر۲۶۶ (واضح رہے کہ حوالہ جات میں نمبر صفحات کے نہیں پیراگراف کے دیئے جائیں گے)۔

14. M. Hamidullah, Introduction to Islam, Op-cit, P.45

۱۵۔ بائبل میں خنوخ یا انوخ نام تو نہیں ہے حنوک کا ذکر ہوا ہے جو آدمؑ کی ساتویں پشت سے تھا۔غالباً ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا اشارہ اسی طرف ہوگا ملاحظہ ہو پرانا عہد نامہ، کتاب پیدائش ۴:۱۷ نیز نیا عہد نامہ، یہوداہ کا عام خط،۱۴، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور،۱۹۹۰ء

۱۶۔ مکتوب یہودا میں پیش گوئی کے یہ الفاظ تو ملتے ہیں، خداوند اپنے لاکھوں مقدسوں کے ساتھ آیا، نیا عہد نامہ، یہوداہ کا عام خط،۱۴، حوالہ مذکور۔

۱۷۔ النجم،۵۳: ۳۷-۴۱، الاعلیٰ،۸۷: ۱۹۔

۱۸۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ ۱، تاریخ قرآن مجید، حوالہ مذکور، پیراگراف ۲۔

۱۹۔ ایضاً۔

۲۰۔ الشعراء،۲۶: ۱۱۹۔

۲۱۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ ۱، تاریخ قرآن مجید، حوالہ مذکور، پیراگراف نمبر ۳۔

۲۲۔ تورات یا توریت (Torah) کو عام طور پر موسیٰ علیہ السلام کی طرف روایۃً منسوب کیا جاتا ہے۔اصل تورات پانچ کتابوں پر مشتمل ہے انہیں خمسہ موسوی یا صحائف خمسہ (Pantateuch) بھی کہتے ہیں۔تفصیل کے لئے دیکھئے: کتاب مقدس، پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۹۰ء نیز عابد احمد علی'تورات، اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب،۶۷۰،ص۷۰۳۔

۲۳۔ مذکورہ کتاب کے لئے پروٹسٹنٹ بائبل میں پیدائش اور کیتھولک بائبل میں ''تکوین'' کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔عربی میں اس کے لئے خلیقۃ کا لفظ آیا ہے انگریزی میں اسے Genesis کہا جاتا ہے۔اس میں ۵۰ ابواب اور ۱۵۳۰ فقرات ہیں۔ تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: ایف ایس، خیر اللہ (مؤلف)' قاموس الکتاب' بار ششم' مسیحی اشاعت خانہ۔۳۲ فیروز پور روڈ لاہور ۱۹۹۷ء، ص ۲۱۴ نیز دیکھئے: Encyclopaedia Britannica 'Bible' Vol. III, P. 499

۲۴۔ عربی اور اردو میں خروج کے الفاظ ہی استعمال ہوئے ہیں جبکہ انگریزی میں (Exodus) کا لفظ استعمال ہوا ہے اس میں ۴۰ ابواب اور ۱۲۱۳ فقرات ہیں۔مزید دیکھئے: قاموس الکتاب، حوالہ مذکور، ص ۳۷۳۔

۲۵۔ ڈاکٹر حمید اللہ نے توریت کی تیسری کتاب'' قانون'' بتائی ہے۔جبکہ مروج کتب میں اس کا نام ''احبار'' آیا ہے انگریزی میں (Leviticus) کا لفظ آیا ہے۔اس کے معنی علماء کے بیان ہوئے ہیں بعض نے ''لاویین'' کا لفظ بھی استعمال کیا ہے۔چونکہ اس میں احکام مذکور ہیں شاید اسی بنا پر ڈاکٹر موصوف نے اسے قانون کی کتاب کا نام دیا ہے۔اس کتاب میں ۲۷ ابواب اور ۸۵۷ فقرات ہیں۔

۲۶۔ اس کتاب کے لئے پروٹسٹنٹ بائبل میں گنتی اور کیتھولک بائبل میں عدد کا لفظ استعمال ہوا ہے جبکہ انگریزی میں (Numbers) کا لفظ ہی مستعمل ہے۔اس میں ۳۶ ابواب اور ۱۲۸۹ فقرات ہیں۔دیکھئے: قاموس الکتاب، حوالہ مذکور، ص ۴۸۰۔

۲۷۔ کتاب تثنیہ کو پروٹسٹنٹ بائبل میں ''استثناء اور کیتھولک بائبل میں، تثنیہ شرع'' سے تعبیر کیا گیا ہے جبکہ انگریزی میں (Deuteronomy) کا لفظ آیا ہے۔ اس میں ۳۴ ابواب اور ۹۵۸ فقرات ہیں۔ دیکھئے: قاموس الکتاب، حوالہ مذکور، ص ۴۶۔۴۷۔

۲۸۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ ا، تاریخ قرآن مجید، پیراگراف نمبر ۴۔

۲۹۔ جب بنی اسرائیل کی بداعمالیاں حد سے بڑھ گئیں تو اللہ تعالیٰ نے ان پر شاہِ بابل بنوکدنوصور (Nabuchodonosor) کو مسلط کر دیا اس نے ۵۸۶ ق م میں یروشلم پر زبردست حملے کئے اور آخری حملے میں یروشلم کو بالکل تباہ کر ڈالا اور اس کے بادشاہ کو بھی گرفتار کر لیا۔ان حالات کے لئے ملاحظہ ہو: پرانا عہد نامہ، سلاطین دوم، ۲۲:۱۱۔۱۷؛ یرمیاہ، باب ۳۴۔۴۰۔

۳۰۔ اینٹوکس چہارم Antochus IV ایشیائے قریب کا مشہور بادشاہ جس نے ۱۶۸ ق م میں یروشلم پر قبضہ کر کے اس کو تباہ کر دیا تھا اور ایک مرتبہ پھر بخت نصر کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔مکابیوں کی پہلی کتاب میں اس کے حملے کی داستان اور تورات کے جلائے جانے کا واقعہ تفصیل سے موجود ہے دیکھئے مکابیوں ۱:۵۹۔

31. M. Hamidullah, Introduction to Islam, Op-cit, P. 2

۳۲۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا تذکرہ ملاحظہ ہو، کتاب استثناء، ۳۴:۵۔۸۔

۳۳۔ عہد نامہ قدیم کی ایسی ۱۷ کتابوں کا ذکر ملتا ہے جو ایک زمانہ میں موجود تھیں مگر اب ناپید ہیں اور ان کے حوالے تواریخ دوم، ۲۰:۳۴، ۱۲:۱۵، ۹:۱۹، سلاطین اوّل، ۱۱:۴۱، تواریخ دوم، ۳۱:۲۲، ۳۲:۳۳، ۳:۲۹، میں موجود ہیں۔

۳۴۔ خطباتِ بہاولپور، تاریخ قرآن مجید، حوالہ مذکور، پیراگراف نمبر ۵۔

۳۵۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: Encyclopaedia of Britannica Gospel, Vol X, P 536-538

نیز دیکھئے: M. Hamidullah, Introduction to Islam, Op-cit, P 147

۳۶۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے اس بیان کو تقویت لوقا کے ان فقرات سے ملتی ہے، چونکہ بہتوں نے اس پر کمر باندھی ہے کہ جو باتیں ہمارے درمیان واقع ہوئیں ان کو ترتیب وار بیان کریں جیسا کہ انہوں نے جو شروع سے خود دیکھنے والے اور کلام کے خادم تھے ان کو ہم تک پہنچایا ہے اس لئے اے معزز تھیفلس میں نے بھی مناسب جانا کہ سب باتوں کا سلسلہ شروع سے ٹھیک ٹھیک دریافت کر کے ان کو تیرے لئے ترتیب سے لکھوں، لوقا کی انجیل، ۱:۱، ۲، ۳۔

۳۷۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ ۱، تاریخ قرآن مجید، پیراگراف نمبر ۷۔

۳۸۔ ایضاً، پیراگراف نمبر ۳۰۔

39. M. Hamidullah, Introduction to Islam, Op-cit, P 61,62

۴۰۔ ایضاً، پیراگراف نمبر ۱۸، نیز دیکھئے مکتوب ڈاکٹر محمد حمید اللہ بنام ڈاکٹر احمد خان نمبر ۱۸، مجلّہ فکر و نظر، اسلام آباد، حوالہ مذکور، ص ۴۵۲

۴۱۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ ۲ تاریخ حدیث شریف، پیراگراف نمبر ۴۳، نیز خطبہ ۱۰، عہدِ نبوی میں نظام تشریع و عدلیہ پیراگراف نمبر ۲۸۶

۴۲۔ ایضاً' خطبہ ۶ دین (عقائد، عبادات، تصوف) حوالہ مذکور، پیراگراف نمبر ۱۶۹۔

۴۳۔ ایضاً۔

۴۴۔ ایضاً نیز دیکھئے: M. Hamidullah, Introduction to Islam, Op-cit, P. 133

45. M. Hamidullah, Introduction to Islam, Op-cit, P 147

۴۶۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ ۶ دین (عقائد، عبادات، تصوف) حوالہ مذکور، پیراگراف ۱۷۲۔

۴۷۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ ۶ دین (عقائد، عبادات، تصوف) ۱۷۸۔

۴۸۔ ایضاً، پیراگراف ۱۷۹۔

49. M. Hamidullah, Introduction to Islam, Op-cit Paragraph 166/a

۵۰۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ ۶ دین (عقائد، عبادات، تصوف) حوالہ مذکور، پیراگراف ۱۸۱۔

۵۱۔ ایضاً، پیراگراف نمبر ۱۸۲، نیز دیکھئے:

M. Hamidullah Introduction to Islam, Op-cit, Paragraph 166/a

۵۲۔ خطباتِ بہاولپور، پیراگراف نمبر۱۸۳ نیز دیکھئے:

M. Hamidullah, Introduction to Islam, 175/a

۵۳۔ الانعام،۶:۱۶۰۔

۵۴۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ۶ دین (عقائد، عبادات، تصوف) حوالہ مذکور، پیراگراف نمبر۱۸۴۔

۵۵۔ ایضاً، پیراگراف نمبر۱۸۵۔

۵۶۔ ایضاً، پیراگراف نمبر۱۸۶۔

۵۷۔ ایضاً، خطبہ۹، عہدِ نبویؐ میں نظامِ تعلیم، پیراگراف نمبر۲۶۰۔

۵۸۔ ایضاً، خطبہ۳، تاریخ فقہ، پیرگراف نمبر۱۰۰۔

۵۹۔ ایضاً، پیراگراف نمبر۸۲۔

۶۰۔ المائدۃ،۵:۴۵۔

۶۱۔ خطباتِ بہاولپور، خطبہ۹، عہدِ نبویؐ میں نظامِ تعلیم، پیراگراف نمبر۲۸۵۔

۶۲۔ ایضاً، خطبہ۷، عہدِ نبویؐ میں مملکت اور نظم ونسق، پیراگراف نمبر۱۹۹۔

۶۳۔ ایضاً، پیراگراف نمبر۱۰۔

۶۴۔ ایضاً، پیراگراف نمبر۶۔

۶۵۔ الصف،۶۱:۶۔

۶۶۔ خطباتِ بہاولپور، حوالہ مذکور، پیراگراف نمبر۳۲، نیز دیکھئے:

۶۷۔ ایضاً، پیراگراف نمبر۲۶۰۔

68. M. Hamidullah, Introduction to Islam, Op-cit Paragraph 289

۶۹۔ المائدۃ،۵:۴۷۔

۷۰۔ خطباتِ بہاولپور، حوالہ مذکور، پیراگراف نمبر۳۶۶۔

۷۱۔ ایضاً، پیراگراف نمبر۲۹۹۔

۷۲۔ ایضاً، پیراگراف ۲۰۹، مزید وضاحت کے لئے ملاحظہ ہو:

M. Hamidullah, The first written constitution in the world, Sh. Muhammad Ashraf, 1975

۷۳۔ خطباتِ بہاولپور، پیراگراف نمبر ۳۲۶۔۳۲۹، ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ وقیع بحث کتاب الخراج امام ابو یوسف اور کتاب الاحوال ابوعبید القاسم کے حوالے سے پیش کی ہے۔

۷۴۔ محمد حمید اللہ، ڈاکٹر، عہدِ نبویؐ میں نظامِ حکمرانی، اردو سندھ اکیڈمی کراچی، ۱۹۸۷ء پیراگراف نمبر ۱۷۵ نیز دیکھئے: الوثائق السیاسیہ (اردو ترجمہ) مجلس ترقی ادب لاہور، ۱۹۶۰ء، صفحات ۱۱۸۔۱۲۳، ۳۲۱، ۳۴۳۔

۷۵۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو:

Muhammad Hamidullah, LE SAINT CORAN, Op-cit, Introduction, Liste des traductions, Pages 98, 245, 739, 813, 993

۷۶۔ مولانا رحمت اللہ کیرانوی (۱۸۱۸۔۱۸۹۱ء) کی معروف کتاب ''اظہار الحق'' جو عربی زبان میں قسطنطنیہ (ترکی) میں تصنیف فرمائی۔ جس کا اردو کے علاوہ ترکی، فرانسیسی، گجراتی اور انگریزی زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ بائبل کے ناقدانہ جائزے اور مسیحی عقائد کے بطلان کے ساتھ قرآن حکیم کی حقانیت اور پیغمبر اسلام کی عظمت پر اپنی مثال آپ ہے۔ تفصیلات کے لئے دیکھئے: راقم کا پی۔ایچ ڈی کا مقالہ بعنوان مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی علمی و دینی خدمت کا تحقیقی جائزہ (غیر مطبوعہ) شعبہ علوم اسلامیہ پنجاب یونیورسٹی لاہور، ۲۰۰۱ء۔

۷۷۔ اردو ترجمہ بائبل سے قرآن تک' پر تبصرہ پر ملاحظہ ہو: محمد حمید اللہ (پیرس)، اظہار الحق اور اس کا اردو ترجمہ، البلاغ، (کراچی) ۷:۳ (مئی ۱۹۷۳ء) ۲۰۔۲۷۔

۷۸۔ بائبل سے قرآن تک (اردو ترجمہ و شرح) مکتبہ دار العلوم کراچی، ۱۹۹۲ء ص ۶۱۳۔۶۲۳۔

۷۹۔ دیکھئے: محمد سلطان شاہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ جگن ناتھ آزاد کے نعتیہ کلام کا مترجم، فکر و نظر، حوالہ مذکور ص ۱۶۷۔۱۷۷۔

۸۰۔ ماہنامہ البلاغ (کراچی) ۲:۲ (مئی ۱۹۶۷ء) ۱۵۔۱۷۔

۸۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جامعہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۰ء جلد ا ص ۳۸۱۔۳۸۹۔

۸۲۔ ایضاً، جلد ۲، ص ۲۷۔۳۱ نیز دیکھئے: مجلّہ القلم (لاہور) ۶:۶ (دسمبر ۲۰۰۲ء) ۸۱۔۸۸ نیز

Hamdard Islamicus (Karachi) 9 : 2 (Summer 1986) 3 - 9

۸۳۔ چراغ راہ، اسلامی قانون نمبر (کراچی) ۲:۱۲ (جون ۱۹۵۸ء) ۲۹۰۔۳۳۱۔

۸۴۔ الحق (اکوڑہ خٹک) ۸:۱۸ (مئی ۱۹۷۳ء) ۳۷۔۳۹۔

۸۵۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، (۱۹۸۰ء)، جلد ۳، ص ۱۷۔۲۰ نیز دیکھئے: البلاغ (کراچی) ۲:۳ (جون ۱۹۶۸ء) ۱۵۔۲۸۔

۸۶۔ البلاغ (کراچی) ۲:۷ (اکتوبر ۱۹۶۸ء) ۱۳۔۲۴۔

۸۷۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ۱۹۷۳ء، جلد ۱۰، ص ۵۶۵۔۵۶۸۔

۸۸۔ فکرونظر (اسلام آباد) ۵ (۱۹۶۴ء) ۸۰۹۔۸۲۰، نیز دیکھئے الدراسات الاسلامیہ (اسلام آباد) ۳:۲ (ستمبر ۱۹۶۸ء) ۵۔۲۱۔

۸۹۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، جلد ۱۲، ص ۳۹۴۔۳۹۷۔

۹۰۔ ثقافت (لاہور) ۵:۷ (مئی ۱۹۵۹ء) ۲۳۔۳۹۔

۹۱۔ نقوش رسول نمبر (لاہور) ۳:۱۳۰ (جنوری ۱۹۸۳ء) ۲۳۴۔۲۴۲۔

۹۲۔ مجلّہ الکلیۃ الشرقیہ (لاہور) ۶۶:۱ (۱۹۹۳ء) ۲۹۔۴۷۔

۹۳۔ معارف (اعظم گڑھ) ۳۵:۶ (جون ۱۹۳۵ء) ۴۱۶۔۴۳۰۔

۹۴۔ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ج ۲۳، ص ۳۵۵۔۳۶۳۔

95. Journal Institute of Muslim Minority Affairs (London)7 : 1
(Jan 1986) 7 - 11

96. Journal of Pakistan Historical Society (Karachi) 30 : 4
(October 1982) 235 - 251

97. Hamdard Islamicus (Karachi) 2 : 45 (Winter 1979) 3 - 13

98. Journal of Pakistan Historical Society (Karachi) 1953

۹۹۔ آل عمران ۳:۶۴

۱۰۰۔ دیکھئے مکتوبات ڈاکٹر حمید اللہ بنام مظہر ممتاز قریشی، خطوط نمبر ۶۷، ۶۹، ۷۵، ۸۴، ۹۰، ۹۳، اورینٹل کالج میگزین، حوالہ مذکور۔

خطباتِ بہاولپور کا انداز و اسلوب

* ڈاکٹر محمد یوسف فاروقی

محترم صدرِ مجلس، محترم مہمانِ خصوصی، اساتذہ کرام اور عزیز طلباء و طالبات! میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس صدی کے ایک اہم عالم دین جن کو پورے یقین کے ساتھ میں اپنے دور کا ولی بھی سمجھتا ہوں، کی یاد میں یہ جلسہ منعقد کیا، اور ان کے بارے میں اظہارِ خیال کا موقع فراہم کیا۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی زندگی کے بیشمار گوشے ہیں جن کے بارے میں گفتگو کی جا سکتی ہے۔ جن پر اہل علم گفتگو کر رہے ہیں۔ ابھی آپ بہت سے اہل علم حضرات سے سن چکے ہیں اور بہت سے علماء سے سنیں گے۔ میں اس موقع پر صرف ''خطباتِ بہاولپور'' کے لحاظ سے گفتگو کروں گا۔ خطباتِ بہاولپور جس کا انعقاد اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور نے ۱۹۸۰ء میں کیا تھا (تقریباً ۲۳ سال پہلے) یہ وہ دور ہے اور وہ زمانہ ہے کہ جب ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی علمی شخصیت مکمل طور پر نمایاں اور ظاہر ہو چکی تھی۔ ان کی بے شمار کتابیں، مقالات اہل علم سے اپنا لوہا منوا چکے تھے۔ بحث و تحقیق کے میدان میں ان کی شخصیت مسلّمہ تھی۔ ان کی وفات کے بعد یکم جنوری کے ڈان اخبار میں محترم ایس اے خان کا ایک مراسلہ شائع ہوا جو انہوں نے امریکہ سے لکھا تھا اس مراسلہ میں انہوں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کے تحقیقی کارناموں کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کی ہیں۔ ان کی معلومات کے مطابق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ایک ہزار مقالات شائع ہوئے۔ ۱۷۰ کتابیں وہ تحریر کر چکے تھے۔ ان کی کچھ کتابیں براہِ راست مختلف زبانوں میں مثلاً فرانسیسی، انگریزی، عربی، اردو اور ترکی میں شائع ہوئیں۔ ان کے علاوہ بہت سی زبانوں میں ان کی کتب اور مقالات کے تراجم شائع ہوئے۔ فاضل مراسلہ نگار کے مطابق ۲۴ زبانوں میں ان کی کتابیں شائع ہو چکی تھیں۔ میرا عرض کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ڈاکٹر صاحب بہاولپور تشریف لائے تو ان کی شخصیت علمی اعتبار سے مسلّمہ تھی اور مختلف موضوعات پر وہ اتھارٹی کی حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ اس پس منظر میں آپ دیکھیں کہ خطباتِ بہاولپور ان کی ساری علمی زندگی کا ایک نچوڑ تھا۔

* ڈائریکٹر جنرل، شریعہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

جو انہوں نے ''خطباتِ بہاولپور'' کی شکل میں ۱۲ خطبات کی صورت میں پیش کیا۔ درحقیقت ان کے ۱۲ خطبات میں گفتگو کا محور سیرتِ طیبہ ؐ تھی۔ ڈاکٹر صاحب نے اسلامی فکری علوم، نظم مملکت و دفاع، قانون سازی، نظام تعلیم اور بین الاقوامی قانون وغیرہ پر سیرتِ طیبہ کی روشنی میں گفتگو فرمائی۔ ان خطبات کا مطالعہ کرنے والا ان کی علمی حیثیت کو اچھی طرح سمجھ سکتا ہے۔

خطباتِ بہاولپور کے عنوانات کچھ اس طرح ہیں تاریخ قرآن، تاریخ فقہ، تاریخ اصولِ فقہ اور اجتہاد، اس طریقے پر یہ ایک تسلسل کے ساتھ آپ نے ۱۲ خطبات دیئے اور ان بارہ خطبات میں انہوں نے اپنے طویل مطالعہ کا نچوڑ پیش کر دیا۔ یہ علمی گفتگو محض ایک عالم دین کی گفتگو نہ تھی بلکہ ایک صاحب قلب ونظر ولی کی زندگی کا نتیجہ فکر تھی۔ اس لیے میرا خیال ہے کہ جو مقبولیت ''خطباتِ بہاولپور'' کو حاصل ہوئی سیرتِ طیبہ ؐ پر اردو زبان میں کسی اور کتاب کو اتنی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی۔ اس کے نو ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور بہت سے ناشران نے مختلف ناموں سے بھی ان خطبات کو یا کچھ منتخب خطبات کو شائع کیا ہے۔

یہ سب باتیں ظاہر کرتی ہیں کہ یہ خطبات لوگوں کو بہت پسند ہیں۔ لوگ انہیں بہت دلچسپی سے پڑھتے ہیں ان کا اسلوب وانداز ایسا ہے کہ جہاں ایک بہت بڑا محقق اور عالم استفادہ کر سکتا ہے وہیں ان کے اندازِ گفتگو اور روانی سے عام آدمی بھی مستفید ہوتا ہے۔ ان خطبات میں جو اہم اور نمایاں چیز آپ کو نظر آئے گی وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب نے ان میں تقابلی مطالعہ کی طرف بڑی توجہ دی ہے۔ وہ مختلف مذاہب کا ایک تقابلی مطالعہ کرتے ہیں اور اس تقابلی مطالعہ میں آپ بہت مدلل انداز میں اسلام کی حجیت اور اس کی (Authority) اور اس کی (Authenticity) کو اس طریقے سے ثابت کرتے چلے جاتے ہیں کہ نہ ماننے والے اور غیر مسلم افراد بھی دلیل کی روشنی میں اس کو تسلیم کرتے چلے جاتے ہیں۔ ان خطبات کا ایک اسلوب تو یہ ہے کہ ڈاکٹر صاحب گفتگو کا آغاز کرتے ہیں تو وہ پہلے تقابلی مطالعہ پیش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر جب وہ قرآن حکیم کے بارے میں یا تاریخ قرآن حکیم کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں تو جتنے بھی آسمانی مذاہب ہیں یا جن کے بارے میں آسمانی مذہب ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ ان سب کے بارے میں بڑی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالتے ہیں اور ان کی تعلیمات ان کی اپنی کتب سے پیش کر کے تقابل کرتے ہیں۔

وہ زرتشت کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کی نبوت کے امکان کو تسلیم کرتے ہیں پھر اس امکان کے ساتھ وہ اوستا سے حوالے پیش کر کے رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو پیش کرتے ہیں۔ وہ زرتشت کی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس میں کیا ہے اور ان کی تحریر وتقریر یا ان کی کتاب کا کیا کچھ آج محفوظ ہے۔ اسی طرح جو دوسری آسمانی کتابیں ہیں۔ ان کا بھی تذکرہ کرتے چلے جاتے ہیں ۔ یہاں یہودیت کا بھی تذکرہ ہے اور عیسائیت کا بھی ، یہودیوں کی جو کتاب آج موجود ہے وہ عہدِ نامہ قدیم کہلاتی ہے۔ عہدِ نامہ قدیم کے بارے میں ڈاکٹر صاحب بہت سے دلائل کے ساتھ یہ بات ثابت کرتے ہیں کہ یہ اپنی اصل شکل کے اندر محفوظ نہیں رہی۔ اور یہ کہ وہ کس طرح مختلف اوقات میں جلائی جاتی رہی اور کتنے عرصے تک ناپید رہی اور پھر یہ کہ اتنا عرصہ ناپید رہنے کے بعد کس طرح اور کس کی مساعی سے دوبارہ وجود میں آئی۔ عہد نامہ قدیم کے ناپید ہونے اور کئی صدیوں بعد تحریر میں لائے جانے کی تاریخ بیان کر کے وہ یہ سوال اٹھاتے ہیں کہ ان حالات میں اس کی اتھارٹی (Authoriy) یا حجیت کس حد تک برقرار رہتی ہے۔ عہد نامہ قدیم کی تاریخی حیثیت بیان کرنے کے بعد وہ قرآن حکیم کی طرف آتے ہیں۔ پھر قرآن پاک کی حجیت پورے دلائل اور شواہد کے ساتھ واضح کرتے ہیں۔

یہاں ڈاکٹر صاحب دو چیزوں کی طرف اشارہ کرتے ہیں ایک تو یہ کہ قرآن کریم کے بارے میں جن لوگوں نے شبہات پیدا کرنے کی کوشش کی ان کے پیدا کردہ شبہات دور ہوتے چلے جائیں، ساتھ ہی یہ بھی کہ اس بات کو ثابت کیا جائے کہ قرآن کریم مسلمانوں کے لیے ان کی تہذیب وتمدن اور ان کی قانونی اور دستوری زندگی کے لیے ایک بنیادی مآخذ ہے۔ اس بنیادی مآخذ کی حجیت دلائل کے ساتھ بیان کرتے ہیں بیک وقت اس پر ڈاکٹر صاحب گفتگو کرتے ہیں۔ ہندوستان میں پائے جانے والی کتابوں کو بھی وہ زیر بحث لاتے ہیں اور ہندومت کی کتابوں کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہندومت کو شاید بہت سے لوگ آسمانی مذہب تسلیم نہ کریں معلوم نہیں وہ کسی وقت آسمانی مذہب تھا یا نہیں لیکن ان کی کتابوں میں بعض ایسے اشارے ضرور ملتے ہیں جن میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے ان کی تفصیلات آپ خطباتِ بہاولپور میں دیکھ سکتے ہیں۔ ''تورات'' کی تاریخ کو ڈاکٹر صاحب نے تفصیل سے بیان کیا ہے اور یہ ثابت کیا ہے کہ اس کتاب، کا کوئی نسخہ موجود نہیں ہے۔ صرف تراجم موجود ہیں جو یونانی زبان سے کیے گئے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کا ایک اور انداز یہ ہے کہ وہ نئی تحقیق اور جدید معلومات بھی ان خطبات میں فراہم کرتے ہیں خطبات سے متعلق جدید تحقیق جو مفید ثابت ہو سکتی تھیں اور عام لوگوں کے علم میں نہیں تھی انہیں بھی جمع کر دیا ہے اس طرح خطبات بہاولپور علم کا وہ سمندر ہے جہاں قدیم و جدید دونوں طرح کی معلومات ملتی ہیں۔ مثلاً تقابل کا یہ انداز دیکھیے کہ ڈاکٹر صاحب بائبل کی جدید تاریخ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتاتے ہیں کہ جرمنی میں کرسچین آرگنائزیشن نے مطالعہ کے لیے ایک کمیٹی بنائی تھی اس کمیٹی نے بائبل کا مطالعہ کیا اور ان تمام نسخوں کو جمع کیا جو اصل یونانی زبان سے ترجمہ ہوئے تھے ان میں سے کچھ مخطوطات کی شکل میں موجود تھے ان سب کو جمع کر کے مطالعہ کیا گیا اور اس کی روشنی میں ایک رپورٹ پیش کی گئی اس رپورٹ میں بتایا گیا کہ بائبل کے اندر دو لاکھ سے زیادہ روایتی اختلاف پائے جاتے ہیں۔ اس رپورٹ کے شائع ہونے کے بعد بعض لوگوں کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس قسم کا مطالعہ قرآن کریم کے بارے میں بھی کیا جائے چنانچہ میونخ یونیورسٹی میں قرآن کی تحقیق کے بارے میں ادارہ قائم ہوا اس ادارے کے ڈائریکٹر سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی ملاقات ۱۹۳۳ء میں ہوئی۔ ادارے کے ڈائریکٹر نے انہیں بتایا کہ اس ادارے میں قرآن کے نسخے، مخطوطات، مختلف علاقوں کے خطوں سے حاصل کردہ فوٹو جن کی تعداد ۴۳ ہزار سے زائد ہے موجود ہیں اور قرآن حکیم کے بارے میں بائبل کی طرح اختلاف و تضاد کی تلاش کا کام جاری ہے۔ اس کی ابتدائی رپورٹ شائع ہوئی جس کے اندر یہ بتایا گیا کہ قرآن کریم کے نسخوں کا ہم نے تقابلی مطالعہ کیا اور اس کے نتیجے میں ہمیں قرآن کریم میں کوئی اختلاف نظر نہیں آیا البتہ کچھ کتابت کی غلطیاں ہیں ایک نسخہ میں غلط لکھا گیا تو دوسرے نسخے میں صحیح لکھا ہوا ہے لیکن حقیقی کوئی روایت کا اختلاف نہیں ملا۔ اس رپورٹ میں اس بات کا اظہار بھی کیا گیا کہ یہ ایک ابتدائی رپورٹ ہے اور یہ کہ یہ تحقیق جاری رہے گی۔ جرمنی کا یہ ادارہ دوسری جنگ عظیم میں بمباری کے دوران ختم ہو گیا اور پھر اس قسم کی کوئی کاوش ان کی طرف سے نہیں ہوئی بہرحال اس قسم کی معلومات ڈاکٹر صاحب فراہم کرتے چلے جاتے ہیں۔ بسا اوقات کھدائی کے دوران آثار قدیمہ کے تلاش کرنے والوں کو اگر کوئی چیز ملی ہے اور اس کے بارے میں کوئی رپورٹ شائع ہوئی ہے جو خطبات کے سامعین کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے تو اس کا تذکرہ بھی آپ کو خطباتِ بہاولپور میں ملے گا۔

آثارِ قدیمہ کی رپورٹ کے حوالے سے عراق کا ذکر کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہاں ایک فرقہ پایا جاتا ہے جو

صابیہ کے نام سے ہے۔صابیہ سے مراد کیا ہے۔ان کی معلومات کیا ہیں اس کا دین کیا ہے ان کے پاس کوئی کتاب ہے تو کس شکل میں موجود ہے اس کے مندرجات کیا ہیں، کتنی مقدار میں ایک پیرا گراف یا دو پیرا گراف ہیں اور ان میں کیا کچھ ہے سب بتاتے جاتے ہیں اس کے علاوہ جو نئی معلومات ڈاکٹر صاحب کے علم میں ہیں وہ بھی بتاتے ہیں اس طرح ان خطبات میں معلومات کا ایک خزانہ جمع ہے۔

تیسری چیز جو ہمیں خطباتِ بہاولپور میں مل رہی ہے وہ یہ ہے کہ کہ بعض ان کتابوں سے ڈاکٹر صاحب نے متعارف کروایا جس سے برصغیر کے عام اہل علم واقف نہیں تھے۔یقینی بات ہے کہ محققین اور گہرا علم رکھنے والے تو واقف ہوں گے لیکن مجھ جیسے طالب علم جو یونیورسٹی کے عام اساتذہ ہوتے ہیں وہ بعض نایاب مگر علمی اعتبار سے بڑی اہم کتابوں سے پوری طرح واقف نہ تھے۔آپ خطبات میں دیکھیں گے کہ ڈاکٹر صاحب اس قسم کی نایات کتب کا بار بار حوالہ دیتے ہیں تاکہ اہل علم متوجہ ہوں اور ان سے استفادہ کریں۔مثلاً محمد بن حبیب البغدادی کی ''المحبر'' اور ''المنمق'' ہے ان میں بہت سی اہم تاریخی روائتیں اور بڑی اہم باتیں ملتی ہیں ان سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے بھرپور استفادہ کیا ہے اور اپنے علم و استدلال کو اپنے مخاطبین کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

اسی طرح خطباتِ بہاولپور میں بعض ایسی اہم چیزوں کی طرف توجہ دلائی ہے جن کی طرف اہل علم نے کوئی خاص توجہ نہیں دی مثلاً امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کے اصولِ فقہ پر تحریر جو انہوں نے کتاب الرائے کے نام سے مرتب کی تھی۔یہ کتب اگرچہ ہم تک نہیں پہنچ سکیں لیکن امام محمد الشیبانی کی کتاب کے بعض مندرجات ابوالحسین المعتزلی کی مشہور کتاب ''المعتمد فی اصول الفقہ'' میں آ گئے ہیں۔اس کتاب کی تحقیق و تدوین کا کام ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ہی انجام دیا ہے۔

زید بن علی کی کتاب ''المجموع فی الفقہ'' کا تعارف بھی ہمیں ان خطبات میں ملتا ہے زید بن علی امام ابوحنیفہ کے معاصر تھے لیکن عمر میں حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بڑے تھے،فقہ پر ان کی گہری نگاہ تھی،''المجموع'' فقہ اسلامی کی ایک قدیم ترین کتاب ہے اس میں فقہی احکام اُسی ترتیب سے ہیں جس ترتیب سے بعد کی فقہ کی کتابوں میں ہوئے ہیں، اس کتاب کے مطالعہ سے حضرت زید بن علی کے طرز استدلال اور ان کے فقہی اصولوں کو سمجھا جا سکتا ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ان کتابوں کا خاص طور پر اس لیے ذکر کرتے ہیں تاکہ نوجوان اہل علم ان کی طرف متوجہ ہوں اور اس علمی سرمایہ سے استفادہ کریں۔

ایک اور خصوصیت جو ان خطبات میں ہمیں ملتی ہے وہ یہ کہ ڈاکٹر صاحب بڑی ذہانت کے ساتھ علمی استدلال کرتے ہیں۔ خاص طور پر دستوری اور فقہی استدلال کرتے ہیں۔ اور پھر اس استدلال سے اپنے انداز میں نتائج اخذ کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب کے اسلوبِ استدلال کی ایک بات نمایاں نظر آتی ہے وہ یہ کہ آپ خارجی شواہد پر گہری نظر رکھتے ہیں اور اگر ان شواہد سے کسی ایسی روایت کی تائید ہو رہی ہو جس کو ہمارے محدثین نے رد کر دیا ہو یا ضعیف قرار دیا ہو تو ڈاکٹر صاحب ان خارجی شواہد کی بنیاد پر ایسی روایت کو قبول کرنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے۔

ڈاکٹر صاحب کا اصول یہ ہے کہ اگر روایت قرآن وسنت اور اسلام کی مجموعی تعلیمات سے متصادم نہ ہو اور ایسے خارجی شواہد موجود ہیں جن سے اس راویت کی تائید ہو رہی ہو تو اسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مثلاً آپ ﷺ کی طرف ایک روایت منسوب ہے کہ:

''علم حاصل کرو اگر چہ چین ہی جانا پڑے۔''

یہ روایت سند کے اعتبار سے سب سے کمزور روایت ہے مگر ڈاکٹر صاحب کا خیال ہے کہ یہ روایت قرآن کریم کے مجموعی تعلیمات سے متصادم نہیں ہے اس لیے کہ ایسے خارجی اور تاریخی شواہد موجود ہیں جن سے اس روایت کا صحیح ہونا ثابت ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو چین کے حالات کے بارے میں نہ صرف علم تھا بلکہ آپ کو اس بات کا علم بھی تھا کہ سرزمین حجاز سے چین تک کا راستہ کس قدر دور دراز اور دشوار گذار تھا۔ وہ اس غلط فہمی کو دور کرتے ہیں کہ شاید عہدِ رسالت ﷺ میں لوگ سرزمین چین سے واقف نہیں تھے ڈاکٹر صاحب نے ثابت کیا ہے کہ چین کے تاجر عرب کے کن علاقوں میں آیا کرتے تھے اور آپ ﷺ کے سفر کہاں تک ہوتے رہے۔ چینی تاجروں کے تجارتی تعلقات اور خود رسول اللہ ﷺ کے اسفار کو ذکر کر کے وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ آپ ﷺ کو کافی حد تک چین اور اس کے دشوار گذار راستوں کے بارے میں معلومات تھیں اسی لیے آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تمہیں چین جیسے دشوار گزار اور طویل راستے میں سفر کرنا پڑے تو بھی علم کے حصول کے لیے جاؤ۔

اسی طرح فقہ کے طالب علم کو بہت دلچسپی محسوس ہوتی ہے کہ جب وہ استدلال کرتے ہیں کہ ماقبل کی شریعت دستوری اعتبار سے قابل عمل ہے، اس کے لیے وہ قرآن حکیم کی اس آیت سے استدلال کرتے ہیں جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ نہ کرلیا ہوتا تو تم پر عذاب نازل کر دیتا تم نے ایسا کیوں کیا کہ فدیہ لے کر کفار کے قیدیوں کو چھوڑ دیا۔

﴿لَوْ لَا كِتَابٌ مِنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِي مَا أَخَذْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾

اب اس آیت کو سامنے رکھ کر وہ یہ استدلال کرتے ہیں کہ اس سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ جب تک ماقبل کی شریعت کے بارے میں وحی کے ذریعے ترمیم یا تنسیخ نہیں ہوتی اس وقت تک وہ قابل عمل یا قانون واجب العمل ہے اور آپ ﷺ نے اس کے مطابق عمل کیا۔

اس نقطۂ نگاہ سے آپ خطبات بہاولپور کا جائزہ لیں تو ڈاکٹر صاحب کی فقہی اور دستوری استدلال بہت کثرت سے ملتے ہیں اگر ہم اس پر کام کریں تو ایک مکمل مقالہ اس موضوع پر لکھا جا سکتا ہے۔ بہرحال یہ چند باتیں ہیں جو میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطبات کے بارے میں عرض کرنا چاہتا تھا۔ یہ خطبات آج ہمارے سامنے موجود ہیں اس کے بہت سے ایڈیشن اسلام آباد اور بہاولپور سے شائع ہو چکے ہیں۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ موجود ہے۔ ہم میں سے ہر استاد کو، ہر طالب علم کو، ہر اہل علم کو اس سے ضرور استفادہ کرنا چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور انہوں نے جو علمی مشن شروع کیا تھا اس کی تکمیل کی ہمیں بھی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

خطباتِ بہاولپور

(تعارف اور مشہور روایات کا تنقیدی جائزہ)

* ڈاکٹر محمد ھمایوں عباس شمس

اَلْـخَـطْـبُ والـمـخـاطَبَة'' والتَّخَـاطـب ،باہم گفتگو کرنا، ایک دوسرے کی طرف بات لوٹانا اسی سے خُطْبَة'' اور خِطْبَة'' کا لفظ ہے لیکن خُطْبَة'' وعظ و نصیحت کے معنی میں آتا ہے اور خِطْبَة'' کے معنی ہیں نکاح کا پیغام اصل میں خطبہ اس حالت کو کہتے ہیں جو بات کرتے وقت ہوتی ہے۔ (۲،۱)

قرآن کریم نے انبیائے کرام کے خطبات کا ذکر کیا تاکہ انسانیت فوز و فلاح کی صراط مستقیم کو گم نہ کر دے۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل میں قیدیوں کو جو خطبہ ارشاد فرمایا وہ صرف توحید کی عظمت و شوکت کا آئینہ دار ہی نہیں بلکہ کار رسالت کی نازک ذمہ داریوں کو بھی واضح کرتا ہے۔ انسانی حقوق کی رہتی دنیا تک جب بھی بات ہوگی نبی آخر الزماں ﷺ کا خطبہ حجۃ الوداع انسانیت کے قلوب و اذہان کو حقائق و معارف کی نئی دنیاؤں سے آشنا کرتا رہے گا۔

برصغیر میں غالباً پہلی بار مدراس کے علاقہ میں ساؤتھ انڈین مسلم ایجوکیشنل سوسائٹی کے زیر اہتمام خالص علمی و فکری لیکچرز کا اہتمام ''خطبات'' کے نام سے ہوا۔ جس میں علامہ سید سلیمان ندویؒ اور علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ جیسے اساطین ملت نے اپنی برسوں کی تحقیقات کو اپنے محاضرات کی صورت میں عوام کے سامنے رکھا۔ خطبات کے نام سے جب یہ فکری گفتگو شائع ہوئی تو لیل و نہار کی گردش نے ان کی افادیت میں کمی نہ آنے دی بلکہ ان سے استفادہ کا رجحان روز افزوں ہوتا رہا۔ اس علمی روایت کی یاد کو ایک بار پھر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور نے ۲۰ رمارچ ۱۹۸۰ء کو تازہ کیا جہاں عالم اسلام کے عظیم سکالر ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ۱۲ خطبات ارشاد فرمائے۔

---

* لیکچرار، شعبہ علوم اسلامیہ، جی سی یونیورسٹی، لاہور۔

ڈاکٹر صاحب مغرب کی دنیا میں اسلام کے سفیر تھے۔ آپ کو اسلامی علوم سے عشق تھا، بلند پایہ عالم ہونے کے باوجود عجز و انکساری کا پیکر تھے۔ آپ کی تحقیقات میں روشن خیالی کے ساتھ ساتھ مشرقی و مغربی علوم کا حسین امتزاج پایا جاتا ہے۔ آپ وحدت امت کے داعی تھے۔ آپ کی تصانیف کی تعداد ۲۰۰ سے زائد بتائی جاتی ہے اور ۱۰۰۰ سے زائد مقالات (جن میں اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ کے لیے لکھے گئے ''آ سے ی'' تک ۳۲ مختلف مقالات بھی ہیں) آپ نے علمی ورثہ میں چھوڑے۔ خطوط ان کے علاوہ ایک علمی خزانہ ہیں۔ آپ کی شائع شدہ کتب میں ''خطباتِ بہاولپور'' کو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی۔ ماہنامہ ''معارف اعظم گڑھ'' میں ان خطبات کا تعارف کرواتے ہوئے مولانا ضیاء الدین اصلاحی لکھتے ہیں کہ:

> ''اسلامی امور کے ماہر اور نامور فاضل ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور کی دعوت پر بارہ (۱۲) خطبے دیے تھے۔ زیر نظر کتاب ان ہی کا مجموعہ اور یونیورسٹی کے مجلّہ مفکر کا خاص نمبر ہے۔ شروع کے چار ۴ خطبوں میں اسلام کے بنیادی مآخذ یعنی قرآن وحدیث اور فقہ و اجتہاد کی تاریخ بیان کی گئی ہے۔ پہلے خطبہ میں قرآن مجید کی جمع و تدوین کے سلسلہ میں گذشتہ آسمانی کتابوں کا ذکر بھی آ گیا ہے۔ اس میں بتایا ہے کہ سابقہ صحف و کتب میں بعض تو سرے سے موجود ہی نہیں اور جدید تحقیقات سے جن کتابوں کے کچھ اوراق و مندرجات دریافت ہوئے ہیں ان کے صحیفہ ربانی ہونے کا کوئی یقینی ثبوت نہیں۔ اس بحث کے آخر میں عہد نامہ قدیم و جدید کا تذکرہ ہے۔ اس میں توریت کی متعدد بار گمشدگی کا ذکر کیا ہے، جو اس کا ثبوت ہے کہ وہ بعینہٖ کلام الٰہی نہیں ہے۔ اسی طرح مروجہ چاروں انجیلوں کے بارے میں بتایا ہے کہ وہ دراصل حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی سوانح عمری ہیں۔ اس لیے استناد کے لحاظ سے سب مسلمانوں کی کتب سیرت کے ہم پایہ ہیں۔ پھر قرآن مجید جس محفوظ صورت میں مسلمانوں تک پہنچا ہے اس کی تفصیل پیش کی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے آنحضرت ﷺ کی مکی زندگی کے ایسے واقعات تحریر کیے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ شروع ہی سے قرآن مجید کی نقل و کتابت اور جمع و تدوین کا کام انجام پاتا رہا ہے۔ نیز آپ نے اپنی

وفات کے وقت اسے مرتب و مدون حالت میں چھوڑا تھا اس کے بعد عہدِ صدیقی و عہدِ عثمانی کی جمع و ترتیب کی صحیح نوعیت بتائی ہے۔

دوسرے خطبہ میں حدیث کی دینی اہمیت واضح کرنے کے بعد عہدِ نبوی ﷺ کے تحریری سرمایے کا مفصل جائزہ لے کر دکھایا ہے کہ اس عہد میں تحریر و کتابت کا رواج بھی تھا اور احادیث کے علاوہ آپ ﷺ کے مراسلے وغیرہ بھی قلمبند کئے گئے تھے۔ پھر صحابہ کرامؓ اور ان کے بعد کے زمانہ میں آپ ﷺ کے اقوال و افعال جس مستند طریقہ پر مرتب کئے گئے اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس کی مثال دوسری قوموں کے انبیاء کے حالات تو درکنار ان کی مذہبی و آسمانی کتابوں کی ترتیب میں بھی نہیں ملتی۔ تیسرے خطبہ میں فقہ اسلامی کی تاریخ بیان ہوئی ہے۔ اس ضمن میں اس کی تشکیل، نشو و نما، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں اس کی باقاعدہ تدوین اور اس کے اہم مآخذ و مصادر پر سیر حاصل گفتگو کی ہے اور اس زمانہ کے رائج ''رومن لاء'' پر اس کی برتری بھی دکھائی ہے۔ چوتھا خطبہ اصول فقہ و اجتھاد کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ اس میں اس کی وضاحت کی ہے کہ اسلامی قانون کی تدوین کس طرح عمل میں آئی اور نئے مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں کس طرح حل کیا جاتا تھا۔ نیز دور حاضر کے اجتہادی مسائل میں اجماع کی صورت کیا ہے۔ پانچواں خطبہ بڑا اہم ہے، یہ قانون بین الممالک پر ہے، اس میں دو مملکتوں کے باہمی تعلقات کے اصول و قوانین پر روشنی ڈالی ہے اور بتایا ہے کہ مسلمانوں کے یہاں اس کا آغاز کس طرح ہوا۔ سیر کی اصطلاح اور اس موضوع پر مسلمان علماء و فقہا کی مختلف تصنیفات اور ان کے مندرجات پر بحث کر کے انٹرنیشنل لاء کے سلسلہ میں ان کی اہمیت واضح کرتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب پورے وثوق سے فرماتے ہیں کہ اس علم کو وجود بخشنے والے مسلمان ہیں، وہ قدیم یونانی اور رومی اور موجودہ یورپی دور میں انٹرنیشنل لاء کے رواج کی پرزور تردید کرتے ہیں۔ چھٹا خطبہ دین پر ہے۔ اس میں حدیث جبرئیل علیہ السلام کی روشنی میں عقائد و ایمانیات،

اسلامی عبادات اور احسان وتصوف کی حقیقت واہمیت بہت دلنشین انداز میں واضح کی ہے۔
آخر کے دوخطبوں میں سیرتِ نبوی ﷺ کے مختلف پہلوؤں پر عالمانہ گفتگو کی ہے۔ اس سلسلہ کے پہلے خطبہ میں آنحضرت ﷺ کی مملکت کے نظم ونسق کا ذکر ہے۔ اس میں آپ سے قبل عرب کے عام نظم ونسق، دفاع، مالیہ، عدلیہ اور تعلیم وتربیت وغیرہ مختلف شعبوں کا ذکر ہے۔ اسکے بعد دفاع وغزوات پر ایک مستقل خطبہ ہے۔ نویں خطبہ میں دورِ نبوت کے نظام تعلیم اور آپ ﷺ کے علوم کی سرپرستی فرمانے کا تذکرہ ہے۔ ایک خطبہ میں عہدِ نبوی ﷺ کے تشریعی نظام اور عدلیہ پر مفید گفتگو کی ہے ایک اور خطبہ میں مالی نظام اور تقویم پر بحث کی گئی ہے۔ آخری خطبے میں رسول اللہ ﷺ کی تبلیغ اسلام کے طریقے اور غیر مسلموں کے ساتھ آپ کی رواداری اور شریفانہ برتاؤ کی تفصیل پیش کی ہے خطبوں کے بعد ڈاکٹر صاحب سے سوالات کئے جاتے تھے اور وہ ان کے جواب دیتے تھے۔ ہر خطبہ کے آخر میں یہ سوال وجواب بھی درج ہیں جو دلچسپ اور معلومات سے پر ہیں۔ اسلامی علوم کی تاریخ، قانون بین الممالک اور عہدِ نبوی ﷺ کا نظامِ دفاع وتعلیم وغیرہ پر ڈاکٹر صاحب کی مستقل کتابیں پہلے چھپ چکی ہیں اور وہ ان موضوعات پر برابر غور وفکر اور تحقیق فرماتے رہے ہیں۔ اس لئے یہ خطبے ان کے برسوں کے مطالعہ کا نچوڑ ہیں۔'' (۳)

ضیاء الدین اصلاحی کے بقول خطبات ''مدلل، پُر مغز، بصیرت افروز اور عہد حاضر کے رجحان کے مطابق ہیں۔ (۴)

اس کے پہلے ایڈیشن میں بعض سنگین نوعیت کی غلطیاں بھی رہ گئیں جن کی طرف اشارہ ڈاکٹر صاحب نے خود تبصرہ شائع ہونے کے بعد ایک خط میں کیا۔ آپ لکھتے ہیں:

''معارف میں خطباتِ بہاولپور کی تحلیل دیکھی، تمنا تو تنقید وتصحیح کی تھی، معلوم نہیں اسکا ۲۲ صفحوں کا غلط نامہ آپ کو ملا ہے یا نہیں؟ کئی دفعہ کافروں کو بھی حضرت .... رضی اللہ عنہ لکھ ڈالا ہے۔'' (۵)

خطبات کی مقبولیت اورافادیت کے باوجود ان پر نقد واستدراک بھی ہوا اور تحقیقی کام بھی مثلاً مولانا حافظ محمد اقبال رنگونی نے ''عورت کی سربراہی اور ڈاکٹر حمید اللہ کا استدلال'' کے عنوان سے ڈاکٹر صاحب کے نقطۂ نظر پر تنقید کی ہے۔(۶) مولانا محمد زاہد نے بھی آپ کے خطبات ونظریات پر غیر علمی اور غیر سنجیدہ اندازِ تحقیق کی جو کہ کراچی سے شائع ہو چکی ہے۔(۷) اس طرح ڈاکٹر احمد حسن کا ایک تنقیدی خط سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد میں ڈاکٹر صاحب کے جواب کے ساتھ شائع ہوا۔(۸) دوسری طرف ان خطبات کی افادیت کے پیش نظر Emergance of Islam کے نام سے انگریزی ترجمہ شائع ہوا۔ خطبات کے بارھویں خطبہ ''تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ'' کے حوالہ جات کی تخریج پروفیسر محمد سجاد نے کی۔(۹)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک وسیع المطالعہ شخصیت تھی ان کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے محدّثین کے سلسلہ رواۃ کی طرح کتابت حدیث کی سند کو بھی عہد رسالت تک متصل کر دکھایا لیکن وہ معروف معنوں میں محدث نہ تھے یہی وجہ ہے کہ خطبات میں وہ بعض ضعیف یا موضوع روایات سے استدلال کرتے ہوئے بھی نظر آتے ہیں اور یہ بات عیب بھی نہیں کیونکہ وہ بنیادی طور پر مؤرخ تھے۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے بارے میں ایک مضمون پر ادارہ محدّث نے جو نوٹ لکھا وہ بھی درج بالا مؤقف کی وضاحت کرتا ہے:

> ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم کا احادیث کی تدوین واشاعت کے سلسلے میں کام واقعۃً بہت عظیم ہے اور مرحوم کا امتیازی تخصص تاریخ وآثار ہی تھا جبکہ تحقیق حدیث میں ان کے بعض رجحانات وآراء ایسی ہیں جن سے اتفاق کرنا بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ تحقیق حدیث کے سلسلے میں فن حدیث کے اصول وقواعد کی پابندی کی بجائے آپ تاریخی تحقیق کے منہاج کو ہی کافی سمجھتے تھے۔''(۱۰)

ڈاکٹر محمود احمد غازی کا یہ کہنا بھی بجا طور پر صحیح ہے کہ علم حدیث میں ان کے کام کی حیثیت ایک خاص انداز کی ہے۔ وہ معروف معنوں میں محدّث نہیں کہلائے انہوں نے علم حدیث کی تدریس کا اس انداز سے کام نہیں کیا جیسا کہ علم حدیث کے اساتذہ کرتے ہیں لیکن علم حدیث میں وہ ایک منفرد مقام کے حامل ہیں۔ (۱۱)

مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ علم اسماء الرجال کوقدر کی نگاہ سے دیکھتے اوراس کی اہمیت کے قائل تھے جس کا اندازہ آپ کے ان الفاظ سے لگایا جاسکتا ہے۔ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے انہوں نے ضمناً فرمایا:

''اسی طرح اس بارے میں اولاً یہ بھی معلوم کرنے کی ضرورت ہے کہ آیا یہ روایت صحیح بھی ہے یانہیں چنانچہ ان راویوں کی سوانح دیکھنی ہوں گی اور یہ معلوم کرنا ہوگا کہ ان راویوں کے متعلق ہمارے علمائے سلف نے کیارائے قائم کی۔ (۱۲)

ان خطبات کی چند روایات (تفسیر کے متعلقہ دوموضوع بھی زیر بحث آئے ہیں) کا محدّثین کے اصول پر تنقیدی جائزہ پیش خدمت ہے۔راقم نے ڈاکٹر صاحب کی رائے یا پیش کردہ نقطۂ نظر کومختصراً نقل کرکے اس مؤقف کے بارے میں ائمہ اعلام کی آراء درج کردی ہیں اورزیادہ طوالت سے احتراز کیا ہے۔

۱۔ مفسرین نے حروف مقطعات کے بارے میں مختلف آراء کا اظہار کیا ہے۔ایک روایت میں ہے کہ ان حروف کی عددی قیمت ہے اوران سے یہود نے مختلف قیاسات کئے۔اس روایت کی طرف ڈاکٹر صاحب نے بھی اشارہ فرمایا۔ (۱۳)

لیکن امام ابن کثیر نقلی وعقلی اعتبار سے رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس حدیث کا دارومدار محمد بن سائب کلبی پر ہے اوراس روایت میں وہ منفرد ہے۔ایسی روایات کومحدّثین نے حجت نہیں مانا۔اس طرح اگر مان لیا جائے اور ہرحرف کے عدد نکالے جائیں تو جن چودہ حروف کو ہم نے بیان کیا ہے ان کے عدد بہت ہوجائیں گےاور جوحروف ان میں کئی بار آئے ہیں اگران کے عدد کا شمار بھی کئی بار لگایا جائے تو بہت بڑی گنتی ہوجائے گی۔ (۱۴)

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبول اسلام کا واقعہ معروف ہے لیکن محدّثین کواس کی سند پر کلام ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس مشہور قصہ کا ذکر کیا ہے۔ (۱۵)

اس قصہ کے بارہ میں امام ہیثمی نے لکھا ہے کہ اس میں اسامۃ بن زید بن اسلم ضعیف راوی ہے اورحاشیہ میں

محقق نے لکھا کہ اس روایت میں اسامہ سے بھی زیادہ اسحٰق بن ابراہیم الحنینی ضعیف ہے۔امام ذھبی نے قبول اسلام کی اس روایت پر تبصرہ ان الفاظ میں کیا:

قلت:حدث عنه اسحاق الأرزق بمتن محفوظ وبقصة إسلام عمر: وهی منكرة جدّا۔ (١٦)

امام زیلعی کے تنقیدی الفاظ بھی ملاحظہ فرمائیں:

قال الدارقطنی:تفرد القاسم ابن عثمان ولیس بالقوی وقال البخاری له احادیث لایتابع علیها۔ (١٧)

٣۔ عہدِ عثمانی میں سرکاری نسخوں کے علاوہ دیگر نسخوں کو تلف کرنے کا حکم دیا گیا۔ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں:
"تاریخی طور پر کسی ایسے واقعہ کا ذکر نہیں ملتا۔" (١٨)

حالانکہ صحیح بخاری کی روایت کے الفاظ ہیں:

"وامر بماسواه من القرآن فی كل صحيفة اومصحف أن يحرق۔" (١٩)

٤۔ کتابت حدیث کے جواز کیلئے ڈاکٹر محمد حمید اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے

استعن بيمينك۔(٢٠)

امام ترمذی نے خود اس روایت کے بارہ میں لکھا ہے:

سمعت محمد بن اسمعيل يقول:الخليل بن مرة منكر الحديث۔ (٢١)

اورعبدالرحمٰن مبارکپوری لکھتے ہیں: فالحديث ضعيف منكر.(٢٢)

٥۔ حدیث جبرائیل کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ اس دفعہ آپ کو جبرئیل کے پہچاننے میں دشواری ہوئی۔(٢٣)

مجمع الزوائد میں اصل الفاظ یوں ہیں:

"والذی نفس محمد بیده ماجاء نی قط الاوانا اعرفه الأن تکون هذه المرة رواه احمد۔"

لیکن ساتھ ہی امام نے وضاحت فرمائی ہے:

"فی اسناده شهر بن حوشب۔" (۲۴)

شہر بن حوشب کے بارے میں مختلف آراء کا جو خلاصہ تقریب التھذیب میں پیش کیا گیا ہے وہ یہ ہے:

"کثیر الارسال والاوہام" (۲۵)

۲۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

"التحیات کے معنی ہیں آداب عرض کرنا۔ یہ چیز معراج کے واقعہ سے لی گئی ہے۔ حضور ﷺ جب معراج کے موقعہ پر اللہ کے حضور میں پہنچے تو حضور ﷺ نے التحیات کہا اس پر...........الخ۔ (۲۶)

محدثین کے ہاں اس روایت کی کوئی سند موجود نہیں۔ عبدالسلام مبارکپوری لکھتے ہیں:

"وهذا المروی لم اقف علی سنده۔" (۲۷)

علامہ یوسف بنوریؒ نے اس روایت کے مآخذ کی تصریح ان الفاظ میں کی ہے:

"وذکر بعض الحنفیه۔" (۲۸)

پھر لکھتے ہیں:

قال الشیخ:ولم أقف علی سندهذه الروایات غیرانه ذکرها فی الروض الانف۔(۲۹)

۷۔ کعبہ کی تعمیر کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا کہ یہ آدم علیہ السلام کے زمانہ اقدس میں تعمیر ہوا(۳۰)

لیکن محقق علماء نے ایسی تمام روایات جن سے کعبہ کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پہلے ثابت ہوتی ہے قابل اعتناء نہیں سمجھا۔ ایسی روایات کے بارے میں ابن کثیر نے کہا ہے کہ اس میں سے کوئی بھی نبی کریم ﷺ سے صحیح ثابت نہیں اور یہ ساری اسرائیلیات میں سے ہیں۔ (۳۱)

علامہ آلوسی (۳۲)، امام حلبی (۳۳)، سر سید احمد خاں (۳۴)، رشید رضا مصری (۳۵)، عبدالرحمٰن البنا (۳۶) قاضی سلمان منصور پوری (۳۷)، پیر محمد کرم شاہ (۳۸) جیسے محققین نے ڈاکٹر حمید اللہ اور دیگر علماء کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ کعبہ حضرت آدم علیہ السلام کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔ قوی دلائل ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تائید نہیں کرتے۔ تفصیلات کیلئے ملاحظہ فرمائیے راقم کی کتاب ''کعبہ''۔

ڈاکٹر صاحب کا یہ فرمانا کہ اگر کعبہ نہیں تھا تو پھر لوگ کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے۔(۳۹) بہت قوی اعتراض معلوم ہوتا ہے مگر اس کا جواب اس حدیث صحیح کی روشنی میں تلاش کیا جا سکتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''اے بھتیجے! میں نے نبی ﷺ کی بعثت سے دو سال پہلے نماز پڑھی ہے ۔میں نے پوچھا: کس طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے کہا جس طرف بھی اللہ تعالیٰ منہ کر دیتا تھا۔''(۴۰)

کعبہ کے ہوتے ہوئے حضرت ابوذر اس کیفیت کا ذکر کر رہے ہیں اگر اسی کیفیت کو حضرت ابراھیم علیہ السلام سے قبل مان لیا جائے تو کیا حرج ہے۔

۸۔ ہمارے ہاں معروف ہے کہ لونڈیوں کیلئے شرعی پردہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس طرف اشارہ کیا(۴۱) اس کے جو مفاسد ہیں ان کے پیش نظر ابوحیان اندلسی نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ لونڈیوں کو پردہ نہ کرنے کی اجازت تھی بلکہ وہ لکھتے ہیں کہ حجاب کا حکم آزاد اور لونڈیوں سب کیلئے تھا۔ یہی دین اسلام

کی حکمتوں کے عین مطابق ہے محمد علی الصابونی نے بھی ابوحیان اندلسی کی رائے سے اتفاق کیا۔

اس بحث کے آخر میں الصابونی لکھتے ہیں:

''وما اختاره(ابوحیان)هوالذی نختاره لانه یحقق غرض الاسلام فی التستر والصیانة والله اعلم.'' (۴۲)

ابن قیم لکھتے ہیں:

''جولونڈیاں جہاد سے حاصل ہوتی ہیں ان کے بارہ میں تو عادت پردے کی ہی ہے'' (۴۳)

۹۔ مشاورت عامہ کے ضمن میں ڈاکٹر صاحب نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا معروف قصہ نقل کیا ہے جس میں آپ نے مہر کی ایک خاص حد مقرر کردی لیکن ایک عورت نے قرآن کریم سے دلیل دی تو اپنا فیصلہ واپس لے لیا (۴۴)

اس روایت کو امام بیہقی (۲۳۳/۷) نے نقل کیا ہے اور کہا ہے:

هذا منقطع۔

علامہ البانی لکھتے ہیں:

فهوضعیف منکر یرویه مجالد عن الشعبی عن عمر۔

علامہ البانی لکھتے ہیں کہ دوسری سند مصنف عبدالرزاق میں ہے اور اس میں دو علتیں ہیں:

(i) یہ روایت منقطع ہے کیونکہ عبداللہ بن حبیب بن ربیعہ کا سماع حضرت عمر سے ثابت نہیں جیسا کہ ابن معین نے کہا ہے۔

(ii) قیس بن الربیع کے حافظہ کی خرابی۔ (۴۵)

۱۰۔ علماء امتی کا نبیاء بنی اسرائیل.(۴۶)

علماء نے اس روایت کو موضوع قرار دیا ہے۔(۴۷)

علامہ البانی لکھتے ہیں:

لااصل لہ باتفاق العلماء، وھو ممایستدل بہ القادیانیۃ الضالۃ علی بقاء النبوۃ بعدہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ اس روایت کی کوئی اصل نہیں، اسی سے قادیانیوں کا گمراہ فرقہ نبی کریم ﷺ کے بعد نبوت کے اجراء کیلئے استدلال کرتا ہے۔ (۴۸)

۱۱۔ ہجرت حبشہ کے حوالہ سے نبی کریم ﷺ کے خط، حضرت جعفرؓ کی تقریر اور نجاشی کے ردعمل کا ذکر کرنے کے بعد ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں:

''کچھ اشارے ایسے ہیں جن سے گمان ہوتا ہے کہ اگر اس وقت نہیں تو بعد میں نجاشی ضرور مسلمان ہو گیا تھا۔'' (۴۹)

حقیقت حال اس سے مختلف ہے جو ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمائی۔ جس نجاشی نے اسلام قبول کیا وہ دوسرا نجاشی تھا نہ کہ وہ جو ہجرت حبشہ کے وقت شاہ حبشہ تھا اور اسے آپ نے مکتوب لکھا۔ صحیح مسلم کے الفاظ ہیں:

کتب الی کسری الی قیصر والی النجاشی والی کل جبار یدعوھم الی اللّٰہ تعالیٰ ولیس بالنجاشی الذی صلّی علیہ النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم۔ (۵۰)

۱۲۔ غالباً کتابت کی غلطی سے خطبات میں غزوہ احد کے ذکر میں یہ سطر چھپ گئی: ''صرف دو سوار مسلمانوں کی فوج میں تھے ایک حضرت ابو ہریرۃ اور دوسرے عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما۔ (۵۱)

حالانکہ حضرت ابو ہریرہ نے سن ۷ ہجری میں اسلام قبول کیا اور عبداللہ بن زبیر ۱ھ میں پیدا ہوئے۔

۱۳۔ حضرت عمر غیر مسلم افسروں سے بوقت ضرورت استفادہ کرتے تھے، اس کیلئے ڈاکٹر صاحب نے ہرمزان کی مثال لکھی ہے۔ (۵۲)

لیکن بخاری میں فاسلم هرمزان کے جملہ کی تشریح کرتے ہوئے ابن حجر لکھتے ہیں:

لان إسلام الهرمزان كان بعدقتال كثير بينه وبين المسلمين بمدينة تسترثم نزل على حكم عمر فأسره ابوموسى الاشعرى وارسل به الى عمر مع انس فاسلم فصار عمريقربه ويستشيره.(۵۳)

۱۴۔ جس درخت کے نیچے بیعت رضوان ہوئی اس کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا(۵۴) کہ حضرت عمر نے اس درخت کو کٹوا دیا تھا لیکن اس سلسلہ کی روایات کا تحقیقی جائزہ مولانا مودودی نے لیا ہے جو کہ درج ذیل ہے

> جس درخت کے نیچے یہ بیعت ہوئی تھی اس کے متعلق حضرت نافع مولی ابن عمر کی یہ روایت عام طور پر مشہور ہوگئی ہے کہ لوگ اس کے پاس جاجا کر نمازیں پڑھنے لگے تھے، حضرت عمرؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے لوگوں کو ڈانٹا اور اس درخت کو کٹوا دیا۔(۵۵)

لیکن متعدد روایات اس کے خلاف بھی ہیں۔ ایک روایت خود حضرت نافع ہی سے طبقات ابن سعد میں یہ منقول ہوئی ہے کہ بیعت رضوان کے کئی سال بعد صحابہ کرام نے اس درخت کو تلاش کیا مگر اسے پہچان نہ سکے اور اس امر میں اختلاف ہوگیا کہ وہ درخت کون سا تھا۔(۵۶)

دوسری روایت بخاری و مسلم اور طبقات ابن سعد میں حضرت سعید بن المسیب کی ہے وہ کہتے ہیں کہ میرے والد بیعت رضوان میں شریک تھے انہوں نے مجھ سے کہا کہ دوسرے سال جب ہم لوگ عمرۃ القضاء کے لیے گئے تو ہم اس درخت کو بھول چکے تھے۔ تلاش کرنے پر بھی ہم اسے نہ پاسکے۔

تیسری روایت ابن جریر کی ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں جب حدیبیہ کے مقام سے گزرے تو انہوں نے دریافت کیا کہ وہ درخت کہاں ہے جس کے نیچے بیعت ہوئی تھی، کسی نے کہا فلاں درخت ہے اور کسی نے کہا فلاں۔ اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا چھوڑو، اس تکلف کی کیا حاجت ہے۔(۵۷)

(۱۵) خطبات کے ص:۳۱ پر استثنائی ضرورتوں کے تحت عورت کو امام بنانے کے جواز کا ذکر کیا ہے۔ اس مسئلہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کی ڈاکٹر احمد حسن (متوفی ۱۹۹۶ء) سے خط و کتابت بھی ہوئی جو فکر و نظر کی

جلد ۲۶ کے جولائی۔ستمبر کے شمارہ میں ۱۹۸۸ء میں شائع ہوئی۔ڈاکٹر سہیل حسن نے روایات کے اصل متن نقل کر کے استفسار کیا ہے کہ کیا واقعہ حضرت ام ورقہ مدینہ منورہ میں کسی مسجد میں نماز پڑھاتی تھیں یا صرف اپنے گھر میں اپنے اہل خانہ کو نماز پڑھاتی تھیں؟ (۵۸)

زیر بحث مسئلہ میں ذہن میں آنے والے تمام سوالات بعد کے ہیں سب سے پہلے اس روایت کی اسنادی حیثیت کو پرکھنا چاہیے۔یہ معاملہ بھی فضائل سے متعلق نہیں بلکہ فقہی نوعیت کا ہے۔اس میں اعلیٰ درجہ کی صحیح روایت کی ضرورت ہے۔اس روایت کا مآخذ درج ذیل کتب ہیں:

ابوداؤد (۵۹) ،مسند امام احمد بن حنبل (۶۰) ، السنن الکبریٰ (۶۱) ،سنن دارقطنی (۶۲) ، مستدرک حاکم (۶۳) ،صحیح ابن خزیمہ (۶۴)

ان تمام روایات کا مدار الولید بن عبداللہ بن جمیع یا عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری پر ہے۔ان دونوں کے بارے میں ائمہ جرح وتعدیل کی آراء ملاحظہ کرنے کے بعد از خود یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ دلیل میں کتنا وزن ہے؟ الولید بن عبداللہ بن جمیع کے بارے میں یہ ذکر کر کے کہ ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے۔امام ابن حجر لکھتے ہیں:

''وذكره ايضاً فى الضعفاء وقال ينفرد عن الاثبات بمالا يشبه حديث الثقات فلما فحش ذلك منه بطل الاحتجاج به وقال ابن سعد ثقة له احاديث وقال البزار احتملوا حديثه وكان فيه تشيع قال العقيلى فى حديثه اضطراب وقال الحاكم لولم يخرج له مسلم لكان اولى۔ (۶۵)

عبدالرحمٰن بن خلاد الانصاری کے بارے میں ابوالحسن بن القطان کی رائے یہ ہے: حاله مجهول (۶۶) ان احادیث میں اس بات کی بھی صراحت نہیں کہ مؤذن اور غلام ام ورقہ کے پیچھے نماز ادا کیا کرتے تھے۔اس بات کا احتمال ہے کہ مؤذن، اذان دینے کے بعد دوسری مسجد میں چلا جاتا ہو اور غلام بھی ایسا ہی کرتا ہو اور ام ورقہ اپنے ''دار'' کی خواتین کی امامت کرواتی ہوں اس کی تائید دارقطنی کی روایت سے ہوتی ہے۔(اس میں بھی الولید بن عبداللہ بن جمیع اپنی والدہ سے روایت کرتے ہیں) أن رسول الله أذن لها أن يؤذن لها ويقام وتؤم نساءها.(۶۷)

جمہور علماء مردوں کیلئے عورت کی امامت کے قائل نہیں البتہ ابن ماجہ کی روایت جس سے استدلال کیا جاتا ہے صحیح نہیں اور عورت، خواتین کیلئے امام بنے اس میں بھی اختلاف ہے۔ (۶۸)

(۱۶) امام مہدی کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب حدیث نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں: (امام مہدی کے والد کا نام) میرے باپ ہی کے نام کے مطابق ہوگا یعنی عبداللہ، اس کی ماں کا نام میری ہی ماں کے نام کے مطابق ہوگا یعنی آمنہ۔ (۶۹)

جبکہ روایات صحیحہ میں باپ کے نام کا ذکر تو آتا ہے مگر ماں کے نام کا ذکر نہیں۔

یواطئ اسمه اسمي واسم ابيه اسم ابي۔ (۷۰)

(۱۷) ڈاکٹر صاحب نے خطبات کے ص:۸۱ پر ارشاد فرمایا: ''اس طرح قاضیوں کے نام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ہمیں ایک خط ملتا ہے۔''

اس روایت میں الولید بن معدان ہے انکا بیٹا عبدالملک ان سے روایت کرتا ہے امام ذھبی امام ابن حزم کے حوالہ سے لکھتے ہیں: کلاهما ساقط

اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے امام ذھبی لکھتے ہیں:

" انفرد بحديث عمر رضى الله عنه في كتابه الى ابى موسى أن يجتهد رأيه۔"(۷۱)

(۱۸) حدیث معاذ فقہاء کے ہاں مقبول ترین سمجھی جاتی ہے یہاں تک کہ تلقی بالقبول کے اصول سے اس کی صحت بھی ثابت کی جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی اس روایت کو ذکر کیا ہے۔(۷۲) لیکن محدّثین کے ہاں اس روایت کی صحت مشکوک ہے۔

علامہ البانی نے سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ کی دوسری جلد میں ص:۲۷۳ تا ۲۸۶ تک اس روایت پر مفصل بحث کی اور اسے منکر کہا۔ علامہ البانی نے ص:۲۸۵ پر ان آئمہ کی فہرست دی ہے جنہوں نے اسے ضعیف کہا۔

① البخاری ② الترمذی

③ العقیلی ④ الدارقطنی

⑤ ابن حزم ⑥ ابن طاہر

⑦ ابن الجوزی ⑧ الذھبی

⑨ السبکی ⑩ ابن حجر

وہ کہتے ہیں کہ اتنی بات تو درست ہے کہ نص کے نہ ہونے کی صورت میں اجتہاد کیا جائے گا مگر کتاب وسنت کی تفریق درست نہیں کیونکہ سنت کتاب کے مجمل کی وضاحت کرتی ہے، اس کے مطلق کو مقید کرتی ہے کتاب کے عام کی تخصیص کرتی ہے۔(۷۳)

(۱۹) اطلبو العلم ولوکان بالصین کے بارہ میں ڈاکٹر صاحب نے خود اعتراف کیا کہ ہمارے محدّثین ٹیکنیکل نقطہ نظر سے معترض ہیں۔(۷۴) لیکن اس کی وضاحت اس انداز سے کی کہ شاید یہ صحیح ہے اگر یہ روایت ضعیف ہوتی تو شاید قبول کرلی جاتی اور ڈاکٹر صاحب کی اس سلسلہ میں وضاحتیں یقیناً معلومات میں اضافہ کا سبب بنتیں ہیں لیکن محدّثین نے تو اسے موضوعات میں شمار کیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیے۔

میزان الاعتدال (۷۵) ، سلسلة الاحادیث الضعیفه والموضوعة (۷۶)

تنزیه الشریعة (۷۷) ، فیض القدیر (۷۸)

(۲۰) غزوۂ بدر کے قیدیوں کے بارے میں آقا کریم ﷺ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے مشورہ کے موافق آپ نے فدیہ لینے کا فیصلہ کرلیا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ پسند نہ آیا تو فرمایا:

لَولَا كِتَبٌ مِنَ اللّٰه سَبَقَ......الخ (۷۹)

ڈاکٹر صاحب نے اس آیت کریمہ کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

''اگر پہلے ہی اللہ اس کا فیصلہ نہ کر چکا ہوتا (تا کہ اس پرانے قانون کو بدلا جائے) تو تم جو فدیہ لے رہے ہو اس پر تم لوگوں کو سخت سزا دی جاتی۔''

توجیہہ انتہائی غیر مناسب معلوم ہوتی ہے۔ آیات کے سیاق وسباق سے جو تاویل بہتر معلوم ہوتی ہے وہ مولانا امین احسن اصلاحی کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''بہرحال ہمارے نزدیک یہ خطاب قریش سے ہے اور یہ ان کے اس پروپیگنڈے کا جواب دیا جا رہا ہے جس کی طرف ہم نے اشارہ کیا ہے۔ فرمایا کہ اس قسم کی دنیا طلبی تمہارا ہی شیوہ ہے۔ اللہ تو آخرت کو چاہتا ہے۔ یہاں اسلوبِ بیان کی یہ بلاغت ملحوظ رہے کہ یہ نہیں فرمایا کہ نبی اور اہل ایمان آخرت کے طلب گار ہیں بلکہ یہ فرمایا کہ اللہ آخرت کو چاہتا ہے۔ اس سے مقصود اس حقیقت کا اظہار ہے کہ نبی اور اہل ایمان کے ہاتھوں جو کچھ ہو رہا ہے یہ ان کی اپنی مرضی سے نہیں ہو رہا ہے بلکہ اللہ کی مرضی اور اللہ کے حکم سے ہو رہا ہے۔ نبی اور اہل ایمان کی حیثیت اس سارے کام میں محض آلہ اور واسطہ کی ہے وہ جو کچھ کر رہے ہیں یہی عین اللہ کا ارادہ اور اس کی مرضی ہے۔ اللہ کی مرضی اپنے بندوں کے لیے یہ ہے کہ وہ ہر کام آخرت کو اپنا نصب العین بنا کر کریں تو نبی اور اس کے ساتھیوں کا کوئی اقدام اللہ کی مرضی کے خلاف کس طرح ہو سکتا ہے۔ گویا بدر اور اس سلسلہ کے تمام اقدامات کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لے لی۔ آخر میں فرمایا کہ اللہ عزیز وحکیم ہے۔ وہ جو ارادہ فرماتا ہے اس کو کوئی روک نہیں سکتا اور اس کا ہر ارادہ عدل وحکمت پر مبنی ہوتا ہے۔

﴿ لَوْلَا كِتٰبٌ مِّنَ اللّٰهِ سَبَقَ لَمَسَّكُمْ فِيْمَآ اَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ''﴾. یعنی تم نے اتنے ہی پر یہ واویلا برپا کر رکھا ہے۔ حالانکہ یہ صرف ایک چرکا ہے جو تمہیں لگا ہے۔ تم نے جو شرارت اس موقع پر کی تھی اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس پر تمہیں ایک عذابِ عظیم آ پکڑتا لیکن اللہ نے چونکہ ہر امت کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، جس سے پہلے کسی قوم کا فیصلہ نہیں ہوتا اس وجہ سے اس نے تمہیں مہلت دے دی۔ مطلب یہ ہے کہ اس شور وغوغا

کے بجائے بہتر یہ ہے کہ اس مہلت سے فائدہ اٹھاؤ اور اس فیصلہ کن گھڑی کے آنے سے پہلے پہلے اپنی روش کی اصلاح کرلو۔

فِيمَا اَخَذْتُمْ میں مَا کے ابہام کی یہاں کوئی وضاحت موجود نہیں ہے اور اخذ کا لفظ لینے، پکڑنے، اختیار کرنے، کسی ڈھب کو اپنانے، کسی کام کو شروع کرنے سب کے لیے آتا ہے۔ سورۂ توبہ میں ہے وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ'' يَقُوْلُوْا قَدْاَخَذْنَااَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ . (اور اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو یہ منافق کہتے ہیں خوب ہوا ہم نے اپنا بچاؤ پہلے ہی کرلیا تھا) یہاں یہ مطلب ہوگا کہ جو طریقہ تم نے اختیار کیا اس کی بنا پر تم سزاوار تو تھے ایک عذاب عظیم کے لیکن اللہ کے قانون کے تحت تمہیں کچھ مہلت مل گئی۔

ہمارے مفسرین کو ان آیات کی تاویل میں بڑی الجھن پیش آئی ہے۔ ان کے نزدیک یہ نبی ﷺ، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین پر عتاب ہے کہ وہ زمین میں خوں ریزی کے بغیر بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے پر کیوں راضی ہوگئے۔ صحیح تاویل واضح ہوجانے کے بعد اب اس بات کی تردید کی ضرورت باقی نہیں رہی تاہم چند باتیں ذہن میں رکھیے۔

ایک یہ کہ فدیہ قبول کرنے کے معاملہ میں نبی ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین سے بالفرض غلطی ہوئی بھی تو یہ کسی سابق ممانعت کی خلاف ورزی کی نوعیت کی غلطی نہیں تھی بلکہ صرف اجتہاد کی غلطی تھی۔ اجتہاد کی غلطی ایسی چیز نہیں ہے جس پر ایسی سخت وعید وارد ہو۔ بالخصوص ایک ایسا اجتہاد جس کی تصدیق فوراً ہی خود اللہ تعالیٰ نے کردی ہو۔

دوسری بات یہ کہ یہ اجتہاد کی غلطی بھی نہیں تھی۔ جنگ کے قیدیوں سے متعلق یہ قانون سورۃ محمد میں پہلے بیان ہوچکا تھا کہ وہ قتل بھی کیے جاسکتے ہیں، فدیہ لے کر بھی چھوڑے جاسکتے ہیں اور بغیر فدیہ لیے محض احساناً بھی چھوڑے جاسکتے ہیں۔

تیسری یہ کہ جہاں تک خوں ریزی کا تعلق ہے، اس کے اعتبار سے بھی بدر میں کوئی کسر نہیں رہ گئی تھی۔ قریش کے ستر آدمی، جن میں بڑے بڑے سردار بھی تھے، مارے گئے، کم وبیش اتنے ہی آدمی قید ہوئے۔ باقی فوج بھاگ کھڑی ہوئی تو آخر لڑائی کس سے جاری رکھی جاتی؟

چوتھی یہ کہ یہاں عتاب کے جو الفاظ ہیں وہ قرآن کے مخصوص الفاظ ہیں۔ جو شخص قرآن کے انداز بیان سے آشنا ہے وہ جانتا ہے کہ ان لفظوں میں قرآن نے کٹر کفار ومنافقین کے سوا اور کسی پر عتاب نہیں کیا ہے۔

نقل کرنے میں طوالت ہوگی، جس کو تردد ہو وہ قرآن میں ان تمام مواقع پر ایک نظر ڈال لے جہاں "لَوْلَا كِتٰبٌ مِنَ اللّٰهِ" کے الفاظ سے کسی پر عتاب ہوا ہے۔" (۸۰)

۲۱۔ ڈاکٹر صاحب نے نبی کریم ﷺ کے دور کی تحریرات کے حوالہ سے حضرت تمیم داری کے قبول اسلام کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:

"تمیم داری شام کے رہنے والے ایک عیسائی تھے وہ مکہ آتے ہیں، اسلام قبول کرتے ہیں اور پھر اپنے قصے بھی بیان کرتے ہیں۔" (۸۱)

سیر صحابہ پر لکھی گئی کتب کا جائزہ لیں تو پتہ چلتا ہے کہ حضرت تمیم داری نے ہجرت کے نویں سال اسلام قبول کیا۔ ابن اثیر نے واضح طور پر لکھا ہے:

فاسلم سنة تسع من الهجرة

ملاحظہ فرمایئے اسد الغابۃ (۸۲)، تہذیب التھذیب (۸۳)، الاصابہ (۸۴)

۲۲۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بحث ومباحثہ کے بعد احادیث کی ضبط تحریر میں لانے کا ارادہ ملتوی کر دیا اور اس کی وجہ ڈاکٹر صاحب نے یہ بیان کی ہے کہ لوگ قرآن سے غافل نہ ہو جائیں۔ (۸۵)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ سے مروی ایسی روایات قابل اعتناء نہیں کیونکہ آپ کا حضرت عمرؓ سے سماع ثابت نہیں۔ اس روایت کو خطیب بغدادی نے تقیید العلم (۸۶) اور حافظ ذھبی نے تذکرۃ الحفاظ (۸۷) میں عروہ بن زبیر کی سند سے نقل کیا ہے۔ اسی سند سے محمد مصطفیٰ اعظمی نے دراسات فی الحدیث النبوی (۸۸) میں بیان کیا ہے۔

۲۳۔ عمرو بن امیہ الضمری کو اس وقت سفیر بنا کر بھیجا جب کہ وہ ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے اور یہ ۲ ہجری کا واقعہ ہے۔ (۸۹)

یہ بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو غلط فہمی ہوئی کیونکہ ابن اثیر نے نقل کیا ہے:

واسلم قديما وهومن مهاجرة الحبشة ثم هاجرالى المدينة۔(۹۰)

حالتِ اسلام میں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والے کے بارے میں کیسے کہا جا سکتا ہے کہ وہ ابھی مسلمان نہ ہوئے تھے۔ اسی طرح حضرت جعفرؓ کو جو خط دیا اس کے یہ الفاظ ڈاکٹر صاحب نے نقل کئے:

''میں اپنے چچازاد بھائی جعفر کو تیرے پاس بھیج رہا ہوں اور اس کے ساتھ کچھ اور بھی مسلمان ہیں جب یہ تیرے پاس پہنچیں تو ان کی مہمانداری کرنا۔'' (۹۱)

امام زیلعی نے ''نصب الرایہ'' میں ان مکاتیب کو نقل کیا جن میں درج بالا جملہ مذکور نہیں۔ (۹۲)

ڈاکٹر صاحب نے تاریخ الامم والملوک کا جو حوالہ دیا ہے اس کی سند اس طرح ہے:

حدثنا ابن حميد قال حدثنا سلمة حدثنا ابن اسحاق قال:(۹۳)

ابن حمید جو کہ محمد بن حمید الرازی ہے، اس کے بارہ میں امام ذھبی لکھتے ہیں:

قال البخاری:فيه نظروكذبه ابوزرعة وقال فضلك الرازی:عندی عن ابن حميد خمسون الف حديث ولا احدث عنه بحرف۔(۹۴)

ایسے راوی کی روایت جس پر کذب کا الزام ہے کہیں قبول کی جا سکتی ہے؟

۲۴۔ شفاء بنت عبداللہ کے بارے میں ڈاکٹر صاحب نے لکھا کہ انہیں مدینہ کے ایک بازار میں ایک عہدہ پر مامور کیا۔(۹۵)

ڈاکٹر صاحب کا یہ ارشاد تو درست ہے کہ شفاء بنت عبداللہ پڑھی لکھی خاتون تھیں مگر بازار میں ڈیوٹی والی بات درست نہیں۔

امام قرطبی لکھتے ہیں:

وقدروی عن عمر انه تقدم امرأة علی حسبة السوق ولم یصح فلا تلتفتوا الیه، فانما هومن دسائس المبتدعه فی الاحادیث۔(۹۶)

۲۵۔ خطباتِ بہاولپور کے ص:۸۰ پر ڈاکٹر صاحب حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ، گورنر بصرہ کے سیکرٹری کے حوالہ سے لکھا کہ حضرت عمرؓ نے بدلنے کا حکم دیا لیکن یہ بات آپ نے صرف اس حد تک ہی نہ فرمائی بلکہ گورنر بصرہ کو جھڑکا بھی۔ جب ابوموسیٰ الاشعری نے عرض کی:

واللّٰه ماتولیته انما کان یکتب۔

''اللہ کی قسم جب میں گورنر بنا تو اس وقت سے یہ کاتب تھا۔''

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

أما وجدت فی اهل الاسلام من یکتب لك۔

''کیا تمہیں مسلمانوں میں سے کوئی نہ ملا جو لکھنے پڑھنے کا کام کر سکے۔''

پھر آپ نے ارشاد فرمایا:

لاتدنهم اذا اقصاهم اللّٰه ولاتأمنهم اذا خانهم اللّٰه ولاتعزهم بعداذا اذلهم اللّٰه فاخرجه۔

امام قرطبی نے بھی تقریباً یہی الفاظ نقل کرنے کے بعد اپنے دور (متوفی ۶۷۱ھ) کا المیہ ذکر کیا ہے۔ ہمیں آج کے دور میں امام کے ان الفاظ پر غور کرنا چاہیے:

وقد انقلبت الاحوال فی هذه الازمان باتخاد اهل الكتاب كتبة وامناء وتسودوا بذلك عند الجهلة الاغبياء من الولاة والامراء۔ (۹۷)

۲۶۔ ڈاکٹر صاحب نے صحیح بخاری کے حوالہ سے بیان کیا ہے:

''شدید مایوسی کے عالم میں ایک مرتبہ رسول اکرم ﷺ نے خودکشی کی کوشش فرمائی، قصہ یہ ہے کہ ایک دن آپ کی چچی، ابولہب کی بیوی نے طعنہ دیا کہ معلوم ہوتا.........، ایک پہاڑی کی چوٹی پر چڑھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ چھلانگ لگا کر خودکشی کرلیں.........'' (۹۸)

ڈاکٹر صاحب کے وسعت مطالعہ کا انکار تو نہیں کیا جاسکتا لیکن بعض اوقات ایسی بات ارشاد فرما دیتے ہیں جس سے یوں محسوس ہوتا ہے کہ شاید اس موضوع پر علماء کی آراء ونظریات کا تفصیلی مطالعہ کرنے کا موقعہ نہیں مل سکا اس بارے میں ڈاکٹر صاحب کے معاصر پیر محمد کرم شاہ الازہری کے یہ الفاظ قابل غور ہیں:

''کوئی امتی اس وقت تک مسلمان نہیں ہوسکتا جب تک اپنے نبی کی نبوت پر اسے راسخ یقین نہ ہو، اسی طرح نبی پر بھی لازم ہے کہ وہ اپنی نبوت پر محکم ایمان لے آئے۔ اس لئے ہم سرکارِ دوعالم ﷺ کے بارے میں یہ کیوں کر تصور کر سکتے ہیں کہ حضور ایسا کرتے تھے یا مایوس ہوجاتے کیا نبی کا ظرف اتنا چھوٹا اور حوصلہ اتنا تنگ ہوتا ہے کہ معمولی معمولی بات پر مایوس ہوجائے اور مایوس بھی اتنا کہ زندہ رہنے پر موت کو ترجیح دے۔'' (۹۹)

اس روایت پر الشیخ محمد الصادق ابراھیم عرجون نے ۱۰۰ صفحات پر طویل بحث کی ہے۔ ابتداء اس جملہ سے کی ہے:

''یہ فقرے جو بدأ الوحی کی حدیث کے ساتھ باہر سے چسپاں کردیئے گئے ہیں باطل ہیں۔ کھوٹے اور مردود ہیں اور اسکی کئی وجوہات ہیں۔''

① یہ روایت امام زہری کی مرسلات میں سے، درمیان میں دو یا تین واسطوں کا ذکر نہیں۔

② سند کے ساتھ متن کا صحیح ہونا بھی لازم ہے۔

③ نبی کریم ﷺ سے فترۃ وحی کے بارے میں جو روایات مرفوع ہیں اس میں ان باتوں کا ذکر نہیں۔

شیخ عرجون کے ان دلائل کا ذکر کرنے کے بعد پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے ہیں:

''وہ روایت جس میں پہاڑ سے اپنے آپ کو گرا دینے کے ارادے کا ذکر ہے پایۂ اعتبار سے ساقط ہے اس لئے قابل اعتنا نہیں۔'' (۱۰۰)

ضمناً یہ بھی عرض کر دیا جائے کہ ڈاکٹر صاحب نے فترۃ وحی کی مدت ۳ سال بتائی ہے۔(۱۰۱)

اگر چہ شعبی کا یہی قول ہے لیکن اس کے برعکس حضرت ابن عباس نے فترۃ وحی کی مدت صرف چند روز بتائی ہے کیونکہ یہ روایت مرفوع ہے اس لئے شعبی کی روایت سے اقوی اور ارجح ہے۔ (۱۰۲)

بلاشبہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس دور میں اپنے فن کے امام تھے لیکن بہر حال انسان تھے ان کی تحقیق میں بھی تسامحات ممکن ہے۔ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ اسلامیات کو چاہیے کہ خطباتِ بہاولپور اور ڈاکٹر صاحب کی دیگر تصانیف کی روایات کے تنقیدی جائزہ پر ایم فل اور پی ایچ ڈی کے مقالہ جات لکھوائے تا کہ بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

حواشی وحوالہ جات

١۔ خطبہ کی تفاصیل کے لئے اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، دانش گاہ پنجاب لاہور جلد ٨۔ص

٢۔ اصفہانی، امام راغب ابوالقاسم الحسین بن المفضل المفردات (متوفی ۵۰۲ھ) بذیل مادہ۔

٣۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جلد ١٣١ عدد ٢ (فروری ١٩٨٣ء) ص: ١۵٨-١٦٠)۔

٤۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جلد ١٧١ عدد ٣ مارچ ٢٠٠٣ء ص ١٦۵۔

۵۔ ماہنامہ معارف، اعظم گڑھ، جلد ١٣١، عدد ۵، مئی ١٩٨٣ء ص: ٣٩٠۔

٦۔ ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک اگست ١٩٩٢ء ص: ۴۵-۴٨۔

٧۔ مولانا محمد زاہد ''خطبات بہاولپور'' کا علمی وتحقیقی جائزہ، کراچی ٢٠٠٣ء۔

٨۔ حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں ایک استفسار) سہ ماہی فکر ونظر، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، جلد ٢٦، شمارہ جولائی۔ستمبر ١٩٨٨ء ص: ٩١ تا ١٠٦۔

٩۔ سہ ماہی المعارف، ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، ١٩٩٦ء جلد ٢٩ ص: ٢٧ تا ٦٢۔

١٠۔ ماہنامہ محدث، ادارۂ التحقیق الاسلامیہ، لاہور فروری ٢٠٠٣ء، ص: ٢٧۔

١١۔ ماہنامہ ''دعوۃ'' دعوہ اکیڈیمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد، جلد ٩، شمارہ ١٠ ص: ١٣١ ڈاکٹر حمید اللہ نمبر۔

١٢۔ خطباتِ بہاولپور، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد ١٩٩٩ء، ص: ٣٧۵۔

١٣۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ٢٤۔

١٤۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، دار الفکر ١٩٨٠ء، بیروت، جلد اول ص: ۵٦۔

١۵۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ١١۔

١٦۔ الذھبی ابوعبداللہ شمس الدین محمد (ت ٧٤٨ھ۔١٣٤٧م) میزان الاعتدال جلد ٣، ص: ٣٧۵۔

١٧۔ نصب الرایہ جلد اول، ص: ١٩٩۔

١٨۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ٢٠۔

١٩۔ بخاری، کتاب فضائل قرآن، باب التزویج علی القرآن وبغیر صداق، حدیث نمبر ٢٠٣ ٤٦۔

٢٠۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ٤٨۔

۲۱۔ مبارک پوری، عبدالرحمٰن، مولانا ''تحفۃ الاحوذی'' جلد۳،ص:۳۷۵۔
۲۲۔ تحفۃ الاحوذی جلد۳،ص:۳۷۵۔
۲۳۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۱۵۸۔
۲۴۔ مجمع الزوائد جلد اول،ص:۴۵۔
۲۵۔ تقریب التھذیب ص:۲۲۷۔
۲۶۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۱۷۴۔
۲۷۔ مرعاۃ المفاتیح جلد۳،ص:۲۳۳۔
۲۸۔ بنوری، علامہ یوسف، معارف السنن جلد۳،ص:۷۸۔
۲۹۔ معارف السنن جلد۳،ص:۸۶۔
۳۰۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۱۹۵۔
۳۱۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم جلد اول ص:۵۰۰، البدایۃ والنھایۃ جلد اول ص:۱۸۲۔
۳۲۔ آلوسی، علامہ روح المعانی جلد اول ص:۳۸۴۔
۳۳۔ سیرت حلبیہ جلد اول ص:۲۷۹-۲۸۰۔
۳۴۔ سرسید احمد خان، خطبات احمدیہ ص:۳۱۹-۳۳۱۔
۳۵۔ تفسیر المنار جلد۴،ص:۴۶۶۔
۳۶۔ الفتح الربانی جلد۲۰،ص:۵۸۔
۳۷۔ منصور پوری، قاضی سلیمان سلمان ''رحمۃ للعالمین'' جلد اول،ص:۳۸۔
۳۸۔ پیر محمد کرم شاہ الازہری، مکتبہ ضیاء القرآن، لاہور، ضیاء النبی جلد دوم ص:۱۴۶-۱۴۷۔
۳۹۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۱۹۶۔
۴۰۔ مسلم، کتاب فضائل صحابہ، باب فی فضائل ابی ذر، حدیث نمبر ۴۵۲۰۔
۴۱۔ خطباتِ بہاولپور:۹۶۔
۴۲۔ روائع البیان جلد۲،ص:۳۷۹-۳۸۰۔
۴۳۔ ابن قیم، ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن ابی بکر الزرعی الجوزیہ(۷۵۱ھ) اعلام الموقعین (اردو ترجمہ) جلد اول ص:۳۵۶۔
۴۴۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۸۲۔
۴۵۔ ارواء الغلیل فی تخریج احادیث منار السبیل جلد۶،ص:۳۴۸۔

۴۶۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۳۵۸۔

۴۷۔ ملاعلی قاری،موضوعات الکبری ص:۲۴۷،سلسلۃ الاحادیث الضعیفۃ والموضوعۃ جلد اول،ص:۴۸۰۔

۴۸۔ مختصر المقاصد الحسنۃ ص:۱۴۱-الفوائد للشوکانی ص:۲۸۶۔

۴۹۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۳۶۲۔

۵۰۔ صحیح مسلم،کتاب الجہاد، باب کتب النبی ﷺ الی ملوک الکفار یدعوھم الی اللہ عز وجل۔

۵۱۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۲۳۵۔

۵۲۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۸۱۔

۵۳۔ ابن حجر عسقلانی ، فتح الباری جلد ۶ ص:۲۶۴۔

۵۴۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۲۴۷۔

۵۵۔ ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،ج:۲ص:۱۰۰۔

۵۶۔ ابن سعد،الطبقات الکبریٰ،ج:۲ص:۱۰۵۔

۵۷۔ مودودی،سید ابوالاعلیٰ مودودی ''تفہیم القرآن''،مکتبہ ترجمان القرآن، لاہور،جلد:۵ص:۵۶۔

۵۸۔ سہ ماہی ''فکر ونظر'' اسلام آباد،ج ،شمارہ ص:۱۰۲۔

۵۹۔ عون المعبود جلد اول ص:۲۳۰۔

۶۰۔ الفتح الربانی جلد ۵،ص:۲۳۴۔

۶۱۔ السنن الکبری،جلد اول،ص:۴۰۶۔

۶۲۔ سنن دار قطنی جلد اول ص:۴۰۳۔

۶۳۔ امام حاکم،المستدرک،جلد اول ص:۲۰۳۔

۶۴۔ صحیح ابن خزیمہ جلد ۳ص:۸۹۔

۶۵۔ تھذیب التھذیب جلد ۱۱،ص:۱۳۹۔

۶۶۔ تھذیب التھذیب جلد ۶ ص:۱۶۸۔

۶۷۔ الفتح الربانی جلد ۵،ص:۲۳۴۔

۶۸۔ الفتح الربانی جلد ۵،ص:۲۳۴۔

۶۹۔ خطباتِ بہاولپور،ص:۶۵-۶۶۔

۷۰۔ عون المعبود جلد ۴،ص:۱۷۳،کنز العمال رقم الحدیث ۳۸۶۷۴،ترمذی باب ماجاء فی المھدی۔

۷۱۔ میزان الاعتدال جلد ۴، ص: ۳۴۹۔

۷۲۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۷۰۔

۷۳۔ ملخصاً ص: ۲۸۶۔

۷۴۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۲۶۲۔

۷۵۔ میزان الاعتدال، جلد اول ص: ۱۰۷۔

۷۶۔ سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ والموضوعہ، جلد اول ص: ۴۱۳-۴۲۱۔

۷۷۔ تنزیہ الشریعۃ، جلد اول ص: ۲۸۵۔

۷۸۔ فیض القدیر، جلد اول ص: ۵۴۲۔

۷۹۔ الانفال: ۶۸۔

۸۰۔ اصلاحی، مولانا امین احسن اصلاحی، تدبر قرآن، مکتبہ فاران لاہور، جلد ۳ ص: ۵۱۱ تا ۵۱۳۔

۸۱۔ خطباتِ بہاولپور: ص: ۴۱۔

۸۲۔ اسد الغابہ، جلد اول ص: ۲۱۵۔

۸۳۔ تہذیب التھذیب، جلد اول ص: ۵۱۱۔

۸۴۔ الاصابہ، جلد اول ص: ۱۹۱۔

۸۵۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۵۵۔

۸۶۔ خطیب بغدادی، تقیید العلم، ص: ۵۱۔

۸۷۔ تذکرہ الحفاظ، جلد اول، ص: ۵۔

۸۸۔ اعظمی، محمد مصطفیٰ، دراسات فی الحدیث النبویؐ، جلد اول ص: ۱۳۱۔

۸۹۔ خطباتِ بہاولپور ۳۷۰-۳۷۱، ۲۱۰۔

۹۰۔ ابن الاثیر، ابوالحسن علی بن محمد الجزری (۶۳۵ھ)، اسد الغابہ، قاہرہ ۱۹۷۰، جلد ۴، ص: ۸۷۔

۹۱۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۴۱، ۳۶۱۔

۹۲۔ نصب الرایہ جلد ۴، ص: ۴۲۱۔

۹۳۔ الطبری، ابوجعفر بن محمد بن جریر، تاریخ الامم والملوک، دار الفکر للطباعۃ والنشر بیروت ۱۹۷۹ء جلد ۲، ج: ۲۹۴۔

۹۴۔ میزان الاعتدال جلد ۳ ص: ۵۳۰۔

۹۵۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۲۶۵۔

۹۶۔ القرطبی، ابوعبداللہ محمد بن احمد الانصاری، الجامع لاحکام القرآن، داراحیاء التراث، بیروت، ۱۹۶۵ء، جلد ۱۳، ص: ۱۸۳۔

۹۷۔ الجامع لاحکام القرآن جلد ۴، ص: ۱۷۹۔

۹۸۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۳۸۰۔

۹۹۔ ضیاء النبی جلد دوم، ص: ۲۱۲۔

۱۰۰۔ ضیاء النبی جلد دوم ص: ۲۱۱-۲۱۴۔

۱۰۱۔ خطباتِ بہاولپور، ص: ۳۷۹۔

۱۰۲۔ ضیاء النبی جلد دوم ص: ۲۱۵۔

علم وعمل کا پیکر۔ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

* ڈاکٹر محمود احمد غازی

انتہائی قابل احترام جناب وائس چانسلر، پروفیسر ڈاکٹر سید الطاف حسین، برادران گرامی، خواہران محترم! وقت تنگ ہے باتیں کہنے کے لیے بہت ہیں ڈاکٹر صاحب کی زندگی اتنی بھرپور، اتنی غیر معمولی خدمات اور Contribution سے اتنی بھرپور ہے۔اتنی پُر ہے کہ اتنی مختصر گفتگو میں ان کی شخصیت کا احاطہ کرنا اوران کے علمی کام کا جائزہ لینا مشکل ہی نہیں ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ان سے ملنے کا ۱۹۷۳ء میں نیاز ہوا۔اوران سے دنیا سے تشریف لے جانے کے آخری مہینوں تک جاری رہا۔اس زمانے میں ڈاکٹر صاحب کے قلم سے کوئی ایسی تحریر نہیں نکلی جوانہوں نے کبھی اپنے دستخط یا دستخط کے بغیر مجھے اس کے ارسال سے مشرف نہ فرمایا ہو،اس دوران میں بار بار ایسے مواقع آئے کہ ڈاکٹر صاحب نے بعض زیر تحقیق معاملے میں مجھے اس کا مستحق سمجھا، اس قابل گردانا کہ مشاورت کا شرف عطا کرسکیں۔ اگرچہ مجھے اعتراف کرنے میں کوئی تامل نہیں کہ انہوں نے مجھے کسی مسئلے میں مشاورت کا شرف عطا فرمایا تو میرے پاس اس مشاورت کا کوئی جواز نہیں تھا اور میں ان سوال کا جواب نہیں دے سکا یقیناً آپ اندازہ کرسکتے ہیں کہ انہیں کوئی ایسا مسئلہ پیدا ہوا اوراس کا جواب اپنے دستیاب مآخذ میں یا اپنے سمندر جیسے علم یا دماغ میں نہ ملا ہو تو اس کا جواب کون دے سکتا ہے اور کیسے دے سکتا ہے؟ کم از کم میرے جیسے انسان کے لیے ممکن نہیں تھا کہ میں ان کے کسی سوال کا جواب دے سکوں۔

ڈاکٹر صاحب نے اسلامی علوم وفنون کے تقریباً ہر میدان میں قلم اٹھایا۔کم وبیش ۱۱۵ ایسے موضوعات ہیں جس پر ڈاکٹر صاحب کی نہ صرف تحقیقات بلکہ رجحان ساز تحقیقات موجود ہیں۔جس سے دنیا بھر کے اہل علم استفادہ کر رہے ہیں سیرت، تفسیر اور حدیث بین الاقوامی قانون کے علاوہ ڈاکٹر صاحب نے اسلامی معاشیات پر، مسلمانوں کی فلکیات پر حتی کہ مسلمانوں کی علم نباتات، علم لغت وتاریخ پر، مسلمانوں کی ماہی گیری پر، مسلمانوں کے فن زراعت پر،

* نائب صدر، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مسلمانوں کی جہاز رانی پر اوران جیسے بہت سے موضوعات ہیں۔جن کوانہوں نے اپنی تحقیق کا موضوع بنایا اوران موضوع پر کتابیں لکھیں لیکن ان سارے موضوعات پر جب وہ تحقیق کی ذمہ داری انجام دے رہے ہوتے تھے توان کا مقصد صرف ایک ہوتا تھا کہ اپنے پڑھنے والوں کو بالعموم اور مسلمان قاری کو بالخصوص اس اعتماد سے روشناس کرائیں جو اسلامی تاریخ اور اسلامی تہذیب وتمدن کے لیے ان کے دل کی گہرائیوں میں اور جذبات واحساسات میں اور رگ وپے میں موجود ہوتا تھا۔

ڈاکٹر صاحب گیارہ زبانیں جانتے تھے۔ان میں سے آٹھ زبانوں میں انہوں نے براہِ راست لکھا۔ان کی کتابیں عربی، روسی، جرمنی، ترکی، اردو، انگریزی، فرانسیسی، فارسی میں موجود ہیں۔روسی زبان انہوں نے ۱۹۵۳ء میں سیکھ لی تھی۔ جب وہ لینن گراڈ یونیورسٹی میں پی ایچ ڈی کے لیے جانا چاہتے تھے۔لیکن کسی وجہ سے نہیں جا سکے تھے۔اس کے علاوہ وہ کئی زبانیں جانتے تھے کہ جن سے استفادہ کرنا ان کے لیے آسان رہتا تھا۔ یہ زبانیں کس جذبے سے سیکھتے تھے اوران کے دل میں کس طرح کے احساسات تھے۔اس کا اندازہ آپ اس بات سے کر سکتے ہیں کہ جب ان کی عمر تقریباً ۸۸ سال ہوئی اوران کو پتا چلا کہ تھائی زبان میں قرآن کریم کا کوئی مستند اور مکمل ترجمہ موجود نہیں۔انہوں نے ایک دو حضرات سے تبادلہ خیال کیا اور معلوم ہوا کہ تھائی زبان جاننے والا کوئی ایسا صاحب علم فوری طور پر دستیاب نہیں کہ جس سے درخواست کی جائے کہ وہ تھائی زبان میں قرآن کا ترجمہ کر سکے۔ڈاکٹر صاحب نے ۸۸ سال کی عمر میں تھائی زبان سیکھنا شروع کی اوراس عزم وارادے سے سیکھی کہ جب اتنی زبان سیکھ لیں گے جو قرآن کریم کا ترجمہ کرنے کے لیے آسان ہوتو بعد میں جب اللہ نے مہلت دی تو وہ خود قرآن کریم کا ترجمہ کریں گے۔۱۹۴۹ء میں جب وہ پاکستان میں رہتے تھے توان کی ملاقات برصغیر کے نامور سیاسی قائد، عالم اور آزاد کشمیر کے سابق صدر میر واعظ مولانا محمد یوسفؒ سے ہوئی۔انہوں نے میر واعظ مولانا یوسفؒ سے قرآن کے ترجمے کے بارے میں تبادلہ خیال کیا اور انہیں آمادہ کیا کہ وہ قرآن کریم کا کشمیری زبان میں ترجمہ کریں۔میر واعظ مولانا یوسفؒ نے ڈاکٹر صاحب کے کہنے پر قرآن کریم کا ترجمہ کیا۔اس کام میں انہوں نے ان کی مالی اعانت فرمائی لیکن اس اعانت کی کیا نوعیت تھی۔ڈاکٹر صاحب نے اس کا اظہار نہیں کیا مجھے نہیں معلوم،لیکن میر واعظ نے کہیں لکھا ہو یا کسی سے کہا ہوتو میرے علم میں نہیں۔ڈاکٹر صاحب اپنے معاملے میں انتہائی اخفاء سے کام لیا کرتے تھے۔وہ اپنی جانب سے

کیے گئے کسی Contribution کا اظہار پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن ایک خط میں انہوں نے مجھے لکھا کہ اس زمانے میں مجھے مرحوم میر واعظ کی مالی اعانت کی سعادت ہوئی۔ ایک جملہ انہوں نے اسی سیاق وسباق میں لکھا۔ جس سے پتہ چلا کہ قرآن پاک کی کشمیری زبان میں ترجمہ اور اشاعت کو کتنی اہمیت دے رہے تھے۔ ۱۹۸۳ء میں غالباً یا ۱۹۸۶ء میں غالباً انہوں نے جنرل ضیاء الحق مرحوم کو خط لکھا اور اس ترجمے کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی۔ طویل عرصہ وہ اس طرح اس پروجیکٹ کو ساتھ لے کر چلے تھے، ایسے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کا صف اول کا پروجیکٹ تھا اور سوائے چند لوگوں کے کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ کشمیری زبان میں قرآن پاک کے ترجمے کو کتنی اہمیت دیتے اور دلچسپی رکھتے تھے۔ ایک زمانہ تھا کہ مشرقی اور مغربی پاکستان ایک تھے پھر وہاں لسانیات کا مسئلہ کھڑا ہوا۔ لسانیات کا مسئلہ کس لیے کھڑا ہوا؟ اردو زبان بنگالیوں کے لیے قابل قبول تھی یا نہ تھی۔ ان سب چیزوں سے قطع نظران کے ذہن میں ایک تجویز آئی تو ڈاکٹر صاحب نے یہ تجویز دی اور سوچا کہ اگر بنگلہ زبان کو عربی رسم الخط میں لکھا جائے اور اُردو زبان کے لیے کوئی نسخ رسم الخط اختیار کر لیا جائے اور کوشش کی جائے کہ دونوں زبان کے اہل علم اور لکھنے والے عربی اور فارسی کے ان مشترک الفاظ کو جو دونوں زبانوں کے اہل علم جانتے ہیں۔ رواج دینے کی شعوری کوشش کریں تو ایک زمانہ آ سکتا ہے کہ مشرقی اور مغربی پاکستان سے لسانی اختلاف کا مسئلہ ختم ہو جائے آپ دیکھیں ایک شخص جو پیرس کے ایک گوشے میں پانچویں منزل میں ایک چھوٹے سے فلیٹ میں بیٹھا ہوا ہے۔ بظاہر اس کا پاکستان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ ریاست حیدر آباد کا شہری ہے اور ایسے پاسے کے نام سے ایک Travel Document پر دُنیا میں سفر کرتا ہے۔ پیرس میں پناہ گزین ہے اور پیرس کے ایک تعلیمی اور تحقیقی ادارے سے وابستہ ہے۔ لیکن دنیائے اسلام میں جتنی کاوشیں اور کوششیں ہو رہی ہیں وہ ان سے واقفیت رکھتا ہے۔

۱۹۸۰ء میں مجھے الجزائر جانے کا اتفاق ہوا، واپسی پر میرا ارادہ پیرس سے ہو کر آنے کا تھا۔ میں نے ڈاکٹر صاحب کو اطلاع دی کہ الجزائر سے دعوت نامہ آیا ہے اور میں فلاں پروگرام میں جا رہا ہوں اور واپسی میں پیرس کے قیام کا ارادہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے اور بہت سی چیزیں جواب میں لکھیں اور یہ بھی لکھا کہ جہاں تک ممکن ہو الجزائر کے ذمہ داروں کو ادب اور احترام سے یہ توجہ دلائیے۔ یہ لفظ تھا ''ادب اور احترام سے توجہ دلائیے'' کہ مصر میں جامع الازہر موجود ہے۔ تونس میں جامعہ زیتونہ موجود ہے۔ مراکش میں جامع قروین موجود ہے کیا اچھا ہو کہ ایسی ایک اعلیٰ

یونیورسٹی الجزائر میں بھی ہو۔ گویا کہ ان کے ذہن میں تھا کہ الجزائر ایک اتنا بڑا ملک ہے۔ وہاں کوئی بڑا تعلیمی ادارہ اس سطح کا نہیں ہے جس کو اس معیار پر رکھا جا سکے تو ظاہر ہے ان کے ذہن میں کوئی ایسی چیز طاری ہوگی جب میں نے خط لکھا تو انہوں نے فوراً توجہ دلوائی اس طرح سے دنیائے اسلام سے مختلف معاملات سے ان کی دلچسپی اس طرح رہتی تھی مگر لگتا تھا کہ وہ ہر وقت اسی پر غور کرتے رہتے ہیں کہ دنیائے اسلام کو کیا مسائل درپیش ہیں۔ ایک مرتبہ ایک مسلم برادر ملک کے وزیر خارجہ پیرس گئے اتفاق سے مجھے بھی انہی دنوں پیرس جانے کا اتفاق ہوا اور چند روز کے لیے ڈاکٹر صاحب سے ملاقات ایک دو روز رہی۔ ڈاکٹر صاحب نے مجھے لکھا کہ فلاں ملک کے سفارت خانے کو خط لکھا۔ اخبار میں تصویر چھپی تھی کہ فلاں ملک کے وزیر خارجہ نے اپنے ہم منصب کو لنچ کی دعوت دی اور اخبارات میں یہ بھی لکھا۔ شرارت سے لکھا یا ویسے ہی لکھا کہ یاد رہے کہ یہ رمضان کا مہینہ ہے اور رمضان میں مسلمان روزہ رکھتے ہیں۔ لیکن فلاں مسلم ملک کے وزیر خارجہ نے فلاں ملک کے وزیر خارجہ کو لنچ کی دعوت دی تو ڈاکٹر صاحب نے کہا میں نے اس ملک کے وزیر خارجہ کو خط لکھ اور یہ لکھا کہ میں تسلیم کرتا ہوں کہ محترم وزیر خارجہ، آپ سفر پر پہلے تشریف لائے تھے اور مسافر پر روزہ فرض نہیں ہے تو اس لیے شرعاً کوئی قباعت نہیں معلوم ہوتی کہ وہ اپنے ہم منصب کو لنچ کی دعوت دے لیکن اس لنچ میں یقیناً وہ لوگ بھی شامل ہوئے ہوں گے جو سفارت خانے میں ہیں اور پیرس میں مقیم رہتے ہیں۔ انہوں نے اس رعایت کا فائدہ اٹھایا ہے۔ بہتر ہوتا کہ یہ لنچ کی بجائے ڈنر ہوتا اور دعوت افطار کے بعد دی جاتی۔ یہ خط لکھ کر ان کو بھیج دیا۔

جس دن ان سے میری ملاقات ہوئی اس دن اس سفارت خانے سے سفیر کا جواب آیا تھا۔ سفیر کے حکم سے کسی اور اہلکار کا جواب تھا۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ آپ شاید بھول گئے کہ ہمارا ملک ایک سیکولر ملک ہے اور ہم کسی مذہب پر یقین نہیں کرتے۔ اس لیے آپ کا اعتراض ہم پر وارد نہیں ہوتا اس پر وہ بڑے دکھ اور افسوس کا اظہار کر رہے تھے اور پھر میں نے یہ سوال پوچھا کہ اس طرح کے ممالک کو دارالسلام کی تاریخ میں رکھا جائے یا پھر دارالحرب کی تاریخ میں رکھا جائے کہ یہ نہ تو دارالحرب ہے اور نہ ہی اس کو دارالسلام کہا جا سکتا ہے۔ اس پر وہ کافی دیر تک وہ اپنا تبادلہ خیال اور اظہار خیال فرماتے رہے۔ یہ باتیں ایسی ہیں کہ میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دنیائے اسلام کی تازہ ترین صورت حال سے اور مسلمانوں کو Latest معاملات سے ان کو کس حد تک دلچسپی تھی کہ کس طرح وہ ان معاملات

پر غور وخوض کیا کرتے تھے۔ عملی اعتبار سے جس کا میں نے عرض کیا کہ انہوں نے اسلامی علوم وفنون کے تقریباً ہر میدان میں کام کیا ہے اور کوئی اہم میدان ایسا نہیں کہ جس میں ان کی عمیق اور بالغ نظر تحقیقات موجود نہ ہو۔ لیکن خاص طور پر جو موضوعات ان کی خصوصی دلچسپی کے ہیں وہ چار ہیں۔ ایک علم الحدیث جیسا کہ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا اور دوسرا سیرت ہیں۔ جس پر کم وبیش انہوں نے ۶۵ سال تک کام کیا اور اتنی وقیع کتابیں چھوڑ کر گئے کہ ان کو اس کی بنیاد پر سیرت کا مجدد اس دور میں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا اس لیے کہ علم سیرت کی انہوں نے نئی نئی جہتیں تلاش کی ہیں اور نئے نئے سوالات اکٹھا کر کے محققین کے لیے نئے نئے راستے کھولے ہیں کہ ماضی کے محققین سیرت میں سے صدر اسلام کے چند ایک محققین کو ان کے ساتھ اس مقابلے پر رکھا جا سکتا ہے اس کے بعد پورے ایک ہزار سال کے دور میں جتنے سیرت کے محققین ہیں ان کا درجہ ان سب سے آگے یا کم از کم نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ علم حدیث میں ان کا کارنامہ اتنا تاریخ ساز کارنامہ ہے کہ اس نے مستشرقین کے اعتراضات کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ختم کر کے رکھ دیا اور اب پچھلے ۴۰ اور ۵۰ سال میں کسی ذمہ دار اور سمجھ دار سنجیدہ انسان نے وہ اعتراضات نہیں اٹھائے۔ ایک زمانہ تھا کہ کہا جاتا تھا کہ حدیث کی جو مشہور کتابیں ہیں یہ تیسری اور چوتھی صدی ہجری میں لکھی گئی ہیں اور یہ گویا سنی سنائی یاداشتوں پر یا باتوں یا Hear Say Evidence کی بنیاد پر یہ کہی سنی باتیں جمع کر دی گئی ہیں اور ان کی کوئی تاریخی یا علمی بنیاد نہیں ہے اور گولڈز ہیر نے، اس کے تلامذہ میں ''شاخت'' نے اور ''شاخت'' کے اثر میں ''محمود ابوریہ'' ہوا کرتے تھے مصر میں تھے ہمارے ہاں ''غلام احمد پرویز'' نے اور اس طرح بہت سے اہل علم نے ان چیزوں کو دہرایا اور یہ بات گویا تسلیم کروانے کی کوشش کی گئی کہ علم حدیث کی بنیاد کسی ٹھوس تاریخی وثائق پر نہیں ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ پہلے انسان ہیں جنہوں نے اس موضوع کو اپنی تحقیق کا میدان بنایا اور آج سے تقریباً ۷۰ سال پہلے ۱۹۴۰ء میں انہوں نے اس موضوع پر کتاب لکھی اور ایک قدیم حدیث کی کتاب اور صحیفہ جو حضرت ابو ہریرہؓ کے شاگرد رشید ہمام ابن منبہ کا تیار کیا ہوا تھا اور براہِ راست ایک صحابی کی نگرانی میں وہ مجموعہ تیار ہوا تھا اور انہوں نے تحقیق کی اور ایڈٹ کیا اور اس پر انہوں نے بڑا تفصیلی مقدمہ لکھا اور مقدمہ میں انہوں نے ایک چیز کو بطور مثال لے کر یہ بتایا کہ جتنے بھی محدثین کے مجموعے تھے ان کی ماخذ تحریری بھی تھے اور زبانی بھی تھے اور قدیم مآخذ کو ایک ایک کر کے جائزہ لیا اور بتایا کہ مثلاً امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام ابوداؤدؒ، امام ترمذیؒ کے مآخذ ہیں وہ مآخذ اسی طرح کے ہیں

کہ جس طرح کسی بھی ایک مستند، تاریخی اور علمی دستاویز کے ماخذ ہو سکتے ہیں اس کے بعد کسی مستشرق نے یہ اعتراض نہیں کیا کہ علم حدیث کے مآخذِ اساسی کسی سنی سنائی باتوں پر ہیں اور اس کی بنیاد کسی تحریری اور تاریخی طور پر قابل قبول دستاویز پر نہیں ہے۔ لیکن اس کے بعد ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے اپنے علمی کیریئر کا آغاز ایک قانون کے استاد کے طور پر کیا تھا۔ انہوں نے ابتدائی کتابیں جو ۱۹۳۰ء یا ۱۹۴۰ء کی دہائی میں لکھیں، ان میں اکثر و بیشتر قانون، اصولِ قانون اور خاص طور پر بین الاقوامی اسلامی قانون پر ہیں۔ وہ جامعہ عثمانیہ میں، بین الاقوامی اسلامی قانون کے استاد اور پروفیسر تھے۔ اور اسی حیثیت سے وہ بین الاقوامی وفد کے بھی رکن تھے۔ جو حیدرآباد (دکن) کے وزیراعظم میر لائق کی قیادت میں اقوامِ متحدہ سیکورٹی کونسل میں جا رہا تھا۔ اپنے ملک کا مقدمہ پیش کرنے کے لیے اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ بطور بین الاقوامی قانون کے ماہر کے اس وفد میں شامل تھے۔

لیکن بین الاقوامی اسلامی قانون پر کام کرتے ہوئے ڈاکٹر صاحب کو یہ خیال ہوا کہ بین الاقوامی قانون کے میدان میں سب سے نمایاں کارنامہ قدیم اقوام میں مسلمان ماہرین قانون کا ہے اس نے ان کو مسلم بین الاقوامی قانون کی طرف متوجہ کیا تو امام محمدؒ اور اُن کی کتب پر انہوں نے کام کیا۔ ابوحنیفہؒ اور جو اس دور کے دوسرے فقہاء تھے ان کی تحریروں کو دیکھا تو ان کی دلچسپی بین الاقوامی قانون کے اس پہلو میں پیدا ہو گئی۔ پھر ان کی دلچسپی اس طرف ہو گئی جو مسلمانوں کی Contribution ہے اس طرح انہوں نے مسلمانوں کے بین الاقوامی قانون پر کم و بیش نصف درجن کتابیں لکھیں ان کی پی ایچ ڈی کے تینوں مقالے بین الاقوامی اسلامی قانون سے متعلق ہیں۔

- ایک مقالہ انہوں نے جرمنی کی بون یونیورسٹی میں پیش کیا جس کا عنوان تھا کہ:

''اسلامی بین الاقوامی قانون میں غیر جانبداری کا تصور''

- اسی طرح انہوں نے سوربورن میں جو مقالہ فرانسیسی میں پیش کیا۔ اس کا عنوان تھا کہ:

''رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں اسلامی سفارتکاری اور اس کے آداب و قواعد''

یہ مقالہ ان کا دو جلدوں میں تھا یہ دونوں جلدیں مطبوعہ ۱۹۳۴ء یا ۱۹۳۵ء میں پیرس میں چھپی تھیں اور ڈاکٹر صاحب نے مجھے اس کی فوٹو کاپی عطا فرمائی تھی۔

○ تیسرا مقالہ جوانہوں نے جامعہ عثمانیہ میں پیش کیا تھا جواب تک کی، اُن کی تحریروں میں اس موضوع میں بہترین تحریر کی حیثیت رکھتا ہے "Muslim Conduct of State" ہے جوانگریزی میں تیار کیا گیا تھا اور یہ بیسویں صدی میں اسلام کے بین الاقوامی قانون پر لکھی جان والی ابتدائی اور بہترین کتابوں میں سے ایک کتاب ہے جس میں انہوں نے اسلام کے بین الاقوامی قانون کو دورِ جدید کے بین الاقوامی قانون کے اسلوب اور سٹائل پر مرتب و مدون کیا اور وہ تمام موضوعات اور مسائل جو دورِ جدید کے بین الاقوامی قانون میں اٹھائے گئے ان سب مسائل کا انہوں نے اسلامی ماخذ سے حل تلاش کیا اس مواد کو یکجا کیا اور ایک نئی ترتیب سے جو پہلے انداز کی اور منفرد ترتیب تھی دنیا کے سامنے پیش کیا۔

اس کے بعد ڈاکٹر صاحب کے اس اسلوب کی پیروی کرتے ہوئے عرب وعجم میں درجنوں مصنفین نے اسلام کے بین الاقوامی قوانین پر کتابیں لکھیں۔ لیکن اس میں اولیت کا شرف صرف ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کو حاصل ہوا۔ بین الاقوامی قانون پر جب وہ مآخذ و مصادر کا مطالعہ کر رہے تھے اور اس کا جائزہ لے رہے تھے تو انہیں سیرت کی کتابوں سے واسطہ پڑا، اور اس واسطے سے ان کی دلچسپی سیرت میں پیدا ہوگئی۔

اس کے بعد ۱۹۴۰ء۔۱۹۴۵ء کے سالوں کے بعد سے لے کر زندگی کے آخری سالوں (۱۹۹۷ء۔۱۹۹۶ء) تک جب تک وہ کام کرتے رہے ان کی دلچسپی کا موضوع صرف سیرت یا وہ موضوعات رہے جو براہِ راست یا بالواسطہ سیرت سے متعلق ہوں۔ اگرچہ جزوی طور پر وہ ان تمام موضوعات پر کام کرتے رہے جن کا میں نے ذکر کیا لیکن ان کی حیثیت جزوی تھی ان کی دلچسپی کا اصل عنوان سیرت اور سیرت سے متعلقہ امور تھے لیکن انہوں نے اپنے ابتدائی مضمون کو چھوڑا نہیں۔ بین الاقوامی قانون پر ان کی چیزیں مسلسل آتی رہیں اور تحقیق کے نئے نئے گوشے وہ دنیا کے سامنے پیش کرتے رہے۔ وہ شاید پہلے آدمی ہیں اس دور میں جنہوں نے عہدِ نبوی کے سیاسی وثائق کو جمع کیا اور اس زمانے کے لحاظ سے جتنے دستیاب ماخذ تھے ان سب کا جائزہ لے کر عہدِ نبویؐ اور خلفائے راشدین کے دور کے ۴۰۰ سیاسی وثائق انہوں نے جمع کیے جس سے بڑا مجموعہ اس وقت عربی یا اور کسی زبان میں موجود نہیں ہے۔ اسی طرح ڈاکٹر صاحب کی وہ فرانسیسی زبان میں سیرت کی کتاب جو دو جلدوں میں ہے اور اس میں ڈاکٹر صاحب کی تازہ ترین تحقیقات شامل ہیں، جس کا آخری ایڈیشن ڈاکٹر صاحب نے مجھے عطا فرمایا۔ وہ ۱۹۹۰ء یا ۱۹۹۱ء کا ہے۔

۱۹۹۰ء۔۱۹۹۱ء تک کی پوری تحقیقات اس میں شامل ہیں جب ڈاکٹر صاحب کو معلوم ہوا کہ میں نے اس کتاب کے ترجمے کا بیڑا اٹھایا ہے تو ڈاکٹر صاحب نے غالباً ۱۹۹۵ء۔۱۹۹۴ء میں اپنے ہاتھ کے ٹائپ شدہ کوئی پچاس صفحات کے قریب مواد بھیجا اور اس پر لکھا تھا کہ یہ وہ اصلاحیں اور ترمیمیں ہیں ڈاکٹر صاحب اُردو لکھتے ہوئے ''الف ت'' سے جمع نہیں کرتے۔ ہم لوگوں کی زبان پر اصلاحات اور ترمیمات چڑھا ہوا ہے۔ ڈاکٹر صاحب ہمیشہ ''ی ن'' یا ''ون'' سے جمع کیا کرتے تھے اس میں لکھا کہ، یہ وہ اصلاحیں یا ترمیمیں ہیں جو کتاب کے نویں ایڈیشن کے بعد مرتب کی گئی ہیں براہِ کرم اس کو ترجمے میں شامل کرلیا جائے۔

گویا ۱۹۹۴ء۔۱۹۹۳ء کے دوران بھی ان کو جو نیا مواد ہاتھ آتا گیا اس کو ایک الگ دستاویز کی شکل میں مرتب کرتے گئے۔ اور وہ دستاویز مسودات، اب بھی میرے پاس محفوظ ہیں جو اس ترجمے میں اضافہ کیا جاتا ہے اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ کوئی ایک لفظ بھی ایسا نہیں ہے جس سے کوئی نئی بات معلوم ہو اور وہ ڈاکٹر صاحب کے علم میں آئے اور اس کا نوٹس نہ لیں وہ اس کام کو کیسے کرتے تھے مجھے نہیں معلوم ہم سب میں سے اکثر کا تعلق لکھنے پڑھنے سے ہے بہت سی چیزیں ہمارے موضوع سے متعلق دیکھنے میں آتی ہیں اور گزر جاتی ہیں پھر بعد میں ملتی بھی نہیں اور یاد ہی نہیں رہتا۔ ڈاکٹر صاحب ان میں سے ایک ایک چیز کا پوری طرح سے تعاقب بھی کرتے اور اس کو محفوظ بھی رکھا کرتے تھے۔ میرے پاس (اور اُن کے بہت سے دیگر نیازمندوں کے پاس) خطوط ہیں۔ ان خطوط میں بعض کا انداز ایسا ہوتا ہے اور لکھتے تھے کہ:

> ''میں نے یہ سنا ہے کہ جنگ اخبار میں ایک مضمون چھپا ہے اس میں قرآن پاک کا مثلاً براہوی ترجمے پر کوئی بات کی گئی ہے کیا اس میں کوئی نئی بات ہے؟ اگر نئی بات ہو تو براہِ کرم اس کی عکسی نقل مجھے بھیج دیں۔ اخراجات فوراً روانہ کر دونگا۔ یہ جملہ ضرور ہوتا تھا ان سے کوئی پوچھے بھی آپ کو پورا جنگ اخبار ہی بھیج دیں گے۔ اس کی فوٹو سٹیٹ کی کیا ضرورت پیش آئے گی۔ لیکن یہ جملہ ان کا ضرور ہوتا تھا کہ کوئی اخراجات ہوں تو مجھے بتایا جائے میں اس کو پیش کرنے کے لیے تیار ہوں۔''

لیکن اگر جواب میں ان سے کوئی نقل منگوائی جائے جیسا کہ ایک دو دفعہ اتفاق ہوا کہ میں نے ان سے گزارش کی کہ

پیرس کی فلاں لائبریری میں فلاں کتاب کی نقل بھیج دیں تو انہوں نے صرف وہ کتاب بھیج دی بلکہ اس بات کا برا منایا کہ میں نے ان سے اخراجات کا سوال کیوں کیا؟

ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میں نے اپنے دوست سے جو فرانس میں پاکستانی سفارت خانے میں کام کرتے تھے ان کو لکھا کہ اتنی رقم ڈاکٹر صاحب کی خدمت میں پیش کر دیں تو ڈاکٹر صاحب نے نہ صرف رقم واپس کر دی اور مجھے شکایت کا خط لکھا اور منع کیا کہ اس طرح کی کوئی بات دوبارہ نہ لکھی جائے اور بلا تکلف جب کسی چیز کی ضرورت ہو تو مجھے لکھا جائے میں ان شاء اللہ تعالیٰ بلا تکلف ہر قسم کی خدمت کے لیے حاضر ہوں یہ جملہ تقریباً ہر خط میں ہوتا تھا کہ ''خدمت کے لیے حاضر ہوں''۔ ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے اتنے متنوع پہلو ہیں۔ علمی اعتبار سے بھی، انسانی اعتبار سے بھی، جن کو بیان کرنے کے لیے ایک طویل عمر اور ایک طویل وقت کی ضرورت ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے اس وقت میرے پاس ۱۲۴ خطوط محفوظ اور دستیاب ہیں ممکن ہے کہ کچھ اور خطوط بھی کاغذات سے مل جائیں۔ ان خطوط کو مرتب کرنے کا پروگرام ہے اور ان خطوط کی تمہید میں یہ ساری یاداشتیں جو ابھی تک حافظے میں ہیں لکھی نہیں گئیں اس تمہید میں لکھنے کا پروگرام ہے۔ بظاہر تمہید بھی ۱۵۰۔۲۰۰ صفحے کی ہوگی اس تمہید میں یہ سارے تاثرات اور واقعات جو میں نے دیکھے اس میں آئیں گے ڈاکٹر صاحب کو مجھ پر بڑا اعتماد پیدا ہو گیا تھا جس کی وجہ سے وہ بعض اوقات ایسی باتیں بھی بیان کر دیا کرتے تھے جو عام لوگوں سے بیان نہیں کرتے تھے۔ ایک واقعہ میں بیان کر دیتا ہوں جو مجھے یاد ہے اس سے پہلے بھی ایک دو دفعہ ذہن میں آیا مگر مجھے سنانا یاد نہیں رہا۔

> ''ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جب وہ اپنا پی ایچ ڈی کا مقالہ پیرس میں لکھ رہے تھے تو کچھ مواد کے حصول اور حوالہ دوبارہ چیک کرنے کے لیے فاس جانے کی ضرورت پیش آئی۔ چنانچہ وہ ٹرین سے پیرس سے فاس روانہ ہوئے اور فاس کی بندرگاہ پہنچے اور اس بندرگاہ سے ایک بحری جہاز سے سفر کر کے تونس آئے اور تونس سے کسی ٹرانسپورٹ سے سفر کر کے فارس پہنچے۔ فاس کے کتب خانے میں کام کرتے رہے۔ انہوں نے جتنا اندازہ کیا تھا کہ اتنے پیسے خرچ ہو نگے اور ان کو اس زمانے میں ۷۵ روپے ماہوار وظیفہ ملتا تھا۔ ریاست حیدر آباد کی جامعہ عثمانیہ سے اس کام کے لیے اب ۷۵ روپے ماہوار میں سے کتنی بچت ہو گی کہ پیرس سے وہ

فاس گئے اور وہاں کتنے اخراجات ہونگے اس کے لیے انہوں نے حساب کیا کہ اتنا آمدو رفت میں لگے گا اور اتنے اخراجات وہاں قیام کے ہوں گے اور اس طرح سے طے کر لیا جب وہاں کام شروع کیا تو معلوم ہوا کہ جتنی مدت کے لیے وہ سوچ کر آئے تھے اس سے زیادہ مدت کا کام ہے انہوں نے یہ طے کیا کہ باقی اخراجات میں تو کمی نہیں ہوسکتی اس لیے کہ بحری جہاز کا اور فارس سے تونس کی بندرگاہ کا وہاں پہنچنے تک کے اخراجات تو دینے ہیں جو وہاں قیام اور طعام کے اخراجات تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس میں، میں نے یہ طے کیا کہ پہلے ایک دن میں ایک وقت کھانا کھاؤں گا جب اخراجات میں کمی ہوئی تو کہا کہ دو دن میں ایک وقت کھانا کھاؤں گا جب پھر بھی کمی محسوس ہوئی تو طے کیا گیا کہ ۳ دن میں ایک وقت کھانا کھاؤں گا اور کام کرتے رہے۔ آخری دن جب وہ تین دن والا بھی ختم ہوگیا اور کام باقی رہا تو یہ طے ہو گیا کہ جب تک جان میں جان باقی ہے کام کرنا چاہیے اور جب جان نہیں ہوگی تو پھر بس کا ٹکٹ لے کر روانہ ہو جائیں گے۔ تو انہوں نے کہا کہ میں آخری دن بیٹھا ہوا تھا اور یہ خیال تھا کہ آج کے بعد مزید ٹھہرنا ممکن نہ ہوگا اور ۲، ۳ دن کا فاقہ ان کو ہو گیا تھا۔ لیکن کام باقی تھا۔ تو ظہر کی نماز جب پڑھی تو اللہ تعالیٰ سے دُعا کی اور اس میں رقت بھی طاری ہوئی کہ بڑا علمی کام ہے کتابیں، مخطوطات دستیاب ہیں پیسے ختم ہو گئے ہیں اللہ تعالیٰ کوئی غیب سے راستہ نکالیں۔ کہنے لگے کہ نماز پڑھ کر اپنے کتب خانے میں، جس گوشے میں جگہ بنائی ہوئی تھی وہاں آئے تو وہاں ایک صاحب بیٹھے ہوئے تھے جو لباس اور حلیے سے کوئی مرفہ الحال معلوم ہوتے تھے کہنے لگے آپ کا نام حمید اللہ ہے کہنے لگے کہ ہاں حمید اللہ ہے۔ پوچھا کہ آپ ہندوستان سے آئے ہیں کہنے لگے ہاں۔ میں نے سنا ہے کہ آپ انگریزی جانتے ہیں، کہنے لگے کہ ہاں انگریزی جانتا ہوں، یہ گفتگو فرنچ میں ہو رہی تھی کہنے لگا کہ میں ایک تاجر ہوں اور فلاں ملک میں کام کرتا ہوں مجھے ہندوستان سے بعض تجارتی معاملات کے لیے کچھ خط و کتابت کرنی ہے کچھ خطوط میں نے تیار کیے ہیں اگر آپ ان خطوط کو انگلش

میں تحریر کر دیں تو جو معاوضہ آپ کہیں گے میں آپ کو دوں گا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا لائیے انہوں نے اسی وقت وہ خطوط بیٹھ کر ترجمہ کیے اور اس سے کہا کہ جو آپ دینا چاہیں وہ دے دیں، اس نے بہت اصرار کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ جو رقم اس نے مجھے دی وہ اس رقم سے چار پانچ گنا زیادہ تھی جو وہ پیرس سے لے کر چلے تھے اور اس رقم سے پورا سفر ہوا تھا اس کے بعد مزید وہاں قیام کیا اور جتنے کتب خانے دیکھنے تھے وہ دیکھے۔"

اس طرح انہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ غیب سے ایسی مدد فرماتا تھا اور اس طرح کے بہت سے واقعات میرے علم میں ہیں جس میں انہوں نے کہا کہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا اور اس کا کوئی اور سبب اور وجہ معلوم نہیں ہے۔ اس طرح کے مسائل کے ساتھ زندگی گزار دی اس کے ساتھ ساتھ ان میں جود وسخا کا غیر معمولی جذبہ اور داعیہ پایا جاتا تھا اس کی مثالیں ان کا ہر نیاز مند جانتا ہے جو لوگ ان سے واقف رہے ان کو اس طرح کے بے شمار واقعات معلوم ہیں ان میں سے بعض میرے علم میں بھی ہیں جس کو ان شاء اللہ تعالیٰ اگر مجھے موقع ملا تو وہ خطوط کی تمہید میں لکھنے کا پروگرام ہے میں شکر گزار ہوں کہ مجھے گفتگو میں شرکت کی دعوت دی گئی اور ایک ایسے اجتماع میں شرکت کا موقع ملا جو میرے لیے روحانی اعتبار لذیذ بھی ہے اور علمی اعتبار سے بہت مفید بھی ہے اور ایک اعتبار سے دینی اور اخلاقی ذمہ داری بھی رکھتا ہے کہ ہم پاکستان کے اور برصغیر پاک و ہند کے ایک ایسے فرزند کو یاد کر رہے ہیں جس کی علمی مقام اور عظمت کا اعتراف سب لوگوں نے کیا۔

ہم علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں بیٹھے ہوئے ہیں ایک مرتبہ ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اسلامیات، دینیات کے مختلف موضوعات پر کام کیا ہوا ہے۔ آپ کی کبھی علامہ اقبال سے ملاقات ہوئی۔ انہوں نے اعتراف کیا کہ میری دو مرتبہ علامہ اقبال سے ملاقات ہوئی۔ ایک مرتبہ جب وہ خطبات مدراس کے لیے مدراس تشریف لے گئے تو ڈاکٹر صاحب نے کہا کہ میں اور چند نوجوان سفر کر کے حیدرآباد سے مدراس گئے تھے علامہ اقبال کے ایک یا دو خطبے ہم نے سنے۔ اس کے بعد انہوں نے کہا کہ میرا لاہور آنا ہوا تھا۔

(۱۹۳۲ء میں "ادارۂ معارفِ اسلامیہ لاہور" قائم ہوا تھا علامہ اقبال اس کے سربراہ تھے۔ اس کی دوسری سالانہ کانفرنس ۱۰، ۱۱، ۱۲/اپریل ۱۹۳۶ء میں لاہور میں ہوئی تھی اس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی شریک ہوئے تھے)

وہاں انہوں نے کہا کہ میں نے علامہ اقبالؒ کی زیارت کی تھی اور انہوں نے زیارت کے لفظ استعمال کیے۔ کہنے لگے کہ سو میں نے براہِ راست تو علامہ اقبالؒ پر نہیں لکھا۔ لیکن مجھے خیال ہوا کہ علامہ اقبال کے پیغام اور کلام سے اہل فرانس کو اور فرانکوفوزن یعنی وہ دنیا جو فرانسیسی زبان بولتی ہے اس کو آشنا کرنا چاہیے تو میں نے اپنے شوق سے ان کے خطبات Reconstruction کا فرانسیسی ترجمہ کیا تھا اور اس کے بعد نظم کا کرنے کا پروگرام تھا تو جزوی طور پر ''جاوید نامہ'' کا ترجمہ کیا اور شائد کلی طور پر یا ''پیامِ مشرق'' کا ذکر کیا یا ''بالِ جبرئیل'' کا مجھے یاد نہیں رہا۔ ان دونوں میں سے ایک کا یا دونوں کا اور جزوی طور پر جاوید نامہ کا اور Reconstruction کا ترجمہ کیا لیکن انہوں نے کہا کہ ترجمہ کرنے کے بعد کوئی طابع یا ناشر نہ ملا تو میں نے ترجمہ ویسے ہی رکھ دیا ممکن ہے میرے کاغذات میں کہیں ہو۔

یہ علامہ اقبال او پن یونیورسٹی کی دلچسپی کے حوالے سے یہ ایک نئی معلومات ہیں جو لوگوں کے علم میں نہیں ہیں۔ میں شکر گزار ہوں آپ کا اور اللہ تعالیٰ سے دُعا گو ہوں کہ وہ ان کے نامکمل کاموں کی طباعت اور اشاعت کی کوئی صورت پیدا فرمائے۔ (آمین)

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ایک یادگار ملاقات

* پروفیسر ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ مرحوم، عالم اسلام کی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھی۔ امت مسلمہ ہی نہیں پوری عالم انسانیت کے لیے ان کا وجود باعثِ خیر و برکت تھا۔ ان کے علمی کارنامے، اہل علم و تحقیق کے لیے قابلِ تقلید ہیں اور باعثِ فخر بھی۔ باری تعالیٰ انہیں کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین۔

ان کی علمی تحقیق سے تادیر کسب و اکتساب کیا جاتا رہے گا اور رہنمائی لی جاتی رہے گی۔ اس کے ساتھ ان کی تحقیقات علمی و دینی پر نقد ہوگا اور اس کا تجزیاتی مطالعہ بھی، لیکن یہ سب کچھ اونچے درجے کے عالم اور سکالر کریں گے۔ میں کہ ایک عامی اور معمولی مدرّس ہوں، اسی بات کو اپنے لیے باعثِ افتخار سمجھتا ہوں کہ اس نابغہ عصر کی، جس کا نام نامی محمد حمید اللہ تھا، دوبار تو زیارت ہوئی اور اُنہیں بولتے اور تقریر کرتے بھی سنا..........اور ایک بار بالمشافہ ملاقات بھی ہوئی۔ یہ ملاقات میری زندگی کے چند اہم اور یادگار واقعات میں سے ہے، چنانچہ میں مرحوم کے علم و فضل، تبحرِ علمی اور دینی تحقیقات پر کلام کرنے کے بجائے (جس کا میں اہل بھی نہیں ہوں) فقط، مذکورہ ملاقات کی روداد بیان کرنے پر اکتفا کروں گا۔ اس میں آپ کو ان کی شخصیت کی ایک جھلک نظر آئے گی اور اندازہ ہوگا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ اپنی ذات میں کیسے بڑے، بے بول اور بے مثل انسان تھے۔

یہ ملاقات ۷/دسمبر ۱۹۹۱ء کو پیرس کے ہوٹل اکادیمیہ کے کمرہ نمبر ۵ میں ہوئی۔ اس ملاقات میں پروفیسر محمد منور مرزا، جناب محمد سہیل عمر، جناب عبدالرحمٰن بزمی اور یہ ناچیز موجود تھا۔ مناسب ہوگا کہ اس کا مختصر پس منظر بھی عرض کر دوں۔ قرطبہ کی عالمی اقبال کانفرنس (نومبر ۱۹۹۱ء) میں پاکستان سے ڈاکٹر جسٹس جاوید اقبال، بیگم ناصرہ اقبال، پروفیسر محمد منور، جناب محمد سہیل اور راقم شریک تھے۔ جاوید صاحب تو کانفرنس کے بعد بیگم کے ساتھ واپس چلے گئے

---

* سابق صدر شعبہ اردو، پنجاب یونیورسٹی، لاہور

اور ہم تینوں نے قرطبہ کے بعد غرناطہ کا رخ کیا۔ اسلام آباد کے ہسپانوی سفارت خانہ نے بڑی خست سے کام لیتے ہوئے فقط سات یوم کا ویزا دیا تھا جو غرناطہ پہنچتے پہنچتے نبڑ گیا تھا۔ چنانچہ ویزوں میں توسیع کرانے کی تگ و دو میں ہمیں غرناطہ میں چھ، سات روز ٹھہرنا پڑا۔ (اس دوران ہم نے الحمراء اور دوسرے مسلم آثار دیکھے، چند مساجد کا سراغ لگایا اور بعض مسلمانوں سے تبادلہ خیال رہا) توسیع ملی تو ہم اشبیلیہ پہنچے۔ وہاں دو روز کے قیام میں فرانسیسی قونصل خانے سے خاصی مشکل سے بلکہ ایک سفارش پر، فرانس کا ویزا حاصل کیا۔

۵ر دسمبر کی شب ہم پیرس میں وارد ہوئے اور شاہراہ موں پرناس کی ایک بغلی سڑک پر واقع ایک درمیانی درجے کے ہوٹل اکادیمیہ میں ٹھہرے تھے۔ ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب، یہاں سے قریب ہی رہتے تھے وہ ملنے کے لیے آئے تو طے ہوا کہ کل صبح حمید اللہ صاحب سے ملنے چلیں گے۔ ڈاکٹر رحمت اللہ سے قرطبہ کانفرنس میں ملاقات ہوئی تھی۔ وہ عرصہ دراز سے پیرس میں مقیم تھے۔

دوسرے روز صبح ہوٹل اکادیمیہ سے نکل کر، ہم ڈاکٹر رحمت اللہ کی راہنمائی میں محمد حمید اللہ صاحب سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئے، وہ ہمیں سیر کرانے کے موڈ میں تھے۔ لکسمبرگ باغ میں گھومتے گھماتے، پھر وہاں سے نکل کر مختلف تاریخی عمارتیں دکھاتے ہوئے وہ ہمیں سوربون یونیورسٹی کے علاقے میں لے آئے۔ یہاں سلپیس روڈ پر ہم ایک ناشر کی دکان پر رکے جو مشرقی علوم سے متعلق بھی کتابیں چھاپتا ہے۔ اس نے علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کا فرانسیسی ترجمہ بھی شائع کیا تھا۔ یہاں ہم نے چند کتابیں دیکھیں، فہرست لی اور چل نکلے۔

ٹورناں (Tournt) روڈ پر واقع محراب دار گیٹ سے ہم ایک حویلی میں داخل ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب دوسری منزل پر رہتے ہیں۔ حویلی کی ناظمہ اس شدید سردی میں بھی حویلی کا فرش دھونے دھلانے میں مصروف تھی اس نے بتایا:

> ''ڈاکٹر صاحب کہیں باہر گئے ہیں۔ مرزا صاحب نے اپنے کارڈ پر مختصر سا پیغام لکھ کر دے دیا رحمت اللہ صاحب نے بھی چند سطروں میں ہمارا اشتیاقِ ملاقات رقم کر دیا۔ افسوس ہوا کہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی یہ پہلی کوشش ناکام رہی۔''

دن بھر اِدھر اُدھر گھومنے پھرنے کے بعد ساڑھے چھ بجے ہم رحمت اللہ صاحب کے ہاں پہنچے۔ انہوں نے بتایا کہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب آئے تھے اور آپ کے لیے یہ خط چھوڑ گئے ہیں۔ خط، مرزا صاحب کے نام تھا:

۱۲/۶/ ۱۹۹۱ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم

سلام مسنون و رحمۃ اللہ و برکاتہ

میں بے حد متاسف ہوا کہ آپ نے زحمت فرمائی اور میں گھر پر نہ تھا۔ اس ناچیز کی زندگی کا یہ حال ہے کہ ہر روز نظام العمل بدلتا رہتا ہے اور کوئی ایسا وقت نہیں کہ ہر روز کے لیے معین ہو۔ میرے ہاں نہ ٹیلی فون ہے اور نہ، بہرا ہو جانے کے باعث، ٹیلی فون پر آ کر بات کر سکتا ہوں۔

اگر آں محترم یہ اطلاع دے سکیں کہ کہاں قیام ہے، اور کب تک قیام رہے گا تو میں مثلاً کسی شام کو ساڑھے پانچ چھ پر، یا اس کے بھی بعد، حاضر خدمت ہو جاؤں گا، اور چند منٹ سکون سے استفسار کر سکوں گا۔

نیاز مند خادم

محمد حمید اللہ

یہ رقعہ پا کر ہمیں خوشی ہوئی کہ صاحب موصوف نے اس قدر توجہ کی، مگر ساتھ ہی افسوس اور کچھ ندامت بھی کہ انہوں نے اس قدر زحمت اٹھائی، پھر بھی ملاقات نہ ہو سکی۔

اگلے روز صبح ناشتے کے بعد ہم پھر ٹورناں روڈ کی طرف چلے۔ ہمارے دوست عبد الرحمٰن بزمی صاحب اُس صبح لندن سے، بہ غرض ملاقات یہاں پہنچے تھے اُن سے ذکر کیا تو وہ بھی بہت خوش ہوئے اور ہمارے ساتھ چل پڑے کہنے لگے:

''یہ تو سونے پر سہاگا ہو گیا۔ ایک تو آپ لوگوں سے دو روز صحبت رہے گی، پھر حمید اللہ صاحب کی زیارت اور ملاقات، جس کی تمنا عرصۂ دراز سے تھی۔''

ٹورناں روڈ پر پہنچے اور حویلی میں داخل ہوئے تو جواب ملا: ''موجود نہیں ہیں..........'' ہمارا قیاس تھا (یا بدگمانی) کہ ڈاکٹر صاحب موجود ہیں، مگر حویلی کی ناظمہ انہیں ملاقاتیوں سے محفوظ رکھنا چاہتی ہے بہرحال ہم نے ڈاکٹر صاحب کے لیے تحریری پیغام چھوڑا ''ہم ہوٹل اکادیمیہ میں شام ۵ بجے سے آپ کے منتظر رہیں گے۔''

دن کا وقت ہم نے ادھر اُدھر گھومنے میں گذارا۔ ایفل ٹاور دیکھا پھر پیدل وہاں سے مقبرہ نپولین پہنچے بعد ازاں مقبرے سے متصل ایک فوجی عجائب گھر دیکھا اور واپس ہوٹل آ گئے۔

شام ۵ بجے ہم ہوٹل اکادیمیہ کے کمرہ ۵ میں بالکل تیار اور منتظر بیٹھے تھے۔ ۵ بج کر چالیس منٹ پر مغرب کے کچھ ہی دیر بعد، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب تشریف لے آئے۔ میں نے انہیں پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ محبت اور احترام و اشتیاق کی نظر ان پر مرکوز تھی۔ ایک دبلا پتلا اور دھان پان آدمی، اوور کوٹ، مفلر، جناح کیپ سے مماثل سیاہ ٹوپی، ڈاڑھی کے بال زیادہ تر سیاہ.......... ایک مایہ ناز شخصیت اور امتِ مسلمہ کے لیے ایک قابل فخر انسان، جس کی ساری زندگی خدمت اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف رہی، اور جو بہ ایں پیرانہ سالی آج بھی جوانوں کی طرح، بلکہ ان سے کہیں بڑھ کر سرگرم عمل ہے۔

علیک سلیک ہوئی۔ چند خیر مقدمی جملوں کے بعد ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا کہ وہ زحمت کر کے یہاں پہنچے۔ ڈاکٹر صاحب ثقل سماعت کے سبب اونچا سنتے ہیں مگر گفتگو آہستہ آہستہ اور دھیمے لہجے میں کرتے ہیں۔

خیر خیریت اور احوال پرسی کے بعد، ہمارے استفسارات پر ڈاکٹر صاحب نے بتایا:

''چالیس سال سے یہاں ہوں۔ میری شہریت فرانس کی نہیں، حیدر آباد کی بھی نہیں، بے وطن ہوں۔ میرے پاس کسی ملک کا پاسپورٹ نہیں۔ بس ٹریولنگ پیپرز ہیں، جو فرانسیسی

حکومت نے دیے ہیں، ان پر سفر کرتا ہوں۔"

سوال : "فرانس کی شہریت کے لیے آپ نے کبھی مطالبہ نہیں کیا؟"

جواب: "نہیں، معلوم نہیں کیوں؟ لیکن بہرحال کبھی نہیں کیا۔"

فرانس میں اسلام اور نومسلموں کا ذکر چل نکلا۔ کہنے لگے:

"جی ہاں، بلا مبالغہ میرے ہاتھ پر سینکڑوں لوگوں نے اسلام قبول کیا ہوگا۔ ان میں ہر طبقے کے لوگ ہیں۔ طلبہ، پروفیسر، عالم فاضل لوگ، کچھ سفیر بھی، نانبائی بھی اور اگر آپ یقین کریں تو پیرس میں بعض پادری اور نن بھی مسلمان ہوئے ہیں۔ الحمدللہ، ان میں ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہمارے مسلمان ہونے کا اعلان نہ کیا جائے اور اگر ہمیں نام دینے کی ضرورت ہو تو بلا اجازت ہمارا نام نہ دیں۔"

مرزا صاحب: "کیا ان کے بچے بھی مسلمان ہو جاتے ہیں؟"

جواب: "جی ہاں، ان کا فورنیم بھی ہوتا ہے، جو اسلامی ہوتا ہے یعنی عبداللہ، عبدالرحیم وغیرہ، لیکن ایسا کم ہوتا ہے۔ ویسے میں کہتا ہوں کہ بچے ماں باپ کے نگران ہوتے ہیں۔ اگر ماں باپ اسلام پر عمل کرتے ہیں تو بچے ازخود تقلید کرتے ہیں۔ ان کے بہکنے کا امکان کم ہوتا ہے۔ لیکن اگر ماں باپ خود عمل نہ کرتے ہوں اور چاہیں کہ بچے اولیاء اللہ بن جائیں تو................"

مرزا صاحب: "نومسلموں کے لیے یا بچوں کے لیے دینی تعلیم کا کوئی بندوبست؟"

جواب: "ادارے تو ہیں، مساجد ہیں، یہ ان کی مرضی ہے، چاہیں تو پڑھنے کے لیے آسکتے ہیں۔ بعض مساجد میں بچے اور بچیوں کے لیے شام کے اوقات میں بھی انتظام ہے۔ اتوار کی صبح بھی اہتمام ہوتا ہے۔"

اثنائے گفتگو میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی تصانیف کا ذکر آ گیا۔ فرانسیسی میں ان کا ترجمہ قرآن اور سیرت النبیؐ

بار ہا چھپے ہیں۔ سیرت کا متعدد زبانوں میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ ان کی کتاب Introduction to Islam کا ترجمہ ۲۰،۲۲ زبانوں میں ہو چکا ہے۔ اس کی تالیف کا قصہ بہت دلچسپ ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے ایک بار بتایا کہ:

''ایک دن میرے پاس امریکہ سے ایک گم نام شخص کا خط آیا، جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں ایک کالا انسان ہوں، میں نے کسی وجہ سے اسلام قبول کیا، لیکن تلاش کے باوجود مجھے کوئی ایسی چیز نہیں ملی، جس سے میں اپنے اس نئے مذہب سے متعلق معلومات حاصل کر سکوں، اگر آپ کے علم میں ایسی کوئی کتاب ہے تو مجھے بتائیے۔ میں نے غور و غوض کے بعد یہ محسوس کیا کہ اسلام سے متعلق کوئی جامع کتاب نہیں پائی جاتی۔ انگریزی میں اور نہ فرانسیسی زبان میں۔ میرے لیے آسان طریقہ تو یہ تھا کہ میں اس کالے شخص کو معذرت کا خط لکھ دیتا لیکن میں نے خیال کیا کہ اگر جامع کتاب نہیں ہے تو اسے لکھنا ہم پر فرض ہے، ہمیں یہ فرض ادا کرنا چاہیے۔

میں نے ایک دن اپنے دوستوں میں سے ۱۰،۱۲ کو اپنے ہاں مدعو کیا اور انہیں کالے کا خط دکھایا اور ان سے کہا کہ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ ہم ایک جامع کتاب تیار کریں جس میں اسلام کی ہر ضرورت کا مختصر طور پر ذکر ہو، لیکن یہ کام ایک آدمی کے بس کا نہیں، ہم ۱۰،۱۲ دوست مل کر اس کام کو انجام دیں، ان شاء اللہ، خدا ہمیں اس کا اجر دے گا۔ دوستوں نے میرے اس خیال کی تائید کی اور مدد دینے کے لیے تیار ہو گئے اور کہا کہ تین ماہ میں یہ کام مکمل ہو جائے گا۔ چنانچہ ہر ایک میں ایک ایک باب تقسیم کر دیا گیا۔

مذکورہ ۱۰،۱۲ دوستوں میں بھارت، مصر، افریقہ اور دیگر ممالک کے مسلمان شامل تھے۔ یہ کام شروع کیا گیا اور میں نے تین ماہ میں اپنے حصے کا کام مکمل کر لیا۔ جب میں نے دوسروں سے معلوم کیا تو ہر ایک نے مجھ سے کہا: معاف کیجئے ہمیں مزید کچھ وقت دیجئے ہم جلد اسے مکمل کر لیں گے۔ چونکہ میں نے اپنا کام مکمل کر لیا تھا، اس لیے میں نے دوسرے باب پر لکھنا شروع کیا۔ ایک ماہ گزرنے کے بعد میں نے پھر اپنے دوستوں سے کام کے بارے

میں دریافت کیا تو انہوں نے پھر وہی جواب دیا، چنانچہ میں نے تیسرا باب بھی لکھ ڈالا۔ آخر کار اسی طرح سارے باب میں نے خود ہی لکھے اور اس طرح کتاب مکمل ہوگئی جو میری خواہش کے بغیر ایک ہی مولف کے خیالات پر مشتمل ہے۔ اس طرح خدا نے خیالات میں یکسانیت (Uniformity of Ideas) پیدا کرنے کا انتظام فرما دیا۔''

ڈاکٹر صاحب کثیر التصانیف عالم ہیں، ان کی علمی و تحقیقی خدمات کا احاطہ یہاں ممکن نہیں۔ ان کی بیسیوں کتابیں، دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ ہو کر، خلق خدا کے لیے فیض یابی کا ذریعہ بن رہی ہیں اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ متعدد تراجم اور بعض ایڈیشن خود ان کے علم میں بھی نہیں آتے۔ میں نے ان کی سیرت کے ایک ملخص اردو ترجمے کا ذکر کیا جو دس بارہ سال پہلے کراچی سے چھپا تھا۔ انہیں اس کا علم نہ تھا۔ ان کی درویش منشی کا یہ عالم ہے کہ کتابوں کی آمدنی اور رائلٹی کو انہوں نے مالی فائدے یا آسودگی کا ذریعہ نہیں بنایا۔ سب کچھ طلبہ یا تعلیمی اداروں اور کتب خانوں کو ہدیہ کر دیتے ہیں۔

ان کی زندگی سادگی اور فقر و درویشی کی ایک مثال ہے۔ بتانے لگے کہ گوشت نہیں کھاتا۔ کیوں کہ یہاں کا ذبیحہ، میرے نزدیک مشکوک ہے۔ وہ خود ہی، اپنے کمرے میں دال، دلیا، بنا لیتے ہیں یا ٹوسٹ اور دودھ گرم کر لیتے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ان کے اوورکوٹ پر پیوند لگا ہوا تھا۔

بزمی صاحب، کچھ کہنے کے لیے منتظر اور بے تاب تھے۔

''ڈاکٹر صاحب' میں اپنے آپ کو بہت خوش قسمت سمجھتا ہوں کہ یہاں حاضر ہوا، اور آپ سے ملاقات کی دیرینہ آرزو پوری ہوگئی۔''

ڈاکٹر صاحب: ''میں بھی مشرف ہوا ہوں۔''

بزمی صاحب: ''اور آپ سے مجھے بہت پرانی عقیدت ہے۔ میں 'صدق' پڑھتا رہا ہوں۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''دور کے ڈھول سہانے ہوتے ہیں۔''

بزمی صاحب: ''نہیں یہ بات نہیں ہے خدا نے آپ کو جو............''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''میں تو بس خدمت کر سکتا ہوں۔''

بزمی صاحب: ''آپ کی جو شخصیت ہے، آپ کا مقام و مرتبہ ہے، علمی دنیا میں جو آپ کا اعتراف ہے، وہ اپنی جگہ بالکل مسلم ہے۔ اللہ نے توفیق عطا کی ہے تو یہ بڑی بات ہے۔ میں ۱۹۵۰ء سے ''صدق'' منگا کر پڑھتا رہا، یہ آپ سے غائبانہ تعارف کا ایک ذریعہ بن گیا کیوں کہ اس میں آپ کی کسی خدمت یا تصنیف کا ذکر ہوتا تھا۔ میں گذشتہ ۱۹ برسوں سے انگلستان میں مقیم ہوں اور کئی بار سوچا کہ آپ سے ملاقات کے لیے پیرس آؤں، لیکن ہر چیز کا ایک وقت معین ہے۔ آج ملاقات ہوئی ہے۔''

مرزا صاحب: ''الحمدللہ، الحمدللہ۔۔۔۔ اللہ ڈاکٹر صاحب کو خوش رکھے۔ آپ نے اس ضعیف العمری میں اتنی تکلیف اٹھائی۔ راستہ بھی دور کا ہے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''میں پیدل نہیں آیا۔ میٹرو میں آیا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ ابھی چل پھر سکتا ہوں۔

ذرا سا توقف ہوا۔ میں نے موضوع بدلتے ہوئے سوال کیا: ''کیا آپ کبھی علامہ اقبال سے بھی ملے؟''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''پہلی بار لاہور آیا تھا تو اقبال زندہ تھے۔ ان سے ملاقات ہوئی تھی۔ حالت یہ تھی کہ وہ لیٹے رہتے تھے۔ نئے ملاقاتی آتے۔ سلام کرتے، کچھ دیر بعد چلے جاتے۔ اجازت کا کوئی سوال نہ تھا۔ دربار عام تھا۔ اسی طرح میں بھی ایک دوست کے ساتھ ان کے ہاں گیا۔''

مرزا محمد منور: ''ان سے کوئی بات ہوئی؟''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''بس مختصر سی، میں نے کہا: مجھے قانون سے دلچسپی ہے، فیکلٹی آف لاء کا طالب علم ہوں تو کہنے لگے: یہ بڑی اہم چیز ہے، اس میں تلاش اور کوشش جاری رکھو، اس وقت ان کے پاس کچھ اور دوست اور رفیق بھی موجود تھے۔ منشی طاہر دین بھی تھے۔''

انہی دنوں میں ڈاکٹر حمید اللہ نے جگن ناتھ آزاد کی منظوم تاریخ انسانیت میں سے آنحضورؐ کی ولادت باسعادت کے متعلق اشعار اور نعتوں کا فرانسیسی ترجمہ کیا تھا۔ گفتگو میں اس کا ذکر بھی آیا راقم نے پوچھا:

''ڈاکٹر صاحب، یہ ترجمہ آپ نے خود کیا یا فرمائش پر؟''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''فرمائش نہیں، بلکہ مجھے خود خواہش تھی۔ میں نے ترجمہ کیا۔ اجازت لی۔''

مرزا محمد منور: ''جگن ناتھ آزاد بھی قرطبہ آئے ہوئے تھے، وہیں انہوں نے بتایا کہ میری نعت کا ترجمہ ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے فرانسیسی میں کیا ہے۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ: ''جی ہاں، رسول اللہ ﷺ کے بارے میں ان کی نظم مجھے پسند آئی۔''

قرطبہ میں آزاد صاحب نے اس کا ایک دستخطی نسخہ مجھے عنایت کیا تھا، میں نے مذکورہ کتاب ڈاکٹر صاحب کی طرف بڑھاتے ہوئے عرض کی۔ اس کتاب پر دستخط فرما دیں، آٹوگراف دے دیں۔ یہ آپ کا ترجمہ کیا ہوا ہے، میرے پاس کتاب یادگار رہے گی۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ: ''آپ کا حکم ہے تو کر دیتا ہوں، لیکن مجھے یہ بالکل پسند نہیں۔''

میں نے عرض کیا: ''آپ کر دیجئے، میرے لیے یہ ایک افتخار ہوگا۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''کیا لکھوں صاحب؟''

راقم: ''جو آپ مناسب سمجھیں۔''

(یہ کہتے ہوئے ڈاکٹر صاحب نے حسب ذیل عبارت لکھ کر دستخط کر دیے)

وفقنا اللّٰه لِمَا يُحبُّ و يرضاه' (محمد حمید اللہ، یکم جمادی الآخر ۱۴۱۲ھ)

پھر فرمایا: ''میری یہ حالت ہے کہ آپ کے لیے کوئی چھوٹی سی کتاب یا رسالہ بھی نہ لا سکا۔''

مرزا صاحب: ''آپ کی زیارت ہوگئی، اس سے بڑا تحفہ اور کیا ہو سکتا ہے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''ویسے میرا بھی کچھ فریضہ ہے، جو مہمان آئے، اس کی کچھ خدمت کروں۔''

مرزا صاحب: ''اللہ آپ کو صحت مند رکھے۔ یہ جو آپ نے شمع دین یہاں روشن کر رکھی ہے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''اس میں میرا تو دخل نہیں ہے۔ یہ اللہ ہی کا فضل ہے۔''

میں نے سوال کیا: ''آج کل آپ کا تصنیفی کام کیا ہے؟ کچھ لکھنے پڑھنے کا کام کر رہے ہیں؟''

کہنے لگے: ''روزانہ کوئی نہ کوئی کام چلتا رہتا ہے۔ ایک وقت میں پچیس کام ہاتھ میں رہتے ہیں۔ میں کوئی ایک کام نہیں بتا سکتا۔ جب تک کام مکمل نہ ہو، میں اس کا اعلان نہیں کرتا۔''

کچھ توقف کے بعد کہنے لگے: ''اب اجازت مرحمت فرمائیں۔''

مرزا صاحب: جی تو نہیں چاہتا مگر...........''

راقم: ''آپ ہمارے لیے خصوصی دعا فرمایئے۔''

ڈاکٹر حمید اللہ: ''وہ رب العالمین ہے، سب کی سنتا ہے۔...........''

اس کے بعد سورۃ فاتحہ کی تلاوت کی، پھر چلنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ بہ وقت رخصت عرض کیا:

''اگر اجازت ہو تو چائے کی ایک پیالی...........''

کہنے لگے: ''میں چائے نہیں پیتا، چالیس سال سے نہیں پی...........''

ہوٹل سے نیچے اترتے ہوئے پوچھا: ''آپ کا کتنے دن قیام رہے گا؟''........... بتایا:

دس دسمبر کو روانہ ہوں گے........... فرمایا: ''خدا آپ کو خیریت سے لے جائے...........''

اس مردِ درویش کو رخصت کر کے ہم واپس کمرے میں آئے تو ملاقات کا تاثر، ایک نشے کی سی کیفیت میں، باقی تھا۔ بہ الفاظ مرزا صاحب یہ: ''شادابی ایمان کی سی کیفیت تھی'' چنانچہ ہم خاصی دیر تک موصوف ہی کی باتیں کرتے رہے۔ بزمی صاحب اپنے دورۂ پیرس کی کامیابی پر بہت مسرور و شاداں تھے اور اس بات پر بھی کہ انہوں نے ڈاکٹر صاحب

کی باتیں فیتہ بند (tape) کر لی تھیں ۔ وہ کیسٹ کو جگہ جگہ سے الٹا گھما کر (reverse) کر کے دیکھ رہے تھے.................. بلاشبہ ڈاکٹر صاحب جیسے نادر روزگار انسان کی آواز بھی ایک خزینہ ہے۔ایسا شخص نادر روزگار نہیں تو کیا ہے۔اپنا کھانا خود پکاتا ہے،گوشت نہیں کھاتا۔ چائے نہیں پیتا، چالیس سال سے چائے نہیں پی۔ پیرس کے اس شدید سرد موسم میں، جہاں دن میں دس مرتبہ چائے یا کافی پینے کو جی چاہتا ہے۔صبر وضبط کا یہ مظاہرہ،ڈاکٹر صاحب جیسا پرہیز گار شخص ہی کر سکتا ہے۔ دھان پان جسم کے ساتھ ان کی صحت کا راز اسی ضبط نفس میں نظر آیا۔

میں سوچ رہا تھا کہ کہ حمید اللہ صاحب نے اوائل عمر ہی سے ایک خاص طرز کا اسلوبِ حیات اپنا لیا تھا، اور وہ ساری عمر اس پر کار بند رہے۔ پھر انہوں نے حیات مستعار کا ایک مقصد متعین کر لیا۔ وہ مقصد کیا تھا: خدمت دین، خدمت علم، خدمت انسانیت ۔مگر جو لوگ اونچے مقاصد و مناصب کے پیچھے بھاگتے پھرتے ہیں، ان کے مقابلے میں ڈاکٹر صاحب کو کہیں زیادہ شہرت ملی، عزت بھی نصیب ہوئی اور انہوں نے یقین کامل ہے کہ اپنی آخرت بھی سنوار لی ۔ رہ رہ کر میرے ذہن میں ایک سوال چھبتا ہے آج ہم پاکستانی اکابر و اصاغر نے کیا اسلوبِ حیات لائف اسٹائل) اختیار کر رکھا ہے؟ ڈاکٹر محمد حمید اللہ جیسی اپنے مشن سے وابستگی، علمی لگن، جاہ و منصب سے بے نیازی، فقر و درویشی، خدمت دین اور خدمت امت کا جذبہ تو خواب وخیال بن کر رہ گیا ہے۔

تمت بالخیر
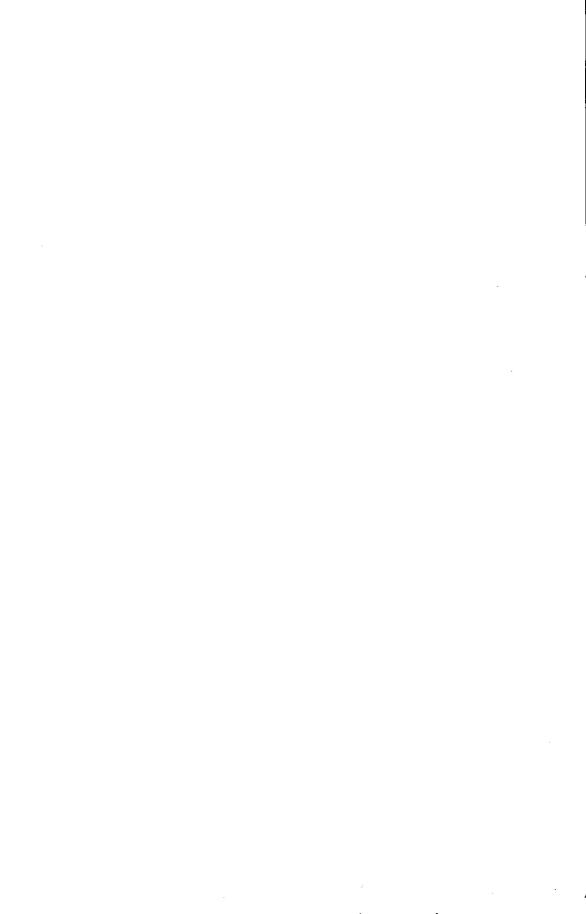
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

* سید ضمیر جعفری

[سید ضمیر جعفری (۱۹۱۶ء۔۱۹۹۹ء) اُردو ادب کے معروف مزاح نگار، ادیب، شاعر اور کالم نویس تھے۔ چک عبدالخالق (جہلم) میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۳۶ء میں گورنمنٹ کالج اٹک سے انٹر اور ۱۹۳۸ء میں اسلامیہ کالج، لاہور سے بی۔اے کیا۔ زمانہ طالب علمی میں ''مشعل''، ''مجلّہ گورنمنٹ انٹر کالج اٹک'' اور کریسنٹ (مجلّہ اسلامیہ کالج لاہور) کے مدیر رہے۔ ابتداء میں آپ کا قلمی نام درد جعفری تھا۔ بعد میں ضمیر تخلص کرنے لگے دوسری جنگ عظیم میں فوج میں کیپٹن ہو گئے۔ آپ کی چند مشہور کتب میں ''جزیروں کے گیت، مافی الضمیر، اڑتے خاکے، ضمیر حاضر، ضمیر غائب، ارمغان ضمیر کتابی چہرے، آپ کا ضمیر، ہندوستان میں دو سال'' ہیں۔ سید ضمیر جعفری علاج کی غرض سے امریکہ گئے اور وہاں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ سے ملاقات کی اور اس ملاقات کے تاثرات ماہنامہ اردو ڈائجسٹ، نومبر ۱۹۹۷ء میں شائع ہوئے مذکورہ مجلّے کے شکریے کے ساتھ یہ تاثرات شائع کر رہے ہیں۔ (مدیر)]

آج اپنی زندگی کی ایک بڑی دیرینہ اور عزیز خواہش پوری ہوگئی، اپنا ایک کبھی کا کہا ہوا مصرع بھی یاد آ گیا۔

ملاقات ان سے کہاں ہو گئی ہے

عصر حاضر کی بہت محترم، ممتاز، یگانہ و منفرد شخصیت، مفکر و مفسر جناب ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی خدمت میں حاضری کی آرزو ایک مدت سے دل میں کسمسا رہی تھی، چند برس قبل پیرس میں ان کے دروازے تک بھی جا پہنچے مگر یہ سعادت تو ہمارے لیے امریکہ میں لکھی گئی تھی۔ زندگی کے اتفاقات کتنے عجیب ہیں کہ ہمیں یہ بھاگوان ساعت جناب حضرت علی کی وساطت سے نصیب ہوئی جو بے شک ایک خوش کلام شاعر ہیں مگر ان کی عالمی شہرت ایک سائنس دان کی ہے اور سائنس دانوں کے بارے میں عموماً یہ باور کیا جاتا ہے کہ 'دین' سے ان کو کم ہی رغبت ہوتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اندر کا ''شاعر'' ہمارے کام آ گیا۔

جناب حضرت علی، نیویارک سے تقریباً ایک سومیل دور ''کنیکٹی کٹ'' (Connecticut) ریاست کے ایک قصبے میں رہتے ہیں۔ ''مشاعروں'' کے علاوہ ٹیلی فون پر بھی گاہ بگاہ ان سے رابطہ رہتا ہے۔ ایک روز نہ جانے کس حوالے سے انہوں نے اس جلیل القدر شخصیت سے اپنی ملاقات کے تذکرے میں بتایا کہ ڈاکٹر صاحب ان دنوں امریکہ کی ریاست ''پینسلوینیا'' (Pennsylvania) کے چھوٹے سے قصبے ولکیز بارے (Wilkes Barree) میں اپنے بڑے بھائی کے پوتے کے پاس مقیم ہیں۔

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ میں نے حضرت علی سے کہا:

''جانِ من مجھے ان کی بارگاہ میں لے چلو۔''

حضرت نے کہا:

''وہ علیل ہیں۔ بہت نحیف ہو گئے ہیں۔ گھر والوں نے ملاقاتیں محدود کر رکھی ہیں۔
بہر حال کوشش کروں گا۔''

میں نے کہا:

''کوئی صورت پیدا کرو کہ میں ان کی صورت ہی دیکھ لوں۔''

ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کا شمار عالم اسلام کے چند جلیل القدر مفکرین میں ہوتا ہے، مگر ان سے میری ذاتی ارادت کا سرچشمہ ڈاکٹر صاحب کے دو ارادت مندوں اور اپنے کرم فرماؤں (پاکستان کے نامور سندھی اسکالر) جناب پیر حسام الدین راشدی اور (ممتاز ادیب و دانشور اور ''اسٹیٹ بینک آف پاکستان'' کے گورنر) جناب ممتاز حسن کی باتیں تھیں۔ فرانسیسی زبان میں ڈاکٹر صاحب کا قرآن کریم کا ترجمہ اور تفسیر تو ایک عظیم الشان اور غیر فانی علمی کارنامہ تھا ہی، یہ دونوں حضرات ڈاکٹر صاحب کی ذاتی زندگی کے سادہ اور درویشانہ اسلوب سے بھی بے حد متاثر تھے۔ ان کی رائے میں مغرب میں اسلام کی ترویج و تفہیم کی پیش رفت میں جو مدد قرآن کریم کے اس فرانسیسی ترجمے سے ملی ہے، کسی اور ذریعے سے ممکن نہ ہوئی۔ ان کا کہنا تھا کہ ابلاغ کی ادبی خوبصورتی کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے فرانسیسی ترجمے کی وہی اہمیت و مقبولیت ہے جو علامہ عبداللہ یوسف علی کے انگریزی ترجمے کو نصیب ہوئی ڈاکٹر صاحب کے بارے میں یہ بات تو معلوم تھی کہ ان کا تعلق حیدر آباد سے تھا، مگر ان کے خود اختیاری ''بن باس'' کا علم ممتاز حسن صاحب ہی سے ہوا کہ برصغیر کی آزادی کے بعد جب

بھارت نے حیدر آباد (دکن) کی خود مختاری کو غصب کرنا چاہا تو نظام دکن نے جو وفد مجلس اقوام متحدہ میں اپنا موقف پیش کرنے کے لیے امریکہ بھیجا اس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ بھی شامل تھے، مگر یہ وفد ابھی راستے ہی میں تھا کہ بھارت کے جنرل جے انت ناتھ چودھری نے ریاست ہی کو روند ڈالا اور

''وہ شاخ ہی نہ رہی جس پہ آشیانہ تھا''۔

ڈاکٹر صاحب اس سفر پر ایسے نکلے کہ پھر انہوں نے حیدر آباد واپس جانا پسند ہی نہ کیا اور پیرس ہی میں مستقل مقیم ہو کر علمی کام میں مصروف ہو گئے۔ پاکستان میں ڈاکٹر صاحب کے حوالے سے یہ بات بھی عام سننے میں آئی کہ جنرل ضیاء الحق نے اسلامی نظام کے نفاذ کے سلسلے میں ان سے مشورہ کیا اور بہت بڑی رقم بھی ان کی خدمت میں پیش کی۔ اس مردِ قلندر نے مشورہ تو دیا مگر رقم قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

ہم ڈاکٹر صاحب کی عظمت کے ''ہالے'' میں پہلے بھی تھے مگر اس کا تصرف مزید اس وقت گہرا ہوا جب (ممتاز محقق و مصنف) ڈاکٹر افضل اقبال مرحوم کینیڈا میں پاکستان کے سفیر کے منصب سے سبکدوش ہو کر راولپنڈی میں مقیم ہوئے اور ان سے قریبی ربط و ضبط کا سلسلہ قائم ہوا۔ یہ اپنی ذات اور کتابوں میں مگن ''باغی شخص'' صرف تین شخصیتوں کا ''مرید'' تھا۔ مولانا جلال الدین رومیؒ، مولانا محمد علی جوہرؒ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ ڈاکٹر افضل اقبال جن دنوں برطانیہ میں ڈپٹی ہائی کمشنر تھے، پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ''اسلامک سنٹر'' میں آتے جاتے رہتے تھے۔ ہم سمجھتے تھے کہ مولانا (ڈاکٹر صاحب) کی تصنیفات صرف فرانسیسی زبان میں تھیں مگر ان کے ثمرات تو فرانسیسی کے علاوہ انگریزی، جرمن اور ترکی زبانوں میں بھی موجود ہیں۔ ان زبانوں میں آپ کی چند تصانیف ڈاکٹر افضل اقبال کے وسیع ذاتی کتب خانے میں بھی موجود ہیں۔ ڈاکٹر افضل اقبال نے جہاں مرشد رومی اور مولانا محمد علی جوہر پر معرکہ آراء کتابیں لکھی ہیں، وہاں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کی عظیم فکر انگیز تصنیف ''خطباتِ بہاولپور'' کا انگریزی ترجمہ بھی افضل اقبال کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ وہ جن دنوں ''خطباتِ بہاولپور'' کا ترجمہ کر رہے تھے، ایسا لگتا تھا جیسے وہ شخص ڈاکٹر حمید اللہ کے افکار میں زندگی گزار رہا ہو۔

امریکہ میں ڈاکٹر صاحب کے جغرافیائی قرب نے دل میں ایک کرب کی سی کیفیت پیدا کر رکھی تھی۔ بے چینی اپنا کام کر گئی۔ کل ''کنیکٹی کٹ'' سے حضرت علی صاحب نے ٹیلی فون پر بشارت دی:

''کل سرِشام ساڑھے آٹھ بجے ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب سے ملاقات کا وقت مقرر ہوا ہے۔آپ کے گھر سے دو بجے روانہ ہوں گے۔''

''لانگ آئی لینڈ'' (Long Island) میں ہمارے گھر سے ''ولکیز'' تک اور پھر وہاں سے ''کنکیٹی کٹ'' میں جناب حضرت علی کے گھر تک ہم نے آج تقریباً دو سو میل سے زیادہ سفر کیا۔خوش منظری کا بیان اس وقت مقصود نہیں۔اتنا کہنا کافی ہے کہ ہم امریکہ جا رہے تھے اور امریکہ کے پہاڑی علاقے میں جہاں آسمان کا حسن زمین پر اتر آتا ہے وہی عالم کہ:

کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا اینجاست

قصبے میں حضرت نے جس مکان کے سامنے موٹر روکی اس کو دیکھ کر دل کو دھچکا سا لگا۔مجھے یہ رہائش گاہ عالم اسلام کی اس جلیل القدر شخصیت کے شایان شان نہ لگی۔مکان خاصا تھا، مگر دل ان کو کسی عالی شان محل میں دیکھنے کا متمنی تھا۔جذبات کے دھارے میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ ہم کس عظیم الشان درویش کی بارگاہ میں کھڑے تھے۔موٹر کی آواز سنتے ہی ایک ہنس مکھ نوجوان خیر مقدم کے لیے آ گئے، یہ ڈاکٹر صاحب کے پوتے عرفان تھے۔اگلے لمحے ہم گھر کے سادہ سے ''ڈرائنگ روم'' میں محترمہ سدیدہ اور عرفان...... دونوں بہن بھائیوں سے باتیں کر رہے تھے۔میز پر سنگترے کے رس کے بھرے گلاس ہمارے سامنے رکھے تھے۔سدیدہ، جو بے حد شائستہ اور بہت تعلیم یافتہ خاتون ہیں، خود کسی دوسرے قصبے میں رہتی ہیں، مگر دادا کی ہمہ وقت تیمار داری کی ضرورت سے بھائی کے ہاں رہتی ہیں۔ڈاکٹر صاحب اوپر کی منزل میں آرام کر رہے تھے۔گفتگو سے معلوم ہوا کہ جامعہ عثمانیہ حیدر آباد (دکن) سے فارغ ہو کر آپ کئی برس تک فرانس اور جرمنی کی جامعات میں تحصیل علم کرتے رہے۔دوسری عالمی جنگ کا زمانہ وہیں گزارا۔وطن واپس آئے تو سقوط حیدر آباد کا سانحہ پیش آ گیا میرے ایک سوال پر سدیدہ نے یہ بھی بتایا کہ ان کی مطبوعہ کتابوں کی تعداد ۱۷۲ ہے۔اس کے علاوہ سینکڑوں کی تعداد میں مقالات اور زیر تصنیف مسودات ہیں جو پیرس کے ''اسلامک سینٹر'' میں موجود ہیں۔کچھ دیر بعد سدیدہ ''دادا'' کو لینے اوپر چلی گئیں۔جاتے جاتے یہ بھی کہہ گئیں کہ ہمیں ان کی طبیعت کے اتار چڑھاؤ کو ملحوظ رکھنا ہو گا۔کچھ کہہ نہیں سکتی کہ وہ کتنی دیر تک بیٹھ سکیں گے۔

وہ اوپر گئیں تو عرفان صاحب سے باتوں میں علم ہوا کہ قصبے میں سارے بھارتیوں اور پاکستانیوں کو ملا کر

گھروں کی تعداد اڑھائی سو سے زیادہ نہ تھی۔ یہ معلوم کر کے حیرت ہوئی کہ سبزہ وگل سے ڈھکا ہوا یہ علاقہ ''کوئلے کی کانوں'' سے بھرا ہوا ہے۔اس پر ہمارا اپنا کھیوڑہ (Khewra) کا علاقہ آنکھوں کے سامنے آ گیا جہاں کوئلہ زمین کے اندر بھی ہے اور زمین کے اوپر بھی۔

اتنے میں دیکھا کہ ڈاکٹر صاحب پوتی کے سہارے آہستہ آہستہ سیڑھیوں سے اتر رہے تھے۔ہم دونوں نے آگے بڑھ کر تعظیم دی۔انہوں نے تپاک سے مصافحہ کر کے دونوں ہاتھ سینے سے لگا کر اپنی شفقت کریمانہ کا اظہار فرمایا۔ میں نے اپنے روایتی تسلیمات کے ''کورنشی اسلوب'' میں جھک کر ان کے گھٹنوں کو چھونا چاہا تو انہوں نے میرے ہاتھ جھٹک دیے۔سدیدہ نے بھی منع کیا کہ جھکنا انہیں پسند نہیں، کہیں وہ آپ کو ڈانٹ ہی نہ دیں۔ڈاکٹر صاحب نے گاؤن پہن رکھا تھا۔سر پر ہلکی سی ''جناح کیپ'' تھی۔چھوٹی چھوٹی خشخشی داڑھی چہرے پر بہت بھلی لگ رہی تھی، مگر وہ بہت کمزور اور لاغر تھے۔میں نے کسی ''عالم دین'' کو آج تک اتنا ''نحیف'' نہیں دیکھا۔ان کو دیکھ کر دل کو جھٹکا سا لگا۔ایک بات پر تعجب بھی ہوا کہ بظاہر ایک ''مشت استخواں'' ہونے کے باوجود چل پھر سکتے ہیں۔سدیدہ نے بتایا کہ ابھی کچھ عرصہ پہلے تک تو مسجد تک ہو آتے تھے، سڑک تک ٹہل آتے، مگر ایک دن مسجد میں گر گئے تو اب گھر سے نہیں نکلتے۔

اس سے پہلے کہ ہم کچھ پوچھتے، آپ نے دونوں ہاتھ سینے پر رکھتے ہوئے ارشاد فرمایا ''کوئی خدمت''۔

عرض کیا: ''بس جناب والا کی شفقت درکار رہے۔''

میرا خیال تھا کہ ڈاکٹر افضل اقبال کے ترجمے کا شاید ان کو علم نہ ہو۔ پہلا سوال ''خطباتِ بہاولپور'' کے ترجمے ہی کا پوچھا۔آپ نے اثبات میں سر ہلایا۔سدیدہ نے بتایا کہ کتاب ان کو پہنچ چکی ہے۔آپ نے اظہارِ پسندیدگی فرمایا۔یہ خبر بھی انہیں مل چکی تھی کہ ڈاکٹر افضل اقبال کا انتقال ہو چکا ہے۔

میں نے عرض کیا:

> ''حضرت کی خدمت گرامی میں حاضری کی دیرینہ تمنا تھی۔زیارت سے بے حد خوشی ہوئی۔''

پوچھا: ''فرانسیسی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ وتفسیر کی تکمیل پر کتنا عرصہ لگا۔''

فرمایا: ''یاد نہیں''

پوچھا: ''کیا آپ نے اپنی ''آٹو بائی گرافی'' تحریر فرمائی ہے؟

فرمایا: ''نہیں''

پوچھا: ''لکھنے کا ارادہ ہے؟''

فرمایا: ''نہیں''

ڈاکٹر صاحب ہر سوال کا جواب ایک دو لفظوں میں دیتے رہے۔ ظاہر ہے کہ ان کی موجودہ صورت حال میں لمبے لیکچروں کی ان سے توقع بھی نہیں کی جا سکتی تھی لیکن اب ایک سوال ہم نے اپنی دانست میں ایسا پوچھا کہ جواب میں دو چار جملے سننے کی توقع کر رہے تھے۔

پوچھا: ''کیا جنرل ضیاء الحق نے آپ سے پاکستان میں نظام اسلام کے بارے میں استفادہ کیا تھا۔''

فرمایا: ''میں بہت عاجز آدمی ہوں۔''

(آپ نے انگریزی کا لفظ Humble استعمال کیا) سوال جواب کے اس مکالمے میں تجربہ ہوا کہ آپ کی سماعت جتنی دھیمی تھی بصارت اتنی ہی روشن تھی۔ میری لکھی ہوئی تحریر جو میں مشکل سے اٹھا سکتا، وہ عینک کے بغیر پڑھ رہے تھے۔

گفتگو شاید اور چلتی، مگر سدیدہ درمیان میں ''دادا'' سے بار بار پوچھ رہی تھیں:

''آپ کو سردی تو محسوس نہیں ہو رہی؟''

''کمبل لا دوں؟''

''آپ کو نیند تو نہیں آ رہی؟''

''آپ تھک تو نہیں گئے؟''

ڈاکٹر صاحب ''پوتی'' کے سوالوں کا کوئی جواب نہیں دے رہے تھے، مگر آخر جب ایک مرتبہ یہ کہا کہ:

''آپ کا کیا مشورہ ہے۔''

تو ''مزاج دان پوتی'' نے استراحت کا فیصلہ کیا اور جس طرح دادا کو اوپر سے تھام کر نیچے لائی تھیں، اسی طرح تھام کر نیچے سے اوپر لے گئیں۔

جاتے جاتے ان سے ہم نے ایک سوال اور پوچھ لیا؟

''ملت اسلامیہ کے لیے کوئی پیغام۔''

فرمایا:

''اللہ محفوظ رکھے......اللہ بچائے۔''

رخصت کرنے کے بعد سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فرمایا:

''کوئی خدمت''؟

اور پھر سیڑھیوں سے چڑھتے ہوئے دیکھتے گئے اور ایک موڑ مڑتے ہوئے ہاتھ ہلا کر ہمیں محبت بھرے اشارے سے نوازا۔

بعد میں کھانے کی میز پر گفتگو میں ڈاکٹر صاحب کی شخصیت کے کئی دلنواز پہلو سامنے آتے چلے گئے۔ ساری ملاقات میں وہ ہم سے ایک ہی سوال بار بار پوچھتے رہے:

''کوئی خدمت''۔

اسلامی فلاحی ریاست کا قیام

* ڈاکٹر محمد حمید اللہ

[علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد کی تاریخ میں ۲۸ر اپریل ۱۹۹۲ء ایک بابرکت اور قیمتی دن تھا جب عالم اسلام کے نامور محقق، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب یونیورسٹی میں جلوہ افروز ہوئے۔ آپ نے اسلامی فلاحی ریاست کے قیام سے متعلق چند زریں کلمات ارشاد فرمائے چونکہ اُس وقت کے صدر مملکت کے ساتھ ڈاکٹر صاحب کی ملاقات پہلے سے طے شدہ تھی اور ڈاکٹر صاحب کے پاس وقت بہت قلیل تھا اس لیے آپ نے نہایت مختصر اور اشاراتی گفتگو فرمائی۔ اس مختصر گفتگو میں ڈاکٹر صاحب کا نکتہ ارتکاز فلاحی ریاست میں عوام اور حکمرانوں کی ذمہ داریوں سے متعلق تھا فلاحی ریاست کے ان دونوں طبقوں کی اخلاقی تربیت، آپ کے نزدیک نہایت اہم معاملہ ہے بلکہ آپ کے خیال میں اخلاق حسنہ ہی اسلامی فلاحی ریاست کی بنیاد ہے۔ ریاستی ذمہ داروں اور عوام کے دلوں میں خوف خدا کا نہ ہونا، اخلاقی گراوٹ اور پستی کی علامت ہے۔ آپ کے خیال میں جب تک یہ علامت موجود رہے گی تب تک کوئی آدمی بھی اپنی ذمہ داریوں کو برلانے کا خیال نہیں کرے گا۔ نتیجتاً تمام تر وسائل کے باوجود فلاحی ریاست کا قیام ممکن نہ ہو سکے گا۔ دوسری طرف اگر حکمرانوں اور عوام کے دلوں میں خوف خدا ہے تو اپنی ذمہ داریوں کا خیال رکھیں گے اور خدمت کے جذبہ سے کام کریں گے لہذا باوجود کم وسائل کے، اسلامی فلاحی ریاست کا قیام ممکن ہو سکے گا۔ ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اسلامی فلاحی مملکت اُس کو کہیں گے جس میں اُس کی رعایا کے جان، مال، عزت و آبرو کے تحفظ کا خاطر خواہ انتظام موجود ہو۔ ریاستی دفاع کے لیے ملکی فوج کا ہونا بھی نہایت ضروری ہے آپ کے خیال میں ملک کی فوج کا طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ نظم وضبط کا پابند ہونا بھی ضروری ہے۔ تقریر کے اختتام پر سامعین کی طرف سے سوالات بھی پیش کیے گئے۔ محترم ڈاکٹر صاحب نے ان کے جوابات دیئے۔ شاہ معین الدین ہاشمی، لیکچرر، شعبہ حدیث وسیرت نے ڈاکٹر صاحب کی اس تقریر کو ٹیپ سے منتقل کیا۔ مدیر]

﴿متن تقریر﴾

اساتذہ کرام، علماء کرام، عزیز خواہران و برادران محترم اور عزیز طلبہ، یہ میرے لیے ایک شرف کا باعث ہے کہ آپ کے ہاں مجھے دعوت دی گئی۔ میں پہلی دفعہ اس یونیورسٹی کے نام سے واقف ہوا ہوں۔ تین چارون پہلے تک مجھے اس نام سے واقفیت نہیں تھی جس سے معلوم ہوا کہ میں کتنا جاہل شخص ہوں۔ میرا قصور معاف کریں۔ بہر حال یہ خوشی کی بات ہے کہ آپ کے شہر میں اب ایک نہیں تین یونیورسٹیاں ہیں گو کہ میں اس سے زیادہ متاثر نہیں اس لیے کہ شہر پیرس میں کوئی بیس یونیورسٹیاں ہیں۔ اس لحاظ سے مجھے یہ کوئی بڑی چیز نہیں معلوم ہوتی، لیکن اسلامی ممالک سے مقابلہ کریں تو یہ ایک بڑی چیز ہے کیونکہ کم اسلامی ملکوں میں ایک ہی شہر میں ایک سے زیادہ یونیورسٹیاں پائی جاتی ہیں۔ وقت چونکہ کم ہے اس لیے اصل موضوع کی طرف رجوع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

جو موضوع مجھے دیا گیا ہے وہ مشکل ہے۔ اس کے معنیٰ ہیں کہ ہم میں سے ہر آدمی کی خواہ مسلمان ہو یا غیر مسلم، مشرقی ہو یا مغربی، ہر شخص کی خواہش ہوتی ہے کہ فلاں چیز ہو لیکن اگر خود اُس کو ذمہ دار بنایا جائے تو وہ اس کام کو نہیں کرسکتا۔ دوسرے الفاظ میں حکومت یہ ضرور چاہے گی کہ رعایا کی فلاح کی سہولتیں ہوں لیکن اس میں جو دشواری پیدا ہوتی ہے وہ وسائل کی ہے۔ ایک ملک اگر بہت مالدار ہو تو اس کے پاس وسائل زیادہ ہوتے ہیں لیکن جو ملک مقابلۃً فقیر ہے وہ اپنی خواہش کے باوجود اپنی خواہشات کو بر نہیں لاسکتا۔ لیکن میں اس کو زمانہ حال کی بجائے اوپر لے جاتا ہوں عہد رسالت تک۔ کیونکہ میرے نزدیک اسلام کی ہر چیز رسول اکرم ﷺ کی اِتباع کے مطابق ہو تو ہی قابل قبول ہے۔ اس سے کوئی اہمیت نہیں کہ اسلامی حکومت کا رقبہ کتنا ہو؟ اُس کی فوج کتنی ہو۔ اس میں کتنے ہوائی جہاز ہوں۔ مقابلۃً عہد نبوی ﷺ میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کا آغاز ہوتا ہے تو فلاحی مملکت ہی کے لیے ہوتا ہے، لیکن جب ہم اس کی تیئیس ۲۳ سالہ تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں نظر آتا ہے کہ وہ بتدریج ہوتے ہیں۔ پہلے دن ہی سے وہ ساری چیزیں مسلمانوں میں نظر نہیں آتیں جو کہ رسول اکرم ﷺ کی وفات کے وقت نظر آتی ہیں، مثلاً ایک بہت چھوٹی چیز لیجئے کہ اسلام کے جو اصل ارکان ہیں شہادت توحید و رسالت کے علاوہ وہ نماز، روزہ، حج زکوٰۃ ہیں۔ یہ چاروں ارکان ایک وقت میں مسلمانوں پر نافذ نہیں کیے گئے۔ اُن کے احکام ایک وقت نازل نہیں ہوئے۔ اوّلاً ایک چیز آتی ہے، پھر دوسری، پھر تیسری، پھر بالآخر رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت حجۃ الوداع میں جو

آیت مبارکہ نازل ہوئی اور جس پر مسلمان ہی نہیں غیر مسلموں کو بھی بہت تأثر ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اَلیَومَ اَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَاَ تمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَ رَضِیتُ لَکُمُ الاِسلَامَ دِیناً ﴾ (۱)

''کہ آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر لیا اور تم پر اپنی نعمتیں مکمل کر لیں اور تمہارے لیے اسلام کا جو دین دیا گیا ہے اُس سے میں بہت خوش ہوں، میں راضی ہوں''۔

میں ابھی کہہ رہا تھا کہ اس آیت سے غیر مسلم بھی متاثر ہوتے ہیں۔ اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں اُن کے پاس ایک یہودی آتا ہے اور کہتا ہے!''اے امیر المؤمنین تمہارے قرآن میں ایک واقعہ کا ذکر ہے اگر وہ ہم یہودیوں کے متعلق ہماری دینی کتابوں میں ہوتا تو ہم اسے ایک دن مناتے ایک عید مناتے تو حضرت عمرؓ میں Curiosity تھی۔ پوچھا کہ وہ کون سی آیت ہے؟ یہودی نے اِسی آیت کو دوہرایا۔ حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ میں واقف ہوں، کس وقت یہ آیت نازل ہوئی اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ ہمارے لیے عید ہے۔ (۲) ہم اس کی اہمیت کو نظر انداز نہیں کرتے بلکہ اس پر فخر کرتے ہیں چنانچہ وہ آیت نازل ہوئی عیدالاضحیٰ کے موقع پر یعنی حج کے موقع پر، جو ہماری بڑی عید ہے۔

آپ کو معلوم ہوگا کہ فرانسیسی زبان میں روزہ توڑنے کی عید اور بڑی عید، دو نام استعمال ہوتے ہیں۔ عید کبیر کا ترجمہ ہم نے ''بڑی عید'' کیا ہے۔ اور وہ اسی حج کے متعلق ہے۔ اس معنی میں شاید کہا جاتا ہے کہ ساری دنیا کے مسلمان اس میں شریک ہوتے ہیں۔ ویسے عید الفطر کے موقع پر شہر کے لوگ اور شہر کے اردگرد کے لوگ جمع ہوتے ہیں۔ ان موضوعات کی مزید تفصیل میں جانے کا وقت نہیں۔

اصل میں عرض کرنا یہ ہے کہ فلاحی حکومت ایک آئیڈیل چیز ہے اور عہدِ نبوی ﷺ کے زمانہ ہی سے ہم مشاہدہ کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک چیز ہمیں نظر آتی ہے کہ ایک طرف انسان کو آزادی دی جائے لیکن دوسری طرف ساتھ ہی ساتھ اللہ کا ڈر اُس کے اندر پیدا کرنا چاہیے۔ آدمی پولیس کے، حکومت کے، عدالتوں کے خوف سے، شرارتوں سے باز نہ آئے بلکہ اللہ کے ڈر سے باز آئے۔ جب رعایا میں یہ جذبہ پھیل جائے کہ مجھے صرف اللہ سے ڈرنا ہے۔ وہ بھی

اس طرح کہ اللہ کی ناانصافی سے نہیں بلکہ اللہ کے انصاف سے ڈرنا ہے۔ میں شاید ایسے واضح کروں کہ ایک دفعہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا (صحیح بخاری وغیرہ میں یہ حدیث ملتی ہے) کہ اگر اللہ حساب کتاب کے دن آخرت میں نرمی سے کام نہ لے۔ بلکہ ہر چیز کی گویا شدت کے ساتھ نگرانی رکھتے ہوئے حساب لے تو کسی شخص کو نجات نہیں ملے گی۔ ایک صحابی نے جرأت کی۔ اُٹھ کر پوچھا "یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ کو بھی" تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے بھی یہی ہے اگر اللہ نرمی نہ کرے حساب لینے میں تو میری بھی نجات ممکن نہیں (۳) کیونکہ ہم انسان ہیں۔ کمزور ہیں۔ بشر ہیں۔ تو عرض کرنا ہے کہ اسلام میں ایک طرف رعایا کی سہولتیں زیادہ سے زیادہ پیدا کی جائیں یہ نظریہ ہے لیکن ساتھ ہی ساتھ ڈسپلن کا جذبہ بھی ہے وہ یہ کہ رعایا کو آزادی ملے تو شرارتیں کرنے کی آزادی نہ ہو۔ بلکہ اچھے کام کرنے کی سہولتیں ہوں۔ اس میں جذبہ ہو کہ میں زیادہ سے زیادہ اپنے بھائیوں اور اپنی بہنوں کی خدمت کر سکوں۔ بہر حال عرض کرنا صرف یہ ہے کہ جہاں تک فلاحی حکومت، فلاحی مملکت کا تعلق ہے، میں سمجھتا ہوں اس میں مسلم اور غیر مسلم میں کوئی فرق نہیں۔ زمانہ حال کی مثلاً فرنگی حکومتوں کو لیں یا اسلامی حکومتوں کو یا غیر مسلم دیگر حکومتوں کو لیں، ان میں سے کسی کو بھی اس سے انکار نہیں ہوگا۔ ہمارے خیال میں ہماری رعایا کی فلاح، ہماری رعایا کی سہولت و آسائش کی ہم زیادہ سے زیادہ کوشش کریں۔ لیکن اس خواہش کو بَر لانے کے وسائل ہر شخص کے پاس نہیں ہوتے۔

بہر حال شاید میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ رعایا کی اور آسائشوں میں سے ایک اُس کا امن اور خطرے سے محفوظ رہنا ہے۔ اگر مجھے بڑی رقم ملتی ہے لیکن مجھے وہ چیزیں نہیں ملتیں جس کی میں خواہش کرتا ہوں تو بھی وہ رقم بے کار ہوگی۔ مثال کے طور پر آج کل کے روس کو لیجیے کہ جہاں کھانے پینے کی چیزیں بھی نہیں ملتیں۔ اگر بہت روپیہ بھی میرے پاس ہو تو میں وہ چیز حاصل نہیں کر سکتا۔ دوسرے الفاظ میں رعایا کو امن و آسائش اور بیرونی و اندرونی خطرات سے محفوظ رہنا اس کی ضرورت ہے۔ اس کے لیے ہمیں ضرورت ہوگی کہ خرچ کریں مثلاً فوج ہماری طاقتور اور ڈسپلنڈ ہو اور شاید ایک چیز (آپ میرا قصور معاف فرمائیں) کہ فوج میں یہ جذبہ نہ ہو کہ وہ موجودہ صدر جمہوریہ اور وزراء کو باہر نکالیں اور قبضہ کریں۔ ایسا جذبہ نہ ہو بلکہ مقصد اور ان کی تمنا اور ان کے وجود کی غرض و غایت صرف یہ ہو کہ ملک کو بیرونی و اندرونی خطرات سے محفوظ رکھا جائے۔ اس کے لیے فوج میں ڈسپلن کی ضرورت ہوگی۔ فوج میں اسلحہ کی ضرورت ہوگی۔ اسلحہ کے بارے میں ایک تجربہ بتاتا ہے کہ اگر ہم خود وہ اسلحہ پیدا نہ کریں بلکہ باہر سے خریدیں تو وہ

کام نہیں دیتا۔مثال کے طور پر ایک واقعہ اتفاق سے میرے ذہن میں آیا کہ حیدرآباد (دکن) کی حکومت نے جب بھارت کے حملہ کا خدشہ محسوس کیا تو بہت رقم خرچ کی اور اسلحہ خریدا۔ اٹلی، فرانس، اور جرمنی سے جو بھی لوگ اسلحہ فروخت کرنے پر آمادہ تھے، منہ مانگی قیمت دے کر ہم نے اسلحہ خریدا، لیکن جس وقت بھارت کا حملہ ہوا تو وہ اسلحہ کام نہیں آیا کیونکہ وہ خراب تھا۔ جنگ میں استعمال شدہ جو اسلحہ ردی تھا وہ ہمیں بیچا گیا تو جب تک اسلحہ ہم خود نہ بنائیں تو ہمیں یہ خدشہ ہوگا کہ شاید یہ اسلحہ ہمارے دوستوں کی طرف سے اتنا اچھا نہ ہو جیسے وہ خود استعمال کرتے ہیں۔

دوسری طرف جب ہمیں یہ احساس ہو کہ ہمارا ملک خطرے سے محفوظ رہنے کے لیے وسائل رکھتا ہے تو اسکے لیے یقیناً ہم رعیت کے لوگوں کو کوئی جھجھک، کوئی تامّل نہیں ہوگا کہ منہ مانگی رقم ٹیکس کے طور پر حکومت کو دیں تاکہ یہ ضرورتیں ہماری پوری کی جائیں۔ اسی طرح رعایا کی یہ خواہش ضرور ہوگی کہ ٹیکس کم از کم ہوں اور ان کو زیادہ سے زیادہ سہولتیں مہیا ہوں لیکن اگر رعایا میں ڈسپلن ہے رعایا میں یہ احساس ہے کہ کون سی چیز درست ہے؟ اور ساتھ ہی کون سی چیز ممکن ہے؟ تو پھر بغیر کسی دشواری کے وہ وقت پر حکومت کی مدد کرتے ہیں۔

اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضور ﷺ کے زمانے میں قیصر روم نے مسلمانوں کے خلاف کچھ حرکتیں کیں اور رسول اکرم ﷺ نے ایک فوج بھیجی جو غزوہ تبوک کے نام سے مشہور ہے۔ اس میں کوئی چالیس ہزار سپاہی تھے۔ اتنی بڑی فوج عہدِ نبوی ﷺ میں اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ اس کے ٹرانسپورٹس، اس کے لے جانے کے وسائل اور دیگر جنگی ضروریات کے لیے رقم کی ضرورت تھی اور وہ اسلامی حکومت کے پاس نہ تھی۔ رسول اکرم ﷺ نے اس زمانے میں منبر پر چڑھ کر اپنے صحابہ سے مخاطب ہو کر بتایا کہ:

''ہمیں اس چیز کی ضرورت ہے اس لیے تم چندے دو۔''

تین مثالیں میں دوں گا جس سے یہ معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ کی تربیت کے باعث اچھا مسلمان کون ہوتا ہے؟ حضور ﷺ کے فرمان کے ساتھ ہی حضرت عثمانؓ کھڑے ہوتے ہیں اور معلوم نہیں کہ آج کل کے حساب سے کتنے ملین روپیہ وہ پیش کرتے ہیں جو ان کی ثروت کے لحاظ سے شاید بڑی چیز نہ ہو یعنی انہوں نے اپنا سارا مال پیش نہیں کیا بلکہ ایک بہت بڑی رقم چالیس ہزار دینار یا کچھ اس طرح، رسول اکرم ﷺ بے حد خوش ہوئے ہونا چاہیے تھا اور کہا کہ

''اے عثمان آج سے تم جو بھی کرو گے اللہ نے تمہیں معاف کر دیا۔''

اس کے فوراً ہی بعد حضرت عمرؓ اُٹھتے ہیں اور آپ ﷺ کی خدمت میں ایک رقم پیش کرتے ہوئے کچھ فخر کرتے ہیں کہ میں ایک بڑی رقم دے رہا ہوں۔ دس ہزار درھم، اُن کے ذہن میں ایک بڑی رقم تھی۔

تو رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کتنی رقم ہے؟ کیا گھر میں تمہارے پاس کوئی مزید رقم ہے؟ یا کچھ اس طرح کی چیزیں ہیں؟ تو حضرت عمرؓ نے صورتِ حال بتائی۔ اس پر بھی رسول اکرم ﷺ بہت خوش ہوتے ہیں۔

اب تیسرا حصہ سنیے۔ ان دونوں کے بعد حضرت ابوبکرؓ آتے ہیں اور مجھے یاد نہیں کہ شاید پانچ سو درھم یا پانچ ہزار درھم کی رقم پیش کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا کہ کیا رقم ہے؟ اور پھر یہ پوچھا کہ گھر میں کتنی رقم چھوڑی ہے تو ابوبکر نے جواب دیا کہ اور گھر میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کے سوا کوئی چیز نہیں۔ (۴)

ظاہر ہے عثمانؓ کے چالیس ہزار دینار ایک طرف اور یہ جملہ کہ پانچ ہزار درھم کی حقیر رقم کے سوا اس شخص کے گھر میں کوئی چیز نہیں۔

تو جو فرق ان مثالوں سے ہمارے ذہن میں آتا ہے وہ انسانی فطرت کے مطابق ہے۔ مقدار کو ہم نہیں دیکھتے ہم دیکھتے ہیں اس کی کوانٹٹی اور اس کی کوالٹی کو کہ کس قسم کا ہے؟ کس ماحول میں ہے اور کس کی طرف سے دیا جاتا ہے۔

یہ چند چیزیں میرے ذہن میں ہیں جو میں نے آپ سے عرض کیں اور میرا خیال یہ ہے کہ اسلام اس سے ہمیں منع نہیں کرتا کہ غیر مسلموں کی اچھی چیزوں سے استفادہ کریں۔ اگر آپ نیوکلیئر بم بنانا چاہتے ہیں تو آج کل کے فرنگی ملکوں سے سیکھیں گے۔ غیر مسلم ممالک سے سیکھیں گے۔ پھر اسے اپنی طرف سے اور ترقی دیں گے۔ دوسری طرف میں کہہ سکتا ہوں کہ رعایا کی فلاح و بہبود کے متعلق غیر مسلم حکومتوں کو بھی انکار نہیں ہے وہ بھی یہی چاہتی ہیں چاہے ضمناً مختلف حکمران اپنی ذاتی نمائش کے لیے کوئی چیزیں کریں جیسا کہ ہم زیادہ تر فرانس میں دگول کے زمانے میں دیکھتے تھے کہ بہت سی ترقی ہوتی ہے لیکن اپنے نام و نمود کی خواہش بھی اس میں بہت ہوتی ہے۔ ہمارے حکمران اسلامی ممالک میں جو بھی کریں وہ اللہ کے لیے کریں۔ کیونکہ خدا عالم الغیب ہے جب ایک دن ہمارا حساب و کتاب ہوگا تو وہ یہ نہیں دیکھے گا کہ تم نے کتنے ملین روپے سڑک کی آرائش کے لیے خرچ کیے۔ یہ دیکھے گا کہ اس سے پبلک کا

کیا فائدہ تھا؟ اور کس نیت اور کن وسائل کے ساتھ تم نے یہ کام انجام دیا۔

یہ چند چیزیں میرے ذہن میں آئیں اور میں نہیں سمجھتا کہ اس سے آپ کو تشفی ہوئی ہوگی۔ یہ چیزیں ایسی ہیں جس کی خواہش ہر کسی کو ہوتی ہے۔ لیکن اس کے وسائل ہر کسی کے پاس نہیں ہوتے۔ چاہے وہ امریکہ جیسا مالدار ملک ہو یا وسطی افریقہ کے نہایت ہی مفلس ممالک سے متعلق ہو۔ ہر حکومت کی خواہش یہی ہوتی ہے کہ اپنی رعایا کی فلاح و بہبود کے لیے کوشش کرے لیکن وہ اپنے وسائل کے لحاظ سے اس کو بَر لا سکتے ہیں۔ اگر ہم اصل بنیادی چیز پر توجہ کریں یعنی رعایا میں خدا کا ڈر، خدا کے ظلم کا نہیں (میں دوبارہ دہراتا ہوں) خدا کے انصاف کا ڈر، ہماری حکومت کے اعلیٰ ترین افسر، صدرِ جمہوریہ، وزراء وغیرہ اس جذبے کے مطابق عمل کریں تو اس کا اثر رعایا پر پڑے گا میں اس کو اس لیے عرض کر رہا ہوں کہ ہمارے ملک میں چاہے وہ پاکستان ہو یا دیگر اسلامی ممالک، رعایا کی خواہشیں بہت سی ہیں۔ لیکن افراد کے طور پر خود وہ اس پر عمل نہیں کرتے۔ دوسرے الفاظ میں ہم یہ چاہتے ہیں کہ ملک میں امن ہو لیکن ہمیں موقع ملتا ہے تو ہم چوری بھی کرتے ہیں۔ ہم زنا بھی کرتے ہیں۔ دوسرے قسم کے ناجائز اور نامناسب کام بھی کرتے ہیں۔ اگر ہم رعایا کے ذہنوں میں پہلے ہی دن سے ماں باپ، اُستاد اور ماحول کی طرف سے یہ جذبہ داخل کر دیا جائے کہ مجھے خدا کی ناانصافی سے نہیں، خدا کے انصاف سے ڈرنا چاہیے۔ اس خدا سے جس سے کوئی چیز مخفی نہیں ہوتی جو ہمارے ظاہر نہ کردہ خیالات سے بھی واقف ہوتا ہے۔ جو ہمارے اقوال سے بھی واقف ہوتا ہے، ہمارے اعمال سے بھی واقف ہوتا ہے۔ جب یہ جذبہ عام ہو جائے گا تو وہی میرے نزدیک صحیح فلاحی مملکت ہے۔ فلاحی مملکت یہ نہیں کہ اس کے پاس مفت علاج کا انتظام کتنا ہے اور دیگر سہولتیں کیا ہیں۔

سوال: موجودہ زکوٰۃ کا نظام جس کے تحت بنکوں سے زکوٰۃ جبراً کاٹی جاتی ہے، اس سے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیجیے اور زکوٰۃ خرچ کرنے کے موضوع پر بھی اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔ نیز کیا زکوٰۃ فلاحی کاموں میں بھی استعمال کی جاسکتی ہے جیسے کہ ایدھی فاؤنڈیشن وغیرہ ہے۔؟

جواب: سوال اہم ہے اور ظاہر ہے کہ چند لمحوں میں اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا۔ اس پر کتابیں لکھی جا سکتی ہیں۔ بہرحال زکوٰۃ کے بنیادی اصولوں میں دو چیزیں ہیں:۔

ایک تو یہ کہ شریعت نے ایک کم ترین مقدار مقرر کی ہے جس سے زیادہ ہو تو زکوٰۃ لی جائے۔

دوسری چیز جو بنیادی ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ آمدنی پر نہیں بلکہ غیر استعمال شدہ رقم کا ہمارے پاس ایک سال تک بغیر استعمال کے رہنے کی صورت میں زکوٰۃ ہوگی۔ دوسرے الفاظ میں اگر مجھے ایک لاکھ روپے آمدنی ہوتی ہے لیکن میرے اخراجات بھی ایک لاکھ روپے ہیں تو مجھ پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اسی طرح مثلاً فرض کیجیے کہ پانچ سو روپے پر زکوٰۃ لگ سکتی ہے تو یہ ضروری ہوگا کہ وہ پانچ سو روپے میرے پاس ایک سال تک فالتو رقم کی طرح رہیں اور اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت نہ ہو تو اس پر اڑھائی فیصد زکوٰۃ دی جاتی ہے۔ جہاں تک موجودہ بنکوں کا نظام ہے تو مجھے یہاں کے نظامِ زکوٰۃ سے واقفیت بالکل نہیں۔ ممکن ہے کہ اس نظام میں ان دونوں اجزاء کا لحاظ رکھا گیا ہو، وہ یہ کہ رکھی جانے والی ہر رقم سے زکوٰۃ نہیں کاٹی جاتی اور یہ کہ وہ آمدنی پر نہیں بلکہ ایک سال تک غیر مستعمل رہنے کی حالت ہو تو اس سے زکوٰۃ لی جاتی ہے۔

دوسری چیز جو سوال میں بھی موجود ہے وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ سے متعلق قرآنی احکام۔ قرآن میں آٹھ مدوں پر زکوٰۃ کو خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشادی باری تعالیٰ ہے۔

﴿ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسَاكِيْنِ وَ الْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الْغَارِمِيْنَ وَفِي سَبِيلِ اللّٰه وَابْنِ السَّبِيلِ ﴾ (٥)

''حقیقت یہ ہے کہ صداقات، فقراء، مساکین اور جو مامور ہوں صدقات کے کام پر اور جن کی تالیف قلب مطلوب ہو اور گردنوں کے چھڑانے اور قرضداروں کی مدد کرنے اور اللہ کی راہ میں اور مسافروں کے لیے ہیں۔''

مصارفِ زکوٰۃ سے متعلق قرآن مجید میں حکم ہے اس میں آٹھ مدوں کا ذکر ہے کہ اس پر خرچ کی جائے۔ آپ کو حیرت ہوگی کہ زکوٰۃ صرف مسلمانوں سے لی جاتی ہے غیر مسلم رعیت سے زکوٰۃ نہیں لی جاتی لیکن اخراجات

غیر مسلموں پر بھی ہوتے ہیں۔ حضرت عمرؓ کے زمانے کی مشہور مثال ہے کہ ایک دن مدینے میں ایک یہودی بھیک مانگ رہا تھا۔ جب حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ تم کیوں بھیک مانگ رہے ہو تو اُس نے جواب دیا کہ مجھ سے جزیہ لیا جاتا ہے اور رقم میرے پاس نہیں ہے لہذا مجبور ہو کر بھیک مانگتا ہوں۔ حضرت عمرؓ نے نہ صرف فوراً یہ احکام دیئے کہ ان غیر مسلموں سے جزیہ نہ لیا جن کی یہ حالت ہے۔ اس حکم پر ہی آپ نے اکتفاء نہیں کیا بلکہ اُسی وقت خادم سے کہہ کر کچھ رقم منگوائی اور اُس یہودی کو دی۔ یہ رقم مسلمانوں کی زکوٰۃ کی تھی اور حضرت عمرؓ کے الفاظ یہ تھے کہ:

"هذا من مساكين اهل الكتاب "(٦)

"یعنی یہ غیر مسلموں کے مسکینوں میں سے ہے لہذا اس کی مدد کرنی چاہیئے"۔

خود قرآن میں آٹھ کی جولسٹ دی ہے اُس میں اتنی گنجائش ہے کہ شاید اُس سے زیادہ کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔ بہر حال فلاحی کاموں میں زکوٰۃ یقیناً خرچ ہو سکتی ہے۔ خود قرآن میں آٹھ کی جولسٹ ہے اس میں اتنی گنجائش ہے کہ شاید اُس سے زیادہ کی ضرورت بھی پیش نہ آئے۔

حواشی وحوالہ جات

۱۔ المائدۃ:۳۔

۲۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، باب "الیوم اکملت لکم دینکم" باب رقم ۱۰۹: حدیث رقم ۴۳۳۰۔

۳۔ البخاری، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، حدیث رقم ۶۴۶۷، مزید ملاحظہ ہو، مسند احمد عن ابی ہریرۃ، ج:۲ص:۲۳۵ (حدیث کے الفاظ یہ ہیں: عن عائشة، عن النبی ﷺ قال:

"سَدِّدُوا وقاربوا وابشروا، فانه لا یُد خل احداً الجنة عمله قالوا! ولا انت یا رسول الله؟ قال:

"ولا أنا، إلا أن یتغمدنی الله، بمغفرةٍ ورحمةٍ"۔

۴۔ واقدی، محمد بن عمر بن واقد، المغازی، موسسة الاعلی للمطبوعات، بیروت، ج۳ص،۹۹۰۔۹۱۔

۵۔ التوبۃ:۶۰۔

۶۔ ابو عبید، القاسم بن سلام، کتاب الاموال، فقرہ نمبر،۱۱۹۔

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کے خطوط ایک مطالعہ

* ڈاکٹر عبدالعزیز ساحر

ڈاکٹر محمد حمیداللہ (م ۲۰۰۲ء) بیسویں صدی کے نامور عالم دین اور محقق تھے۔ وہ اگرچہ عمر بھر گوشہ گیر اور زاویہ نشین رہے، مگر ان کی ذات بجائے خود ایک انجمن تھی۔ وہ اپنی ذاتی اور علمی زندگی میں غالب کے اس شعر کی نہایت عمدہ تفسیر تھے:

ہے آدمی بجائے خود اک محشر خیال
ہم انجمن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیوں نہ ہو

ڈاکٹر محمد حمیداللہ کی پہلی برسی دسمبر ۲۰۰۳ء کے موقع پر محمد راشد شیخ نے ''ڈاکٹر محمد حمیداللہ'' کے نام سے ایک نہایت عمدہ کتاب مرتب کی۔ چار سو چھیانوے صفحات پر محیط اس کتاب میں ڈاکٹر صاحب موصوف کے ذاتی احوال اور علمی آثار کے علاوہ ان کی زندگی میں اور وفات کے بعد لکھے گئے مضامین کا عمدہ انتخاب بھی شامل ہے۔ کتاب میں اپنی ذاتی اور علمی زندگی کے حوالے سے تین تحریریں خود ڈاکٹر صاحب کی ہیں، جو کتاب کی اہمیت اور افادیت کی دلیل بھی ہیں اور اس کے وقار کی علامت بھی۔

کتاب کا ایک اہم حصہ ان کے مکتوبات پر مشتمل ہے۔ گیارہ مکتوب الیہم کے نام، ان کے ایک سو ساٹھ خط اس حصے کی زینت بنے۔ پچھلے ساٹھ پینسٹھ برسوں میں دنیا کے مختلف علاقوں کے رسائل و جرائد میں ان کے سینکڑوں خط متعدد زبانوں میں شائع ہوئے۔ خطوط کی زیادہ تر تعداد پاکستان اور بھارت کے علمی اور فکری جرائد میں شائع ہوئی۔ ہزاروں خط ہنوز غیر مطبوعہ صورت میں بھی موجود ہیں، کیوں کہ ان کے مکتوب الیہم کا دائرہ بہت وسیع رہا ہے۔ علم و ادب سے متعلق کتنے ہی لوگ ان سے وابستہ رہے۔ نو واردان تحقیق بھی ان سے فیض یاب ہوئے اور کہنہ مشق ارباب فکر و نظر نے بھی ان سے استفادہ کرنے میں کوتاہی نہیں کی۔ اگر اگلے چند برسوں میں ان کے مکاتیب پر مشتمل

* اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

مجموعے شائع ہو جائیں تو ڈاکٹر صاحب کی علمی اور فکری زندگی پر کام کرنے والوں کو گراں قدر سرمایہ میسر آئے گا۔

محمد راشد شیخ کی مرتبہ اس کتاب ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ'' میں ان کے مطبوعہ خطوط میں سے ایک سو چونتیس خط مظہر ممتاز قریشی کے نام اور بقیہ چھبیس خط دس دیگر شخصیات کے نام ہیں۔ ان چھبیس خطوط میں سے بھی اکثر و بیشتر ''معارف''، اعظم گڑھ، ''الحق'' اکوڑہ خٹک اور ''فاران'' کراچی کی مختلف اشاعتوں میں شائع ہوئے۔ چند ہی خط ایسے ہیں جو اس مجموعے کے ذریعے پہلی بار سامنے آئے۔

مظہر ممتاز قریشی کے نام ڈاکٹر صاحب کے ایک سو تیس مکاتیب پہلی بار مکتوب الیہ کے مختصر حواشی کے ساتھ ۱۹۹۶ء میں سہ ماہی ''ارمغان'' کراچی میں شائع ہوئے۔ اب دوسری بار چار مزید خطوط کے اضافے کے ساتھ مکتوب الیہ نے انہیں چھپوایا اور ان پر تفصیلی حواشی بھی تحریر کیے۔ ''ارمغان'' میں مختصر حواشی کی وجہ سے خطوط کی تفہیم اپنے درست اور مجموعی علمی و فکری تناظر میں ممکن نہ ہو سکی، لہٰذا اب انہوں نے دو سو نوے حواشی تحریر کر کے خطوط سے استفادے کا دائرہ اثر بڑھا دیا اور یوں ان حواشی کی روشنی میں ڈاکٹر صاحب کے خطوط کی اثر آفرینی محتاج تعارف نہیں رہی۔ مکتوب الیہ نے ''کچھ خطوط کی نئی اشاعت کے بارے میں'' کے عنوان سے لکھا کہ:

> ''ڈاکٹر مشرف احمد صاحب (صدر شعبۂ اردو نیشنل کالج جو، اب مرحوم ہو چکے ہیں، ان کا انتقال گزشتہ دنوں کراچی میں ہوا) مجھ سے ملنے میرے گھر آئے۔ میرا پتہ مشہور ادیب و محقق محترمی مشفق خواجہ صاحب نے دیا تھا۔ دراصل ڈاکٹر مشرف احمد صاحب اردو کے دو مشہور شاعروں جناب ثناء اللہ ڈار میرا جی اور جناب اختر الایمان کے بارے میں ذاتی معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے تاکہ ''ارمغان'' میں ان پر سیر حاصل تبصرہ شخصیت اور فن کے حوالے سے کریں اور ان کو فوٹوؤں کے ساتھ شائع کریں (فوٹوز میں نے دیئے تھے) میں نے ڈاکٹر مشرف صاحب کو دونوں سے میری جتنی ملاقاتیں ہوئی تھیں ان کی تفصیل بتلا دی ....غرض ایسی ملاقاتیں ایسی باتیں جن کا تعلق ان کی علمی ادبی شخصی زندگی سے تھا۔ ڈاکٹر مشرف احمد صاحب نوٹ کرتے رہے۔ میری الماری سے لگی ہوئی چھوٹی سی میز پر کئی خاکی اور سفید لفافے رکھے ہوئے تھے، جن میں دوستوں کے خطوط تھے۔ ڈاکٹر مشرف احمد ان کو

اِدھر اُدھر سے الٹ پلٹ کر پڑھتے رہے اور ایک بھاری بھرکم لفافے کے بارے میں پوچھا:
یہ کس کا ہے؟ میں نے بتلایا کہ یہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب کے ذاتی خطوط ہیں تو فوراً انہوں
کہا: پھر تو یہ قیمتی ہوں گے۔ مظہر صاحب یہ خطوط مجھے دے دیں ''ارمغان'' میں شائع کر کے
واپس کر دوں گا۔'' (ص ۱۱۲۔۴۱۱)

یہ خط کیا ہیں؟ معارف علمیہ کا خزینہ ہیں۔ ان میں اسلامی موضوعات اور ان کے مآخذ و مصادر پر اتنا کچھ ہے کہ اس قدر لوازمہ اپنی ثقاہت اور صداقت کے ساتھ کہیں اور یکجا نہیں۔ اپنے مندرجات کے اعتبار سے یہ خطوط بہت اہم ہیں۔ تمام تر خطوط علمی اور فکری نوعیت کے ہیں۔ چوں کہ مکتوب نگار کو خودنمائی کا شوق نہ تھا، اس لیے وہ اپنی ذاتی زندگی پر بات کرنے کو معیوب گردانتے۔ لہٰذا ان میں، ان کے علمی کاموں کا تذکرہ تو موجود ہے لیکن ذاتی زندگی کا کوئی پہلو بھی موجود نہیں۔ مکتوب الیہ نے جب بھی ان سے ان کے ذاتی احوال اور واقعات کے ارقام کے ضمن میں بات کی، تو وہ کچھ بدمزہ ہوئے اور لکھا:

''مجھے اپنی سوانح عمری سے چڑھ ہے۔'' (ص ۳۲۸)

''اس کی تالیف میں مدد کا کوئی سوال نہیں۔'' (ص ۳۵۱)

یہ صحیح ہے کہ ڈاکٹر صاحب اپنی ذاتی اور شخصی زندگی کو کبھی موضوع نہ بناتے۔ وہ پرانی وضع کے درویش صفت اور خدامست انسان تھے۔ علمی و فکری معاملات میں شخصی رویوں کی جلوہ نمائی انہیں پسند نہ تھی، اسی لیے وہ اپنے عزیزوں اور نیازمندوں کو اپنی سوانح عمری مرتب کرنے سے منع کرتے رہے، بلکہ اس سلسلے میں وہ کسی نوعیت کے تعاون پر بھی راضی نہ ہوئے۔ ذاتی احوال کی ترقیم و تسوید میں عدم معاونت کے باوجود ان کے خطوط میں ان کی علمی اور تبلیغی زندگی کے کئی پہلو بکھرے پڑے ہیں۔ اگر ڈاکٹر صاحب کے تمام خطوط چھپ جائیں تو ان کی مدد سے بآسانی ان کے علمی اور فکری طرز زندگی کی توقیت کی جاسکتی ہے۔

مظہر ممتاز قریشی کے نام خطوط نویسی کا دورانیہ کوئی گیارہ برسوں کو محیط ہے۔ ایک سو چونتیس خطوں میں سے دو خط انگریزی میں ہیں اور بقیہ اردو میں۔ پندرہ بیس خطوں کو چھوڑ کر، باقی تمام خطوط پر اسلامی ماہ و سال درج ہیں۔

کہیں کہیں وہ مطابقت میں انگریزی کیلنڈر کی تاریخیں بھی لکھ دیتے ہیں۔ یہ سارے خط مکتوب الیہ سے ان کے گہرے اخلاص اور اپنائیت کا خوب صورت اظہاریہ ہیں۔ خطوط کی زبان سادہ، سلیس اور رواں دواں ہے۔ خطوط میں بے تکلفانہ انداز کے پہلو بہ پہلو سنجیدگی اور متانت کے رنگ بھی موجود ہیں۔ مکاتیب کی قطعیت اور صاف گوئی سے ان کے علمی شکوہ کا پتہ چلتا ہے۔ مکتوب نویسی کے اپنے تقاضے ہوتے ہیں، جو دیگر تحریری سرمائے سے یکسر مختلف بھی ہوتے ہیں اور منفرد بھی۔ غالب نے ایسے ہی مراسلے کو مکالمہ نہیں بنایا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ فن مکتوب نگاری سے صرف وہی شخص عہدہ برآ ہوسکتا ہے، جو مکتوب الیہ سے محبت اور اخلاص کے رشتے میں پیوستہ ہو۔ اسے اپنے مخاطب پر اعتبار بھی ہو اور اعتماد بھی، کیوں کہ جہاں تکلف اور بناوٹ و خل انداز ہو، وہاں شاید تحریر اور تو کچھ بن جائے، خط نہیں رہتی۔ زیر نظر خطوط میں، مکتوب نگار اپنے مکتوب الیہ (مظہر معین قریشی) سے جو یگانگت اور اخلاص کا رشتہ رکھتے ہیں، اس کا ہر صفحے پر احساس ہوتا ہے۔ وہ زور کلام اور جوش خطابت سے متاثر نہیں کرتے۔ ان خطوط کے بین السطور عجز اور انکسار کی جو لہر کارفرما ہے، وہ مخاطب کو اپنے دائرے سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔ وہ زندگی کے دیگر معاملات میں بھی بہت منکسر المزاج اور راست فکر واقع ہوئے تھے۔ ان کے نقطۂ ہائے نظر کے خلاف پاکستانی اخبارات و رسائل میں کتنے ہی تردیدی مضمون چھپے، مگر انہوں نے ایسے مضامین کو کبھی بھی اپنی انا کا مسئلہ نہیں بنایا۔ جہاں وضاحت اور صراحت کی ضرورت محسوس ہوئی، جواباً خط لکھ دیا۔ وہ شائع ہو گیا، تو ٹھیک، بصورت دیگر لٹھ لے کر پیچھے نہیں پڑ گئے۔ چوں کہ وہ بحث برائے بحث کے آدمی نہ تھے، اس لیے ان کی تحریروں میں کج فہمی اور کج گفتاری کے عناصر بالکل نہیں ہیں۔ ایسے غیر ضروری معاملات میں الجھنے کو وہ تضیع اوقات جانتے تھے۔ انہیں چوں کہ وقت کی قدر و قیمت کا بے پناہ احساس تھا، اس لیے وہ اپنی زندگی کا کوئی لمحہ ضائع کیے بغیر اپنے علمی، فکری اور تبلیغی کاموں میں منہمک رہے۔ البتہ دوران مطالعہ اگر کہیں وہ کوئی غلطی یا کوتاہی دیکھتے تو، نہایت مدہم اور ہلکے سروں میں اس کی تصحیح فرماتے۔ انہیں کسی کی بھی تردید مقصود نہ ہوتی، محض ریکارڈ کی درستی کے پیش نظر ایسا کرتے۔ اس سلسلے میں دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

"..........اس میں بعض غلط سلط باتیں مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم کے متعلق لکھی ہیں کہ وہ حیدر آباد میں فیکلٹی آف حدیث کے صدر تھے وغیرہ۔ جامعہ عثمانیہ میں ایسی کوئی چیز نہ تھی۔ جہاں تک مجھے یاد ہے وہاں شعبہ فنون اور شعبہ سائنس کے طلبہ کے لیے بھی

دینی تعلیم لازم کی گئی تھی۔ مسلمانوں کے لیے اسلامیات اور غیر مسلموں کے لیے اخلاقیات،
شروع میں مناظر احسن صاحب وہاں اسلامیات کی تعلیم دیتے رہے۔ پھر ان کا شعبہ
دینیات میں تبادلہ ہوا جہاں مولانا عبدالقدیر صاحب کو پنشن ہوئی تو مناظر احسن صاحب
پورے شعبہ دینیات کے صدر بنے اور آخر تک وہیں رہے۔ اگر رضی الدین صاحب کچھ اس
طرح کی یادداشت لکھ دیں، تو غلط بیانیوں کی تصحیح ہوجائے گی۔" (ص ۳۷۹)

"ایک کثیر جہتی شخصیت" عنوان کا مضمون میرے "دکن کی ایک کثیر جہتی شخصیت (بہادر خاں)" مطبوعہ امرداد ۱۳۵۷ھ مطابق جون ۱۹۴۸ء سے جو رسالہ روح ترقی میں چھپا تھا، ماخوذ ہے مگر مندرجات میرے نہیں ہیں، ایڈیٹر نے شاید خود اس کا خلاصہ کرلیا ہے۔ اوپر جو نوٹ ہے کہ میں نے وہ مضمون رسالہ کہانی ڈائجسٹ کو بھیجا ہے، وہ بھی صحیح نہیں۔ عنوان پر "ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)" الفاظ کو گویا فوٹو لے کر چھاپا گیا ہے۔ وہ بھی فرضی ہے۔ میں "پیرس" کبھی نہیں لکھتا بلکہ "پاریس" اور خود کو کبھی "ڈاکٹر" نہیں لکھتا۔ سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز فوٹو ہے۔ وہ ایک جرم بھی ہے اور ایک گناہ بھی۔ جرم اس معنی میں کہ وہ میری اجازت بلکہ اطلاع کے بغیر چھپ کرلیا گیا ہے۔ گناہ اس معنی میں کہ صحیح بخاری میں ایک حدیث کئی بار دہرائی گئی ہے:

اشد الناس عذابا یوم القیامۃ المصورون

"انہیں چاہیے کہ توبہ کریں اور اللہ سے معافی مانگیں اور آئندہ ایسے کام نہ کریں۔" (ص ۴۱۰)

خط نویسی ان کا مشغلہ حیات نہ تھا بلکہ وہ اسے مقصد جانتے تھے اور تبلیغ دین کا ذریعہ بھی۔ وہ اپنے مکاتیب میں ابلاغ اور ترسیل کے قائل تھے۔ ان کے خطوط میں ادبی رکھ رکھاؤ کی گنجائش نہیں ہوتی۔ وہ اپنے مخاطب کو الجھاتے نہ تھے، سیدھے سبھاؤ اپنے نقطۂ نظر یا مسئلہ زیر بحث کی وضاحت کر دیتے۔ وہ نہ اتنا مختصر لکھتے ہیں کہ بات سمجھ نہ آئے اور الجھاؤ پیدا ہو ورنہ اتنا طویل کہ خط تضییع اوقات کا باعث بن جاوے۔ اعتدال اور توازن ان کے اسلوب تحریر کی اہم خوبی ہے وہ نئے لکھنے والوں کی صرف مدد ہی نہ کرتے، انہیں بڑھاوا اور اکساوا بھی دیتے اور دلچسپ بات یہ کہ انہوں نے کبھی کسی پر بھی رائے مسلط نہیں کی، جو آج ہمارے اکثر بڑوں کی بڑائی کا امتیازی نشان ہے۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے چھ خطوط
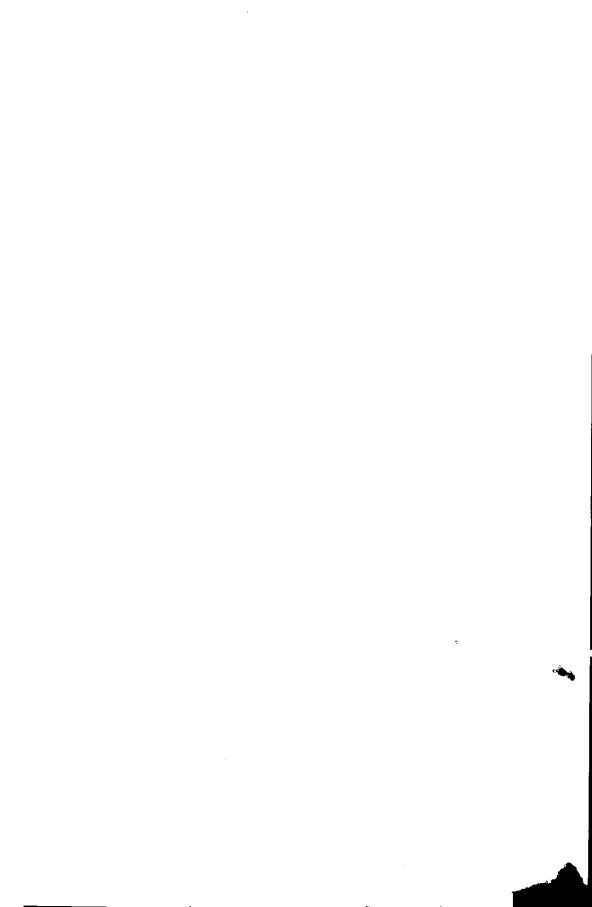
* بشیر محمود اختر

[جناب بشیر محمود اختر (پ ۱۷ اپریل ۱۹۳۶ء) کا تعلق میر پور، ایبٹ آباد سے ہے، آپ نے ۱۹۵۷ء میں سنٹرل ٹریننگ کالج لاہور سے بی۔ایڈ کیا اور اورئینٹل کالج پنجاب یونیورسٹی، لاہور سے ۱۹۶۱ء میں ایم۔اے اردو کی ڈگری حاصل کی آپ نے لیکچرار اُردو کی حیثیت سے آزاد جموں و کشمیر اور پنجاب و سرحد کے مختلف کالجز میں خدمات انجام دیں۔ ۱۹۸۰ء میں سینئر ایڈیٹر کی حیثیت سے علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد میں تعیناتی ہوئی اور یہاں آپ نے ڈپٹی ڈائریکٹر پلاننگ اینڈ پروڈکشن اور چیف ایڈیٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیں اور جون ۱۹۹۶ء میں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی سے سبکدوش ہوئے۔ جناب بشیر محمود اختر، علمی و تحقیقی ذوق رکھتے ہیں۔ آپ ماہنامہ ''انجمن'' لندن کے مدیر بھی رہے، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی کے شعبہ علوم اسلامیہ سے ''انجیل برناباس کی متنازعہ حیثیت کا جائزہ'' کے موضوع پر مقالہ لکھ کر ایم۔فل کی ڈگری حاصل کی۔ آپ کی دلچسپی کے خاص موضوعات ''انجیل برناباس''، ''مطالعہ قرآن و بائبل'' اور مطالعہ عیسائیت رہے ہیں۔ آپ کی چند معروف تالیفات درج ذیل ہیں:

- انجیل بارناباس کا مطالعہ، مطبوعہ شعبہ تصنیف و تالیف، دارالعلوم اسلامیہ، بفہ ہزارہ ۱۹۷۴ء
- مطالعہ بائبل و قرآن، مطبوعہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء
- "A Study of The Gospel of Barnabas" مطبوعہ اسلامی مشن لاہور، ۱۹۷۹ء
- ذخیرۃ الملوک از حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی، ترجمہ مولانا صدرالدین الرفاعی، تلخیص و تسہیل، بشیر محمود اختر مجلس علم و ادب، ایبٹ آباد، ۱۹۹۹ء
- نقد و تلخیص (کتابوں پر تبصرے) مجلس علم و ادب، ایبٹ آباد، ۱۹۹۹ء

جناب بشیر محمود اختر صاحب کی ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ سے خط و کتابت زیادہ تر انجیل برناباس'' سے متعلق ہوتی رہی۔ ذیل کے چھ خطوط میں زیادہ تر معلومات اسی سے متعلق ہیں۔ جناب بشیر محمود اختر نے کمال مہربانی و شفقت سے ان خطوط کے نقول ارسال کیے اور ان کے حواشی بھی خود ہی قلم بند کیے۔ (مدیر)]

* سابق ایڈیٹر، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

4, Rue De Tournon

75006-Paris

۱۶۔ذی قعدہ ۱۳۹۴ھ (۱)

مکرمی دام لطفکم

میں حجاز گیا ہوا تھا۔ واپسی پر آپ کا عنایت نامہ ملا۔ شکر گزار ہوں ۔ ریاض میں وزیر تعلیمات سعودی عربستان سے معلوم ہوا کہ مسجد قرطبہ میں ایک مرتبہ نماز تو سفیروں وغیرہ کی موجودگی میں پڑھائی گئی لیکن عمارت تا حال مسلمانوں کے سپرد نہیں ہوئی کیونکہ اسپینی عوام اس کے سخت خلاف ہیں۔

مجھے انجیل برنابا سے کبھی کوئی خصوصی دلچسپی نہ رہی کہ اس پر تحقیقی کام کرتا۔ میری افتادِ طبع ہمیشہ یہ رہی کہ اسلام پیشن گوئیوں پر نہیں، اپنے پاؤں پر کھڑا ہوتا ہے۔ ان حالات میں مجھ سے پیش لفظ لکھوانا کار آمد نہ ہوگا۔ (۲)

مخلص

محمد حمیداللہ

۱۔ مطابق دسمبر ۱۹۷۴ء۔ اُس وقت میں گورنمنٹ کالج مانسہرہ میں لیکچرار تھا۔ وہاں میرا قیام ۱۹۷۲ء سے ۱۹۸۰ء تک رہا۔

۲۔ میں نے ڈاکٹر صاحب مرحوم سے درخواست کی تھی کہ میری کتاب ''انجیل برناباس کا مطالعہ'' کے لیے پیش لفظ تحریر فرمائیں۔

4, Rue de Tournon

75006-Paris/France

۷۔ذی الحجہ ۱۳۹۴ھ (۱)

محترمی

سلام مسنون

مرسلہ کتاب اور عنایت نامہ ابھی ابھی ملے ہیں (۲) دلی شکریہ۔

کتاب طباعت سے پہلے دیکھتا تو کچھ فنی چیزیں غور کے لیے عرض کرتا۔ اب سفر پر پابہ رکاب ہوں۔ غور سے مطالعے کا وقت نہیں، صرف سرسری ورق گردانی کی۔ کچھ تاثرات لکھتا ہوں لیکن خوف ہے کہ وہ عجلت کی وجہ سے غلط فہمی ہی پر مبنی ہوں، اس لیے پیشگی معافی بھی مانگتا ہوں۔

کتاب کے آغاز میں بسم اللہ نہیں ہے۔

ص ۱۵ پر۔ براہ راست انگریزی سے ترجمہ ایک ایم۔اے کے لیے بڑی بات نہیں۔ پھر انگریزی بھی تو اصل نہیں، محض ترجمہ ہے۔

ص ۶۸۔۶۹ وغیرہ۔ انگریزی کے ترجمے میں بعض جگہ علمی دیانت اور تطابق اصل کی جگہ احترام نبویؐ کے جذبات بے محل غالب آ گئے ہیں۔ علیہ السلام، صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حضرت وغیرہ ہم اپنی تحریر میں تو لکھیں لیکن جب وہ اصل میں نہ ہوں، ترجمے میں ان کا آنا محل نظر ہے۔

۱۔ مطابق دسمبر ۱۹۷۴ء

۲۔ کتاب سے مراد ''انجیل بارناباس کا مطالعہ'' ہے جو شعبہ تصنیف و تالیف، دارالعلوم اسلامیہ، بفہ (ہزارہ) سے اکتوبر ۱۹۷۴ء میں منظر عام پر آئی۔

ص ۱۲۱ پر۔ سیل کی زبان سے ''مشرف بہ اسلام'' ہونا کتنا بے محل ہے۔ اس نے تو ''مرتد ہو کر مسلمان ہو گیا'' لکھا ہوگا۔ نقل کفر کفر نباشد۔ ہم اپنے جذبات پر قابو رکھیں۔

ص ۳، ۴، ۱۶، ۸، ۱۷ وغیرہ بے ربط abrupt نظر آتے ہیں۔ ص ۱۰۸، پر پولوس، پھر پال، ص ۱۰۹ پر پولس یہ اختلافات اچھے نہیں لگتے۔

حوالوں کی تلاش میں بڑی زحمت ہے۔ ص ۱۶۱ پر ۱۵ کے بعد ۶، ۷، ۸ وغیرہ آئے ہیں۔

بارہا ''ایمر کانا'' لکھا گیا ہے۔ صحیح تر تلفظ ''اَمیر کانا'' ہوتا ہے۔ ایک جگہ ''اوریل'' کو اسرافیل بتایا گیا ہے۔ عام طور پر مستشرق اسرافیل کو رفائیل یا Scraphin کا معرب خیال کرتے ہیں۔

ص ۱۷۷ پر ''المقتطف'' اور ''الہلال'' کے مدیروں کی تردید میں اس پر اکتفا کی گئی ہے کہ وہ نصرانی ہیں۔ اگر وہ آپ کی تردید میں اس پر اکتفا کریں کہ ''وہ تو مسلمان ہیں'' تو ظاہر ہے کہ آپ کو تکلیف ہی ہوگی۔

اُنظُر اِلٰی مَا قَالَ وَلَا تَنظُرْ اِلٰی مَنْ قَالَ۔ آپ بُرا نہ مانیں تو عرض کروں کہ کتاب پڑھنے پر تاثر یہ ہوتا ہے کہ آپ ناطرف دارانہ تلاش حق میں نہیں ہیں بلکہ اپنے پیشگی طے شدہ خیالات کو منوانے پر تلے ہوئے ہیں۔ عبارت ایسی ہونی چاہیے کہ اس طرح کا تاثر نہ ہو۔ بھول کر بھی بے وجہ چوٹ نہیں کرنی چاہیے۔ اس سے ''دودھ میں مینگنی'' پڑ جاتی ہے۔

بہرحال نقش اوّل اچھا ہے۔ مطالعہ جاری رکھیے اور نقش ثانی کو بہتر بنائیے۔ ایک ترکی دوست بھی برسوں سے اس موضوع پر ایک ضخیم کتاب لکھ رہے ہیں۔ شاید اب ختم ہو گئی ہے۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

4, Rue De Tournon,

Paris-6/France

۶۔رجب ۱۴۰۳ھ (۱)

چہارشنبہ

محترمی زادمجدکم

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

محترمہ رضیہ عباس بیگم نے آپ کی امانتی کتاب بھیجی جو آج صبح ڈاک میں پہنچ گئی (۲) دلی شکریہ۔ میں کوئی تحفہ آئے تو عادۃً رسید بھیجنے کا فریضہ ضرور ادا کرتا ہوں۔ اب یاد نہیں کہ سابق میں بھی یہ کتاب آئی ہو۔ آئی تھی تو رسید ضرور بھیجی ہوگی۔

معلوم نہیں کہ آپ نے موریس بوکائی کی کتاب کس زبان میں پڑھی ہے۔ اصل فرانسیسی میں حدیث شریف کے متعلق جو بحث ہے، وہ قطعاً نا قابل قبول ہے۔ اس سے خطرہ یہ ہے کہ جو جاہل حصہ اول متعلق قرآن سے متاثر ہوا اور خوشی سے اچھل پڑے، وہ خیال کر سکتا ہے کہ حدیث کی تنقید بھی صحیح ہی ہوگی۔ بوکائی صاحب خاص خاص لوگوں سے کہتے ضرور ہیں کہ میں مسلمان ہو گیا ہوں لیکن بعض دیگر لوگوں (گارودی، مونتے ای وغیرہ) کے برخلاف تاحال پبلک اعلان نہیں کیا ہے، کم از کم میرے علم میں نہیں آیا۔

۱۔ مطابق اپریل ۱۹۸۳ء (میں ستمبر ۱۹۸۰ء سے اپریل ۱۹۹۶ء تک علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی میں خدمات سرانجام دیتا رہا)

۲۔ پروفیسر مسز رضیہ عباس، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، میں ڈائریکٹر ماس ایجوکیشن رہیں۔ وہ ۱۹۸۳ء میں کچھ دنوں کے لیے پیرس جا رہی تھیں تو میں نے اُن کے ہاتھ ڈاکٹر صاحب کے لیے اپنی کتاب "A Study of The Gospel Of Barnabas" (مطبوعہ اسلامی مشن، لاہور، فروری ۱۹۷۹ء) بھجوائی تھی۔

برناباس سے متعلق آپ کی دلچسپی سے متاثر ہوا۔ خدا آپ کو برکات سے نوازے۔ مجھے کوئی خاص چیز اس سلسلے میں بیان نہیں کرنی۔ بس، خدا کرے زورِ قلم اور زیادہ۔

انقرہ میں بعض ترکی فاضل بھی چند سال قبل اس پر کام کر رہے تھے۔ ہاں! آپ کی نئی طباعت میں ایک انڈکس اور ایک کتابیات (ببلیا گرافی) بھی بڑھ جائیں تو اچھا ہو۔

صفحہ ۵۳ سطر نمبر ۲ میں ولادتِ نبوی ﷺ کو آپ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ۵۷۱ سال بعد لکھتے ہیں۔ وجہ سمجھ میں نہ آئی۔ حضور ﷺ ۵۶۹ء میں پیدا ہوئے۔ اس میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر بوقت رفع الی السماء یعنی ۳۳ سال حذف بھی کریں تو ۵۳۶ سال ہوں گے۔ وہ کہتے ہیں کہ پانچ یا سات سال قبل مسیح پیدا ہوئے تھے۔

صفحہ نمبر ۵۸ تا ۵۹ میں آپ لکھتے ہیں کہ Rafael فرشتہ غیر معروف ہے۔ یہ عام طور پر اسرافیل کا فرنگی مترادف ہوتا ہے۔

صفحہ نمبر iii/59 بھی غور طلب ہے۔ کیوں نہ انجیل کے الفاظ کے معنے یہ لیے جائیں کہ خدا کی چیز خدا کو دو (مثلاً عبادت کرو) اور قیصر کی چیز قیصر کو دو، یعنی قوانین ملک کی بھی تعمیل کرو، زکات بھی دو، یوں بھی تقسیم دین و حکومت کے لیے قرآن میں طالوت اور اشموئیلؑ کا قصہ قابل غور ہے: قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكاً (۱) پیغمبر کی موجودگی میں ایک الگ بادشاہ! یہ اسلام میں ممنوع نہیں ہے بلکہ ضرورت پر جائز ہے اور تقسیم فرائض، جبکہ واحد فرد سارے کام سرانجام نہ دے سکتا ہو۔ جیسا کہ شاہ ولی اللہؒ نے بھی لکھا ہے:

اقیموا الصلوٰۃ واتوا الزکوٰۃ بھی ہے، اطیعوا اللّٰہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکُمْ بھی ہے۔

قرآن اور انجیل میں اس بارے میں تضاد مجھے تو نظر نہیں آتا۔ واللہ اعلم۔

فقیر حقیر

محمد حمید اللہ

۱۔ البقرۃ ۲:۲۴۶

4, Rue de Tournon,

Paris-6/France,

۱۲۔ربیع الانور ۱۴۰۷ھ (۱)

محترمی زاد مجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کے عنایت نامے سے سرفراز ہوا۔ کچھ عرصہ بعد مرسلہ کتاب بھی ملی (۲) ممنون ہوا اور ورق گردانی پر محسوس ہوا کہ آپ کی معلومات مجھ سے زیادہ ہیں۔ اس لیے کسی تصحیح و ترمیم کا سوال نہیں پیدا ہوتا۔ خدا آپ کے کاموں میں برکت دے۔ مجھے بالکل علم نہیں کہ حال میں ترکی میں انجیل بارناباس کا کوئی نسخہ دستیاب ہوا ہے۔ (۳) (آپ نے تفصیل بھی نہ دی کہ آپ کی معلومات کا کیا ماخذ ہے) میں وہاں کے احباب سے دریافت کروں گا لیکن وہ ''سکوتیہ'' فرقے کے امام ہیں، جواب کبھی نہیں دیتے۔ آپ چاہیں تو ذیل کے پتے سے دریافت فرمائیں، ممکن ہے جواب ملنا آپ کے نصیبے میں ہو:

Dr. Ekmeleddin Ihsanoglu — اکمل الدین احسان اوغلو

Research Centre for Islamic History — بشِکطاش

P.B. 24, Besiktas , Turkey.

میں 81 سال کا ہو گیا ہوں۔ زیادہ خدمت نہ کر سکوں تو قصور معاف فرمادیں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

۱۔ نومبر ۱۹۸۶ء

۲۔ یہ کتاب تھی ''مطالعہ بائبل و قرآن'' اس کا پہلا ایڈیشن فروری ۱۹۸۶ء میں خصوصی مطبوعات علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد سے چھپا تھا۔ اس کا دوسرا ایڈیشن نظر ثانی اور اضافوں کے ساتھ مجلس علم وادب ایبٹ آباد کی طرف سے نومبر ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا۔

۳۔ ۱۹۸۴ء میں ترکی کے شہر حکاری کے ایک قریبی غار سے انجیل بارناباس کا ایک قدیم نسخہ دریافت ہوا ہے۔ اس سلسلے میں کوشش کی تو ترکی کے ایک فاضل ڈاکٹر حمزہ پکتاش کا مقالہ (ترکی زبان کے رسالے میں شائع شدہ) موصول ہوا۔

4, Rue de Tournon,

75006-Paris,

۲۸۔ جمادی الآخرہ ۱۴۰۳ھ

My Dear Niece Razia Begum,

السلام علیکم ورحمۃ اللہ

Many Thanks for your kind letter. I am sorry, people have given you so much trouble. You have such a beautiful handwriting.

① I am alone, no question of meeting my "family ". I have no telephone either.

② I would request you kindly to send the book by ordinary book-post and I shall immediately send you the amount ان شاء اللہ God bless you.

③ You live rather far away from me in suburbs. If you are staying in France for some time, insha'allah it will be possible one day for me to come to meet you. At the moment, two friends are in hospital, including one French (converted) lady, and next week I have to go on travel, and prepare two articles.

Yours Sincerely,

M. Hamidullah

4, Rue de Tournon,

75006-Paris,

۶۔رجب ۱۴۰۳ھ

عزیزہ خوش رہو! (1)

سلام مسنون۔آج کی ڈاک میں آپ کا نوازش نامہ بھی ملا اور مرسلہ امانتی کتاب بھی۔دلی شکریہ۔

آپ نے خط میں اپنا پتہ کہیں نہیں لکھا ہے۔آئندہ احتیاط کیجئے۔اتفاق سے آپ کا پرانا خط جو ابھی تلف نہیں کیا تھا، تلاش پر مل گیا ورنہ کتاب کی رسید بھی آپ کو نہ دے سکتا۔

ان شاءاللہ کسی فرصت میں ضرور ملاقات کا سامان خدا پیدا کر دے گا۔میں آئندہ پیر کو ایک سفر پر جا رہا ہوں۔عباس صاحب کی خدمت میں میرا اسلام۔

میں اسلام آباد بھی رسید بھیج رہا ہوں۔

مخلص

محمد حمیداللہ

---

۱ آخری دونوں خطوط، یعنی خطوط نمبر ۵۔۶ ڈاکٹر محمد حمیداللہ نے محترمہ پروفیسر مسز رضیہ عباس کے نام لکھے تھے۔ مسز رضیہ عباس اوپن یونیورسٹی میں ہماری ساتھی رہیں۔میں اپریل ۱۹۹۶ء تک یونیورسٹی میں تھا، جب کہ مسز رضیہ عباس چند ماہ پیشتر دسمبر ۱۹۹۵ء میں سبکدوش ہوئیں۔انہوں نے از راہ کرم ان خطوط کی نقل مجھے عنایت فرمائی، چنانچہ یہ خطوط بھی بطور یادگار شامل اشاعت ہیں۔ان خطوط میں جس کتاب کا ذکر ہے، وہ میری کتاب "A Study of the Gospel of Barnabas" ہے جو میں نے مسز عباس کے ہاتھ ڈاکٹر صاحب کے لیے پیرس بھجوائی تھی۔
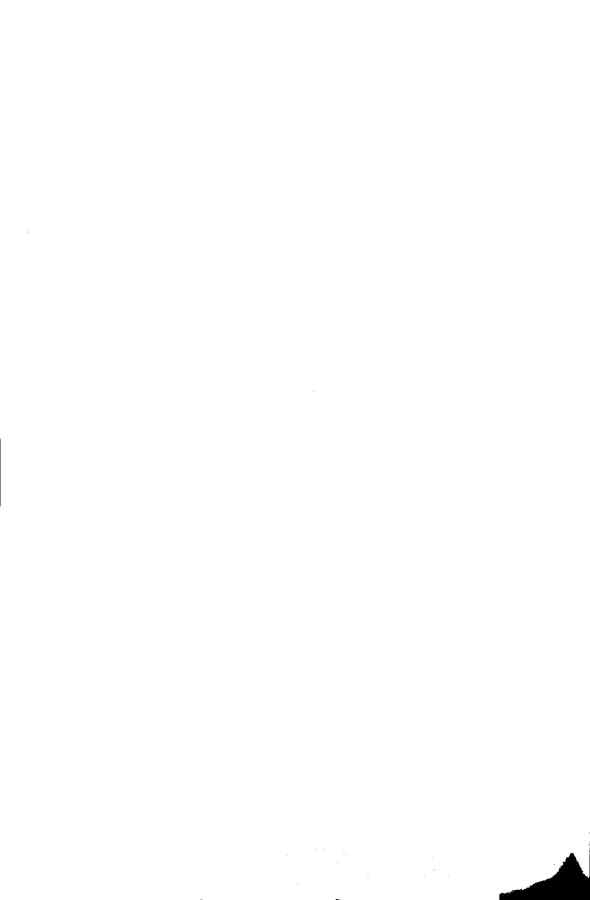
ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے چند غیر مطبوعہ خطوط

* محمد ارشد

ڈاکٹر محمد حمید اللہ جدید دنیائے اسلام کے ایک جلیل المرتبت عالم ہوگزرے ہیں۔ انہوں نے قرآن وحدیث، فقہ وقانون اور سیرت النبی ﷺ جیسے متنوع ومختلف موضوعات پر تقریباً ایک ہزار مقالات اور ۷۰ وقیع کتب یادگار چھوڑے ہیں۔ محمد حمید اللہ کا علمی وفکری سرمایہ صرف ان کے مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب ومقالات تک ہی محدود نہیں رہا۔ ان کے مکاتیب بھی علوم ومعارف کا ایک وقیع گنجینہ ہیں۔ ان مکاتیب سے نہ صرف یہ کہ مختلف اسلامی علوم وفنون کے حوالے سے قیمتی ومفید معلومات فراہم ہوتی ہیں بلکہ ان سے ڈاکٹر صاحب کی شخصیت، ان کے اصول زندگانی، ان کے عادات ومعمولات اور ان کی گوناں گوں دلچسپیوں کا بھی پتہ چلتا ہے۔ یہ مکاتیب علمی اعتبار سے بڑی قدر وقیمت کے حامل ہیں۔ راقم السطور کو ڈاکٹر صاحب کے چند غیر مطبوعہ خطوط دستیاب ہوئے ہیں۔ ان میں سے پچیس خطوط مجلّہ ''معارفِ اسلامی'' کی وساطت سے ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں مرتب نے ان خطوط کے مندرجات کے سیاق وسباق کی توضیح کی غرض سے بعض ضروری حواشی بھی تحریر کر دیے ہیں۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے یہ خطوط پاکستان میں اپنے بعض اعزاء (دردانہ بیگم، خدیجہ ہاشمی، محمد فاروق مرحوم) و احباب (مظہر ممتاز قریشی، ڈاکٹر محمد صابر، ڈاکٹر معین الحق مرحوم) اور بعض دوسرے افراد کو تحریر کیے تھے۔ مرتب، کراچی میں مقیم ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی قریبی عزیزہ محترمہ دردانہ بیگم (پہلے دو خطوط انہی کے نام ہیں) کے علاوہ مظہر ممتاز قریشی کا تہہ دل سے شکر گزار ہے کہ انہوں نے اپنے اور اپنے بعض دوسرے عزیزوں کے نام ڈاکٹر صاحب کے خطوط کے زیراکس مہیا کرنے کے لیے زحمت گوارا کی۔

ڈاکٹر محمد صابر اور پروفیسر محمد اکرام صدیقی بھی شکریہ کے مستحق ہیں کہ جنہوں نے مرتب کی درخواست پر پرانی مثلوں اور کاغذات کے انبار میں سے ڈاکٹر صاحب کے خطوط کی تلاش کی مشقت بخوشی برداشت کی۔

---

* مدیر، اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی (علامہ اقبال کیمپس) لاہور۔

(۱)

بنام دردانہ بیگم

4, Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۱۶/شعبان ۱۴۱۲ھ۔

عزیزہ دردانہ بیگم خوش رہو۔

سلام مسنون۔ آپ کا خط ملا۔ مسرت کا باعث ہوا۔ اخبار تکبیر میں بہت کچھ گپ شپ ہے۔ (۱)

ابھی یہ یقینی نہیں کہ میں پاکستان آؤں۔ اور آؤں تو سرکاری مہمان رہوں گا۔ آپ کے ہاں قیام کرنے کی مسرت حاصل نہیں ہو سکے گی اور فرانس کی دینی مصروفیتوں (۲) کے باعث پاکستان میں زیادہ قیام ممکن نہیں۔ اگر کراچی میں رکنا ہوا تو ان شاء اللہ ضرور آپ سے ملاقات کی مسرت حاصل کروں گا۔

سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

محمد حمید اللہ

---

(۱) ڈاکٹر صاحب کا اشارہ ہفت روزہ ''تکبیر'' (کراچی) میں ۱۹۹۲ء کے ابتدائی مہینوں میں ان کے بارے میں شائع ہونے والی خبروں کی طرف ہے۔ ہفت روزہ ''تکبیر'' میں محمد صلاح الدین مرحوم نے اپنی ایک تحریر میں سابق وزیر اعظم پاکستان محمد نواز شریف کی معیت میں اپنے سفر فرانس کی روداد شائع کی تھی، جس میں انہوں نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ (خازن انجمن اسلامیہ، فرانس) کو وزیر اعظم کی طرف سے ایک مسجد کی تعمیر کے لیے مالی امداد کی فراہمی کا ذکر کیا تھا [(دیکھئے: محمد صلاح الدین، پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے وزیر اعظم نواز شریف کی ملاقات'' در، تکبیر، ۱۴: ۶ (۳۱ جنوری - ۶ فروری ۱۹۹۲ء) ص ۹ - ۱۲)] ڈاکٹر صاحب نے اسے ''غلط سلط باتیں'' قرار دے کر گویا اس کی تردید کی تھی۔ ڈاکٹر صاحب کے بقول انہیں ''انجمن اسلامیہ اور دیگر اداروں کے لیے ایک پائی بھی عطیہ نہیں ملا تھا''۔ دیکھئے: نثار احمد اسرار، ''درویش صفت متبحر عالم''، در'' ڈاکٹر محمد حمید''، مرتبہ، محمد راشد شیخ، فیصل آباد: المیزان پبلشرز، ۲۰۰۳ء، ص ۱۷۳۔

(۲) فرانس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی دینی مصروفیتوں کے بارے میں معلومات کے لیئے دیکھئے: محمد ارشد، ''مغرب میں دعوت اسلام: محمد حمید اللہ کی کاوشوں کا ایک جائزہ'' در'' فکر و نظر'' ۴۰-۴۱ (اپریل- ستمبر ۲۰۰۳ء)، ص ۳۴۲-۳۴۸۔

(۲)

باسمہ تعالیٰ

4, Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

جمعرات
۱۴/شوال ۱۴۱۲ھ۔

عزیزہ خوش رہو۔

سلام مسنون۔ خیریت حاصل و مطلوب۔ آج آپ کا تازہ کرم نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ سابقہ جواب ہی دہرانا پڑتا ہے کہ مجھے چونکہ سرکاری طور پر پاکستان بلایا گیا ہے (۱) اس لیے رہائش اور کام سب سرکاری طور سے ہونے ہیں۔ کراچی میں جو دو تین دن ماہ مئی کے آغاز میں رہنے ہیں، وہ بھی سرکاری مہمان خانے میں ہوں گے۔ پوری کوشش کروں گا کہ آ کر آپ سے ملوں، لیکن کب اور کس دن تا حال کہنا ممکن نہیں۔

خدا آپ کے ابا (۲) وغیرہ کا سفر مبارک کرے اور حج و زیارت قبول فرمائے۔

محمد حمید اللہ

---

(۱) میاں محمد نواز شریف سابق وزیر اعظم پاکستان نے اپنے دورہ فرانس (جنوری ۱۹۹۲ء) کے دوران ڈاکٹر صاحب کو پاکستان کے دورہ کی دعوت دی تھی، دیکھئے: محمد صلاح الدین، ''پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے وزیر اعظم نواز شریف کی ملاقات''، در ''تکبیر'' (کراچی) ۶:۱۴ (۳۱ جنوری-۶/فروری ۱۹۹۲ء) ص ۹-۱۲۔

(۲) محی الدین عبدالقادر (۱۴/دسمبر ۱۹۲۳ء-۲۶/اکتوبر ۱۹۹۷ء)۔

(۳)

بنام خدیجہ ہاشمی

باسمہ تعالیٰ

۱۰/ رمضان ۱۴۱۲ھ۔ 4- Rue de Tournon,

عزیزہ خوش رہو(۱)۔ Paris-6/ France.

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب۔ کل آپ کا خط ملا۔ مسرت کا باعث ہوا۔ اگر میرا پاکستان آنا ہوا تو پروگرام حکومت کے ہاتھ میں ہے اور مجھے تاحال نہیں معلوم کہ میں کراچی میں اتر بھی سکوں گا یا نہیں۔ پاریس سے ہوائی جہاز راست اسلام آباد جاتا ہے۔ اللہ مالک ہے۔ اخبار تکبیر میں بہت سی غلط سلط باتیں بھی چھپی ہیں۔ آپ کے سوالوں کے متعلق: نمبر میں سمجھ نہ سکا۔ اناج پر فاتحہ میں پہلی دفعہ آپ سے سن رہا ہوں۔ تفصیل لکھنے کی زحمت گوارا فرمائیں تو شاید جواب دے سکوں۔ حیدرآباد میں یہ کبھی نہیں ہوتا تھا۔

نمبر امام مہدی کا آخری زمانہ عالم میں آنا صحیح حدیثوں میں مروی ہے لیکن ہندوستان میں ایک فرقہ مہدوی بھی ہے۔ (بہادر یار جنگ مرحوم کا بھی اس سے تعلق تھا) (۲) یہ بالکل الگ چیز ہے۔ اس کے بانی اپنے کو مہدی کہتے تھے۔ مگر وہ فرقہ وار بات ہے۔ حدیث کا ان پر اطلاق نہیں ہوتا۔ شاید یہ گزشتہ صدی والی بات ہے۔ سابق میں پہلی صدی ہجری میں بھی خلفاء عباسیہ میں اس کا آغاز ہوا تھا۔ یہ سب فضول باتیں ہیں۔ امام مہدی کب آئیں گے کسی کو نہیں معلوم۔ ان کا وزیر ہمارے خاندان سے ہوگا۔ میں نے بھی بچپن میں شاید پانچ چھ سال کی عمر میں چچا محمود مرحوم (۳) سے سنا تو میں نے لپک کر کہا تھا ''وہ میں ہوں گا۔ وہ میں ہوں گا'' وہ مسکرائے تھے اور تھپکی دی تھی۔ رمضان المبارک۔ عید مبارک۔

محمد حمید اللہ

---

(۱) خدیجہ ہاشمی، حال مقیم کراچی۔

(۲) ملاحظہ کیجئے حاشیہ نمبر ۱۹

(۳) مفتی محمود (م ۱۳۴۵ء) بن قاضی بدرالدولہ، کے احوال و آثار کے لیئے دیکھئے: محمد حمید اللہ ''عرض حال (مقدمہ تفسیر حبیبی) حیدرآباد دکن (س،ن)، ص ۱۵۳-۱۵۴، وہی مصنف، ''مدرسہ محمدی مدراس اور اس کا پس منظر''، در یادگار نمبر بتقریب جشن صد سالہ مدرسہ محمدی باغ دیوان ''مدراس''، ص ۱۴-۳۳؛ عبید اللہ، ''ڈاکٹر حمید اللہ کے چند مکتوبات''، در ''معارف''، ۱۷۲:۴ (اکتوبر ۲۰۰۳ء)، ص ۲۷۳۔

(۴)

باسمہ تعالیٰ: حامدا و مصلیا

4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۶/شوال ۱۴۱۲ھ۔

عزیزہ خوش رہو۔

سلام۔ خیریت حاصل و مطلوب۔

آج صبح آپ کا عنایت نامہ ملا۔ شکریہ (میرا بھی سابقہ خط آپ کو ملا ہوگا)۔ میں عید کارڈوں کو اسراف سمجھتا ہوں۔ استدعا ہے کہ آئندہ اس کی زحمت نہ فرمائیں۔ میری عید مبارک بھی قبول فرمایئے۔ میں سرکاری دعوت پر ۲۵/اپریل کو یہاں سے اسلام آباد جا رہا ہوں۔ ان شاء اللہ۔ وہاں سے لاہور جا کر کراچی آنا ہے۔ سارا نظام العمل حکومت بنا رہی ہے۔ اور ابھی تفصیل نہیں معلوم ہوئی۔ غالباً ماہ مئی کے شروع میں دو تین دن کے لیے کراچی بھی آنا ہوگا۔ کوشش کروں گا کہ اگر آپ سے بھی چند منٹ ملنے کی مسرت حاصل کروں۔ ٹھیک دن اور ٹھیک وقت بدقسمتی سے معلوم نہیں۔ ممکن ہے دن میں ہو، یا رات میں۔ میں غالباً کسی سرکاری مہمان خانے میں رہوں گا۔

سب کو سلام یاد آتے ہیں۔

محمد حمید اللہ

(۵)

باسمه تعالیٰ: حامدا و مصلیا

4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۲۷/ ذی قعدہ ۱۴۱۲ھ۔

عزیزہ خوش رہو۔

سلام مسنون۔ آپ کا خط ملا۔ مسرت کا باعث ہوا۔ میں پاکستان میں بے حد مصروف رہا۔(۱) آرام سے بیٹھ کر گفتگو کا موقع نہ تھا۔ اس قصور کو معاف فرما دیں۔ آپ کے ہاں جانا یکا یک مقرر ہوا۔ اس لیے کوئی حقیر تحفہ بھی پیش نہ کر سکا۔ آپ کی محبت یاد رہے گی۔ خدا عمر دراز کرے۔

خدا کرے وہاں سب اہل و عیال خیریت سے ہوں۔ عید مبارک۔

محمد حمید اللہ

---

(۱) محمد حمید اللہ اپریل ۱۹۹۲ء کے آخری عشرہ میں پاکستان تشریف لائے تھے، چندروز قیام کے دوران انہوں نے کراچی، لاہور اور اسلام آباد میں متعدد علمی مجالس اور اجتماعات سے خطاب کیا تھا۔ پاکستان میں ڈاکٹر صاحب کی مصروفیات اور مختلف علمی مجالس سے ان کے خطابات کے بارے میں ملاحظہ کیجیے: ''کراچی میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی مصروفیات''، در ''تکبیر''، ۱۴: ۲۰ (۸- ۱۴ مئی ۱۹۹۲ء) ص ۱۵- ۱۷؛ ادریس صدیقی: شہرہ آفاق محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ ایک روح پرور شام کی روداد''، در ''اردو ڈائجسٹ''، ۴۳: ۲ (فروری ۲۰۰۳ء) ص ۲۱- ۲۲؛ المعارف: ۲۵: ۷ (جولائی ۱۹۹۲ء) ص ۱۱۔

(۶)

باسمہ تعالیٰ

Centre Cultural Islamique,
4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۱۵/ جولائی 1993ء۔

عزیزہ واہالی خوش رہو۔

سلام مسنون۔ ابھی ابھی آپ کا ۸/ جولائی کا خط ملا۔ ممنون بھی ہوا اور سخت متاسف بھی کہ آپ کی والدہ محترمہ جنت کو سدھاری ہیں۔ اللہ انہیں جنت میں اعلیٰ درجات عطا فرمائے۔ ان کے لیے ایک ختم قرآن کر رہا ہوں۔(۱)

کارِلائقہ سے یاد فرمائیں۔

محمد حمید اللہ

---

(۱) اس خط سے ''ایصال ثواب'' کے بارے میں ڈاکٹر صاحب کے اعتقاد کا بخوبی اظہار ہوتا ہے۔

(۷)

بنام مظہر ممتاز قریشی

4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۱۸/ جمادی الآخرہ ۱۴۰۱ھ۔

محترمی (۱)

سلام مسنون۔ آپ کا ۱۲/ ماہ رواں کا خط کل پہنچا۔ شکریہ۔ اس سے پہلے مجھے کبھی آپ کا کوئی خط نہیں آیا۔

فرانس میں بے روز گاری کی کثرت کے باعث قانون بنا ہے کہ ہر سال غیر ملکی مزدوروں میں سے بیس ہزار کو جبراً وطن واپس جانے پر مجبور کیا جائے۔ میں ایسے کسی قاعدے سے واقف نہیں کہ طلبہ کو محدود مدت کی ملازمتیں دی جا سکتی ہیں۔

میرا کسی عرب سفارت سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ (۲) واحد طریقہ یہ ہے کہ ہمارے دوست ایک درخواست اپنی صلاحیتوں کے ساتھ لکھ کر مختلف سفارتوں کو بھیجیں اور جواب کا انتظار کریں۔

مَثل ہے: نیکی اور پوچھ پوچھ؟ کتاب حضرت عائشہ کے ضرور ترجمے کرائیں اور چھپائیں۔ (۳)

خدا برکت دے۔ سب رشتہ داروں کو سلام۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

---

(۱) مظہر ممتاز قریشی، حال مقیم شرف آباد، کراچی۔

(۲) مظہر ممتاز قریشی نے فرانس میں اپنے ایک قریبی عزیز کے لیئے ملازمت کے حصول میں مدد کے لیئے ڈاکٹر صاحب سے درخواست کی تھی، اس کے جواب میں یہ خط لکھا گیا۔

(۳) یہ کتاب ڈاکٹر معین الحق، صدر پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی، کراچی، کی اہلیہ پروفیسر ممتاز معین الحق کی تصنیف ہے جو کراچی سے شائع ہوئی ہے۔

(۸)

۷/ جمادی الآخرہ ۱۴۰۸ھ۔

محترمی زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کرم نامہ ملا۔ شکرگزار ہوں۔

مجھے بالکل یاد نہیں کہ عبدالرشید صاحب کا مقالہ کیا چیز ہے۔(۱) کسی کو یہ حق نہیں کہ جنت نصیب لوگوں کی کتابوں میں حذف واضافہ کرے۔(۲) مجھے معاف فرمائیں۔

خادم

محمد حمید اللہ

---

(۱) عبدالرشید نے یہ مقالہ امام ماوردی کتاب ''کتاب الامثال'' مدون کر کے ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے سندھ یونیورسٹی میں پیش کیا تھا۔

(۲) ڈاکٹر صاحب نے جس چیز کی طرف اشارہ کیا ہے، اس کے پس منظر کے بارے میں مرتب کو کچھ معلوم نہیں ہوسکا۔

(۹)

4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۱۱ربیع الانور ۱۴۱۲ھ۔

مخدوم ومحترم زادمجدکم

سلام مسنون۔خیر وعافیت کا طالب۔کل شام کی ڈاک سے تازہ کرم نامہ ملا۔ممنون ہوا۔

آپ کے سوال پر عرض ہے کہ میری تاریخ ولادت چہارشنبہ ۱۶رمحرم ۱۳۲۶ھ مطابق ۱۹رفروری ۱۹۰۸ء ہے۔خطباتِ بہاولپور کے طبع قدیم میں طباعتی غلطی تھی۔(۱) تازہ اسلام آباد والے ایڈیشن میں اس کی تصحیح کردی گئی ہے۔(۲)

آپ کے گزشتہ خط کا اس کے وصول ہوتے ہی جواب گزران چکا ہوں۔ڈاک کی سست خرامی میرے بس کی چیز نہیں۔اگر مناسب ہو تو ذیل کا خط اپنی طرف سے کہانی ڈائجسٹ (۳) کو بھجوادیں کہ میرے پاس اس کا پتہ نہیں ہے:

''میں نے آپ کے اگست وستمبر ۱۹۸۹ء کے کچھ اوراق پیرس میں حمید اللہ صاحب کو بھیجے تھے وہاں سے شکریے کی رسید کے ساتھ یہ اطلاع بھی آئی ہے کہ ''ایک کثیر جہتی شخصیت'' عنوان کا مضمون میرے ''دکن کی ایک کثیر جہتی شخصیت (بہادر خان)'' (۴) مطبوعہ امرداد ۱۳۵۷ھ دھلی مطابق جون ۱۹۴۸ء سے، جو رسالہ روح ترقی (۵) میں چھپا تھا، ماخوذ ہے مگر مندرجات میرے نہیں ہیں۔اڈیٹر نے شاید خود اس کا خلاصہ کرلیا ہے۔اوپر جو نوٹ ہے کہ میں نے وہ مضمون رسالہ کہانی ڈائجسٹ کو بھیجا ہے، وہ بھی صحیح نہیں۔عنوان پر ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ (پیرس)'' الفاظ کو گویا فوٹو لے کر چھاپا گیا ہے، وہ بھی فرضی ہے۔میں ''پیرس'' کبھی نہیں لکھتا بلکہ ''پاریس''۔اور خود کو کبھی ''ڈاکٹر'' نہیں لکھتا۔سب سے زیادہ تکلیف دہ چیز فوٹو ہے۔وہ ایک جرم بھی ہے اور ایک گناہ بھی۔جرم اس معنے میں کہ وہ میری اجازت بلکہ اطلاع کے بغیر چھپ کرلیا گیا ہے۔گناہ اس معنے میں کہ صحیح بخاری میں ایک حدیث کئی بار دہرائی گئی ہے:

''اشدّ الناس عذابا يوم القيامة المصوّرون''۔(۶)

انہیں چاہیے کہ توبہ کریں اور اللہ سے معافی مانگیں اور آئندہ ایسے کام نہ کریں۔

شہاب الدین ید اللّٰہی صاحب کے مضمون میں بھی تاریخی غلطیاں ہیں۔ کالم سوم میں [لکھا ہے] کہ حکومت نے جاگیر اور دیگر اعزازات واپس لے لیے، یہ غلط ہے۔ خود بہادر یار جنگ (۷) سے سنا ہوا بیان ہے کہ انہوں نے خود ہی یہ حضور نظام (۸) کو واپس کیے۔

خدا آپ کو اور اہل خاندان کو خیر و عافیت سے رکھے۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

---

(۱) مطبوعہ، اسلامیہ یونیورسٹی، بہاولپور، ۱۹۸۱ء۔

(۲) مطبوعہ ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، طبع رابع، ۱۹۸۸ء۔

(۳) کہانی ڈائجسٹ (کراچی) نے ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ایک مضمون کو اس کے عنوان میں تغیّر و تبدّل کے بعد شائع کیا تھا۔ ڈاکٹر صاحب نے یہ خط اسی حوالے سے تحریر کیا۔

(۴) ڈاکٹر صاحب نے یہ مضمون نواب بہادر یار جنگ کی یاد میں تحریر کیا تھا۔

(۵) دیکھیے: ''روح ترقی'' (حیدر آباد دکن)، رجب ۱۳۶۷ھ، ص ۳-۵، ۱۴۔

(۶) بخاری شریف کی محولہ بالا حدیث کے الفاظ یہ ہیں: ''ان اشد الناس عذابا عند اللّٰه يوم القيامة المصورون''، دیکھیے: کتاب اللباس، باب: عذاب المصورین یوم القیامۃ، حدیث نمبر، ۵۹۴۹۔

(۷) تقسیم برصغیر پاک و ہند سے ماقبل دور میں اسلامیان مملکت آصفیہ حیدر آباد دکن کے ایک سرکردہ سیاسی رہنما۔ بہادر یار جنگ کی سیاسی و ملی خدمات کے جائزہ کے لیئے دیکھیے: غلام محمد، ''حیات بہادر یار جنگ''، کراچی: بہادر یار جنگ اکادمی، ۱۹۹۰ء۔

(۸) مملکت آصفیہ حیدر آباد دکن کے آخری تاجدار آصف جاہ نظامِ سابع نواب میر عثمان علی خان (۱۹۱۱ء-۱۹۴۸ء)۔

(۱۰)

4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۱۰/ رمضان ۱۴۱۲ھ۔
محترمی زاد مجدکم۔
سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

گزشتہ جمعہ کو خورشید صاحب نے آپ کا خط تو نہیں، ایک پیام اپنے ایک دوست کے ذریعے سے بھجوایا کہ آپ میری کسی کتاب سے اپنا سلسلہ نشریات شروع کرنا چاہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نہ کچھ سمجھ میں آیا اور نہ پیام رساں سمجھا سکے۔ آج آپ کا کرم نامہ راست آیا ہے۔ شکر گزار ہوں۔ میرے پاس نہ کوئی کتاب تیار اور ناشر کے انتظار میں ہے اور نہ دنوں، ہفتوں میں تیار ہو سکتی ہے۔ میری فرانسیسی سیرت النبی (۱) اور ترجمہ قرآن (۲) گویا ابھی مطبع ہی میں ہیں، اور سیرت کا نیا انڈکس بھی مکمل نہیں ہو سکا ہے۔ غرض میری مشغولیت کم نہیں ہوئی ہے کہ کوئی نیا کام سر لے سکوں۔ کتاب سیرت کو اسلام آباد کا ادارہ تحقیقات اسلامی چھاپنے کی اجازت لے چکا اور ترجمہ کرا رہا ہے (۳) میرے ترجمے کے انتظامات و امکانات بالکل نہیں ہیں۔ آپ ان کتابوں کو تو چھاپ نہیں سکتے جو دوسرے لوگ چھاپ رہے ہیں، بجز ان کی اجازت کے۔ مطبوعہ مضامین کا مجموعہ ایک نئی کتاب بن جائے، اس میں کوئی امر مانع نہیں لیکن انتخاب میں نہیں کر سکتا۔ دم آخر ایک نظر ثانی بھی کرنی چاہیے، بعض وقت طباعت کی غلطیاں بھی ہوا کرتی ہیں۔ بہرحال آپ نے میری عزت افزائی فرمائی ہے۔

نیاز مند
محمد حمید اللہ

---

(۱) سیرتِ النبیؐ پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تصنیف (Le Prophete de l'Islam Son Oeuvre:Sa Viet) جو دو جلدوں پر مشتمل ہے، پیرس سے شائع ہوئی ہے۔

(۲) فرانسیسی زبان میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا ترجمہ قرآن "Le Saint Coran" کے اب تک بیس سے زائد ایڈیشن نکل چکے ہیں۔

(۳) فرانسیسی زبان میں سیرتِ النبیؐ کی پہلی جلد کا انگریزی ترجمہ محمود احمد غازی نے کیا ہے۔ اسے The Life and Work of the Prophet of Islam کے عنوان سے ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد نے شائع کیا (۱۹۹۸ء) ہے۔

(۱۱)

باسمه تعالیٰ :حامداً و مصلیاً

4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۴/ رمضان ۱۴۱۳ھ۔

مخدوم ومحترم زادمجدکم۔

گستاخی معاف: کتاب النبات (۱) کا جونسخہ مجھے آیا تھا اس میں بیرونی ٹائٹل سفید کاغذ ہے۔ اندرونی ٹائٹل کی فوٹو کاپی منسلک ہے اس سے آپ کو اندازہ ہو جائے گا کہ یہ ابھی پروف ہی کی حالت میں ہے مگر جلد بندی کے ساتھ (۲) اگر ہمدرد فاؤنڈیشن سے معلوم ہو سکے کہ کتاب کی قیمت فروخت کیا ہے اور تین نسخوں کا خرچ ڈاک کیا ہوگا، تو رقم ارسال کردوں کہ احتیاطاً گھر میں یہ نسخے رکھنا چاہتا ہوں، نہ معلوم کب کسی کو کوئی نسخہ تحفہ دینا ہو۔

قصور معاف۔ زحمت دہی کی معذرت چاہتا ہوں۔ مکان میں سب کو سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

---

(۱) ابوحنیفہ احمد داؤد الدّینوری (م ۲۸۲ھ) کی یہ کتاب ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے مدون و مرتب کی ہے اور بیت الحکمت، (ہمدرد فاؤنڈیشن) کراچی نے، اسے شائع کیا (۱۹۹۳ء) ہے۔

(۲) ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس کتاب کی پروف خوانی سے مطمئن نہ تھے بلکہ اس میں موجود اغلاط پر کبیدہ خاطر تھے، دیکھئے: محمد حمید اللہ بنام مظہر ممتاز قریشی، مؤرخہ ۱۸/ اپریل ۱۹۹۴ء از پیرس در ''ارمغان'' شمارہ ۴، ۵ (جولائی۔ دسمبر ۱۹۹۴ء)، ص

(۱۲)

باسمہ تعالیٰ: حامداً و مصلیاً

4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

۱۲/۱۴/ ۱۹۹۴ء

مخدوم و محترم زاد مجدکم۔

سلام مسنون۔ ابھی دو دن ہوئے آپ کا کرم نامہ ملا۔ آپ کے خط پر ۱۳/ جنوری لکھا ہے۔ عرصے سے آپ کا کوئی خط نہیں ملا۔ یہ پہلا خط ہے۔ ڈاک کی حالت کے باعث رجسٹری سے بھیج رہا ہوں۔

مندرجہ حالات کی اطلاع سے دلی مسرت ہوئی۔ آپ مجھ سے پچاس سال پہلے کے قصے پوچھ رہے ہیں۔ اگر لکھ سکا تو ضرور آپ کی خدمت میں ارسال کروں گا۔ حافظہ بہت خراب ہو گیا ہے۔ صحت ابھی کمزور ہے۔

رضی الدین صاحب (۱) کی علالت سے افسوس ہوا۔ اللہ انہیں جلد صحت کاملہ عطا فرمائے۔

مکان میں سب کو مجھ ناچیز کا سلام پہنچائیں۔

خادم ناچیز

محمد حمید اللہ

---

(۱) ڈاکٹر رضی الدین صدیقی مرحوم، سابق وائس چانسلر عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد دکن وقائد اعظم یونیورسٹی، اسلام آباد۔

(۱۴)

بنام پروفیسر محمد اکرام صدیقی

4- Rue de Tournon,
75006 Paris-/France.

۶ ربیع الآخر ۱۴۰۱ھ۔

مخدوم زادمجدکم (۱)۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

عنایت نامہ ملا۔ ممنون ہوا۔ میں نے فوراً مبارک لا باریئر صاحب (۲) کو خط لکھا۔ اس خط کے پہنچنے سے قبل وہ آپ کو لکھ چکے تھے۔ مکرر خلاصہ یہاں درج کرتا ہوں:

انہوں نے پہلی دفعہ پاریس کے بنک Credit Lyonnais کے توسط سے ۹۰۵۰ ڈالر بک ہاؤز لمیٹڈ کے لیے بھیجے (بتوسط یونائیٹڈ بنک، شارع قائداعظم برانچ، لاہور، بک ہاؤز اکاؤنٹ ۱۷۷۶، مورخہ ۱۴؍دسمبر ۱۹۷۹ء)

اس کے بعد دوسری مرتبہ ۵۱ ڈالر اسی بنک کے توسط سے یونائیٹڈ بنک، رنگ محل برانچ، پوسٹ بکس ۶۲۹، لاہور کے نام، بک ہاؤز اردو بازار پوسٹ بکس ۷۳۴، لاہور کے لیے بھیجے۔

مبارک صاحب کو کبھی بک ہاؤز کے لفافے میں، کبھی قاضی پبلی کیشن کے لفافے میں جواب آتے رہے۔ ضرورت پر بنک کی رسیدوں کے فوٹو کاپی بھیجے جائیں گے۔ توقع ہے کہ مذکورہ تفصیلیں پتہ چلانے کے لیے کافی ہوں گی۔

Mr. Labarriere
9, Avenue de 8- Mais- 1945,
Pantin, France.

تکلیف ہوتی ہے کہ پاکستان کے بنک مثالی انتظام میں نظر نہیں آتے۔ کراچی ہو کہ لاہور۔ چند دن ہوئے میرے ساتھ لاہور میں یوں ہوا کہ حبیب بنک The Mall برانچ نے میرے ڈسلڈ ورف Dusseldorf کے کامرس بنک کے کھاتے میں کچھ رقم جمع کرائی۔ دریافت پر جرمنی بنک نے کہا کہ حبیب بنک نے اور کوئی تفصیل نہیں دی۔ میں نے راست حبیب بنک، دی مال، لاہور کو خط لکھا کہ یہ رقم کس لیے بھیجی گئی ہے؟ ڈیڑھ دو مہینے ہو گئے تا حال کوئی جواب نہیں دیا۔ میں نے یہاں پاکستانی سفارت خانے کو اطلاع دی۔ مگر تا حال وہاں سے بھی کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ (میں کراچی کے بنک کی ''کرمفرمائی'' سے آپ کو پریشان نہ کروں گا) لاہور کا معاملہ 8.8.1980 کا ہے اور رقم ۶۳ء۳۵ جرمن مارک ہے۔ اگر آپ کو مناسب معلوم ہو تو لاہور محلّہ مال کی حبیب بنک کے ڈائریکٹر کو ٹیلیفون پر اطلاع دیجئے۔ شاید کچھ توجہ ہو۔ آپ کا دلی شکریہ۔ خدا برکات دارین سے نوازے۔

کیا آپ مجھے قرآن مجید کا پشتو ترجمہ مہیا فرما سکتے ہیں؟ ہدیہ اور مصارف ڈاک سے اطلاع دیں تو پیشگی رقم ارسال کرسکتا ہوں۔

محمد حمید اللہ

---

(۱) پروفیسر محمد اکرام صدیقی (برادر خورد پروفیسر عبدالحمید صدیقی مرحوم، سابق مدیر ''ترجمان القرآن'') منتظم اعلی، قاضی پبلیکیشنز، اردو بازار، لاہور۔

(۲) فرانسیسی نومسلم جو ڈاکٹر صاحب کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوئے۔

(۱۴)

بسم اللہ

۲۷/ جمادی الاولی ۱۴۰۱ھ۔

محترم ومکرم زادمجدکم۔

سلام مسنون ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ خدا آپ کو جزائے خیر دے۔ آپ نادرِ روزگار لوگوں میں سے ہیں جو لِلّٰہ خدمتِ خلق کرتے ہیں۔ خدا آپ کو حسناتِ دارین عطا فرمائے۔

کل آپ کا ۲۴/ مارچ ۱۹۸۱ء کا خط (KP/786/1827) پہنچا۔ آج مبارک لاباریؑ صاحب سے ملاقات ہوئی۔ ان کے خطوط کا جواب کبھی بک ہاؤز کے لفافے میں اور کبھی قاضی پبلی کیشن کے لفافے میں آتے رہے اور یہ غلط فہمی کا باعث رہا۔ اور تا حال معلوم نہ ہوسکا کہ ان دونوں کمپنیوں یا ان کے مالکوں میں باہم کیا تعلقات ہیں۔ اسی لیے یہ واضح نہ ہوسکا کہ جس کمپنی کو باہر سے آئی ہوئی رقم بنک نے پہنچائی وہ کیوں آرڈر کی تعمیل نہیں کرسکتے ہیں؟ اور آپ فرماتے ہیں کہ راست ان کو لکھ کر حساب طے کیا جائے۔ مگر اس کا مطلب واضح نہیں: کیا ان کو یہ لکھا جائے کہ رقم واپس کردیں؟ یا یہ کہ رقم آپ کو دے کر آپ سے مطلوبہ کتابیں حاصل کرکے مبارک لاباریؑ صاحب کو بھیجیں؟ آپ یہ کتابیں مفت بھیجنا چاہتے ہیں۔ خدا آپ کو ہزاروں ہزار نوازے، لیکن کیوں؟ جب رقم آچکی ہے تو اس سے استفادہ کیوں نہیں کیا جاسکتا؟ ممکن یہ ہے کہ آپ کے نجی معلومات ہوں۔ بہرحال مکرر آپ ہی کو زحمت دے رہا ہوں کہ مجھے ہدایت فرمائیں کہ بک ہاؤز کو مبارک لاباریؑ صاحب کیا لکھیں؟ کیا اچھا ہوا گر یہ گتھی وہیں حل ہوجائے ؎

من نگویم کہ این نکن آن کن   مصلحت بین و کار آسان کن

احتیاطاً طلب کردہ کتابوں کی فہرست یہاں درج کرتا ہوں۔

Miftahul Quran 2 Vols.

Steingass: Arabic English Dictionary.

Siddiqi, Penal Law of Islam.

Mathews, The Guide for Hajj & Umra.

Determination of Direction of Qibla.

Pickthall, Meaning of the Glorious Qur`an.

Steingass, English Arabic Dictionary.

Siddiqi, Animal Sscrifice in Islam.

Qazi, What is a Muslim Name?

Contribution of Indo- Pakistan to Arabic Literature
(Mr. Labarriere, 9 Av. De, 8- Mais, 45, 93500- Pantin/France.)

یہ تو ہوا ہمارے نومسلم بھائی کا حصہ۔

آپ نے پشتو ترجمہ قرآن مجید کے بھیجنے کا ذکر فرمایا ہے۔ دلی شکریہ۔ مگر برائے خدا، ہدیہ اور ڈاک کے مصارف سے بھی تو اطلاع دیجئے تا کہ فرض کی ادائی کرسکوں۔

اگر میں یہاں سے آپ کی کوئی خدمت کرسکتا ہوں تو بے تکلف تحریر فرمائیں، ان شاء اللہ تعمیل کی مسرت حاصل کروں گا۔

مخلص

محمد حمید اللہ

4- Rue de Tournon,
Paris-75006/ France.

۱۶/ جمادی الآخرۃ ۱۴۰۱ھ۔

محترم پروفیسر صاحب دامت افضالکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

آپ نادرروزگار آدمی ہیں۔ کثر اللّٰہ فینا امثالکم میں نے آپ کا خط مبارک لا بار یئر صاحب کو سنایا۔ سمجھ گئے۔ بک ہاؤس کو لکھ رہے ہیں۔ خدا کرے کام بن جائے۔ چاہے دیر آید درست آید کا مصداق ہی کیوں نہ ہو۔ آپ نے پشتو ترجمہ قرآن روانہ فرمایا ہے۔ آپ ہی کی طرح میرے بھی کچھ اصول زندگی ہیں۔ اگر آپ ہدیہ بیان نہ فرمائیں تو ساری عمر کوفت رہے گی کہ اس کو کیوں لکھا، کسی اور کو کیوں نہ لکھا؟ کرم فرمائیں خدا آپ کو دہری جزائے خیر دے گا۔

نیازمند

محمد حمید اللہ

مکرر۔

غالباً آپ کے ہاں کتابیں چھپتی ہی نہیں بلکہ بکتی بھی ہیں۔ ایک تازہ نادر کتاب کا پتہ لکھتا ہوں۔ ابن اسحاق (وفات ۱۵۱ھ) کی سیرت نبویہ جو عربی میں ہے اور سیرت کی اہم ترین بھی اور قدیم ترین بھی کتاب ہے، ابھی ابھی قونیہ (ترکی) میں چھپی ہے۔ (۱) چاہیں تو منگوالیں اور ملک میں پھیلائیں: سیرت ابن اسحاق:

Hayra Hizmet Vakfi
Nesriyat Mudurlugu
Aziziye Camii Yani, No.42,
Konya/ Turkey.

---

(۱) ابن اسحاق کی سیرت النبیؐ کو ڈاکٹر صاحب نے مرتب و مدون کیا ہے۔

4- Rue de Tournon,
75006-Paris/France.

۳/شعبان ۱۴۰۱ھ۔

مخدوم ومحترم زاد فیضکم

کل شام کی ڈاک میں قرآن مجید کے پشتو ترجمے کا پارسل پہنچ گیا دلی مسرت سے رسید پیش کررہا ہوں۔میرا گزشتہ عریضہ آپ کو مل گیا ہوگا۔ جواب کا انتظار ہے کہ اس ترجمے کے اور ڈاک سے ارسال کے مصارف کتنے ہوئے ہیں، تاکہ ارسال کا فریضہ انجام دے سکوں۔اس کے بغیر سکونِ قلب حاصل نہ ہو سکے گا۔خدارا اس طرف توجہ فرمائیں۔

یہ بھی ممکن ہے کہ آپ بدلے میں یہاں کی کتابیں منگوائیں۔دو کاروباری چیزیں عرض کروں گا، برا نہ مانیں:

پارسل پر آپ نے صرف مرسَل اِلیہ کا نام لکھا ہے۔مرسِل کا نہیں۔ یہ مناسب نہیں۔بعض وقت بستہ مرسل الیہ کو وفات سے، پتے میں سہو ہونے سے یا کسی اور وجہ سے نہیں پہنچتا۔مرسل کا پتہ ہو تو وہ اسے واپس ہو سکے گا ورنہ ڈاک اسے تلف کردے گی۔

فرانس کی حد تک بجز مجبوری کے کتابیں بک پوسٹ سے بھیجیں پارسل سے نہیں۔فرانس میں ہر پارسل چنگی سے گزرتا ہے اور اس پر محصول لگتا ہے۔

مبارک لاباریئر صاحب کا معاملہ ابھی چل رہا ہے۔ممکن ہے سفارت اور وزارت تک جائے۔آخر میں مکرر آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔آپ کا دعا گو۔

فقیر حقیر

محمد حمید اللہ

مکرر:

① آپ کو زحمتِ تحریر تو دینا نہیں چاہتا لیکن یہ معلوم کرنے کی خواہش ضرور ہے کہ آپ کس موضوع پر تعلیم دیتے ہیں؟(۱)

② صحیح بخاری کا فرانسیسی ترجمہ ساٹھ ستر سال پہلے چھپا تھا۔ Heudas & Marcais دو مترجموں کا کیا ہوا۔ اب اس کا غلط نامہ ایک کامل جلد (تین سو صفحوں والی) میں چھپا ہے۔ اگر اصل ترجمہ جو چار جلدوں میں ہے، لاہور یونیورسٹی لائبریری یا اوری اینٹل کالج میں ہو تو یہ نئی جلد ان کے لیے ضروری ہے۔ میں آپ کو بھجوا سکتا ہوں۔ صحیح بخاری کا انڈکس بھی فرانسیسی زبان میں تیار کر رہا ہوں۔ ان شاء اللہ چھپ جائے تو مفید ہوگا۔(۲)

---

(۱) سابق پروفیسر بائیالوجی، اسلامیہ کالج سول لائنز، لاہور۔

(۲) فرانسیسی زبان میں ڈاکٹر صاحب کا مرتب کردہ بخاری شریف کا وضاحتی اشاریہ تاحال طباعت واشاعت کا منتظر ہے۔

(۱۷)

بنام ڈاکٹر معین الحق

4- Rue de Tournon,
Paris-6/ France.

ذی حجہ ۱۴۰۹ھ۔

مخدوم ومحترم زادمجدکم (۱)

سلام مسنون۔ عید مبارک۔ آج ہی ۹ رجولائی کا کرم نامہ ملا۔ مسرت وممنونیت کا باعث ہوا۔ حکیم محمد سعید صاحب کے لیے میں بھی دعا گو اور آپ کی دعاؤں میں شریک ہوں۔

میں تو آج کل کچھ نئی علمی خدمت سے عاجز ہوں کہ زیر علاج ہوں۔ یہاں انگریزی میں لکھنے والے عنقا ہیں۔

میری کتاب الوثائق السیاسیه کی بدقسمتی ہے کہ وہ بیروت میں چھپی ہے جہاں سے ڈاک آج کل بند ہے۔ نہ خط، نہ پارسل۔ کتاب مذکور کا چھٹا اڈیشن نکل چکا ہے (اور الحمد للہ ہر اڈیشن میں سابق پر کچھ اضافے ہی ہوتے رہے ہیں)۔ میرے ہاں ذاتی نسخے کے سوا کوئی اسٹاک نہیں اور نہ میرے علم میں شہر پاریس میں کسی کتب فروش کے ہاں وہ موجود ہے۔ بہترین طریقہ یہ ہو کہ بیروت کے سفارتِ پاکستان کا توسط لیں۔ جیسا کہ عرض کیا، اس کا چھٹا اڈیشن نکل چکا ہے۔ میرے ہاں گھر میں اتفاق سے چوتھے اڈیشن کا ایک فالتو نسخہ ہے۔ ضرورت ہو اور کارآمد ہوسکتا ہو تو وہ آپ کی خدمت میں گزران سکتا ہوں۔ (اردو ترجمہ بہت پرانے اڈیشن سے کیا گیا ہے)۔ (۲)

میری مطبوعات کی منتخب فہرست جو ۱۹۸۰ء میں چھپی (۳) وہ تو ابھی موجود ہے لیکن ظاہر ہے بعد از وقت چیز ہے۔ اب مطبوعہ مقالوں کی فہرست ہزار تک پہنچ گئی ہے کتابیں الگ ہیں۔ باقی اس فہرست کی طباعت کی شاید کوئی ضرورت نہیں۔ آج ہی صبح کی ڈاک میں شرح السیر الکبیر للامام محمد (شارح سَرَخسی) کے فرانسیسی ترجمے کی پہلی جلد آئی (۴) اور پرانی فہرست میں اضافے کا باعث بنی ہے۔ یہ چار جلدوں میں ہوگی۔

پاکستان ہجرہ کاونسل کے ہاں بھی ایک کتاب چھپ رہی ہے۔(۵) ہمدرد فاؤنڈیشن میں بھی ایک کتاب ہے۔(۶) مدراس میں بھی ایک کتاب زیرطبع ہے وغیرہ وغیرہ۔

خدا کرے آپ خیروعافیت سے ہوں۔آپاجان کوبھی سلام۔

خادم

محمد حمید اللہ

---

(۱) ڈاکٹر معین الحق مرحوم، سابق صدر ''پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی'' کراچی۔

(۲)''الوثائق السیاسیۃ'' کا اردو ترجمہ مولانا ابو یحییٰ امام خان نوشہروی نے کیا ہے۔اسے ''سیاسی وثیقہ جات'': از عہدِ نبویؐ تا بہ خلافت راشدہ'' کے عنوان سے مجلس ترقی ادب، لاہور، نے شائع (طبع اول ۱۹۶۰ء) کیا ہے۔ڈاکٹر محمد حمید اللہ اس اردو ایڈیشن کو ناقص خیال کرتے تھے، دیکھئے: ''خطباتِ بہاولپور''، اسلام آباد، ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، ۱۹۸۸ء، ص ۴۲۸۔

(۳) فہرست محولہ بالا کو ڈاکٹر صاحب کی ایک عزیزہ عائشہ بیگم نے ۱۹۸۰ء میں فلاڈلفیا (امریکہ) سے شائع کیا تھا۔

(۴) ڈاکٹر صاحب کے قلم سے مذکورہ کتاب کا فرانسیسی ترجمہ انقرہ، ترکی سے چار جلدوں میں شائع ہو چکا ہے۔

(۵) ھجرہ کونسل نے ڈاکٹر صاحب کی انگریزی کتاب بعنوان:

"The Prophet's Establishing a State and His Succession"

شائع کی (۱۹۸۸ء) ہے۔

(۶) کتاب النبات، کی طرف اشارہ ہے۔

(۱۸)

بنام ڈاکٹر محمد صابر

4- Rue de Tournon,

Paris-75006/ France.

NATIONAL HIJRA CENTENARY CELEBRATIONS COMMITTEE

کراچی ۲۶ ربیع الانور ۱۴۰۲ھ۔

محترمی زادمجدکم (۱)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

میں ان شاء اللہ چند گھنٹوں میں پرواز کررہا ہوں ـــــ فی امان اللہ.

آپ کی بے پایاں عنایتوں کے شکریے کے لیے الفاظ نہیں پاتا۔ جزاکم اللہ خیر الجزاء۔

دو ایک تکلیفیں دینی ہیں:

ایک خاتون نے آپ کے جلسے کے دن مجھ سے دریافت کیا تھا کہ عہد نبوی کی عورت طبیبوں کے نام بتاؤں۔ حضرت عائشہؓ اور حضرت رفیدہؓ انہیں معلوم تھیں۔ اگر آپ ان سے مل سکیں تو ان سے فرمایئے (مجھے ان کا نام تک معلوم نہیں کہ راست خط لکھ سکوں) کہ ایک حضرت ام وَرَقہؓ بھی ہیں جو جنگ بدر کے وقت نرس بننا چاہتی تھیں لیکن رسول اللہ نے کہا کہ "یہ سخت خطرے کا وقت ہے، تم اس مہم میں نہ آؤ" یہ حافظِ قرآن بھی تھیں۔ اور اپنے محلّے کی مسجد میں مردوں عورتوں سب کی امام بھی تھیں۔ (۲) ان کا ذکر ابو داؤد میں ہے۔ (۳)

دوسرے، ایک اور نرس لڑکی تھی جو غزوۂ خیبر کے وقت اثناءِ سفر میں ایام آنے سے بالغ ہوئی تھی۔ اس کا ذکر ابن ہشام نے کیا ہے۔ (۴)

استانبول میں ہمایوں بادشاہ کا خط ہے۔ آپ نے ایک بار اس پر غالباً مضمون لکھا تھا۔ یہ کب اور کہاں چھپا تھا؟

③ غالباً آپ کے ہاں کچھ کتابیں مجھے بھیجنے کے لیے آئی ہیں۔ التماس ہے کہ انہیں پارسل کر کے کبھی نہ بھیجئے (کہ تیس چالیس روپے چنگی لازماً دینی ہوتی ہے) بلکہ بک پوسٹ کے طور پر۔
مکرر دلی شکریہ۔

مخلص

محمد حمید اللہ

مکرر: میرا بہترین پتہ یہ ہے: ''دَربان، برائے حمید اللہ'' یعنی

LA CONCIERGE
(Pour M. Hamiddullah)
4, Rue de Tournon,
F.75006-Paris/ France.

---

(۱) ڈاکٹر محمد صابر، پروفیسر شعبہ تاریخ اسلام، کراچی یونیورسٹی، کراچی۔

(۲) عورت کی امامت وحکمرانی کے بارے میں محمد حمید اللہ کے خیالات اوران کے تنقیدی کے جائزہ کے لیے دیکھئے: محمد حمید اللہ، ''خطبات بہاولپور''، اسلام آباد: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی (اشاعت ہشتم ۲۰۰۲ء)، ص ۳۰-۳۲، ۳۷۶؛ وہی مصنف، ''عورت کی امامتِ مسجد''۔ ڈاکٹر صاحب کے قلم سے یہ اصل تحریر مظہر ممتاز قریشی (شرف آباد، کراچی) کے ہاں موجود ہے، انہوں نے ازراہ کرم اس کا زیراکس اس مرتب کوفراہم کیا ہے۔؛ ''عورت کی حکمرانی: مدیر تکبیر [محمد صلاح الدین مرحوم] اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے درمیان ایک اہم مسئلہ پر فکر انگیز مراسلت''، در تکبیر، ۱۵:۱۴ (۲-۸/اپریل ۱۹۹۳ء) ص ۹-۱۱؛ محمد حمید اللہ بنام مظہر ممتاز قریشی، مؤرخہ ۲۲/جمادی الآخرۃ ۱۴۰۹ھ، مؤرخہ ۱۵/رجب ۱۴۰۹ھ در ''ارمغان'' شمارہ ۴، ۵ (جولائی-دسمبر ۱۹۹۶ء) ص ۹۲-۹۳/۹ ذی القعدہ ۱۴۱۲ھ، ص ۱۲۰؛ فخر الدین صدیقی، ''اسلام میں عورت کی حکمرانی''، در ''جنگ'' (راولپنڈی)، ۱۶/جون ۱۹۹۲ء؛ وہی مصنف، ''اسلام میں عورت کی حکمرانی کی گنجائش نہیں''، در ''نوائے وقت'' (کراچی)، ۲۰ جون ۱۹۹۲ء، ۲۱/جون ۱۹۹۲ء؛ رضوان علی سید، ''عورت کی سربراہی''، در ''جنگ'' (راولپنڈی)، ۱۵ جون ۱۹۹۲ء؛ علامہ عنایت اللہ گجراتی، ''عورت کی سربراہی''، در ''جنگ'' (راولپنڈی)، ۱۱/جون ۱۹۹۲ء؛ محمد الیاس اعظمی، ''عورت کی سربراہی''، در ''جنگ'' (راولپنڈی)، ۱۸/جون ۱۹۹۲ء۔

(۳) دیکھئے: سنن ابوداوٗد، باب امامۃ النساء، حدیث نمبر ۵۹۱، ۵۹۲۔

(۴) دیکھئے: ابن ہشام، ''السیرۃ النبویۃ''، القاہرہ: شرکۃ مکتبۃ مصطفیٰ البابی الحلبی، ۱۹۵۵ء حصہ دوم، ج ۳، ۴، ص ۳۴۲-۳۴۳

(۱۹)

بسم اللہ

پارلیس ۲۴ محرم ۱۴۰۳ھ۔

محترم ومکرم زادمجدکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔عنایت نامہ ملا۔ممنون ہوں۔عجلت میں ہوں۔اس لیے قصور معاف فرمادیں۔

① میں ۱۹۰۴ء کی ذاکرحسین کی کتاب تاریخ اسلام سے ناواقف ہوں۔ویسے تاریخ اسلام پر ابن خلدون کی عربی تاریخ اسلام کا اردو ترجمہ ہوا تھا۔وہ اس سے قدیم تر معلوم ہوتا ہے۔

② میری غالباً لندن میں چودھری رحمت علی مرحوم سے مختصر ملاقات تو ہوئی تھی۔لیکن ان کے متعلق دیگر حوالوں سے میں واقف نہیں ہوں۔

③ خطبات بہاولپور کا میں نے ۲۶ صفحوں ایک غلط نامہ ناشر صاحب کو بھیجا تھا۔غالباً نہ چھاپا گیا۔ایک خلاصہ رسالہ ''فاران'' کراچی کے فروری ۱۹۸۲ء نمبر کو ضرور فراہم فرمائیں۔مصحف حضرت عثمانؓ پیٹرسبورگ (حال لینن گراڈ) میں تھا جہاں سمرقند کی فتح کے بعد روسی اس کو لوٹ کر لے گئے تھے اس کے وہاں سے دوبارہ ترکستان بھیجنا ایسا واقعہ ہے جو خود جنرل علی اکبر توپچی باشی نے مجھ سے پارلیس میں (جہاں وہ پناہ گزین تھے) بیان کیا تھا۔(۱)

ان کا ابھی حال میں پارلیس ہی میں انتقال ہوگیا ہے۔ادر معلومات کا مآخذ اب میری اپنی روایت ہی ہے۔ میں نے اپنے لکچر میں ''رائے'' نہیں دی ہے، معلومات بیان کئے ہیں، واقعے کا ذکر کیا ہے۔ استانبول کے نسخے پر آیت فسیکفیکھم اللّٰہ(۲) پر خون کے دھبے میں نے توپ قاپی میوزیم کے نسخے میں دیکھے ہیں۔(۳)

اسی آیت پر تاشقند کے نسخے میں کوئی دھبے نہیں ہیں۔ اور تاریخ میں اسی آیت پر خون گرنے کا ذکر آتا ہے۔ امریکا میں تاشقند کے نسخے کا ری پرنٹ شائع ہوا ہے۔(۴) اس کے دیباچے میں بھی میں نے یہ معلوم لکھے ہیں۔ اس کا پتہ ہے:

Hyderabad House,
145 BS. 13th Street,
Room 400,
Philadelphia, PA., 19107

کوئی اور خدمت؟

مخلص

محمد حمید اللہ

---

(۱) مصحفِ عثمانی کے بارے میں مزید معلومات کے لیئے دیکھیے: ''خطباتِ بہاولپور''، اسلام آباد: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، طبع ہشتم، ۱۹۸۸ء، ص ۱۸-۲۲۔

(۲) القرآن الحکم، ۲: ۱۳۷۔

(۳) اس بارے میں مزید معلومات کے لیئے دیکھیے، ''خطباتِ بہاولپور'' اسلام آباد: ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، اشاعت ہشتم ۲۰۰۲ء، ص ۱۸-۲۲؛ محمد حمید اللہ، عرض حال (مقدمہ تفسیر حبیبی)، ص ۱۰۰-۱۰۲۔

(۴) ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے تاشقند سے اس نسخہ کے فوٹو حاصل کئے تھے۔ ڈاکٹر صاحب کے ایک قریبی عزیز احمد عبدالخالق نے اسے مکہ مسجد، فلاڈلفیا سے شائع کیا ہے۔

(۲۰)

بنام محمود عالم

باسمہ تعالیٰ

Exp.
Hamidullah,
4, Rue de Tournon,
75006- Paris/ France.

۲۲/۵/ ۱۹۹۰ء۔

محترم جناب محمود عالم صاحب زادمجدکم (۱)

سلام مسنون۔آج آپ کا تار پہنچا۔سرفراز کیا۔اس سے پہلے آپ کا کوئی خط نہیں ملا تھا کہ جواب دیتا۔ آپ کا کراچی کا اڈریس بھی میرے پاس نہیں ہے۔

مجھے ریاض سے ایک خط آیا تھا اندر ایک چک بھی تھا۔میں نے اسے نہیں بھُنایا کہ ارسال کی ضرورت سمجھ میں نہیں آئی۔میری عمر ۸۷ سال سے متجاوز ہوگئی ہے اور تھکن بھی بہت ہے۔اس لیے دوستانہ خط و کتابت کم ہی کرتا ہوں۔کوئی معین امر دریافت طلب ہو تو فرمائیں،ان شاءاللہ فوراً جواب دوں گا۔

خادم

محمد حمید اللہ

---

(۱) محمود عالم حیدرآباد میں پاکستان ریلوے کے ایک ملازم تھے،اور ڈاکٹر صاحب سے عقیدت ومحبت رکھتے تھے۔ان کے بارے میں مزید دیکھئے:محمد حمید اللہ بنام مظہر ممتاز قریشی مورخہ ۲۲مئی ۱۹۹۵ء،در''ارمغان''،حوالہ مذکورہ،ص ۱۵۵۔

(۲۱)

نامعلوم مکتوب الیہ

4, Rue de Tournon,
75006- Paris/France.

۱۹/رجب ۱۴۰۲ھ۔

مکرمی زاد لطفکم (۱)

فلاڈلفیا سے آپ کی یادفرمائی کا کئی بار ذکر آیا تھا۔ جزاکم اللہ۔ ابھی ابھی آپ کی دو کتابوں کا بستہ بھی پہنچا ہے۔ دلی شکریہ عرض کرتا ہوں۔ آپ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ قانون کے ساتھ تصوّف سے بھی دلچسپی لی ہے اور اتنی کہ اس پر کتابیں لکھ ڈالی ہیں۔ سفر پر پابرکاب ہیں واپسی پر ان شاء اللہ اوقات فراغ میں اسے رفتہ رفتہ پڑھوں گا اور استفادہ کروں گا۔

مکرر شکریہ عرض کرتا ہوں۔

ناچیز

محمد حمید اللہ

---

(۱) مکتوب الیہ کون ہیں یہ معلوم نہیں ہوسکا۔ ڈاکٹر صاحب کا یہ خط اس حال میں ملا ہے کہ اس پر مرسل الیہ کا اتہ پتہ باقی نہیں رہا۔

(۲۲)

بنام محمد فاروق

بسم اللہ

۲۷/رمضان ۱۳۹۵ھ۔

پنجشنبہ

4,Rue De Tournon

F. 75006, Paris/ France.

مکرمی جناب فاروق صاحب، دام لطفکم (۱)

سلام مسنون، عید مبارک، امید کہ وہاں سب خیر و عافیت ہوگی۔

الحمد للہ میری صحت اچھی ہے، تراویح کو جاتا رہا ہوں۔ یہاں مالکی مذہب کے باعث بیس کی جگہ آٹھ رکعتیں پڑھتے ہیں۔ روزانہ ایک پارہ ہوتا ہے۔ لیکن لیلۃ القدر کے موقع پر چار پارے پڑھ کر قرآن کا ختم کرتے ہیں۔ اس طرح آٹھ کی جگہ بیس رکعت تراویح ہوتی ہے۔ آخری تین دن ''اَلَمْ تَرَ'' سے پڑھتے ہیں اور آٹھ آٹھ رکعت۔ رمضان اب آہستہ آہستہ گرمیوں میں آ رہا ہے۔ اس سال یکم رمضان کو افطار کا وقت سات بج کر بیس منٹ پر ہوا۔ طویل ترین دنوں میں ساڑھے نو بجے رات کو افطار ہوتی ہے۔ تراویح کا آغاز تب گیارہ بجے رات کو ہوگا اور دو گھنٹے چلے گی۔ سویڈن ناروے میں تو حرکت آفتاب کا اتباع بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔ مکان میں سب کو سلام، عید مبارک۔

محمد حمید اللہ

---

(۴۹) کراچی میں مقیم ڈاکٹر صاحب کے ایک عزیز جوان کی کتابوں کی اشاعت وتجارت میں دلچسپی رکھتے تھے۔

8959- Weissensee/ West Germany

۴ / جمادی الآخرہ ۱۳۹۶ھ

عزیزی جناب فاروق صاحب، دام لطفکم۔

سلام مسنون۔ خیر و عافیت کا طالب میں ترکی میں تھا...................... آپ کا خط بھی پاریس ہو کر آیا، دلی شکریہ۔

بزم ادب کا وسیع کتب خانہ کچھ تو میرے بھتیجے عطاء اللہ کے پاس ہے اور کچھ خانہ خلیل (۱) میں۔ اگر خانہ خلیل کا تخلیہ کرنا ہو تو کتابوں کے لیے کمرے کا سوال ہوگا جو فی الحال نہیں ہے۔

''محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم'' (۲) وطن میں چھپی۔ مقصد یہ تھا کہ وہاں کے مسلمانوں کی روز افزوں زبوں حالی میں ایک چھوٹا سا ذریعہ معاش مہیا کرسکوں۔ کوئی پاکستانی تاجر کتب اسٹاک کرنا چاہے تو فرانس منگا کر وہاں بھیج سکتا ہوں (یعنے ڈبل مصارف ڈاک پر)، بشرطیکہ وہ رقم فرانس بھیج سکے (کم توقع ہے کہ اتنا حوصلہ وہاں کے کسی تاجر میں ہو حالانکہ بات آسان ہے۔ بنک جا کر قواعد معلوم کرنا اور رقم کی ارسال کی کاروائی کرنا ہوتا ہے)۔

سیرت کانگریس کے زمانے میں میں ترکی میں تھا۔ مجھے یاد نہیں کہ سقوط حیدرآباد کے مضمرات اب سے تیس سال قبل میں نے کیا لکھے تھے۔

ایک ماہ جرمنی میں مختلف مقاموں پر لکچروں کی دعوت ہے ان شاء اللہ رجب کے آغاز میں پاریس واپس چلا جاؤں گا۔ گزشتہ سال کی طرح اس سال بھی استانبول کی جگہ جامعہ ارض روم میں کام کیا۔ (۳)

بہت دیندار علاقہ ہے۔ شہر میں آج بھی کافی عورتیں، بوڑھی ہی نہیں نوجوان بھی چہرا چھپانے والے برقع میں سڑکوں پر ملتی ہیں۔ وہاں کے کلیہ علوم اسلامیہ سے اولین طیلسان نکل رہے ہیں، ان میں پانچ سات لڑکیاں بھی ہیں۔ یہ شہر روس جارجیا (گرجستان) کی سرحد پر ہے۔

پہلی جنگ عظیم کے زمانے میں چند ماہ روسی قبضہ میں رہا۔انہوں نے مقامی کتب خانے لوٹ لیے او ربڑی مسجدیں توڑ دیں۔اب شہر دوبارہ ترقی کررہا ہے۔کئی دکانیں اور کارخانے چالو ہوگئے ہیں اور دیگر زیرتعمیر ہیں۔ورنہ آب و ہوا ہے کہ وہاں نہ پھل ہوتا ہے نہ پھول۔سال کے بارہ مہینے شہر میں ٹیلوں پر برف جمی رہتی ہے۔سردیوں میں (40^{0}) پر پارہ اتر آتا ہے۔

گھر میں سب کو سلام۔

محمد حمید اللہ

---

(۱) کٹل منڈی، حیدرآباد دکن میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا آبائی مکان جوان کے والد ابو محمد خلیل اللہ (م۱۳۶۳ھ) کے نام کی نسبت سے افراد خاندان میں خانہ خلیل کے نام سے معروف ہے۔

(۲) سیرت النبیؐ پر انگریزی زبان میں محمد حمید اللہ کی یہ تصنیف حیدرآباد دکن سے ۱۹۷۴ء میں چھپی، پاکستان میں اسے ادارۂ اسلامیات، اور قاضی پبلی کیشنز (لاہور)، نے الگ الگ شائع کیا ہے۔

(۳) جامعہ ارض روم اور ترکی کی دیگر جامعات میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی تدریسی و تحقیقی سرگرمیوں اوران کے اثرات ونتائج کے جائزہ کے لیے دیکھئے:

Mahmud Rifat Kademoglu,"Remembering Muhammad Hamidullah", in Islam & Science,1:1 (2003), pp:143-152;Yusuf Zia Kavakci,"The Debt We Owe in Turkey" in Impact International,30:1-3 (January -March 2003),pp:34-36

مزید دیکھئے: امین اللہ وثیر، ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ: چند یادیں'' در''اورینٹل کالج میگزین''، ۷۸: ۳، ۴(۲۰۰۳ء)، ص۹۳-۹۸؛ ڈاکٹر محمد صابر، ''ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ساتھ تین سال''، در''ڈاکٹر محمد حمید اللہ''، مرتبہ محمد راشد شیخ، حوالہ مذکورہ ص۱۹۷-۲۱۲، ڈاکٹر نثار احمد اسرار، ڈاکٹر محمد حمید اللہ ترکی میں'' در''ڈاکٹر محمد حمید اللہ''، مرتبہ، محمد راشد شیخ، حوالہ مذکور،

(۲۴)

بسم اللہ

4- Rue Tournon Paris.

۲/مارچ ۱۹۷۳ء، جمعہ۔

عزیزی جناب فاروق صاحب دام لطفکم۔

سلام مسنون۔خیر و عافیت کا طالب۔میں ان شاء اللہ آئندہ پیر کو استانبول چلا جاؤں گا۔

وہاں کا پتہ۔

Faculty of Letters, Istanbul.

کل شام حیدر آباد سے اطلاع آئی ہے ''فاروق صاحب کے ذریعے سے کتاب ''تعارفِ اسلام'' طبع کرنے کی بابت عبد الغنی صاحب سے جو رقم وصول طلب تھی ان سے یہ رقم وصول ہو چکی ہے۔ براہ کرم فاروق صاحب کو اس کی اطلاع دے کر تکلیف فرمائی کا شکریہ ادا کر دیں تو مناسب ہوگا۔فاروق صاحب لکھتے ہیں وہاں غیر ممالک کے مصنفین کی درسی کتب ملک میں شائع کرنے پر پابندی ختم کر دی ہے۔اس طرح اب ''تعارف اسلام'' بار ثالث طبع ہوگی تو کوئی معاوضہ ناشر ادا کرنے کا پابند نہ ہوگا۔ بہر حال اس کتاب کا مطالعہ جب تک جاری رہے گا مصنف کے لیے موجب حسنات ہوگا۔''

اطلاعاً عرض ہے۔

ہر شخص کو آزادی ہے کہ حسنات جمع کرے یا سیئات۔اس کتاب کی منفعت سے نئی نئی زبانوں میں ترجمے کرائے جاتے اور چھاپے جاتے ہیں۔

امید ہے کہ وہاں سب خیر و عافیت سے ہوں گے۔

محمد حمید اللہ

---

(۴۵)

بنام پروفیسر حمید احمد خان

بسم اللہ

4- Rue Tournon Paris
75-Paris VI.

۱۶ / جمادی الآخرۃ ۱۳۸۶ھ

مخدومی زاد مجدکم (۱)

آپ کے پیشرو نے مجھ سے ''بیمہ'' پر اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے لیے ایک مقالہ مانگا تھا۔ (۲) اپنے مسلسل سفر و سیاحت میں میں یہ بھول گیا تھا اب یاد آیا تو فوراً ماحضر تیار کر کے ارسال کر رہا ہوں (۳) اگر پسند نہ ہو، یا بعد از وقت ہو تو قصور میرا ہے۔

خدا کرے آپ خیر و عافیت سے ہوں۔

نیاز مند

محمد حمید اللہ

---

(۱) یہ خط پروفیسر حمید احمد خان مرحوم سابق وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی، نگران اعلیٰ مجلس ادارت اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ (۲۷ / جولائی- ۱۳ / نومبر ۱۹۶۶ء) کو لکھا گیا۔

(۲) ڈاکٹر محمد وحید مرزا، مدیر اعلیٰ اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ (مارچ ۱۹۶۳ء- اپریل ۱۹۶۶ء) کی طرف اشارہ ہے، مزید دیکھیے: محمد حمید اللہ بنام حمید احمد خاں، مؤرخہ ۴ / جمادی الآخرہ ۱۳۸۶ھ، از پیرس، در محمود الحسن عارف، ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ''، در ''قافلہ ادب اسلامی''، ۴:۲۱ (۲۰۰۳ء) ص ۱۶۷- ۱۶۸۔

(۳) بیمہ پر محمد حمید اللہ کا یہ مقالہ ''معاقل'' کے عنوان سے اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ، ۲۱:۲۸۲- ۲۸۹، میں شامل ہے، بیمہ کے بارے میں ان کے خیالات کے جائزہ کے لیے دیکھیے: محمود الحسن عارف، ''اردو دائرہ معارفِ اسلامیہ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہ''، حوالہ مذکورہ ص ۱۷۱۔

الدكتور محمد حميد الله حياته وآثاره في الحديث النبويّ والسيرة

* د. تاج الدين الأزهرى

لقد أنزل اللّٰه سبحانه وتعالىٰ كتابه المبين هداية للعالمين ، ونور للمؤمنين ، وحجة على خلق الله أجمعين. ودعا الناس الى التمسك بالسنة عقيدة وعملا. وبيّن أن السنة النبوية مع القرآن الكريم يشكلان الأساس الأصيل لهذا الدين ؛ إذ كان الإيمان بالرسولﷺ أصلا من أصول الدين ، فكان الإيمان بسنته جزء لا يتجزء من الإيمان به عليه الصلاة و التسليم ضرورة ؛ لأنه المبّين للكتاب والمترجم له. قال اللّٰه تعالىٰ :

﴿ وَ أَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْن﴾(١)

وقال سبحانه وتعالىٰ أيضا:

﴿ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِي أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَا قَضَيْتَ وَ يُسَلِّمُوْا تَسْلِيْما ﴾ (٢)

فقد أجمع الفقهاء المسلمون قديما وحديثا من لدن الصحابة إلى يومنا هذا على الاحتجاج بالسنة واعتبارها المصدر الثانى للدين بعد كتاب اللّٰه تعالىٰ ؛ إذ هى المفسّرة لنصوصه والمبيّنة لمعناه بتخصيص عامه وتقييد مطلقه وتوضيح مشكله و تعيين مبهمه وتفصيل مجمله وتمييز منسوخه وتبيين أحكامه.

قد عرف السلف الصالح هذه المكانة الأساسية العظمى للسنة النبوية وقدّروها حق قدرهافتفانوا في حفظها ورعايتها وأودعوها في الصدور والسطور وتعاهدوها جيلا

* الأستاذ المشارك بكلية أصول الدين ، الجامعة الإسلامية العالمية ، اسلام آباد

بعد جيل حريصين كل الحرص على الذب عنها، وإبعاد الدخيل عنها، ونقد رواتها والكشف عن مكنون جواهرها.

عندما تلألأ نور الإسلام شبه القارة الهندية في عهد التابعين بذل المحدثون جهودهم في نشر الحديث في هذه البلاد كغيرها من بلاد الإسلام، وقد مرت هذه الجهود بأدوار مختلفة حتى جاء القرن الثانى عشر الهجرى فدخل علم الحديث في دور جديد عظيم حيث أخذ الشاه ولي الله المحدث الدهلوى وأسرته خدمة الحديث على أكتافهم، وأخذ منهم هذا العلم علماء كثيرون. فمنذ ذلك العصر إلى يومنا هذا فإن علماء شبه القارة بذلوا جهودهم في خدمة هذا العلم من جوانب متعددة قديما وحديثا. ومن هؤلاء الأفذاذ الدكتور محمد حميد الله الذى أفنى حياته في خدمة العلوم الإسلامية عامة والحديث النبوى والسيرة خاصة.

هذا البحث مشتمل على قسمين. القسم الأول حياته والقسم الثاني آثاره في الحديث النبوى والسيرة.

القسم الأول

حياته: ولد الدكتور محمد حميد الله في ١٦ من المحرم الحرام سنة ١٣٢٦هـ يوم الأربعاء الموافق ١٩ من فبراير سنة ١٩٠٨م في حيى حبيب على شاه بكتل مندى بمدينة حيدر آباد الدكن بالهند (٣) كما ذكره بنفسه في هامش كتاب" تذكرة القانون"(٤)

أسرته: كان الدكتور محمد حميد الله ينتمى إلى أسرة مشهورة تسمى "النوائط" في جنوب الهند وكانت عربية الأصل (٥) التى استوطنت على شاطئ الغربى من هذا البلد واشتهرت بالعلم والفضل. يعتبر جده القاضى محمد صبغة بدر الدولة المتوفى سنة

١٢٨٠هـ من الأدباء الأوائل اللغة الأردية وله كتاب مشهور في السيرة باسم ''الفوائد البدرية'' وخلف والده أبو محمد خليل الله المتوفى سنه ١٢٦٢هـ أيضا مصنفات مفيدة مع اشتغاله منصب سكيريتر للأمور المالية لو لاية حيدر آباد دكن. (٦)

تعليمهٔ الابتدائى

تلقى الدكتور تعليمه الابتدائى على يد والده ثم ألحقه والده بمدرسة مشهورة كانت تسمى ''بدرالعلوم'' ودرس فيه الى الدرجة السادسة ثم التحقق بجامعة النظامية لإكمال الدراسة الثانوية. (٨)

دراسته في الجامعة العثمانية

كانت الجامعة العثمانية هى الجامعة الوحيدة في شبه القارة التى كانت تمتاز بدراساتها المعاصرة وتجمع بين منهجين دراسيين الدينى والعصرى وتدرس طلابها بلغتى الأردية والانجليزية بخلاف جامعات الهند الأخرى التى كانت تدرس طلابها بالانجليزية فقط. أما المدارس الدينية في شبه القارة فهى تدرس الطلاب باللغة الأردية والعربية منذ زمن بعيد. التحق الدكتور بهذه الجامعة سنه ١٩٢٣م واجتاز الامتحان الثانوية العليا، ثم حصل على شهادة بكالوريوس ونال تفوقا وكان اسمه على رأس قائمة الحاصلين على الجوائز. ففي سنة ١٩٣٠م ، حصل محمد حميد الله على شهادة الماجستير في الفقه بتقدير جيد جداً كما حصل في نفس السنة على شهادة القانون. فتحت الجامعة العثمانية في هذه الآونة قسما جديدا لراغبى البحث فانضم الدكتور بهذا القسم وبدأ عمله كباحث بعنوان ''القانون الإسلامى بين الدؤل''. كان الدكتور نشيطا جدا فى الأعمال الا جتماعية بجانب دراسته. ففي سنة ١٩٢٩م انتخب سكرتير لنادى القانون وفى سنة ١٩٣٠م أصبح نائبا للرئيس ثم رئيسا.(٨)

رحلته إلى أوربا للدراسات العليا

كانت الجامعة العثمانية ترسل طلاب الدراسات العليا الى خارج البلاد لتكميل دراساتهم والاستفادة من المكتبات على نفقتها فسافر الدكتور الى خارج الهند لإعداد مقالته ، واستفاد خلال هذه الرحلة من مكتبات الشرق الأوسط و أروبا، وقدّم مقالته للحصول على شهادة دى ـفل (دكتوراه الفلسفة) في جامعة ألمانيا بإذن مجلس الدراسات بالجامعة العثمانية ومنحت جامعة ألمانيا الشهادة دى ـفل سنة ١٩٣٣م ، وكان عنوان المقال " المحايدة في الشريعة الإسلامية " وقد تم نشر المقال من المانيا في سنة ١٩٣٣م ـ حصل الدكتور على إجازة ثلاث سنوات من الجامعة العثمانية بسفره الى الخارج لكنه قدم مقالته في جامعة ألمانيا بعد عشرة شهور ، فأراد الذهاب إلى باريس لكى يحصل من هناك على شهادة أخرى في الفترة المتبقية لهذه المنحة التى قدمته له الجامعة العثمانية، فسافر إلى باريس وقدم مقالته في جامعة سوربون بباريس في أغطس ١٩٣٤م بعنوان :" الوثائق السياسة في عهد النبوى والخلافةالراشدة" وحصل على شهادة دى ـلت من هذه الجامعة ـ وقد نشر هذا المقال في باريس سنة ١٩٣٥م ولم تنتهى مدة منحته الدراسية بعد ـ

وكانت السنة الواحدة ما زالت باقية وفكر الدكتور الذهاب الى روسيا للحصول على شهادة ثالثة فكان مستعداً لسفره إلى روسيا من باريس فتلقى برقية من الجامعة العثمانيه تطلب عودته إلى البلد ـ (٩)

عودته إلى الجامعة العثمانية وتدريسه فيها

عاد الدكتور محمد حميد الله إلى حيدر آباد الدكن في سنة ١٩٣٥م وبدأ بعمله في الجامعة العثمانية التى أو فدته للدراسات العليا إلى أو روبا وحان الوقت لكى

تستفيد من علمه وخبرته. ففى البداية تم تعيين الدكتور محاضراً للعلوم الإسلامية، فكان يقوم بتدريس مواد قسم العلوم الإسلامية بالإضافة إلى مكان يلقى المحاضرات على طلاب قسم القانون. ولما انتقل الدكتور مير سعادت على من الجامعة الى المحاكم الشرعية تم تعيين الدكتور محمد حميد الله كمدرس للقانون فبقى بالجامعة من حيث المدرس في قسم القانون الى سنة ١٩٤٨م (١٠)

مشاركته في وفد الأمم المتحدة

تم تقسيم شبه القارة إلى دولتين الباكستان والهند فى أغسطس ١٩٤٧م وأعلنت بعد ذلك ولاية حيدر آباد استقلالها فأرسل رئيس هذه الولاية وفدا إلى الأمم المتحدة في أغسطس١٩٤٨م للدفاع عن استقلالها التى ما كانت تعترف بها دولة الهند. كان رئيس هذا الوفد نواب معين نواز جنج، وكان من أعضاء الوفد الدكتور محمد حميد الله والدكتور يوسف حسين خان الأخ الأصغر الدكتور ذاكر حسين خان رئيس الهندى الأسبق وظهير أحمد وشام مندر.

لما هاجمت حكومة الهند ولاية حيدر آباد الدكن فى ستمبر ١٩٤٨م وهاجم جيشها عليها من سبعة عشر جهات مختلفة تمّ سقوط دولة حيدر آباد الإسلامية في أيدى الهند بأكملها، فأرسل رئيس ولاية حيدرآباد برقيّة إلى الوفد وطلب منه العودة إلى البلد دون أن يواصل أعماله في الأمم المتحدة. (١١)

إقامته في باريس

عاد جميع أعضا الوفد إلى حيدرآباد ولكن الدكتور محمد حميد الله رفض أن يعود إلى أرض حيدر آباد المغتصبة واختار مدينة باريس لإقامته التى قد عاش فيها لمدة يسيرة خلال دراسته للحصول على شهادة دى. لت قبل أربعة عشر عاما ، وكانت

علاقاته الوطيدة مع جميع المتخصصين في القانون بسبب كتابة مقالته في القانون للحصول على شهاده دى.فل، ويخص بالذكر الأستاذ المستشرق ما سيجينان (Massignon). و لما أراد الدكتور أن تكون مدينة باريس مقره الدائمى لإقامته فالتحق للعمل بالمعهد القومى للتحقيقات العلمية (C.N.R.S) تحت رئاسة هذا الأستاد. وقد أنشى هذا المعهد للعلماء الذين كانوا يفدون إلى باريس بعد الحرب العالمية الثانية من أماكن عديدة من العالم ولم يكن له أى موارد رزق. انتدب الدكتور بهذا المعهد لأجل العلم؛ لأنه ذكر فيما بعد أن مثل هذا المعهد لا يوجد في أي مكان آخر، ثم مدينة باريس توجد فيها المكتبات العديدة يصل عدد كتب بعضها إلى ثمانية ملايين، وفى بعضها يصل هذا العدد إلى عشرة ملايين، وهى حاجة الباحث التى لا يجد في أماكن سواها، وفي مكتبة اللغات الشرقية توجد ثلاثة ملايين كتاب. ظل الدكتور يعمل في هذا المعهد قرابة عشرين سنة حتى أحيل إلى المعاش في سنة ١٩٦٨م، و عاش بعد هذه المدة أيضا في باريس إلى ١٩٩٦، حيث مرض وأخذته حفيدة أخيه إلى أمريكا. (١٢)

تدريسه في جامعات أوربا والعالم الإسلامي

استقراره في باريس منحه الفرصة أن يستفيد أهل اوروبا من علمه، فبدأ الدكتور مع عمله في المهعد القومى للتحقيقات العلمية أن يلقى محاضراته فى جامعات باريس وجامعات ألمانيا وخاصة جامعة بون التى قد عينته في السابق مدرسا فخريا حينما كان طالبا فيها للحصول على شهاده دى، فل، ثم غادرها إلى باريس ثم حيدرآباد (١٣) أثرت النشاطات والبحوث القيمة تأثيرا إيجابياً في العرب والشرق سواء، فبدأت جامعات تركيا تدعوه لإلقاء محاضراته في أوقات مختلفة، فهكذا ألقى الدكتور محاضراته في جامعة استانبول وأنقره وأرض روم بتركيا، كما ألقى محاضراته في جامعة كولالمبور بما ليزيا، وكان جميع نشاطات الدكتور تصب لإبراز حقائق الإسلام

والدفاع عنه۔ أسلم على يديه آلاف الناس في أوربا وخاصةً في فرنسا، وكان الدكتور يلقى محاضراته الأسبوعية في مسجد باريس خلال وجوده في هذه المدينة۔(١٤)

أهم شيوخه

استفاد الدكتور خلال دراسته في الجامعة العثمانية من أساتذة ومشائخ أجلاء وهم:

1. الشيخ مناظر أحسن الجيلانى۔
2. الشيخ المولوى عبد الحق الذى ج عرف " ببا بائى اردو " اى عميد اللغة الأردية۔
3. الأستاذ عبد القدير الصديقى۔
4. الأستاذ عبد المجيد الصديقى۔
5. المفتى عبد اللطيف ۔
6. السيد مصطفى القادرى ۔
7. المو لوى محمد صبغة اللّٰه۔
8. الدكتور سيد عبد اللطيف۔
9. الدكتور جعفر حسين۔
10. الأستاذ حسين على الميرزا۔

والجامعة العثمانية كانت تمتاز بالجمع بين الأصالة والمعاصرة في المنهج العلمى ، وكان الهدف من قيامها تخريج نخبة من الطلاب القادرين عن دفاع الإسلام بأساليب معاصرة ، وكان المشائخ يُدَرِّسون فيها مع الدكاترة الذين تخرجوا من جامعات أوروبا۔ فقد تأثر الدكتور من أساتذته كثيرا فجمع بين القديم والجديد ، فكان

يـجيد أربع لغات شرقية إجادة تامة (الاردية، والعربية، والفارسية، والتركية) ، بالإضافة إلـى إجـادتـه أربـع لـغات غربية (الإنجليزية، والفرنسية، والألمانية، والإيطالية) وغيرها، فـحـصـل الـدكتور على المعارف الإسلامية من أساتذته كما عرف مكايدالغرب وفندها في كتاباته۔

مشاركته في تقنين الشريعة الإسلامية بباكستان

كـمـا أسـفـلـنـا فـي الذكر أن الدكتور محمد حميد اللّٰه اختار مدينة باريس لإقامته الـدائـمة لـعـدة أسبـاب يـراه مـناسبا لإقامته۔ كتب اليه أصدقاؤه الكثيرون العودة إلى حيـدرآبـاد، فـأبـى وكـذلك كـلما عرضـت عليه حكومة باكستان وأصدقاء ه فيها الإقامة الـدائـمة هـنـا فلم يرض بذلك، ولكنه لم يبخل في مساعدته العلمية حول الموضوعات الـمهـمة مـن تـقـنيـن الشريعة الإسلامية ورد شبهات المستشرقين وكيفية نشر الدعوة الإسـلامية۔ فـفـي سـنة ١٩٣٩م لـمـا كـان خـان ليـاقت على خـان أول رئيـس الوزراء بـباكستـان رغبـت حـكـومة فـي وضـع الـدستور للبلاد وأرادت تقديم مسودة القوانين لـلـمـوافقة عليها طبقا للشريعة الإسلامية۔ فى ذلك الحين أراد القاضى۔ م ب أحمد أول رئيـس البرلمان الاستشارة مع الدكتور فذهب إلى باريس باذن من رئيس الوزراء وأقنع الـدكتـور عـلـى زيـارتـه لبـاكستـان ومساعدته إياهـم۔ ففى ٧ مـارس ١٩٤٩م۔ قدم خان ليـاقـت عـلى خان هذه المسودة في البرلمان الباكستانى فوافق البرلمان عليها بأغلبية سـاحـقة أطلقت عليها ''قرارداد مقاصد'' (١٥) ثم شَكلّت الحكومة هيئة مستقلة باسم ''تعـلـيـمـات إسـلامية بـورد'' لـحل المشاكل الناجمة من القانون وأختير لعضوية هذه الإدارة العلماء الأجلاء منهم ۔

① المفتى محمد شفيع

② عبد الخالق

③ المفتى جعفر حسين المجتهد

④ الدكتور محمد حميد الله

وعينت الحكومة الشيخ ظفر أحمد الأنصارى سكرتير لهذه الإدارة، أسندت رئاستها إلى الشيخ سيد سليمان الندوى۔ (١٦)

فلم يبق الدكتور إلى مدة طويلة في الباكستان بعد موافقة البرلمان على القانون ورجعُ إلى مقر إقامته الدائمة في باريس۔

وفي عهد الجنرال ضياء الحق في ١٩٧٩م عرضت عليه رئاسة قسم السيرة النبوية بجامعة بهاول فور الإسلامية فلم يقبله ، ولكن وافق على إلقاء بعض المحاضرات فيها، فألقى هذه المحاضرات في مستهل القرن الخامس عشر الهجرى في مارس ١٩٨٠م التى اشتهرت باسم "خطبات بهاول فور" و طبع مرارًا۔ (١٧)

وفي يناير ١٩٩٢م لما زار نواز شريف رئيس وزراء باكستان الأسبق باريس فقابل الدكتور محمد حميد الله وطلب منه الزيارة لباكستان فتمت هذه الزيارة لباكستان في شهر مايو ١٩٩٢م ، فألقى خلالها محاضرات في عدة جامعات والنوادى العلمية وقدم أفكاره لحكومة باكستان ورجع إلى مقر إقامته الدائمة كعادته۔ (١٨)

وفاته

ذهب الدكتور إلى بنك في باريس في إحدى أيام يناير ١٩٩٦م ليأخذ بعض النقود من حسابه ولكنه وجد بأن أحدا من الناس زوّرَ توقيعه وأخذ من حسابه جميع النقود ، ولم يترك شيئا ، فرجع الدكتور إلى بيته ولم يخبر أحدا ، وبعد بضعة أيام كان يوم

الـجـمـعة فـذهـب الـدكتور لأداء صلاة الجمعة فأغمى عليه في مسجد باريس الذى كان يـصـلـى فيـه دائما ، كان معه صديقه الدكتور عبد المجيد الحيدرآبادى الذى أخذه إلى الـطبيـب فوراً واتضح أنه مصاب بمرض ضغط الدم النازل وسبب إغمائه خلو معدته مـن الـطـعـام مـنذ عدة أيام ، لأن الدكتور عاش على الماء فقط ولم يطلب من أحدٍ شيئا كـمـا أنـه لـم يـخبر أحداً۔ حينما وصل خبر مرضه إلى حفيدة أخيه حضرت من أمريكا وأخذته الى ولاية فلوريدا۔ عاش الدكتور بعد ذلك في أمريكا وانتقل إلى رحمة الله تعالى فـي مـديـنة جيـكـس فـي ولاية فلوريدا الأمريكية في ١٧ ديسمبر سنة ٢٠٠٣م فى ساعة الـحـادى عشـرـة وهو في حالة النوم، وقد نام بعد أداء صلاة الفجر، وهكذا انتهت حياته الـحـافـلة بـالجهد المتواصل والعلم النافع بعد تقديم خدمة منهمرة إلى الأمة الإسلامية إلى مدة طويلة جز الله عن الإسلام والمسلمين خير الجزاء ۔ (١٩) آمين

أخلاقه وسلوكه

أ۔ زهده عن الدنيا :

كـان الـدكتـور دائـمـا يـؤثر الآخرة على الدنيا كعلماء السلف الصالح الذين درس حيـاتهـم ومشـى عـلـى سلوكهم ، وعلى هذا تدل حياته التى عاش بين الناس۔ ففى سنة ١٩٦٣م قـدّم لـه الـوزيـر السـعـودى حسـن آل شيخ الدعوة للتدريس في جامعة الملك سعود بالرياض بمقابل أى مرتب يريده ولكنه اعتذر من مجيئه إلى الرياض وطلب من الـوزيـر مسـاعـدتـه في إصدار المجلة باللغة الفرنسية من باريس لنشر الإسلام وفهمه لـدى الـمسـلـمـى الـجـدد فـي أفريقيا الذين لا يجيدون غير اللغة الفرنسية۔وفى مستهل الـقـرن الـخـامـس عشر الهجرى منح له الجنرال ضياء الحق ريئس الباكستان الأسبق جـائـزه مـليـون روبية اعتـرافـا لـخـدمـاتـه في ميدان البحوث والدعوة الإسلامية فتبرع

الـدكتـور مبـلغ هذه الجائزة لصالح المجمع البحوث الإسلامية قائلا ''لوأخذت هذا في الدنيا ماذا آخذ عند اللّه في الآخرة۔''

وفـى إحـدى زيـارتـه لـمـدينة لاهور قام الشيخ محمد أشرف الذى كان يطبع كتبه بـالانـجـليزية وينشرها في باكستان بتقديم بعض حقه إليه مقابل نشر كتبه فأخذ حقه و أرسـل إلـى بـعـض المحتاجين بطريق البريد ولـم يأخذ منها شئ۔وهذه الأمثلة تدل على زهـدة عن الدنيا لأجل هذا عاش في الشقة المتواضعة التي استاجرها في سنة ١٩٤٨م إلـى أن غادر باريس إلى أمريكا ، ولم يشيّد بيتا ولم يجمع مالاً وكان قلبه معلّقاً بالآخرة حتـى يـجـدهناك كله مالم يأخذ في دنياه ، وهذا هو السبب أنه كلما أعطى مـالاً أنفق في وجوه الخير ولـم يبقيه عنده۔ (٢٠)

ب۔ التواضع

كـان الـدكتـور حـليمـا متـواضـعـا مع علمه الجم ومعرفته لأكثر من ثمانية لغات شـرقية وغـربية وشهـرتـه فـي الـعـالـم، نـراه دائـمـا لايتـعالى ولا يتكبر ويجيب بتواضع كـالسـلـف الـصـالـح، كلما سُئِل فأجاب بما يعرف واعترف بقلة علمه، سئل رحمه اللّٰه عـن حروف المقطعات فأجاب عن هذا السوال وقال في آخره ''هذا خلاصة معلوماتى عـن الـحـروف الـمـقـطعات واعتذر بأننى لا استطيع أن أفيدكم أكثر من هذا'' (٢١) لما سـئـل رحمه اللّٰه عن انجيل البرناباس'' فقال في آخر جوابه ''موضوع قراء تى بعيد عنه فأنا لا أعرف الكثير حوله فأرجوكم أن تعفوني بفضلكم '' (٢٢)

ج۔ الاعتدال

اختـار الـدكتـور لـنفسه منهجا معتدلاً عاش في الغرب ولكنه ما وجد عنده ما يدل عـلـى الـتـعـنـت إلا التحرى في الحلال والبعد عن الحرام، وما عدا ذلك اختار رحمه اللّٰه

الطريق الوسط في كل ما له صلة بالمسائل المختلف فيها ، كان يُبدِى رأيه أمام الناس ويعطيهم حرية الاختيار في قبوله و عدمه. مرة وَجَّه إليه أحد الناس سؤلا "هل الصلاة التى عَلّم جبريل الرسول ﷺ كا نت صلاة أهل السنة أم أهل التشيع؟ فأجاب رحمه اللّه قائلا "ان الاختلاف الذى تجدونه بين صلاة السنة والشيعة ليس له عندى أهمية، فعليكم أن لا تجادلوا فيه ، أهل السنة والشيعه كلهم إخوة وهم مسلمون. وفي اختلاف صلاتهم حكمة وهى بقاء سنن الرسول ﷺ التى سنها في مختلف الأوقات الى أبد الدهر بواسطة هذا الأختلاف. (٢٣)

د. الانضباط

كان الدكتور منضبطا منذ طفولته حيث قيل إنه لم يتخلف عن الدرس طول عمر دراسة إلا مرة واحدة وهو يوم الذى توفيت فيه والدته، وهذا التاخير لم يكن سوى النصف الساعة ؛ لأنه دفن والدته ثم اتجه إلى الدرس فورًا(٢٤) وخلال عمله بالجامعة العثمانية كان يحضر الجامعة حسب الوقت صباحا دون تأخير ويواصل أعماله طول النهار، وهذا الذى جعله أن ينهى كل أعماله في أوقاته كما ذكر بنفسه عن تاليف كتابه "التعريف بالإسلام" بأنه وزّع أبوابه على بعض أصدقائه بأن يكتب كل صديق بابه، وهكذا ينتهى الكتاب بسرعة ولكنه بعد مدة محدوة وجد أن أصدقاء ه لم يكتبوا شيئا وهو قد أنهى ما قرر لنفسه فبدأ بالباب الثاني، فبعد كتابة هذا الباب سأل الأصدقاء فكان ردهم مثل الماضى بأنهم لم يجدوا الفرصة للكتابة ، فبدأ بالباب الثالث وهكذا كتب جميع أبواب الكتاب بنفسه ونشره باللغة الانجليزية ثم. ترجم لتعميم فائدته إلى اللغات الأخرى، (٢٥) وكذلك كان منضبطا في ردو ده على الرسائل التى تصل إليه وكان يكتب ما بين ستة إلى ثمانية خطاب كل يوم بيده ما يدل على انضباطه في أعماله (٢٦) وكان يرى رد الخطاب مسؤلية الرجل مثل رده على السلام وكان يستشهد

لذالك بقول ابن عباس رضى الله عنه - ويااليت أن يقتدى العلماء اليوم الدكتور محمد حميد الله يردوا على كل ما ترد عليهم من الخطابات.

هـ - الورع

اختار الدكتور الورع في سلوكه وخاصة بعد أن عاش في باريس فإنه كان يحتاط كل الاحتياط في اختيار المأكل والمشرب ، وكان يتحرى كل الدقة حتى لايقع في الحرام لأجل هذا كان يطبخ في بيته ، وما كان يأكل في المطاعم إلا إذا اضطر ، ففى هذا الحال كان يختار مما لا شك فيه مثل السمك والخضروات ، وكان يبتعد عن أكل اللحم لأن الحلال قد يندر في هذه البلاد ، وعاش هكذا بالورع والتقوى حتى لقى الله سبحانه لكى يتمتع بنعيمه إلى الأبد نتيجة لهذا الاحتياط. (٢٨)

و - الجود والكرم

كان الدكتور كريما سخيا منذ أن كان في الجامعة العثمانية. لما بدأ الدكتور حصول العلم في الجامعة كان يذهب إلى مقر عمله بالباص فكان يدفع تذكرة لكل من وجده من طلابه في هذا الباص، فعلم طلابه بهذا السخاء وكثر عددهم يركبون نفس الباص صباحا متجهين إلى الجامعة، ولكن الدكتور لم يبخل في قطع التذكرة للجميع واستمر عطاء ه لكل من ركب هذا الباص من طلابه ولو كثر عددهم. وليس هذا فحسب وإنما كان كريما لضيوفه الذين كانوا يتزلون عنده في باريس فكان يكرمهم ويرشدهم ويساعدهم في بلاد الغير وير عاهم كل الرعاية. (٢٩)

ز - الغيرة على الدين والوطن

كان الدكتور غيورا على دينه ووطنه فبعد أن استقر في باريس لم يعد إلى ولاية حيدرآباد الدكن المحتلة للهند بل لم يزر الهند قط ؛ لأن هذه الدولة احتلت واغتصبت

وطنه، وكذلك لم يزر البريطانية لأن هؤلاء الانجليز لم ينصفوا في قضية حيدرآباد الدكن فتركوها نهبا للهندوس مع أنه طاف معظم بلاد العالم لأجل إلقاء المحاضرات ، وهذا يدل على غيرته على دينه ووطنه، وهو لم يأخذ جنسية أى بلد حتى فرنسا وإنما عاش مهاجرا على الأوراق التى يحملها وقت سفره إلى الأمم المتحدة كتاباتها من جانب ولاية حيدرآباد۔

عدد مقالاته و كتبه

لا يمكن ''حد بيان كل ما صدر للدكتور محمد حميد اللّٰه من كتاباتها لأنها كانت تنشر في عدة لغات العالم التى لا يجيدها أى كاتب ، وانما يمكن بيان هذا العدد تقريبا۔ كان رحمه اللّٰه،يسجل كل ما صدر له مقال في أى مكان في الكراسة عنده فعند ما زار محمد صلاح الدين مدير مجلة التكبير الأسبوعية الصادرة من كراتشى الدكتور في باريس في سنة ١٩٩٢م سأله عن عدد مقالاته التى تم نشرها إلى ذلك الحين فأخرج رحمه اللّٰه كراسته وقال ''نشرت لى إلى الآن ٩٢١ مقالا في المجلات المختلفة في العالم ، وأن أول مقال نشرت لى مجلة ''نونهال'' الأسبوعية الصادرة من لاهور باللغة الأردية في عددها ٨ يوليو سنة ١٩٢٨م وكان عنوان المقال'' مدارس كي سير'' اى الرحلة إلى المدارس (٣٠) ثم زاد هذا العددإلى أن قيل طبعت له أكثرمن ألف مقال وأكثرمن ١٧٥ كتاب (٣١) وأكثر كتاباته تدور حول الموضوعات الآتية:

① القانون الإسلامي

② السيرة النبوية

③ الدفاع عن السنة والرد على الشبهات حول الإسلام۔

القسم الثاني:

آثاره في الحديث النبوي والسيرة

لم يدرس الدكتور محمد حميد الله الحديث النبوي درساً كما يدرسه المحدثون ، وهو ليس محدثا في اصطلاح المحدثين المعروف، ولكن أعماله في الحديث تحمل طرازاً نمطاً متميزا ذات فائدة عامة، وبسببها حصلت له مكانة خاصة في العصر الحاضر. بدأ المستشرقون من القرن الماضي يشككون المسلمين في تراث الإسلام وخاصة الأحاديث النبوية الشريفة بأنها جمعت ودونت بعد وفاة الرسول الله ﷺ في القرن الثالث وكان الناس يعتمدون على ذاكرتهم إلى هذا العهد ويمكن فيه السهو والنسيان لأجل هذا لا يمكن الاعتماد على الأحاديث الموجودة عند المسلمين. وكانت لهم شبهات آخرى حول كتابة الأحاديث النبويه بأن الرسول منع عن كتابتها فكيف يمكن للصحابة كتابه الأحاديث ومخالفة أمر الرسول الله ﷺ.

كان الدكتور قد درس في الغرب وخاصة في ألمانيا وباريس وتمكن على إجادة ثمانية لغات منها أربعة شرقية وأربعة غربية ، فاستطاع أن يرد على هؤلاء المستشرقين في عقر دارهم. فأخذ الدكتور الدفاع عن السنة على عاتقه ضد هؤلاء على طريقتهم التى تعلمها منهم ، وهكذا اشتهر في العالم بسبب دفاعه عن السنة بأسلوب جديد ، ثم كتب كتاباته في السيرة النبوية ودافعها عن كل اعتراض وانتشرت كتاباته في العالم وانتفع به الناس وأنا اذكر بعض آثاره في الحديث النبوي والسيرة.

آثاره في الحديث النبوي:

❶ صحيفة همام بن منبه

ومن أجلّ الأعمال التى قام بها الدكتور محمد حميد الله نشر صحيفة همام بن منبه التى تصل كتابتها إلى ما قبل ٥٨ الهجرية- وهي الصحيفة التي كتبها الصحابي الجليل أبو هريرة- رضى الله عنه- من الرسول الكريم ﷺ وعرفت بالصحيفة الصحيحة، ثم نقل منه تلميذه همام بن منبه، وهي أقدم ما وصل إلينا من أحاديث الرسول في الصورة الكتابية عثر عليه الدكتور خلال دراسة في ألمانيا في إحدى مكتبات برلن فى سنة ١٩٣٣م، ولكن المخطوط كان ناقصا فكان يتمنى أن يجد نسخة أخرى لكى يقوم بنشرها ، بعد التحقيق والدراسة فشاء الله أنه وجد نسخة أخرى لهذا المخطوط بعد مدة طويلة في المكتبة الظاهرية بدمشق، فقارن بين النسختين (٣٢) كتبت النسخة الأولى من المخطوط في بداية القرن الثاني عشر الهجرى وكتبت النسخة الثانية من المخطوط في القرن السادس الهجرى- (٣٣) بعد المقارنة بين النسخ الخطية كتب الدكتور لها المقدمة فى بيان تدوين الحديث وكتابتها في العهد النبوي وأثبت بالشواهد بأن أحاديث رسول الله ﷺ كانت تكتب في عهد النبي، وأنه أجرى إحصائية عامة للمسلمين بعد وصوله المدينة المنورة في السنة الأولى من الهجرة وكان عدد نفوس المسلمين قد بلغ ألفاو خمس مائة رجل، (٣٤) كما أن النبى كتب كتابا بين المهاجرين والأنصار واليهود، وهو يعتبر أول وثيقه دستورية للدولة الإسلامية التى كان يقودها النبي الكريم ﷺ - (٣٥) ثم ذكر الدكتور أصحاب الرسول غير أبى هريرةرضى الله عنه الذين كانوا يكتبون أحاديث الرسول ﷺ بإذنه- (٣٦) وهكذا فند الدكتور بكتابة المقدمة تحقيق هذا المخطوط مزاعم المستشرقين بأن الحديث لم تكتب في عهده ولا في عصر الصحابة وإنما كتبت في القرن الثالث-

نشر الدكتور هذه الصحيفة أول مرة في ١٣٧٢هـ/١٩٥٣م في مجلة المجمع العلمي بدمشق في أعدادها الأربع بالتسلسل(٣٧) ففرح المسلمون على نشرها وأثنوا على جهود الدكتور لأن هذا العمل كان مفخرة لهم كما كان له. تقبل الله منه ويجعله ذخراً لآخرته آمين ! ثم نشرت من قبل المكتبات الأخرى من العالم العربي.

ترجم هذه الصحيفة إلى اللغة الأردية أخو الدكتور الأكبر محمد حبيب الله وصحح الدكتور بنفسه هذه الترجمة وخَرَّج أحاديثها من صحيح البخارى وصحيح مسلم والكتب المتد اولة في الحديث، ووضع الترقيم لجميع الأحاديث. تصل عدد أحاديث هذه الصحيفة إلى ١٣٨ حديثا. شكر الدكتور في المقدمة للأستاذين أولهما الدكتور زبير أحمد الصديقى الذي دله على النسخة الثانية للمخطوط وثانيهما الشيخ مناظر أحسن الجيلانى الذي تتلمذ الدكتور على يده في الجامعة العثمانية بحيدرآباد كما جعل الدكتور في آخرها ملحقا باسم " بازياد". كتب فيه مالم يستطع أن يكتب في مقدمتها وقت إرساله إلى المطبع ، ثم وجد هذه المعلومات في مكتبة استانبول فقد مها للقراء ة دون بخل. (٣٨)

نشرت الترجمة الأردية مع نص الحديث باللغة العربية لأول مرة من حيدرآباد الدكن في سنة ١٣٧٥هـ/ ١٩٥٦م ثم طبعت مرارا من أما كن عديدة من باكستان والهند كما ثم ترجمها إلى اللغة الفرنسية والانجليزية والتركية.

❷ كتاب السرد والفرد في صحائف الأخبار

الاسم الكامل لهذا الكتاب هو " كتابَ السرد والفرد في صحائف الأخبار ونُسَخُها المنقولة عن سيد المرسلين ﷺ " وهو من تأليف الشيخ أبو الخير أحمد بن اسماعيل بن يوسف الطالقا ني القزوينى الذي كان عالما بالحديث وأحد كبار فقهاء

المذهب الشافعی في القرن السادس الهجری۔ ولد الشيخ ابو الخير في سنة ٥١٢هـ ومات في سنة ٥٩٠ هـ وكان قزوينيا مولداً و وفاةً۔(٣٩) ذكر المصنف نفسه وجه تسمية كتابه فقال " هذا الكتاب يتضمن صحائف ونسخا تلقينا كل منها تحوى أخبارا كثيرة عن سيدنا المصطفى ﷺ بإسنادها الوحيد تسهيلا لحفظها على طلاب علم الحديث سميته "كتاب السرد والفرد" يعنى به سرد الأحاديث المتعددة بالأسانيد المنقولة المتفقة۔(٤٠)يتضمن الكتاب عدة صحائف لبعض كبار التابعين عن أصحاب رسول الله ﷺ وهي:

① صحيفة همام بن منبه عن أبی هريرة۔
② صحيفة كلثوم بن محمد عن أبی هريرة۔
③ صحيفة عبد الرزاق عن أبي هريرة۔
④ صحيفة حميد الطويل عن أنس بن مالك ۔
⑤ صحيفة من طريق أهل البيت عن على بن أبى طالب۔
⑥ صحيفة إلياس وخضر عليهما السلام عن النبي ﷺ ۔
⑦ صحيفة الأشبح عن على بن أبى طالب۔
⑧ صحيفة جعفر بن نسطور الرومی۔
⑨ صحيفة خراش عن أنس بن مالك۔
⑩ صحيفة عبد الرزاق عن ابن عمر۔
١١۔ صحيفة جويرة بنت اسماء عن ابن عمر۔

نشر الدكتور الكتاب من النسخة الخطية قد كتبت في سنة ٥٩٩هـ وحقق تحقيقات ممتازا۔ رقّم الأحاديث لكل مخطوط ثم رقّم ترقيما مسلسلا لجميع أحاديث

الكتاب، فوصل عدد أحاديث الكتاب إلى ٤٥٤ حديثافي إحدى عشر صحائف مختلفة ثم ترجمها إلى اللغة الانجليزية وكتب مقدمة مفصلة عرف فيها جميع الصحائف وألقى الضوء على تاريخ تدوين الحديث۔

نشر الكتاب المجلس الوطنى للهجرة باسلام آباد في ١٤١١هـ/١٩٩٠م بتقريظ شريف الدين بيرزاده طبع في الكتاب من اليمين متن الأحاديث النبوية باللغة العربية في ٧٣ صفحة ثم أعطيت صور بعض الصفات للنسخة الخطية ، ومن اليسار أولا تفريط شريف الدين بير زاده ثم تعريف الدكتور محمد حميد اللّٰہ لأصحاب الصحائف وتاريخ تدوين الحديث في ٢٩ صفحة ثم ترجمة انجليزية لمتن الأحاديث في ١٠٢ صفحة۔

آثارة في السيرة النبوية

❶ الوثائق السياسية للعهد النبوي والخلافة الراشده

جمع الدكتور محمد حميد الله في هذا الكتاب الوثائق السياسة التي كتب في عهد الرسول والخلافة الراشدة وأرسلها الرسول وخلفاء ه إلى الملوك ورؤسا القبائل كانت بعضها تتعلق بنشر الإسلام وبعضها بأمورتا دييية ، كما أن بعضها توجد ذكر بعض العطايا تصل عدد الوثائق المختلفة في هذه المجموعة إلى ٣٧٣ وثيقة۔

قسم الدكتور هذه الوثائق إلى أربعة اقسام۔

القسم الأول يشتمل على الوثائق للعهد النبوى قبل الهجرة:

القسم الثاني يشتمل على الوثائق للعهد النبوى بعد الهجرة۔

فبدأ في هذا القسم من الكتاب الذي كتبه رسول اللّٰہ ﷺ بين المهاجرين

والأنصار واليهود، ويعتبر أول وثيقة دستورية للدولة الإسلامية بالمدينة المنورة، ثم قدم مـن الـوثـائـق مـالـه صـلـة بـالدولة الرومية ثم ماله صلة بالدولة الفارسية ثم ماله صلة بالقبائل العربية.

والقسم الثالث: يشتمل على وثائق عهد الخلافة الراشدة فجعل فيها أولا وثائق خلافة أبى بكر ثم وثائق خلافة عمر ثم وثائق خلافة عثمان ثم وثائق خلافة على.

والقسم الرابع: يشتمل على ضمائم ذكر فيه مانسب إلى النبي ﷺ من العهود مع اليهود والنصارى والمجوس، ثم ألحق بالكتاب الوثائق التى عثر عليها بعد بدء طبع الكتاب وجعل في آخره فهارس متنوعة تمتاز الكتاب بفهرس الصور وفهرس الخرائط والجداول.

ذكر الدكتور في مقدمة الطبعة الأولى " ولا يقال أن الرواية الشفوية هى وحدها التى المعتمد عليها في أوائل الإسلام ، إذ أن المسلمين قد أمروا أن يكتبوا جميع ما فيه من حقوق العباد ويستشهدوا عليه فإن

﴿ ذَٰلِكَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأدنىٰ أنْ لَا تَرْتَابُوا ﴾(٤١)

من ثم كتب النبي جميع المحالفات والمعاهدات مع القبائل والملوك سوى ما كتب إليهم من المراسلات.(٤٢)هذا الكتاب في الأصل هى رسالة قدمها الدكتور للحصول على شهادة دى.لت من جامعة سوربون بفرنسا في سنة ١٩٤٣م ثم طبعها في فرنسا في سنة ١٩٣٥م واعتبرها ناقصة ثم أضاف عليه وطبع لأول مرة من القاهرة في سنة ١٩٤١م ثم طبع ثانيا من القاهرة مع تصحيحات وإضافات من الدكتور في سنة ١٩٥٦م ، نشرته لجنة التأليف والترجمة والنشر، ثم نشر من بيروت مرتان مرة في سند ١٩٦٩م ومرة في سنة ١٩٨٥م.

كلما طبع هذا الكتاب بطبعة جديدة أضاف الدكتور بإضاف جديدة كعادته، ترجم الكتاب إلى اللغة الأردية الشيخ أبو يحى إمام خان النوشهروى ونشره مجلس ترقى ادب بلاهور ولكن الدكتور لم يرض بهذه الترجمة واعتبرها ناقصة ثم نشرت هذه الترجمة ثانيا في ١٩٨٦م بعد التصحيح.

❷ نظام التعليم في العهد النبوي

يشتمل هذا الكتاب على بابين كتب الدكتور في الباب الأول عن نظام التعليم في العصر الجاهلي ثم تحدث في الباب الثاني عن جهود الرسول ﷺ في نشر العلم قبل الهجرة وبعدها، وألقى الضوء على أول مدرسة إسلامية لأصحاب الصفة، ثم كتب عن تدوين القرآن والسنة وتقدم المسلمين في مختلف فنون العلم في عهده ﷺ. وكان الكتاب في الأصل مقالاً كتبه الدكتور في اللغة الإنجليزية وطبعته مطبعة الثقافة الإسلامية بحيدرآباد الدكن في سنة ١٩٣٩م، ثم نقله الدكتور إلى اللغة الأردية فطبع في مجلة المعارف الشهرية التى تصدر من أعظم كره في سنة ١٩٤١، ثم ظهر في صورة كتاب لأول مرة من أعظم كره في سنة ق١٩٤١م. ثم نشر الكتاب للمرة الرابعة من قبل مجلة النظامية بحيدرآباد الدكن في سنة ١٩٤٢م . ثم ضمته مكتبة الجامعة بدهلى في كتاب الدكتور "نظام الحكم في العهد النبوى" وتم طبعه للمرة السادسة في سنة ١٩٤٤م ، ثم طبع هذا الكتاب للمرة الثانية فطبع معه المقال للمرة السابعة في سنة ١٩٤٧م ، ثم أدخله الدكتور في كتاب "السيرة النبوية" باللغة الفرنسية كباب مستقل فطبع مع هذا الكتاب للمرة الثامنة في سنة ١٩٥٩م . ثم نشر وحده من حيدرآباد الدكن في سنة ١٩٦٩م ثم طبع الطبعة العاشرة أيضا من حيدرآباد الدكن في سنة ١٩٧٦م ، حيث طبعه أحد التلاميذ الدكتور وهو الدكتور يوسف الدين ريئس الأسبق لقسم الثقافة الإسلامية بالجامعة العثمانية بحيدرآباد الدكن. (٤٣)

❸ رسالة إلى النجاشي

هذه رسالة صغيرة جدا تشمل ٢٤ صفحة ، طبعته ''اداره ترقى تعليم اسلامي'' بحيدرآباد الدكن في سنة ١٩٣٢م باللغة الأردية وكان معها الصورة الخطية لرسالة الرسول ﷺ إلى النجاشى- (٤٤)

❹ كتاب المحبر

هذا الكتاب ألفه الشيخ محمد بن حبيب البغدادى المتوفى سنة ٢٤٥هـ وهو أقدم من الطبرى والمسعودى وابن قتيبة في كتابة التاريخ ، كان لهذا الكتاب نسخة خطية وحيدة في مكتبة المتحف البريطانى بلندن، فأخذ الدكتور هذه النسخة الخطية الوحيدة ونشرها في صورة الكتاب بتحقيقه تحقيقا ممتازا- طبعه دائرة المعارف العثمانية بحيدرآباد الدكن في سنة ١٩٤٢، والكتاب باللغة العربية (٤٥)

❺ نظام الحكم في العهد النبوي

يشمل هذا الكتاب على مجموعة لمقالات الدكتور الآتية:

- لماذا ندرس السيرة النبوية؟
- دولة مكة و المدينة-
- أول دستور في العالم-
- التصور القرآنى للدولة-
- العدل الإسلامى -
- نظام التعليم في العهد النبوي-

- تأثير الجاهلية على النظام الاقتصادى۔
- أصول السياسة في العهد النبوى۔
- تأليف القلوب أول قاعدة السياسة الخارجية۔
- الهجرة۔
- الرسول والشباب ۔
- تعامل الرسول مع الشباب۔

طبعت بعض هذه المقالات خلال الفتره ١٩٣٧۔١٩٤٣م في المجلات الكبرى الهندية مثل المجلة السيرة، مجلة التحقيقات العلمية، والمجلة النظامية، المجلة السياسة ومجلة المعارف، وكلها كانت تصدر من حيدرآباد الدكن إلا مجلة المعارف ، وهى كانت تصدر من أعظم كره۔ وقرأ بعضها الدكتور في الندوات العلمية في الهند ثم طبعت وتّم نوز يعها للفائدة العامة۔

ظهرت هذه المقالات في صورة كتاب لأول مرة في سنة ١٩٤٤م ونشرته مكتبة الجامعة بدهلى ثم نشره للمرة الثانية المكتبه الإبراهمية بحيدرآباد الدكن في سنة ١٩٥٠م ثم نشره للمرة الثالثة اكاديمية السند بكراتشى في سنة ١٩٨١م۔

يقع الكتاب في ٣٥٣ صفحة ، ٥٣ صفحة خصصت للفهارس۔ تمتاز الكتاب بالجداول والخرائط التى تساعد القارئ على فهم الموضوع، ثم ذكر الدكتور على هامش كل صفحة المصادر والمراجع في اللغة الانجليزية والفرنسية والألمانية فارتفع بهذا مرتبة الكتاب بين الأوساط العلمية۔(٤٦)

⑥ ميادين الحرب في العهد النبوي

هـذا الكتاب يبحث عن غزوات النبي ﷺ مثل غزوة بدر، والأحد، والخندق، وفتح مكة ، وغزوة حنين وغير ذلك ، كتب الدكتور على هذه الغزوات من وجهة النظر الحربية والعسكرية بأسلوب جديد ، و يعتبر الكتاب نوع فريد في موضوعه ، يمتاز الكتاب بأن المصنف زار هذه الأماكن التى حارب فيها رسول الله ﷺ مع أعدائه لمشاهدة علمية مرتين لأجل الكتابة حول هذا الموضوع، و وضع الجداول بنفسه مع التزويد بصور فوتو غرافية التى تفيد القارى في فهم هذه الحروب۔

ذكر الدكتور في ترجمته الانجليزية لهذا الكتاب بأنه قرأ مقالا مختصرا على هذا الموضوع باللغة الفرنسية في جامعة سوربون بفرنسا في سنة ١٩٣٩م و وضع الأماكن بالخرائط للمستفيدين فطبع المقال بهذه باللغة الفرنسية ثم نقلة الدكتور إلى اللغة الأردية فطبعته مجلة التحقيقات العلمية بالجامعه العثمانية في سنة ١٩٤٠م ، ثم نشرته بعد ذلك المجلات الكبرى الهندية حتى ظهر في صورة كتاب لأول مرة في ١٩٤٥م وطبعته شركة وراقة بحيدرآباد الدكن، ثم طبعه ثانيا مطبع الانتظامى۔ كما آفاد الدكتور بأن اللّٰه سبحانه وفقه لزيارة هذه الأماكن مرة ثانية بعد نشر الكتاب الانجليزية وأنه تمكن على حصول معلومات جديدة فيضيفه إلى الكتاب۔

طبع هذا الكتاب مرارا باللغة الأردية كما طبع مرارًا باللغة الانجليزية۔ نقله إلى اللغة العربية عبد الفتاح إبراهيم باسم ''محمد القائد'' ونشره من القاهرة في سنة ١٩٥٤م كما نقله إلى اللغة الفارسية غلام رضا سعدى ونشره من طهران في سنة ١٩٥٦م وأيضا نقله إلى اللغة التركية صالح تك نشره من استانبول في ١٩٦٢م ۔ يشتمل الكتاب على ثمانية أبواب الآتية:

① أسباب الحروب النبوية ﷺ.

② البدر.

③ أثريات ميدان البدر المعاصر.

④ الأحد.

⑤ الخندق.

⑥ فتح مكة.

⑦ الحنين والطائف.

⑧ حروب اليهود. (٤٧)

❼ حياة الرسول السياسة

هذا الكتاب يبحث عن الجوانب الجديدة عن سياسية الرسول ﷺ ويوضح علاقته بقبائل العرب المختلفة مثل القريش في مكة وأهل الروم وأهل إيران وأهل الحبشة وغير ذلك. والكتاب في الأصل مجموعة مقالات التى كتبها الدكتور خلال الفترة ١٩٣٥ـ١٩٥٠م وهى ٣٥ مقالة منها ثلاث مقالات كتبها في ١٩٦٧م. وبسبب ذلك لم يبخل الدكتور من كتابة تاريخ نشر كل مقال في بدء الكتاب. ذكر الدكتور في مقدمته لأنه ما خطر بباله وقت كتابة هذه المقالات بأنها سوف تصبح أبواب كتاب مستقل ، وأن القارى سوف يقرأ مقالته مع مقالات أخرى في نفس الموضوع. وإننى أحب الكتابة على ترتيب الأمصار والقبائل دون أن كتبه حسب السنين. طبع الكتاب لأول مرة في سنة ١٩٥٠م ثم راجعه الدكتور للطبعة الثانية أضاف إليه بعض المعلومات الجديدة وصَوّب بعض الأخطاء في سنة ١٩٦٧م. ثم طبعه للمرة الثالثة دار

الإشاعة بكراتشى بإذن المؤلف بإضافات جديدة أخرى في سنة ١٩٨٠م.(٤٨)

❽ السيرة النبوية

كتب الدكتور في هذا الكتاب السيرة النبوية باللغة الفرنسية ، ويعبتر الكتاب هدية ثمينة من الدكتور إلى أهل فرنسا. طبع في مجلدين ، لأول مرة في سنة ١٩٥٩م بفرنسا ثم طبع ثانيا فى سنة ١٩٧٤م أيضا في فرنسا ترجم الدكتور محمود أحمد غازى المجلد الأول منه إلى اللغة الانجليزية ونشره مجمع البحوث الإسلامية باسلام آباد في سنة ١٩٩٨م.

❾ محمد رسول الله ﷺ

جمع الدكتور في هذا الكتاب مقالاته المختلفة حول السيرة باللغة الانجليزية في مكان واحد ثم قسمها إلى ١٦ بابا ، يجد القارى الاختصار في جميع جوانب السيرة في هذا الكتاب. أما الكتب الأخرى للدكتور فتوجد فيها التفصيل. طبع الكتاب لأول مرة في حيدرآباد الدكن وي سنة ١٩٧٤م ثم طبع في كراتشى سنة ١٩٧٩م ، كتب الدكتور في أول الكتاب مقدمة مختصرة وجعل في آخره فهارس ، ترجمه إلى اللغة الأردية نذير حق وثم ترجمته إلى اللغة التركية أيضاً. (٤٩)

❿ خطب بهاولبور

ألقى الدكتور هذه الخطب أمام جمع من أهل العلم والفضل فى الجامعة الإسلامية بهاولپور على دعوة من رئيسها في مارس ١٩٨٠م وتعتبر خطباهامة بسبب غزارتها العلمية وأسلوبها الجميل كأنها هدية إلى الأمة الإسلامية في مستهل القرن الخامس عشر الهجرى، كتب الأستاد عبد القيوم عن هذا الخطب:

" على الرغم من أن هذه الخُطَب لم تكن مرتبة حسب كتاب مستقل ولكنها من حيث إفادتها العامة قد زادت قيمتها، لأن الخطيب الفاضل الدكتور محمد حميد الله قد ألقى هذه الخطب في ضوء خبرته الطويلة وقراء ته الواسعة ، أعطى السامع التصور الواضح للإسلام و نظامه الاجتماعي مقارنا بالديانات الأخرى، وهكذا تتجلى الثقافة الإسلامية من خلالها۔" (٥٠)

تصل عدد الخطب التى ألقاها الدكتور إلى اثنى عشر خطبة ، ومنها الخطب الست الأخيرة لهذه المجموعة تدور حول السيرة ﷺ و عناوينها كالآتى:

① الدولة في العهد النبوى ونظامها۔

② نظام الدفاع والغزوات في العهد النبويؐ۔

③ نظام التعليم في العهد النبويؐ۔

④ العدل والتشريع في العهد النبويؐ۔

⑤ النظام المالى والتقويم في العهد النبويؐ۔

⑥ الدعوة والتعامل مع غير المسلمين في العهد النبويؐ۔

سجلت هذه المحاضرات على الشريط المسبحل خلال إلقاء ها ثم نقلت حرفاً حرفاً على الورق ، وقدّمت للقراء وأهل العلم بعد طبعها في ابريل ١٩٨١م من قِبَل الجامعة الاسلامية ببهاولبور، وكانت هذه من الطبعة الأولى لها ثم طبعت ثانيا في سنة ١٩٨٢م ، وراجع هذه الطبعة الدكتور نفسه وكتب على النسخة المرسلة إليه بعد المراجعة " نسخة مصححة " مع توقيعه كما تقدّم بتقديم موجز في أول الكتاب وجعل

في آخره الفهارس مع ذكر المراجع من كتبه ومقالاته التى توجد فيها معظم مواد هذه المحاضرات. ثم أعيد طبع هذه المحاضرات مرارا من قبل مجمع البحوث الإسلامية فصدرت الطبعة الثانية من المجمع في سنة ١٩٨٨م والثالثة في سنة ١٩٩٢م والرابعة في سنة ١٩٩٥م ، وهذا دليل على إفادتها و قبولها بين الناس.

١١. كتاب السيرة لابن اسحاق

كتاب السيرة لمحمد بن اسحاق المتوفى سنة ١٥١هـ يعتبر من أولى مصادر السيرة النبوية ، وكل من كتب في السيرة بعده اعتمد عليه ، الاسم الكامل لهذا الكتاب هو "كتاب السير والمبتدا والمغازى" و تزيد في قيمة الكتاب مكانة محمد بن اسحاق الذى كان تلميذا لمحمد بن شهاب الزهري المتوفى سنة ١٢٤هـ ، وهو أول بدأ بتدوين الحديث بأمر من عمر بن عبد العزيز .فكان كل هَمّ الدكتور العثور على النسخ الخطية لهذا الكتاب ، فوجد النسخة الخطية الأولى في مكتبة دمشق التى كتبت في سنة ٤٥٤هـ ثم وجد النسخة الخطية الثانية بمكتبة جامعة القرويين بفأس التى كتبت في سنة ٤٥٦هـ، وقارن بين المخطوطتين، وقدم في صورة الكتاب للعلماء والباحثين الذين كانوا مشتاقين الى رؤيته منذ زمن بعيد حتى ظن بعضهم أن نسخ هذا الكتاب الخطية قد ضاعت مع مرور الزمن من المكتبات ففرح الجميع بظهور الكتاب وشكروا الدكتور على تحقيقه. كتب الدكتور المحاكمة في آخر الكتاب تحدث فيها عن كتابة التاريخ والسيرة ومصادرها الأولى لدى المسلمين ، وكيف حافظ أسلافهم على هذا التراث خلال القرون العديدة التى مضت وحتى البحوث الجديدة تؤيد صدق الأولين ولم يحدث فيه أى تغيير.

طبع الكتاب من قبلَ جامعة الرباط في سلسلة المطبوعات لكلية الآداب في مستهل القرن الخامس عشر الهجرى وشكرفيه الاستاذ محمد طاهر الفارسي وزير

الشـئون الدينية للدولة المغربية الدكتور على جهوده لإحياء التراث الإسلامي الأصيل و ترجـم إلـى الـلـغة الأردية الـمـحـامـى نـور الهٰى العدد الخاص بالسيرة بمجلة النقوش الصادرة من لاهور في سنة ١٩٥٨م- (٥١)

١٢- إقامة الرسول الدولة ونجاحه فيها

كتـب الـدكتـور هـذا الـكتاب المختصر باللغة الانجليزية وتناول فيه الموضوعات الهـامة مثـل التـصـور الـقـرآنـى لـلـدولة، نـظـام الضـرائب في عهد الرسول والميزانية السـنـوية ، و تعامله ﷺ مع غير المسلمين وغير ذلك- وتدل هذه الموضوعات على ما بـذل الـرسـول ﷺ مـن جهـد لإقـامة الـدولة الـقـويّة- طبـع الـكتاب في حيدر آباد بعد مـراجـعة الـدكتـور لـلـمـرـة الثانية في سنة ١٩٨٦م و تم نشره من اسلام آباد في سنة ١٩٨٨م- (٥٢)

١٣- ست رسائل لرسول الإسلام السياسية والدعوية مع صور النسخ الخطية:

نشـر الدكتور في هذا الكتاب سـت رسـائل رسول اللّٰه ﷺ إلى كل من :

① مقوقس ملك مصـر والإسكندرية-

② النجاشى ملك حبشة-

③ قيصـر ملك الروم هرقل-

④ كسرى فارس وهو برويز بن هرمز بن انو شيروان-

⑤ والمنذر بن ساوي-

نشـر الدكتور هذه الرسائل بعد التحقيق باللغة الفرنسية مع صور النسخ الخطية- طبع الكتاب في فرنسا ١٩٨٦م

١٤- محاضرات حول السيرة التى ألقاها فى الجامعة العثمانية

هذه رسالة مختصرة تحتوى على ٧٢ صفحة تشمل على المحاضرات التى ألقاها الدكتور خلال تدريسه في الجامعة العثمانية- رتبها محمد عبد الحى أحد تلاميذ الدكتور بعد المقابلة عند تلميذين للدكتور وهما الدكتور رشيد الحسن والدكتور محمد تاج الدين- هكذا طبعت هذه المحاضرات بعد المقابلة والتدوين في المجلة الأسبوعية "الهدى" التى كان تصدر من حيدر آباد الدكن ثم نشرها الدكتور يوسف الدين رئيس الأسبق لقسم الثقافة الإسلامية بالجامعة العثمانية مع الهوامش من حيدر آباد الدكن في ١٩٨٧م- و هذه هي عناوين هذه المحاضرات :

① فائدة قراء ة السيرة النبوية-

② حالة الدول المجاورة للعرب وقت بدء الإسلام-

③ حالة مكة والمدينة وقت بدء الإسلام-

④ سيرة الرسول ﷺ قبل النبوة-

⑤ الأحداث الهامة من الهجرة إلى الوفاة-

وكل هذه المحاضرات أدمجها الدكتور في كتبه المختلفة مع إضافات خلال كتاباته عن السيرة- (٥٣)

الهوامش

١۔ ومن نسب إليها ، وإنما وجدت كلمة ''نايتى'' وربما تغيرت هذه الكلمة إلى نوائطى مع تغيير الزمن في شبه القارة الهندية۔

٢۔ ينظر السيوطي ، جلال الدين عبد الرحمن ، لب اللباب فى تحرير الأنساب ، ص : ٢٥٩، بغداد ، المكتبة المثنى ، بدون تاريخ۔

٣۔ الحموى/ياقوت بن عبد الله أبو عبد الله ، معجم البلدان ، ج : ٥ ، ص : ٢٥٤، بيروت وارصاد ، صبعة، ١٣٩٧ھ / ١٩٧٧م۔

١۔ سورة النحل : ٤٢/١٦۔

٢۔ سورة النساء : ٦٥/٤۔

٣۔ محمد حميد الله ، الدكتور ، صحيفة ہمام بن منبه ، ص ٩، كراتشى ، رشيد الله يعقوب۔ الطبعة الثانية: ١٩٩٨م۔

٤۔ محمد حميد الله الدكتور ۔ تذكره قانون ، ص : ٣٥ ، حيدر آباد ، الدكن ، طبعة ١٩٤٤م

٥۔ لوأجد فى أنساب العرب كلمة ۔

٦۔ صحيفه ہمام بن منبه ، ص : ٩۔

٧۔ المجلة العثمانية الفصلية، كراتشى العدد ابريل۔ يونيو ١٩٩٧م ص ٢٧ مقال ''ايك عالم ايك محقق''، وايضاً ص:٤٥ ، مقال ''جلا وطن''۔

٨۔ المصدر السابق ، ص : ٢٤۔

٩۔ مجلة الدعوة، اسلام آباد ، العدد مارس ٢٠٠٣، ص : ٢٨، ٢٩ مقال '' ڈاكٹر حميد الله بيسويں صدى كے ممتاز ترين محقق''۔

١٠۔ المجلة العثمانية الفصلية، كراتشى، عدد ابريل ، يونيو ١٩٩٧م ص : ٤٦ ، مقال ''جلاوطن''۔

١١۔ المصدر السابق ، ص : ٦٧، مقال ''د۔حميد الله خود جلا وطنى كى زندگى گزارنے والے ايك محقق''۔

١٢۔ المصدر السابق ، ص : ٦٨۔

١٣۔ المجلة العثمانية الفصلية ، كراتشى ، العدد ابريل/يونيو ١٩٩٧م ص : ٢٥ ، ''ايك عالم ايك محقق''۔

مجلة الدعوة الأسوعية اسلام آبا د، العدد مارس ٢٠٠٣، ص :٥٨، مقال '' ڈاكٹر محمد حميد الله علمى روايات كے آمين ''۔

١٤۔ المجلة العثمانية الفصلية ، كراتشى العدد ، ابريل ، يونيو ١٩٩٧م ، ص :٢٤، مقال '' ايك عالم ايك محقق''۔

١٥۔ المصدر السابق ؛ ص :٢٨۔

١٦۔ أبو الآفاق، سيد ابو الاعلى المودودى ، سوانح افكار؛ تحريك ، ص : ٤٣٠، لاهور۔ مبين اسلامك پبلشرز ، الطبعة الأولى ، يونيو ١٩٧١م -

١٧۔ محمد حميد الله ، الدكتور ، خطبات بهاول بور ، اسلام آباد، ادارة تحقيقات اسلامى ، طبعة: ١٩٩٥م -

١٨۔ مجلة التكبير الاسبوعية ، كراتشى، العدد ٢١ مايو ١٩٩٢، ص : ٢٦، ٢٧۔

١٩۔ المجلة العثمانية الفصلية كراتشى العدد ، ابريل۔ يونيو ١٩٩٧م ، ص : ٦٧۔

مقال محمد حميد اللّه خود جلا وطن كى زندگى گزارنے والے ايك عالم ''مجلة الدعوة الأسبوعية اسلام آباد العدد مارس ٢٠٠٣، ص : ٤٥ ، مقال ''د۔ محمد حميد اللّه ايك بے مثال محقق''۔

٢٠۔ المجلة العثمانية الفصلية الكراتشى ، العدد، ابريل ، يونيو ١٩٩٧، ص : ٤٣، مقال ''د۔محمد حميد اللّه نقوش و تأثرات :مجلة الدعوة الاسبوعية اسلام ، مارس ٢٠٠٣، ص: ٤٩، ٥٠ ۔ مقال ''د۔ محمد حميد اللّه ايك مثال محقق''۔

٢١۔ محمد حميد اللّه الدكتور ، خطبات بهاولبور ، ص : ٢٤۔

٢٢۔ المصدر السابق ، ص : ٢٠١۔

٢٣۔ المصدر السابق ، ص :٣٤۔

٢٤۔ المجلة العثمانية الفصلية كراتشى العدد ابريل يونيو ١٩٩٧م ، ص : ٢٤ ۔ مقال ''ايك عالم ايك محقق''۔

٢٥۔ مجلة الدعوة الأسبوعية۔ اسلام آباد۔ العدد ٤٥۔

٢٦۔ المصدر السابق ، ص : ٧٠، مقال " ڈاکٹر محمد حمید اللہ علمی روایات کے امین " ۔

٢٧۔ المجلة العثمانية الفصلية كراتشى ، العدد ، ابريل يونيو ١٩٩٧، ص :٤٣ ، مقال "ڈاکٹر محمد حمید اللہ خود جلاوطنی کی زندگی گزارنے والے ایک عالم " مجلة الدعوة الأسبوعية اسلام آباد العدد مارس ٢٠٠٣، ص ٨٠ ، مقال "د۔محمد حميد الله ۔

٢٨۔ مجلة العثمانية الفصلية كراتشى ، العدد ابريل يونيو ١٩٩٧م ، ص ٢٤ ، مقال "ایک عالم ایک محقق"۔

٢٩۔ مجلة الكتبير الأسبوعية، كراتشى ، العدد۔ ٢١ ۔ مايو ١٩٩٢ ، ص : ٢٦۔٢٧۔

٣٠۔ مجلة الدعوة الاسبوعية اسلام آباد العدد بارس ٢٠٠٣، ص : ٤٨ ، مقال "د۔محمد حمید اللہ ایک بے مثال محقق"۔

٣١۔ محمد حميد الله ، الدكتور ، صحيفة همام بن منبه ، ص : ٤٣۔

٣٢۔ محمد حميد الله "د۔ صحيفة همام بن منبه ، ص : ٢٣۔

٣٣۔ المصدر السابق ، ص : ٤٢۔

٣٤۔ المصدر السابق، ص : ٨٦۔٨٧۔

٣٥۔ المصدر السابق ، ص ٤٠۔

٣٦۔ المصدر السابق ، ص : ٤٠۔

٣٧۔ المصدر السابق ، ص : ١٩٢۔

٣٨۔ السبكى، تاج الدين عبد الوهاب ، طبقات الشافعية الكبرى ، ج ٦ ، ص : ٧ ، ترجمة رقم : ٥٦٥ ، القاهرة ، دار إحياء الكتب العربية طبقة ١٩٦٩م ، بتحقيق عبد الفتاح محمد الحلو و محمد الطفاحى۔

٣٩۔ القروينى ، احمد بن اسماعيل أبو الخير ، كتاب السرد والفرد ، ص : ٦ اسلام آباد، المجلس الوطنى للهجرة، الطبعة الأولى ٤١٠ هـ/ ١٩٩٠م بتحقيق الدكتور محمد حميد الله۔

٤٠۔ القزوينى ،احمد بن اسماعيل أبو الخير كتاب السرد و الفرد ، ص :٥۔

٤١۔ سورة البقرة : ٢/٢٨٢۔

٤٢۔ محمد حميد الله د مجموعة الوثائق السياسية للعهد النبوى والخلافة الراشدة۔ ص،ب للمقدمة، القاهر لجنة التأليف والترجمة والنشر، الطبعة الثانية ١٣٦٧هـ/ ١٩٥٦م ۔

٤٣۔ المجلة العثمانية الفصلية ، كراتشي ، العدد ابريل يونيو ١٩٩٧م ، ص : ٨٩ "مقال ڈاکٹر محمدحمید اللہ کی اردو کتابوں کا تعارف "۔

٤٤۔ المصدر السابق ، ص: ٩٠۔

٤٥۔ المصدر السابق ، ص:٩٨۔

٤٦۔ محمد حميد الله ، الدكتور ، عہد نبوی میں نظام حکمرانی ، كراتشی اكاديميه السند الأردية۔ الطبعة الثالثة ١٩٨١م ۔

٤٧۔ محمد حميد الله ، الدكتور، عہد نبوی کے میدان جنگ ، راولبندی مرکز علمی طبعة١٩٨١م ۔

٤٨۔ محمد حميد الله ، الدكتور ، رسول اکرم ﷺ کی سیاسی زندگی ، كراتشی ، دارلإشاعت ، طبعة ١٩٨٠م ۔

٤٩۔ Dr. Muhammad Hamidullh, Muhammad Rasullah, Karachi,1979

٥٠۔ محمد حميد الله، الدكتور ، خطبات بهاولبور ، ص : ١٦۔

٥١۔ مجلة النقوش ، لاهور العدد : ١٣٠، الخاص بالسيرة۔

٥٢۔ Dr. Muhammad Hamidullah The Prophet's Establishing and his Succassion, Islamabad,1980.

٥٣۔ المجلة العثمانية الفصلية ، كراتشی العدد ، ابريل ، يونيو ١٩٩٧م ، ص : ٩٧، مقال "د۔ محمد حميد اللہ کی اردو کتابوں کا تعارف"۔

تدوين القرآن الكريم وتراجمه

الأستاذ الدكتور محمد حميد اللّٰه

الكتب المنزلة قبل القرآن

روى ابن العربي عن رسول اللّه ﷺ أن اللّٰه خلق مائة ألف آدم۔ و نحن من أولادهم۔(١) وروى أحمد بن حنبل أن النبي ﷺ قال أن اللّٰه أرسل منذ آدم عليه السلام مائة وأربعا وعشرين ألف من الأنبياء من بينهم ثلاث مائة وخمسة عشر صاحب رسالة۔ (٢)

ومن هذه الكتب المنزلة ما عزى الى آدم عليه السلام ، والى ابنه شيث عليه السلام ، ولم يبق لنا منهما عين ولا أثر۔ ومنها ما عزى الى ادريس (أنوخ) عليه السلام ۔ فى الجيل السابع من آدم كما أكد التوراة۔ وكان اقتبس منه رسالة يهودا في العهد الجديد بشارة آخر الأنبياء ، ووجدوا حديثاً مخطوطة حبشية لكتاب أنوخ فيما وجدوا في منارية البحر الميت ، في الأردن۔ وفيها هذه البشارة وأيضا أشياء ما لا يمكن أن تكون منها من الحوادث التى وقعت بعد زمن أنوخ عليه السلام۔ وفي العراق توجد الى يومنا هذا طائفة من الصابئين يدعون أنهم لا يزالون يتبعون دين نوح عليه السلام ، وأنه كان عندهم في قديم الزمان كتاب نوح عليه السلام وضاع ولم يبق إلاعدة أسطر من الأوامر الأخلاقية۔

وذكر القرآن الكريم بالصراحة صحف إبراهيم عليه السلام (٣) واقتبس منها آيات ، وهذه الصحف معروفة عند اليهود والنصارى أيضا ولكن بدون معلومات عن

محتواها۔ أما صحف موسى عليه السلام فقد ذكرها القرآن مرارا عديدة، وهى متد اولة بين أيدينا ونجدها كخمس رسائل في أول العهد القديم۔ ومن تاريخها أن السفر الخامس (كتاب التثنية) لم يعرف في أول الأمر ، ولما مضى ستمائة سنة على موسى عليه السلام ، جاؤا الى أحد ملوكهم بمخطوطة مجهولة وقالوا وجدناها في مغارة۔ فسلمها الملك الى نبية لهم۔ وعند اليهود يجوز لامرأة أن تكون نبية۔ فقالت : هى لموسى عليه السلام ۔ وبالعموم فيما يتعلق بكتب موسى عليه السلام نسميها '' التوارة'' فكانت عندهم إلى زمن بخت نصر ملك بابل الذي حارب فلسطين واحتل بيت المقدس وجمع جميع مخطوطات التوارة وحرقها عن آخرها۔ فلما مضى عليه مائة سنة۔ كان عندهم نبى اسمه عزرا (عزير؟) عليه السلام ، فأكد أنه يحفظ التوراة ، فأملاها لهم۔ ثم بعد ذلك قاد أنطيو خوس جيوش الروم واحتل بيت المقدس وأتلف جميع مخطوطات التوراة ، وبعد زمن جاء ت الروم تحت قيادة طيطوس وأتلفوا نسخ التوراة عن جديد۔ والذي بين أيدينا هو الإعادة الثالثة ، ولكن كيف وعلى أى أساس؟ لا نعرفه ومع هذا نجد فيها بشارة النبي المنتظر۔ ومجرى زبور داؤد عليه السلام مثل ماجرى للتوراة۔

والمجوس أيضا يدعون كتابا ملهما من الله (على زردشت) واسمه أويستا۔ وبعد زمن تغيرت لغة البلاد لهجوم الأجانب واحتلالهم، ولذلك ترجموا خلاصة الأصل إلى اللغات الجديدة۔ ولكن الذي يوجد الآن ليس منه الا العشر أوأقل منه۔ وفيه أيضا بشارة آخر الأنبياء ''رحمة للعالمين'' وعند البراهمانيين من الهند كتب دينية يدعون أنها منزلة من اللّٰه (وفيها أيضا بشارات لآخر الأنبياء) مثل ويدا، وبرانا ، و گيتا وابانيشدا ، وقال البيرونى أنها تداولت على الألسن فحسب ولم تكتب إلا قبيل سفره الى الهند۔

إن عيسى عليه السلام جاء بالانجيل وبَلَّغه شفاهيا ، ولم يكتبه ولم يمله، كأنه

خاف أن يصيبه ما أصاب التوراة؛ فأراد أن يبقى في قلوب المؤمنين به ، وبعد زمن طويل بدأ حواريون ومن تبعهم أن يدونوا ما حفظوا من سيرة عيسى عليه السلام ، وسمى كل واحد من هؤلا المؤلفين ذكرياته باسم الانجيل. ويوجد أكثر من سبعين كتابا، اسم كل واحد منها الانجيل. والكنيسة انتخبت أربعة منها ولكن لا نعرف متى ؟ وكيف ؟ وقالت وإن الباقى منها غير موثوق بها. وفي الأنا جيل المتداولة أيضا بشارات عيسى عليه السلام عن النبى الأخير.

هذه خلاصة ما حدث لكتب أنبياء السلف عليهم الصلاة والسلام.

القرآن وتدوينه

تولد نبى الاسلام سيدنا محمد ﷺ بمكة في سنة ٥٦٩ للميلاد (وأخطأ من زعم سنة ٥٧٠ أو ٥٧١) . كان التقويم بمكة على سنة شمسية ولم يلغه النبي عليه السلام إلا في حجة الوداع، ثلاثة أشهر قبل وفاته ، وبما أنه توفى سنة ٦٢٣ للميلاد وكان سنه ٦٣ سنة، فلا بد من أن كانت ولادته في ٥٦٩ للميلاد ، على كل حال لما بلغ أربعين سنة أوحى الله إليه في شهر رمضان (أى ديسمبر ٦٠٩) ، وكان أميّا لا يقرأ ولا يكتب. ومن لطيف حكمة الله أن الوحى الأول (سورة ٩٦، آيات ١-٥) الى النبي الأمىّ كان أمرا بتعلم القراء ة وثناء على القلم والمعرفة لما لم يعلم قبل. ثم قضى الله في حكمته البالغة فترة ثلاث سنوات في الوحى كى يستعد النبي الأمى لأداء واجبات النبوة ثم أنه تكرر نزول الوحي ودام لعشرين سنة أخرى إلى وفاته في ربيع الأول سنة ١١ للهجرة ٦٣٢ م وأعتنى النبي عليه السلام بجمع ما كان ينزل عليه من وقت الى آخر على الطريق الآتى: وذكر ابن اسحاق (٤) : كان إذا نزل القرآن على رسول الله ﷺ قرأهُ على الرجال ثم على النساء. ثم يدعو كاتبا فيملى عليه. روى البخارى (٥): ''لما نزلت ﴿لا يستوى القاعدون﴾ الآية قال النبي ﷺ : ادع لى زيدا ، وليجئى باللوح والدوات والكتف ثم قال:

أكتب ...... ـ روى الهيثمى (٦) عن زيد بن ثابت قال : كنت أكتب الوحى لرسول اللّهﷺ. وكان إذا نزل عليه أخذته برحاء شديدة وعرق عرقا شديدا مثل الجمان، ثم سرى عنه فكنت أدخل بقطعة المسب أو كسرة فأكتب وهو يملى عليّ. فما أفرغ حتى تكاد رجلى تنكسر من ثقل القرآن حتى أقول لا أمشى على رجلى أبدا. فاذا فرغت قال : اقرأه ـ فأقرأه ، فإن كان فيه سقط أقامه ثم أخرج به إلى الناس رواه الطبرانى باسنادين رجال أحدهما ثقات، فكان من شدة احتياطه ﷺ أنه كان يملى ثم يطلب أن يقرأ ماكتب ليصحح لو أخطأ. ولا بأس بأن نلفت نظر القارى الى ما قال الهيثمى أن هذا الحديث بعينه مروى باسنادين رجال أحدهما ثقات، أى حتى غير الثقات لا يكذبون دائما. (وهذا في المعجم الأوسط للطبرانى)

إن ما نقلناه عن زيد بن ثابت يتعلق بما بعد الهجرة. ولا بد من أن يكون كذلك في مكة قبل الهجرة أيضا؛ لأن كتابة القرآن مذكورة في السورة المكية من القرآن مثلاً :

﴿وَ قَالُوْا اَسَاطِيْرُ اْلَأَوَّلِيْنَ اكْتَتَبَهَا فَهِىَ تُمْلٰى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَّأَصِيْلاً﴾

(الفرقان ٢٥ـ٥)

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيْمٌ فِىْ كِتَاب مَكْنُوْن لَا يَمَسُّهُ إِلَّا اْلُمطَهَّرُوْن﴾

(الواقعة: ٥٢ـ٧٧ـ٣٢)

﴿رَسُوْلٌ مِنَ اللّٰهِ يَتْلُوْ صُحُفًا مُطَّهَرةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾

(البينة ٩٨ـ٣٢)

وفي الحديث أيضا ذكر كتابة القرآن قبل الهجرة. مثلاً :

① أسلم سيدنا عمر رضى الله عنه في السنة للبعثة بعدما قرأ سورة طه (٧) ومعلوم أن سورة طه هي سورة ٢٠ تدوينا و ٤٥ نزولا ، ونقل السهيلى (٨)

عـن يـونـس أن الـصـحـيـفة (التى قرأهاعمر) كان فيها مع سورة طه ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ (وهي ٨١ تدوينا و ٧ نزولا)

② ذكر السمهودى (٩): عـن ابـن زبالة أن رافع بن مالك الزرقى (الانصاري) لما لقى رسـول الـلّـه ﷺ وسـلـم بالعقبة أعطاه رسول اللّه ﷺ ما أنزل عليه في العشر سنين التى خلت.

③ قـال : وقـدم بـه رافـع الـمـدينة فـجمع قومه فقرأه في مسجده...... وعن مروان بن عثمان بن المعلى قال : مسـجد قرئ فيه القرآن، مسجد بنى زريق

نـزل القرآن نجما ٢٣ سنة. ولـم يدونه النبى عليه السلام آليا حسـب ترتيب النزول بـل حسـبـمـا ألهمه اللّه فى الترتيب الذى بين أيدينا. ولـم تنزل السور كاملة دفعة واحدة بـل فـي أثناء زمن طويل أو قصير. فتوجد في سور مكية آيات نزلت بعد الهجرة ، وسور مـديـنة أدخـلـت فيها بعض ما نزل قبل الهجرة. فمن البديهى أن النبي عليه السلام كما نـزل عـلـيـه وحى صرح لكاتبه أين مـحل الوحى الجديد في مجموعة القرآن الموجود في ذلك الـحين ، كما رواه أحمد وأصـحـاب السنن الثلاثة وابن حبان والـحاكم : كان رسـول الـلّـه ﷺ ينزل عليه السور ذوات العدد. فكان إذا نزل عليه الشئ دعا من كان يكتب ، يـقـول : ضـعوا هذه الآيات في السورة التى يذكر فيه كذا وكذا (١٠) قال ذوات العدد أى نـزل أجـزاء سـور مـتـعـددـة فـي نـفـس الزمن فكان الكتاب يكتبونها موقتاً على قطعات لـخـاف أو عـظـام أو أوراق ، وعـنـد تـمـام نزول سورة كاملة كان الكتاب يبيضونها في حـضور النبي عليه السلام. وهذا مانراه في رواية الحاكم في المستدرك والسيوطى في الاتـقان : عن زيد بن ثابت رضى اللّه عنه قال : " كنا عند رسول اللّه ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع" ولما خرج به الكاتب الى المسلمين كانوا يأخدون النقول لأنفسهم.

وأمـر الـنبـى عـليه السلام أيضـا تلقى القرآن من أستاذ مستند أى رأسا من النبي في أول الأمر، ثم من الذين أذن لهـم النبي عليه السلام تعليم الناس القرآن، والحقيقة أن الـقـراءـة من نسخة مكتوبة لا تكفى لأنه يجوز أن تكون فيها أخطاء من سهو الكاتب ، أو اشتبـاه فـي الـخط العربى القديم الذى لـم يعرف النقاط ولا علامات التشكيل للحروف. والـقـراءـة مـن أجيـال الأسـاتذة المستندين دامت الى يومنا هذا بين المسلمين. وهاكم كـالـمثـال نسـخة شهـادتـى من شيخ القراء الشيخ حسن الشاعر من المدينة المنورة ، وهى أفخر الشهادات العلمية عندى التي سعدت بحصولها في عمرى:

بسم الله الرحمن الرحيم

الـحمد للّٰه الذي أودع جواهرالمعانى الضيائية وقالب زواهر المبانى من الحروف الهـجـائية وأنـزل الـقـراءت بلسـان عربى مبين بواسطة الروح الأمين على رسوله خاتم النبيين أفصح من نطق بالضـاد من بين العباد صلى اللّٰه عليه وعلى آله وأصحابه (بعد) فهـذه إجـازة صريحة من الفقير إلى رحمة ربه القدير حسن بن ابراهيم الشهير بالشاعر الـمـقـرى والـمـدرس بـالـحرم الشريف النبوى إلى ولده الشاب الرشيد الكامل محمد حـميـد الـلّٰـه بن ابى محمد خليل القاطن حيدر آباد دكن ، فأنه قرأ على ختمة كاملة من أولهـا إلـى آخـرهـا بـالتـحـريـر والتـدقيـق وقـد اسـتـجازنى فأجزته بأن يقرأ بكلها رواية بشـروطهـا الـمـعتبـرـة وهـى تـقـوى الـلّٰه تعالىٰ في السر والعلانية ، ولى منه الدعوات الـصـالـحات في الخلوات و الجلوات كما أقرانى واشترط على شيخى وأستاذى وحيد دهـره وفـريـد عـصره البصير بقلبه ، تغمده اللّٰه برحمته الشيخ حسين بن محمد بيومى وهـو عـن الشيـخ مـحمد سـابق وهو عن الشيخ خليل المطوبسى وهو عن الشيخ محمد سـابـق وهـو عن الشيخ خليل المطوبسى وهو عن الشيخ على الحلو بمكة المكرمة وهو عـن الشيـخ أحـمد ابو سلمونة وهو عن الشيخ أسـافى وهو عن الشيخ أحمد الميهى عن

أبيه الشيخ على الميهى عن أبيه الشيخ على الميهى (وح إلينا) وهو عن سيدى محمد بن محمد الجزرى عن سيدى عبد الرحمن القسطنطنى عن سيدى عبد الرحمن ألازميرى عن سيدى سلطان المزاجحي عن سيدى أحمد المسيرى عن أبى جعفر الشهير بأوليا افندى (وح الينا) فأما رواية حفص فحدثنا بها أبو الحسن طاهر بن غلبوت المقرى قال حدثنا بها ابو الحسن على بن محمد بن صالح الهاشمى المقرى بالبصرة قال حدثنا بها أبو العباس أحمد بن سهل الأشنانى على أبى محمد عبيد الصباح على حفص على عاصم وهو عاصم بن إبى النجودا وكنيتهٔ ابو بكر ، تابعى قرأ على ابى عبد اللّٰه بن حبيب السلمى وزر بن حبيب الأسدى على عثمان وعلى وابن مسعود وأبى بن كعب وزيد بن ثابت على النبي ﷺ عن جبريئل عن اللوح المحفوظ عن رب العزة جل جلاله وعم نواله.

- راجى عفو ربّه القادر
- حسن بن ابراہیم الشاعر
- ختم (في ١٢ ربيع الاول ١٣٦٦)

وزد على هذا ، أن النبي ﷺ أمر المسلمين أن يحفظوا القرآن ويكرروا تلاوته مرّات عديدة كل يوم في صلواتهم وفي أوقات فراغهم آناء الليل وأطراف النهار. ومع أنه لم يجب حفظ جميع القرآن على كل واحد من المسلمين ، ولكن نجد عددا لا بأس به من الصحابة حفظوا جميع القرآن في حياة النبي عليه السلام ، ومن بينهم امرأة من الأنصار أم ورقة، من قدماء المؤمنات ، وكانت أرادت أن تشترك في جيش المسلمين في غزوة بدر وكان سماها النبى عليه السلام إمام المسجد وكانت تؤم الرجال والنساء من أهلها، ولها مؤذن. (١١)

الإعلان بين المسلمين والمسلمات عند كل وحي جديد وتدوينه كتابة ، وأمر التعليم عند أستاذ مستند ، وحفظ القرآن و تكرار تلاوة طول العمر، هذا ما كانت التدابير التى اتخذها النبي ﷺ في مكة قبل الهجرة ، رغم أذى المشركين، ولما هاجر الى المدينة ووجد سهولة أكثر لتبليغ الدين ، اتخذ تدبيرا جديدا مهما. فقد روى البخاري (١٢) عن فاطمة عليها السلام أسرالى النبي ﷺ أن جبريل يعارضنى بالقرآن كل سنة، أنه عرضنى العام مرتين ، وما أراه إلا حضور أجلي. وعن ابن عباس رضى اللّه عنهما ، قال : كان النبى ﷺ أجود الناس بالخير ، وأجود ما يكون في شهر رمضان لأن جبريل كان يلقاه في كل ليلة في شهر رمضان حتى ينسلخ، يعرض على رسول اللّه ﷺ القرآن.................... وعن أبى هريرة قال : كان يعرض جبريل على النبى ﷺ كل عام مرة ، فعرض عليه مرتين في العام الذى قبض. وكان يعتكف كل عام عشرا ، فاعتكف عشرين في العام الذي قبض، وقال ابن كثير (١٣) المراد من معارضته له بالقرآن كل سنة مقابلته على ما أوحاه إليه عن اللّٰه تعال ليبقى ما بقى ويذهب مانسخ، توكيدا واستثباتا و حفظاً ، ولهذا عرضه في السنة الأخيرة من عمره عليه السلام على جبريئل مرتين، وعرضه به جبريئل كذلك ، ولهذا فهم عليه السلام اقتراب أجله ، وعثمان رضى اللّٰه عنه جمع المصحف على الامام علي العرضة الأخيرة وكانت هذه العرضات معروفة ، فكان لا بد من أن يجى الصحابة حينئذ بنسخهم من القرآن ويقارنون على تلاوة النبى عليه السلام ويصححون نسخهم ، وذكر العرضة الأخيرة كثير ، وكان يحضرها بين أخرين سيدنا زيد بن ثابت كاتب الوحى أيضا.

ويظهر أن النبى ﷺ كان أراد في أواخر عمره أن يستنسخ نسخة كاملة من القرآن كما نرى في مانقله السيوطى (١٤) قال الحارث المحاسبى فى كتاب فهم السنن: كتابة القرآن ليست بمحدثة فانه ﷺ كان يأمر بكتابته ولكنه كان مفرقاً فى

الرقاع والأكتاف والخشب. فإنما أمر الصديق رضي بنسخها من مكان إلى مكان مجتمعا ، وكان ذلك بمنزلة أوراق وجدت في بيت رسول الله ﷺ فيها القرآن منتشرة فجمعها جامع وربط بخيط حتى لا يضيع منها شئ.

كان القرآن على هذه الحالة لما توفى النبى عليه السلام . ولما تولى أبو بكر الخلافة لم يشتغل به في أول الأمر، ولكن حروب الردة أكرهته عليه فقد استشهد فيها كثير من القراء وحفاظ القرآن. وأول من تنبه بخطورة الحال هو سيدنا عمر فذهب إلى الخليفة أبى بكر الصديق وقال : إن أصحاب الرسول يحبون الموت في سبيل الله كما يحب آخرون الحياة ولن يزالوا في المستقبل ، فلو أمرت بتبييضه في صورة كتاب. فقد روى البخاري (١٥) أن زيد بن ثابت قال : أرسل إلى أبو بكر مقتل أهل اليمامة (يقاتلون مسليمة الكذاب) ، فإذا عمر بن الخطاب عنده ، قال أبى بكر رضى الله عنه : ان عمر أتانى فقال : إن القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القران ، وأنى أخشى أن يستحر القتل بالقرآن بالمواطن فيذهب كثير من القرآن ، وإنى أرى أن تأمر بجمع القرآن ، قلت لعمر: كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ ؟ قال عمر : هذا والله خير، فلم يزل عمر يراجعنى حتى شرح الله صدري ورأيت في ذلك الذى رأى عمر قال زيد: قال أبو بكر : إنك رجل شاب عاقل لا نتهمك ، وقد كنت تكتب الوحى لرسول الله ﷺ فتتبع القرآن فاجمعه. فو الله لو كلفونى نقل جبل من الجبال ما كان أثقل على مما أمرنى به من جمع القرآن . قلت : كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ ؟ قال : هو والله خير فلم يزل أبو بكر يراجعنى حتى شرح الله صدرى للذى شرح له صدر أبى بكر وعمر رضى الله عنهما. فتتبعت القرآن أجمعه من الخشب ، واللخاف، وصدور الرجال حتى وجدت آخر سورة التوبة مع أبى خزيمة الأنصارى ، لم أجدها مع أحد غيره.

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ..........﴾

حتى خاتمة برأة. فكانت الصحف عند أبى بكر حتى توفاه الله ، ثم عمر حياته عند حفصة رضى الله عنهم. (١٦)

روى السيوطى (١٧) عن الحارث المحاسبى:"أوراق و جدت فى بيت رسول الله ﷺ فيها القرآن منتشرة فجمعها بجامع وربطها بخيط حتى لا يضيع منها شئ " كان النبى عليه السلام أراد في أواخر عمره تدوين نسخة كاملة للقرآن ، إما من تلقاء نفسه أو على طلب زوجته العالمة الفاضلة أم المؤمنين عائشة رضى الله عنها ويظهر أن تلك النسخة لم تكن كاملة وإلا لم يشتغل أبو بكر الصديق بجمع القرآن ، ثم نادى أبو بكر في المدينة المنورة : من كان تلقى من رسول الله ﷺ شيئا من القرآن فليأت به ، (السيوطى) وأخرج ابن أبى داؤد أيضا .... أن أبا بكر قال لعمر وزيد : اقعدا على باب المسجد ، فمن جاءكم بشاهدين على شيئ من كتاب الله فاكتباه ....وقال السخاوى في جمال القراء : المراد انهما يشهدان على أن ذلك كمكتوب كتب بين يدى رسول الله ﷺ ...... وقال أبو شامة : وكان غرضهم أن لا يكتب إلا من عين ما كتب بين يدى رسول الله ﷺ لا من مجرد الحفظ ، قلت أو المراد أنهما يشهدان على أن ذلك مما عرض على النبى ﷺ عام وفاته (السيوطى كذلك)

وفي رواية الطبرى عن زيد بن ثابت قال: لما كملت كتابة القرآن في المصحف قرأته . فوجدته تفقد فيه آية ٢٣ من سورة الأحزاب (٣٣-٢٣)

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

فبحثت عنها عند المهاجرين بيتا بيتا فلم أجدها عندهم ، ثم بحثت كذلك عند الأنصار فلم أجدها الا عند خزيمة بن ثابت الأنصارى ، فكتبتها ثم قرأت النسخة مرة

أخرى فوجدت تفقد فيها آيتان من آخر سورة التوبة (٩-١٢٨-١٢٩). ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنِ أَنْفُسِكُمْ﴾. الى : ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ﴾ ، فبحثت عند المهاجرين فلم أجدهما عندهم ، ثم بحثت عند الانصار ، فلم أجد عندهم الا عند خزيمة أخيرا ، فأدختلهما ثم قرأت ثالثا من أوله الى آخره ، فلما اطمأن خاطرى أنه جامع مانع لا ينقص شئ ، قدمت نسخة الصحف الى أبى بكر فأثنى على فكانت عنده.

لا أبحث كثيرا عن إدخال الآيات على شهادة واحدة، فالطبرى يصرح عند زيد بن ثابت خزيمة و خزيمة آخر " ، بينما البخارى (٦٦-٢)يقول لآيتى التوبة أبي خزيمة ولآية الاحزاب الخزيمة بن ثابت. وذكر عن خزيمة بن ثابت أنه ذو الشهادتين ؛ وكان رسول اللّه ﷺ جعل شهادته كشهادتين (وله قصة) ولم يذكر سبب قبول شهادة أبى خزيمة رضى اللّه عنهم لعلهم وجدوا شهادة واحدة مكتبوبة وشهادة أو شهادات أخرى من صدور الحفاظ الذين كانوا أميين ولكن حفظوا عن رسول اللّه ﷺ رأسا.ذكر الرواة أيضا ردّ الشهادة الواحدة (في هذا الصدد)، فسيدنا عمر رضى اللّه عنه قال: الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما نكالا من اللّه .... آية ، وأن النبى عليه السلام كان قال : "هو من كتاب اللّه " لم تكن هناك شهادة أخرى فردوه ، كأنه سهو من سيدنا عمر، فالمراد بكتاب اللّه يجوز أن يكون التوراة (وهذا الحكم موجود في التوراة المتد اولة الآن أيضا) وأن الكتاب معناه أمر اللّه (كما في الآية :

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَت عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَاباً مَوْقُوْتاً﴾

وذكر أن فى قرآن سيدنا ابن مسعود التشهد أيضا، ولم يكن فيه سورة الفلق و سورة الناس. وهو أيضا الاستنباط ، لا النص من صاحب الشريعة. فروى ابن مسعود رضى اللّه عنه أن النبى عليه السلام كان يعلم التشهد كما كان يعلم السور من القرآن أو ظن أن كل ما يقرأ في الصلاة فهو قرآن.

أمـامـا يتـعـلـق بـالـمعوذتين ، فمروى أن النبى عليه السلام كان عادة يستعملهما كـالرقية يقرأهما وينفث في كفيه ويسمع بهما رأسه ووجهه ، فكان سيدنا ابن مسعود لا يكتبهما في قرآنه (راجع تفسير ابن كثير بين آخرين) وهو أيضـا من سؤ التفاهم ولـم يبن عـلـى صـراحة من النبى عليه السلام، بينما روى آخرون من الصحابة أنهما من القرآن قرأهما رسول اللّه في الصلوات.

فـكـان الأمـر عـلـى هـذا حتـى سـنة خمسة وعشرين أو ستة وعشرين للهجرة من خـلافة سيـدنـا عثـمـان رضـى الـلّـه عـنـه. (فدخلت في تلك السنة جنود المسلمين في الأنـدلـس من جهة وفيما وراء النهر من حدود الصين من جهة أخرى ، كما ذكر الطبرى والبلاذرى بين آخرين) فروى البخاري (١٨) ان حـذيفة بن اليمان قدم على عثمان و كان يـغـازى أهـل الشام في فتح أرمينية و آذربيجان مع أهل العراق. فأفزع حذيفة اختلافهم في القراءة و قال القسطلاني (٢٠) في شرح هذا الحديث أن هذا وقع قرب ارض الروم (أرض الـروم الـحـالية في تركيا). فقال حذيفة لعثمان ياأمير المؤمنين أدرك هذه الأئمة قبـل أن يـختـلـفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى. فأرسلت بها الى عثمان. فأمر زيـد بـن ثابت وعبد اللّه بن زبير و سعيد بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فـنسـخـوهـا في المصـاحف. وقال عثمان لرهط القرشيين الثلاثة: إذا اختلفتم أنتم وزيد بـن ثابت في شئ من القرآن فاكتبوه بلسان قريش ، فإنما نزل بلسانهم ففعلوا حتى إذا نسخوا المصحف في المصاحف رد عثمان المصحف الى حفصة. فأرسل إلى كل أفق بـصـحـف مما نسخوا. وأمر بما سواه من القرآن في كل صحفية أو مصحف أن يحرق (وفي نسخه من صحيح البخاري : ''يخرق'')

لا نـعـرف كثيـرا عـن تـطبيـق أمـر الـحرق أو الخرق في النسخ ماليس في النسخة الـرسمية. لعله يتعلق بنسخة أو نسختين عند المنافقين المحرفين الذين لفقوا أشياء في

نسـخهـم فأخذتها الشرطة وأتلفتها وإلا فقدبقى الى القرن الرابع للهجرة مواد دَوّن على أسـاسـهـا ابـن أبـى داؤد وآخـرون كتبـا ضـخـمة في اختلاف القرآن- وهذه الاختلافات تتعلق إما بالتلفظ حسب لهجات القبائل ، أو بالتفسير الذى كتبه بعض الصحابة على نسختهم وفي أولادهم وأحفادهم ، وهم الناس ، فجعلوه آية من القرآن- وهناك اختلاف و تناقض أيضا في الروايات فبعضها تقول في قرآن كذا كان هكذا- وفي رواية عن آخر بعكس ذلك تماما- فاذا تعارضا تساقطا، وبقى المتواتر بدون شبهة- نسخ عثمان رضى اللّٰه عنـه فكتبوا أربع أو سبع لسيدنا عثمان رضى اللّٰه عنه ، أبقي عنده واحدة وأرسل أخرى الى مختلف مراكز الدولة الاسلامية ، ثم حدثث حوادث في القرون المتاخرة من حريق أو سيل غير ذلك ، ونسب الى سيدنا عثمان ثلاث نسخ في عصرنا هذا واحدة منها كاملة وهى في استانبول (في متحف توب قابى سراى) وجاء وا بها زمن الحرب العالمية الأولى عندما خرجت الانكليز وشريف حسين- ونسخة أخرى في تاشقند، وكان في دمشق- فلما احتلها تيمورلنك أخذها في الغنيمة وجاء بها الى سمرقند عاصمته- ثم بعد قرون لما احتل الروس سمرقند نقلوه الى عاصمتهم بطرسبورغ (لينن كراد حاليا) فكان بها الى سنة ١٩١٩م ولما قتل الشيوعيون ملكهم واحتلوا العاصمة، كان في جيش الروس جنرال مسلم اسمه على أكبر توبجي باشى ، أرسل كتيبة الى قصر الملك فأخذ النسخة وأرسلها في الفور في قاطر السكة الحديدية بكل سرعة إلى تاشقند، كما ذكر لي هو في باريس رحمه اللّٰه ، وكان من اللاجئبين، فلما عرف سلطات الشيوعيين بعد عدة ساعات أرسلوا قاطرا آخر في عقب الأول ولكن لم يتمكنوا- وبعد برهة لما تمكن الشيوعيون من احتلال تركستان عن جديد، خلوا النسخة في تاشقند وقالوا أى فرق إذا كان المال في هذا الجيب أو ذاك الجيب ، مادام كلاهما لي؟ ان حكومة قياصرة الروس كانت قد طبعت نسخة مصورة من هذه النسخة،

خمسين نسخة فحسب ، فالأصل موجود وليس بكامل، ولم يبق الإثلثان والباقي نفد في ممر الدهور، والأستاذ طه الولى الذى رآه مند قريب بقول : ضاع الآن أكثر ، ولم يبق إلا عدة أوراق، والنسخة الثالثة في مكتبة انديا أو فيس لائبريرى في لوندرا ، جاء بها الانكيز في سنة ١٩٥٨م عندما هزموا جيوش سلاطين مغول واحتلوا مكانهم، وهذه النسخة أيضا غير كاملة ، ولم يبق إلا النصف تقريبا، ولكن من حسن الحظ بقى آخره حيث كتب الكاتب : "كتبه عثمان بن عفان" (رضى الله عنه)۔

لا أجد وقتا اليوم للبحث في صحة الانتساب إلى هذه النسخ الثلاث۔

تبويب القرآن

قسم النبى ﷺ القرآن في ١١٤ سورة ، وفي كل سورة بين ثلاث الى ٢٨٦ آية ، ثم قسموا القرآن بعد ذلك في سبعة أجزاء سموها منازل ، لأن النبى عليه السلام أوصى أن يتلوا الناس القرآن بتدبر ، ولا يتلوه في أقل من أسبوع، فقد ذكر ابن كثير أن النبى عليه السلام قال لعبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله عنهم : فاقرأه في سبع ولا تزد على ذلك۔ وذكر أيضا أن ابن مسعود وتميم الدارى رضى الله عنهما كانا يقرآن جميع القرآن من جمعة إلى جمعة۔ فكان لا بد من تقسيمه إلى سبعة منازل۔إن معنى هذه المصطلحات من آية و سورة ومنزل معنى عميق لطيف، الآية من مادة أوى يأوى أى يذهب إلى الفراش لينام۔ والسورة من السور وهو الجدار، فكان السورة معناها الحجرة أى الغرفة بينما المنزل هو حيث ينزل المسافر بعد سفر اليوم ويستريح ثم يداوم السفر بالغد۔ ففيه معنى عميق لطيف :المسافر في الدنيا في سفر طويل يحتاج الى أن ينزل كل يوم في منزله ، ويستريح في حجرة وينام في فراش۔ والمسافر إلى الله أيضا يحتاج الى منزل وغرفة و فراش ، أى إلى منزل و سورة وآية ، و سفر لا إلى نهاية ۔

ويـرمـز رقم السبعة إلى مالا نهاية له ، ولذلك عدد المنازل في القرآن سبعة. والله أعلم.
يقول الله في القرآن :

﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أيْنَمَا كُنتُم﴾،ويقول:﴿وَنَحنُ أقرَبُ إليْهِ مِنْ حَبْلِ الوَرِيْدَ﴾

ولـكـن لا نـراه ومـعـناه هو تعالى موجود واجب الوجود ، ونحن عميان. ومع ذلك نـحب أن نذهب و نشوق الى خالقنا و محبوبنا. إذا كان أحد لا يرى ، ولا يعرف الطريق، والـطـريق مملوء بالعوائق، فكيف يعمل ؟ إلا مكان الوحيد هو أن يدل المحبوب بالكلام كيف يتـقـدم وأيـن يرجع يمينا ويسـارا إلى غير ذلك. وهذه هى وظيفة كلام الله الذى هو هدى للمتقين.

صيانة النص القرآني

أصـل الانـاجيل بـاليـونـانية ، والبـاقـي كله مترجم منها الى سـائر اللغات. ولذلك مربيال علماء النصـارى الألمان في أواخر القرن الماضي أن يجمعوا جميع مخطوطات الأناجيل فيقرنوا بعضـها مع بعض فجمعوا النسـخ الكاملة والناقصة وحتى قطعات، من جميع العـالم ثم قارنوا كلمة كلمة. ونشـروا نتائج المقارنة فقالوا:

Le material scripturaire se composed' onciaus, de minuscule, de lectionnaries liturgiques. de papyrus, d' ostrace (texts brefs ecrits sur tessons de poterics), de talismans, et enfin des differents versions et des citations d' auterus anciens, qui sont elles-memes a verifier. Cette masse enorme depasse ce don't on dispose pourn importe que texts antique:elle a fourni quelque 200.000 variantes.

La plupart sont des variantes insignifiantes: variations d' orthographes ou lapus calami Deja Westcott et Hort, en donnant de chiffre, constataient que les sept huitiemes du tests etaient assures et que les variantes importantes ne prtient que sur une part infime".

انهم وجدوا فيها.......... تقريبا مائتى ألف اختلاف الروايات وزادوا أن الثمن منهامهم- ولعله كان هذا هو الداعى لتأسيس معهد للبحث في القرآن في جامعة مونيخ في المانيا وحاولوا أن يجمعوا فوتو غرافات مخطوطات القرآن من جميع العالم- وفي السنة ١٩٣٣م كان الأستاذ بريتسل الرئيس الثالث لهذا المعهد وجاء الى باريس ليصور المخطوطات التى توجد في فرنسا (وفي المكتبة الأهلية في باريس نسخة يظن المستشرقون الفرنسيون أنها من القرن الثاني للهجرة-وكنت حينداك في السوربون- فقال لى الأستاد بريتسل إنه يوجد عندهم في ذلك الوقت اثنان وأربعون ألف من نسخ القرآن ، سواء كاملة أو قطعات وأنهم مشغولون بمقارنة هذه النسخ حرفا حرفا- وقبيل الحرب العالمية الثانية نشروا تقريرا موقتا، فقالوا انهم الى ذلك الوقت لم يجدوا اختلافات الرواية الا ما هو من سهو الكاتب- وفي أثنا الحرب وقعت قنبلة أمريكية على هذا المعهد فلم يبق منه ولا إبرة واحدة- ولو جمع أحد مرة ثانية هذه المواد، لأن الأصول محفوظة كلها ، فيصلون باذن اللّٰه إلى نفس النتيجة فلا يوجد فرق بين المخطوطات ، وكذلك لا يوجد فرق بين حفاظ القرآن وهم يعدون بمئات الآلاف بين مشارق الأرض ومغاربها- إلا ماهو معروف منذ قديم الزمان من الاختلاف بين القراء فى تلفظ بعض الكلمات التى لا يغير المعنى، وهو من رخصة النبى عليه السلام لحاجات لهجات القبائل العربية-

تراجم القرآن

اللغات تتغير بمرور الزمن ، وبعد عدة قرون تصير اللغة غير مفهومة للأجيال المتأخرة سواء باليونانية أو اللاطينية أو الفرنسية أو الروسية أو الانجليزية أو غيرها ، والا ستثناء الوحيد هو اللغة العربية التى لم تتغير منذ ألف وخمس مائة سنة على الأقل سواء في الصرف والنحو أو الإملاء أو التلفظ أو معانى الكلمات. لعل هذا الثبات وعدم التغير كان لازما لرسالة الله الأخيرة التى جاء بها إلى البشر من لا نبى بعده. فلو كان النبى عليه السلام حيا اليوم لفهم الإذاعات والجرائد باللغة العربية كما نفهم اليوم القرآن والحديث. ولكن القرآن لم يجئى للعرب فحسب بل كافة للناس بشيرا ونذيرا. فلا نصلى الا بالعربية ولكن لا مانع أن يقرأ العجمى القرآن والتفسير في الترجمة. يظهر أن ترجمة القرآن بدأت في العصر النبوى فقد ذكر شمس الأئمة السرخسى (٢٠): ''روى أن الفرس كتبوا إلى سليمان الفارسى رضى الله عنه أن يكتب لهم الفاتحة بالفارسية ، فكانوا يقرءون ذلك في الصلاة حتى لانت ألسنتهم للعربية''. وفي رواية تاج الشريعة الحنفى زياده فيقول: أن يكتب لهم الفاتحة بالفارسية'' فكتب (بسم الله الرحمن الرحيم) بنام يزدان بخشاوند الخ) وبعد ما كتب عرضه على النبى ﷺ ثم بعثه اليهم ، ولم ينكر عليه النبى ﷺ. (٢١) قال الجاحظ في البيان والتبيين. (٢٢)

أن موسى بن سيار الأسوارى كان يفسر القرآن بالفارسية. (وهذا من القرن الثانى للهجرة). وقال بزرك بن شهريا .(٢٣)

أن القرآن ترجم كاملًا في سنة ٣٤٥ هـ تقريبا الى إحدى لغات شمال الهند (كأنها السندية أو الملتانية) وفعلا توجد الى هذا اليوم تراجم القرآن بالفارسية والتركية الشرقية والتركية الغربية، وهى من عمل علمائنا من العهد السامانى أى القر الرابع للهجرة ، وقد نشروا منذ قريب في إيران ترجمة القرآن وخلاصة تفسير الطبرى وكل

ذلك بالفارسية ألفه جماعة من كبار العلماء بأمر الملك منصور بن نوح الساماني في سنة ٣٤٥م.

القول بعدم جواز الترجمة

نرى مما مضى أن ترجمة القرآن الى اللغات العجم قبلها العلماء المسلمون بدون أدنى نكير، أما القول بعدم جواز الترجمة فلم يحدث الى في القرن الماضى في تركيا العثمانية وفى مقاطعات العربية مثل سوريا ومصر. فلو تدبرنا وتعمقنا لوجدنا أن هذا معاصر لفتوح النصارى الأروبيين واستعمارهم بلاد الاسلام. فمعروف أنهم حاولوا تنصير المسلمين بكل وسيلة. فلمّ يكتفوا بإرسال المبشرين في شتى الملابس، بل منعوا أيضا تدريس اللغة العربية حتى في المستعمرات العربية مثل شمالى افريقية. كانوا يخافون القرآن للنصرانية أكثر من سيوف المسلمين فأرادوا إتمام حصار قلعة الإسلام بمنع تراجم القرآن باللغة الأجنبية. فالمسلمون غير العرب لا يعرفون العربية ولن يجدوا تراجمه بلغات يعرفونها، فتبقى الساحة فارغة للنصرانية. كأن أحد المبشرين قال لبعض علماء الإسلام الساذجين : " حقا القرآن معجزة، لا تتحمل بلاغته الترجمة". فوثب هذا العالم الساذج لشدة السرور وظن أن الفضل ماشهدت به الأعداء، وبدأ يتكلم حوله ويكتب أن القرآن تصعب أو تسحيل ترجمته، وتبعه آخرون ، وفي الخطوة الثانية قالوا : "القرآن لا تجوز ترجمته " وكأن هؤلاء المبشرين النصارى ظنوا أن ترجمة القرآن لا يقوم بها إلا العرب، بينما التاريخ يقول إن المسلمين العجم هم الذين تعلموا العربية وترجموا القرآن إلى لغاتهم لتدريس أولادهم وعامة أهل بلادهم الذين لم يدرسوا العربية. وهكذا يتضح لنا لماذا انحصرت الحركة ضد ترجمة القرآن ببلاد العرب وبالدولة العثمانية مركز الخلافة، ولم تصل إلى الهند وإندونيسيا وأفغانستان وإيران مثلاً:

توجد تراجم القرآن الآن في جميع كبار لغات العالم ، وأيضا في كثير من صغارها ، وبلغ العدد في فهرستى المتواضع إلى أكثر من مائة وأربعين، وفي كثير منها أكثر من ترجمة واحدة. مثلًا في أردو أكثير من ثلاثة مائة ، وفي الفارسية والتركية أكثر من مائة وبالانكليزية قريب من مائة ، وباللاتينية ثلاثة وأربعوان ، وبالفرنسية ست وأربعون، الى غير ذلك ، كنت سعدت بنشر كتاب اسمه " القرآن في كل لسان" فيه تفصيل التراجم في كل لغه مع أنموذج لسورة الفاتحة. الطبعة الثالثة منها كانت في سنة ١٣٦٦هـ ، وكانت عندى في ذلك الوقت تراجم في ٦٧ لغة وتنتظر الطبعة الرابعة المنقحة المزيدة فيها الى وسائل. لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.

الهوامش

١ـ الفتوحات المكية، ج ٣ ، ص : ٦٠٧ـ

٢ـ المسند للامام أحمد ، ج ٥ ، ص : ٢٦٥ـ

٣ـ سورة النجم ٣٧ـ ٤٢ـ

٤ـ ابن اسحاق : كتاب المبتدأو البعث والمغازي ، ص : ١٢٨، فقرة ١٩٢ـ

٥ـ الصحيح : ٦٦ـ٤ـ٢ـ

٦ـ مجمع الزوائد ، ج ١ ، ص : ١٥٢ ، و٨ ، ص: ٦٣٧٥ـ

٧ـ سيرة ابن بشام ، طبعة أوربا ، ص : ٢٦٦ـ

٨ـ الروض الأنف ، ج ١ ، ص: ٢١٧ـ٢١٨ـ

٩ـ وفاء الوفاء طبع بيروت ، ص : ٨٥٨ـ

١٠ـ من حاشية تفسير القرآن لابن كثير ، ص : ١٢ـ

١١ـ مسند الإمام أحمد بن حنبل ، ج ٦١، ص : ٤٠٥ ، سنن أبي داؤد : كتاب الصلاة ، باب إمامة النساء : ١٦٢: ٢ـ الاستيعاب لابن عبد البر ، قسم النساء ، رقم ١٠٧ ، الوفاء لابن الجوزى ص : ٣١٧ـ المطالب العالية لابن حجر رقم ٤١٥٩ عن ابن راهوية۔

١٢ـ البخاري : كتاب ٦٦ باب ٧ أحاديث ١ ، ٢ ، ٣ـ

١٣ـ ذيل التفسير ، ص : ٢٧ـ

١٤ـ الاتقان في علوم القرآن،، النوع الثامن عشر، في جمع القرآن وتدوينه۔

١٥ـ البخاري ، كتاب ٦٦ باب ٣ ، جمع القرآن ، حديث رقم ١ ـ

١٦ـ راجع لتفاصيل أخرى: تفسير الطبرى ، وذيل تفسير ابن كثير ، واختلاف القرآن لابن ابى داؤد بين آخرين۔

١٧ـ الإتقان في علوم القرآن ، النوع الثامن عشر ، في جمع القرآن وتدوينه۔

١٨ـ تفسير الطبرى ، ج ١ ، ص٢ـ

١٩۔ البخاري : ٢٢۔٣۔٢۔

٢٠۔ شرح القسطلانی علی صحیح البخاري ، المجلد الرابع ، ص : ٤٨۔

٢١۔ المبسوط للسرخسی ، ج ١ ، ص : ٣٧۔

٢٢۔ النهاية حاشية الهداية ، لتاج الشريعة ، طبع دهلی ، ١٩٥٠م ، ج ١ ، ص : ٨٦ ، حاشية رسم ١۔

٢٣۔ البيان والتبيين ، ص ١ ، ص : ١٢٩۔

٢٤۔ عجائب الهند والصين ، ص : ٢۔٣۔

تدوين القرآن الكريم وتراجمه

الأستاذ الدكتور محمد حميد اللّٰہ

الكتب المنزلة قبل القرآن

روى ابن العربي عن رسول اللّه ﷺ أن الله خلق مائة ألف آدم. و نحن من أولادهم.(١) وروى أحمد بن حنبل أن النبي ﷺ قال أن الله أرسل منذ آدم عليه السلام مائة وأربعا وعشرين ألف من الأنبياء من بينهم ثلاث مائة وخمسة عشر صاحب رسالة. (٢)

ومن هذه الكتب المنزلة ما عزى الى آدم عليه السلام، والى ابنه شيث عليه السلام، ولم يبق لنا منهما عين ولا أثر. ومنها ما عزى الى ادريس (أنوخ) عليه السلام - في الجيل السابع من آدم كما أكد التوراة. وكان اقتبس منه رسالة يهودا في العهد الجديد بشارة آخر الأنبياء، ووجدوا حديثاً مخطوطة حبشية لكتاب أنوخ فيما وجدوا في منارة البحر الميت، في الأردن. وفيها هذه البشارة وأيضا أشياء ما لا يمكن أن تكون منها من الحوادث التي وقعت بعد زمن أنوخ عليه السلام. وفي العراق توجد الى يومنا هذا طائفة من الصابئين يدعون أنهم لا يزالون يتبعون دين نوح عليه السلام، وأنه كان عندهم في قديم الزمان كتاب نوح عليه السلام وضاع ولم يبق إلا عدة أسطر من الأوامر الأخلاقية.

وذكر القرآن الكريم بالصراحة صحف إبراهيم عليه السلام (٣) واقتبس منها آيات، وهذه الصحف معروفة عند اليهود والنصارى أيضا ولكن بدون معلومات عن

محتواها. أما صحف موسى عليه السلام فقد ذكرها القرآن مرارا عديدة، وهى متد اولة بين أيدينا ونجدها كخمس رسائل في أول العهد القديم. ومن تاريخها أن السفر الخامس (كتاب التثنية) لم يعرف في أول الأمر، ولما مضى ستمائة سنة على موسى عليه السلام، جاؤا الى أحد ملوكهم بمخطوطة مجهولة وقالوا وجدناها في مغارة. فسلمها الملك الى نبية لهم. وعند اليهود يجوز لامرأة أن تكون نبية. فقالت: هى لموسى عليه السلام. وبالعموم فيما يتعلق بكتب موسى عليه السلام نسميها " التوارة" فكانت عندهم إلى زمن بخت نصر ملك بابل الذي حارب فلسطين واحتل بيت المقدس وجمع جميع مخطوطات التوارة وحرقها عن آخرها. فلما مضى عليه مائة سنة. كان عندهم نبى اسمه عزرا (عزير؟) عليه السلام، فأكد أنه يحفظ التوراة، فأملاها لهم. ثم بعد ذلك قاد أنطيوخوس جيوش الروم واحتل بيت المقدس وأتلف جميع مخطوطات التوراة، وبعد زمن جاءت الروم تحت قيادة طيطوس وأتلفوا نسخ التوراة عن جديد. والذي بين أيدينا هو الإعادة الثالثة، ولكن كيف وعلى أى أساس؟ لا نعرفه ومع هذا نجد فيها بشارة النبي المنتظر. ومجرى زبور داؤد عليه السلام مثل ماجرى للتوراة.

والمجوس أيضا يدعون كتابا ملهما من الله (على زردشت) واسمه أويستا. وبعد زمن تغيرت لغة البلاد لهجوم الأجانب واحتلالهم، ولذلك ترجموا خلاصة الأصل إلى اللغات الجديدة. ولكن الذي يوجد الآن ليس منه الا العشر أوأقل منه. وفيه أيضا بشارة آخر الأنبياء "رحمة للعالمين" وعند البراهمانيين من الهند كتب دينية يدعون أنها منزلة من اللّه (وفيها أيضا بشارات لآخر الأنبياء) مثل ويداء وبرانا، و گيتا وابانيشدا، وقال البيرونى أنها تداولت على الألسن فحسب ولم تكتب إلا قبيل سفره الى الهند.

إن عيسى عليه السلام جاء بالانجيل وبَلغّه شفاهيا، ولم يكتبه ولم يمله، كأنه

خاف أن يصيبه ما أصاب التوراة؛ فأراد أن يبقى في قلوب المؤمنين به ، وبعد زمن طويل بدأ حواريون ومن تبعهم أن يدونوا ما حفظوا من سيرة عيسى عليه السلام ، وسمى كل واحد من هؤلا المؤلفين ذكرياته باسم الانجيل. ويوجد أكثر من سبعين كتابا، اسم كل واحد منها الانجيل. والكنيسة انتخبت أربعة منها ولكن لا نعرف متى ؟ وكيف ؟ وقالت وإن الباقى منها غير موثوق بها. وفي الأنا جيل المتداولة أيضا بشارات عيسى عليه السلام عن النبى الأخير.

هذه خلاصة ما حدث لكتب أنبياء السلف عليهم الصلاة والسلام.

القرآن وتدوينه

تولد نبى الاسلام سيدنا محمد ﷺ بمكة في سنة ٥٦٩ للميلاد (وأخطأ من زعم سنة ٥٧٠ أو ٥٧١) . كان التقويم بمكة على سنة شمسية ولم يلغه النبي عليه السلام إلا في حجة الوداع، ثلاثة أشهر قبل وفاته ، وبما أنه توفى سنة ٦٢٣ للميلاد وكان سنه ٦٣ سنة، فلا بد من أن كانت ولادته في ٥٦٩ للميلاد ، على كل حال لما بلغ أربعين سنة أوحى اللّٰه إليه في شهر رمضان (أى ديسمبر ٦٠٩) ، وكان أميّا لا يقرأ ولا يكتب. ومن لطيف حكمة اللّٰه أن الوحى الأول (سورة ٩٦، آيات ١-٥) الى النبي الأمىّ كان أمرا بتعلم القراءة وثناء على القلم والمعرفة لما لم يعلم قبل. ثم قضى اللّٰه في حكمته البالغة فترة ثلاث سنوات في الوحى كى يستعد النبي الأمى لأداء واجبات النبوة ثم أنه تكرر نزول الوحي ودام لعشرين سنة أخرى إلى وفاته في ربيع الأول سنة ١١ للهجرة ٦٣٢ م وأعتنى النبي عليه السلام بجمع ما كان ينزل عليه من وقت الى آخر على الطريق الآتى: وذكر ابن اسحاق (٤) : كان إذا نزل القرآن على رسول اللّٰه ﷺ قرأه على الرجال ثم على النساء. ثم يدعو كاتبا فيملى عليه. روى البخارى (٥): "لما نزلت ﴿ لا يستوى القاعدون﴾ الآية قال النبي ﷺ : ادع لى زيدا ، وليجئى باللوح والدوات والكتف ثم قال:

أكتب ...... ـ روى الهيثمى (٦) عن زيد بن ثابت قال : كنت أكتب الوحى لرسول اللّهﷺ ـ وكان إذا نزل عليه أخذته برحاء شديدة وعرق عرقا شديدا مثل الجمان، ثم سرى عنه فكنت أدخل بقطعة المسب أو كسرة فأكتب وهو يملى علىّ ـ فما أفرغ حتى تكاد رجلى تنكسر من ثقل القرآن حتى أقول لا أمشى على رجلى أبدا ـ فاذا فرغت قال : اقرأه ـ فأقرأه ، فإن كان فيه سقط أقامه ثم أخرج به إلى الناس رواه الطبرانى باسنادين رجال أحدهما ثقات، فكان من شدة احتياطه ﷺ أنه كان يملى ثم يطلب أن يقرأ ماكتب ليصحح لو أخطأ ـ ولا بأس بأن نلفت نظر القارى الى ما قال الهيثمى أن هذا الحديث بعينه مروى باسنادين رجال أحدهما ثقات، أى حتى غير الثقات لا يكذبون دائما ـ (وهذا في المعجم الأوسط للطبرانى)

إن ما نقلناه عن زيد بن ثابت يتعلق بما بعد الهجرة ـ ولا بد من أن يكون كذلك في مكة قبل الهجرة أيضا؛ لأن كتابة القرآن مذكورة في السورة المكية من القرآن مثلًا :

﴿ وَقَالُوا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ اكْتَتَبَهَا فَهِيَ تُمْلَى عَلَيْهِ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾

(الفرقان ٣٥ـ٥)

﴿إِنَّهُ لَقُرْآنٌ كَرِيمٌ فِي كِتَابٍ مَكْنُونٍ لَا يَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ﴾

(الواقعة: ٥٢ـ٧٧ـ٣٢)

﴿ رَسُولٌ مِنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ﴾

(البينة ٩٨ـ٣٢)

وفي الحديث أيضا ذكر كتابة القرآن قبل الهجرة ـ مثلًا :

① أسلم سيدنا عمر رضى الله عنه في السنة للبعثة بعدما قرأ سورة طه (٧) ومعلوم أن سورة طه هي سورة ٢٠ تدوينا و ٤٥ نزولا ، ونقل السهيلى (٨)

عن يونس أن الصحيفة (التى قرأهاعمر) كان فيها مع سورة طه ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ﴾ (وهي ٨١ تدوينا و٧ نزولا)

② ذكر السمهودى (٩): عن ابن زبالة أن رافع بن مالك الزرقى (الانصاري) لما لقى رسول اللّٰه ﷺ وسلم بالعقبة أعطاه رسول الله ﷺ ما أنزل عليه في العشر سنين التى خلت.

③ قال : وقدم به رافع المدينة فجمع قومه فقرأه في مسجده...... وعن مروان بن عثمان بن المعلى قال : مسجد قرئ فيه القرآن، مسجد بنى زريق

نزل القرآن نجما ٢٣ سنة. ولم يدونه النبى عليه السلام آليا حسب ترتيب النزول بل حسبما ألهمه الله فى الترتيب الذى بين أيدينا. ولم تنزل السور كاملة دفعة واحدة بل في أثناء زمن طويل أو قصير. فتوجد في سور مكية آيات نزلت بعد الهجرة ، وسور مدينة أدخلت فيها بعض ما نزل قبل الهجرة. فمن البديهى أن النبي عليه السلام كما نزل عليه وحى صرح لكاتبه أين محل الوحى الجديد في مجموعة القرآن الموجود في ذلك الحين ، كما رواه أحمد وأصحاب السنن الثلاثة وابن حبان والحاكم : كان رسول اللّٰه ﷺ ينزل عليه السور ذوات العدد. فكان إذا نزل عليه الشئ دعا من كان يكتب ، يقول : ضعوا هذه الآيات في السورة التى يذكر فيه كذا وكذا (١٠) قال ذوات العدد أى نزل أجزاء سور متعددة في نفس الزمن فكان الكتاب يكتبونها موقتاً على قطعات لخاف أو عظام أو أوراق ، وعند تمام نزول سورة كاملة كان الكتاب يبيضونها في حضور النبي عليه السلام. وهذا مانراه في رواية الحاكم في المستدرك والسيوطى في الاتقان : عن زيد بن ثابت رضى الله عنه فال : " كنا عند رسول الله ﷺ نؤلف القرآن من الرقاع" ولما خرج به الكاتب الى المسلمين كانوا يأخدون النقول لأنفسهم.

وأمـر الـنبى عـليه السلام أيضا تلقى القرآن من أستاذ مستند أى رأسا من النبي في أول الأمر، ثم من الذين أذن لهم النبي عليه السلام تعليم الناس القرآن، والحقيقة أن الـقـراءة من نسخة مكتوبة لا تكفى لأنه يجوز أن تكون فيها أخطاء من سهو الكاتب ، أو اشتباه فـي الـخط العربى القديم الذى لم يعرف النقاط ولا علامات التشكيل للحروف. والـقـراءة مـن أجيـال الأساتذة المستندين دامت الى يومنا هذا بين المسلمين. وهاكم كـالـمثـال نسـخة شهـادتـى من شيخ القراء الشيخ حسن الشاعر من المدينة المنورة ، وهى أفخر الشهادات العلمية عندى التى سعدت بحصولها في عمرى:

الـحمد لله الذي أودع جواهرالمعانى الضيائية وقالب زواهر المبانى من الحروف الهـجـائية وأنـزل الـقـراءات بلسان عربى مبين بواسطة الروح الأمين على رسوله خاتم النبيين أفصـح من نطق بالضـاد من بين العباد صلى الله عليه وعلى آله وأصحابه (بعد) فهـذه إجـارة صريحة من الفقير إلى رحمة ربه القدير حسن بن ابراهيم الشهير بالشاعر الـمـقـرى والـمـدرس بـالـحرم الشريف النبوى إلى ولده الشاب الرشيد الكامل محمد حـميد الـلّـه بن ابى محمد خليل القاطن حيدر آباد دكن ، فأنه قرأ على ختمة كاملة من أولهـا إلـى آخـرهـا بـالـتـحـريـر والـتـدقيـق وقـد استـجـازنى فأجزته بأن يقرأ بكلها رواية بشـروطـهـا الـمـعتبـرة وهـى تـقـوى الـلّـه تعالىٰ في السر والعلانية ،ولى منه الدعوات الـصـالـحات في الخلوات و الجلوات كما أقرانى واشترط على شيخى وأستاذى وحيد دهـره وفـريـد عـصره البصير بقلبه ، تغمده الله برحمته الشيخ حسين بن محمد بيومى وهـو عـن الشيـخ مـحمد سابق وهو عن الشيخ خليل المطوبسى وهو عن الشيخ محمد سـابـق وهـو عن الشيخ خليل المطوبسى وهو عن الشيخ على الحلو بمكة المكرمة وهو عـن الشيـخ أحـمد ابو سلمونة وهو عن الشيخ أسافى وهو عن الشيخ أحمد الميهى عن

أبيه الشيخ على الميهى عن أبيه الشيخ على الميهى (وح إلينا) وهو عن سيدى محمد بن محمد الجزرى عن سيدى عبد الرحمن القسطنطنى عن سيدى عبد الرحمن الأزميرى عن سيدى سلطان المزاجحي عن سيدى أحمد المسيرى عن أبى جعفر الشهير بأوليا افندى (وح الينا) فأما رواية حفص فحدثنا بها أبو الحسن طاهر بن غلبوت المقرى قال حدثنا بها ابو الحسن على بن محمد بن صالح الهاشمى المقرى بالبصرة قال حدثنا بها أبو العباس أحمد بن سهل الأشنانى على أبى محمد عبيد الصباح على حفص على عاصم وهو عاصم بن إبى النجودا وكنيتهٔ ابو بكر ، تابعى قرأ على ابى عبد الله بن حبيب السلمى وزر بن حبيب الأسدى على عثمان وعلى وابن مسعود وأبى بن كعب وزيد بن ثابت على النبي ﷺ عن جبريئل عن اللوح المحفوظ عن رب العزة جل جلاله وعم نواله۔

- راجى عفو ربّه القادر
- حسن بن ابراہیم الشاعر
- ختم (في ١٢ ربيع الاول ١٣٦٦)

وزد على هذا ، أن النبى ﷺ أمر المسلمين أن يحفظوا القرآن ويكرروا تلاوته مرّات عديدة كل يوم في صلواتهم وفي أوقات فراغهم آناء الليل وأطراف النهار۔ ومع أنه لم يجب حفظ جميع القرآن على كل واحد من المسلمين ، ولكن نجد عددا لا بأس به من الصحابة حفظوا جميع القرآن في حياة النبي عليه السلام ، ومن بينهم امرأة من الأنصار أم ورقة، من قدماء المؤمنات ، وكانت أرادت أن تشترك في جيش المسلمين في غزوة بدر وكان سماها النبى عليه السلام إمام المسجد وكانت تؤم الرجال والنساء من أهلها، ولها مؤذن۔ (١١)

الإعلان بين المسلمين والمسلمات عند كل وحي جديد وتدوينه كتابة ، وأمر التعليم عند أستاذ مستند ، وحفظ القرآن و تكرار تلاوة طول العمر، هذا ما كانت التدابير التى اتخذها النبي ﷺ في مكة قبل الهجرة ، رغم أذى المشركين، ولما هاجر الى المدينة ووجد سهولة أكثر لتبليغ الدين ، اتخذ تدبيرا جديدا مهما۔ فقد روى البخاري (١٢) عن فاطمة عليها السلام أسرالى النبي ﷺ أن جبريل يعارضنى بالقرآن كل سنة، أنه عرضنى العام مرتين ، وما أراه إلا حضور أجلي۔ وعن ابن عباس رضى اللّٰه عنهما ، قال : كان النبى ﷺ أجود الناس بالخير ، وأجود ما يكون في شهر رمضان لأن جبريل كان يلقاه في كل ليلة في شهر رمضان حتى ينسلخ، يعرض على رسول اللّٰه ﷺ القرآن..................... وعن أبى هريرة قال : كان يعرض جبريل على النبى ﷺ كل عام مرة ، فعرض عليه مرتين في العام الذى قبض۔ وكان يعتكف كل عام عشرا ، فاعتكف عشرين في العام الذي قبض، وقال ابن كثير (١٣) المراد من معارضته له بالقرآن كل سنة مقابلته على ما أوحاه إليه عن اللّٰه تعال ليبقى ما بقى ويذهب مانسخ، توكيدا واستثباتا و حفظاً ، ولهذا عرضه في السنة الأخيرة من عمره عليه السلام على جبريئل مرتين، وعرضه به جبريئل كذلك ، ولهذا فهم عليه السلام اقتراب أجله ، وعثمان رضى اللّٰه عنه جمع المصحف على الامام علي العرضة الأخيرة وكانت هذه العرضات معروفة ، فكان لا بد من أن يجى الصحابة حينئذ بنسخهم من القرآن ويقارنون على تلاوة النبى عليه السلام ويصححون نسخهم ، وذكر العرضة الأخيرة كثير ، وكان يحضرها بين أخرين سيدنا زيد بن ثابت كاتب الوحى أيضا۔

ويظهر أن النبى ﷺ كان أراد في أواخر عمره أن يستنسخ نسخة كاملة من القرآن كما نرى في مانقله السيوطى (١٤) قال الحارث المحاسبى فى كتاب فهم السنن: كتابة القرآن ليست بمحدثة فانه ﷺ كان يأمر بكتابته ولكنه كان مفرقاً فى

الرقاع والأكتاف والخشب. فإنما أمر الصديقؓ . بنسخها من مكان إلى مكان مجتمعا ، وكان ذلك بمنزلة أوراق وجدت في بيت رسول الله ﷺ فيها القرآن منتشرة فجمعها جامع وربط بخيط حتى لا يضيع منها شئ.

كان القرآن على هذه الحالة لما توفى النبى عليه السلام . ولما تولى أبو بكر الخلافة لم يشتغل به في أول الأمر، ولكن حروب الردة أكرهته عليه فقد استشهد فيها كثير من القراء وحفاظ القرآن. وأول من تنبه بخطورة الحال هو سيدنا عمر فذهب إلى الخليفة أبى بكر الصديق وقال : إن أصحاب الرسول يحبون الموت في سبيل الله كما يحب آخرون الحياة ولن يزالوا في المستقبل ، فلو أمرت بتبييضه في صورة كتاب. فقد روى البخاري (١٥) أن زيد بن ثابت قال : أرسل إلى أبو بكر مقتل أهل اليمامة (يقاتلون مسليمة الكذاب) ، فإذا عمر بن الخطاب عنده ، قال أبى بكر رضى الله عنه : ان عمر أتانى فقال : إن القتل قد استحر يوم اليمامة بقراء القران ، وأنى أخشى أ ن يستحر القتل بالقرآن بالمواطن فيذهب كثير من القرآن ، وإنى أرى أن تأمر بجمع القرآن ، قلت لعمر: كيف تفعل شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ ؟ قال عمر : هذا والله خير ، فلم يزل عمر يراجعنى حتى شرح الله صدري ورأيت في ذلك الذى رأى عمر قال زيد: قال أبو بكر : إنك رجل شاب عاقل لا نتهمك ، وقد كنت تكتب الوحى لرسول الله ﷺ فتتبع القرآن فاجمعه. فو الله لو كلفونى نقل جبل من الجبال ما كان أثقل على مما أمرنى به من جمع القرآن . قلت : كيف تفعلون شيئا لم يفعله رسول الله ﷺ ؟ قال : هو والله خير فلم يزل أبو بكر يراجعنى حتى شرح الله صدرى للذى شرح له صدر أبى بكر وعمر رضى الله عنهما. فتتبعت القرآن أجمعه من الخشب ، واللخاف، وصدور الرجال حتى وجدت آخر سورة التوبة مع أبى خزيمة الأنصارى ، لم أجدها مع أحد غيره.

﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ..........﴾

حتى خاتمة برأة. فكانت الصحف عند أبي بكر حتى توفاه الله ، ثم عمر حياته عند حفصة رضى الله عنهم. (١٦)

روى السيوطى(١٧) عن الحارث المحاسبى:"أوراق و جدت فى بيت رسول الله ﷺ فيها القرآن منتشرة فجمعها بجامع وربطها بخيط حتى لا يضيع منها شئ " كان النبى عليه السلام أراد في أواخر عمره تدوين نسخة كاملة للقرآن ، إما من تلقاء نفسه أو على طلب زوجته العالمة الفاضلة أم المؤمنين عائشة رضى الله عنها ويظهر أن تلك النسخة لم تكن كاملة وإلا لم يشتغل أبو بكر الصديق بجمع القرآن ، ثم نادى أبو بكر في المدينة المنورة : من كان تلقى من رسول الله ﷺ شيئا من القرآن فليأت به ، (السيوطى) وأخرج ابن أبي داؤد أيضا .... أن أبا بكر قال لعمر وزيد : اقعدا على باب المسجد ، فمن جاء كم بشاهدين على شيئ من كتاب الله فاكتباه ....وقال السخاوى في جمال القراء : المراد انهما يشهدان على أن ذلك كمكتوب كتب بين يدى رسول الله ﷺ ...... وقال أبو شامة : وكان غرضهم أن لا يكتب إلا من عين ما كتب بين يدى رسول الله ﷺ لا من مجرد الحفظ ، قلت أو المراد أنهما يشهدان على أن ذلك مما عرض على النبى ﷺ عام وفاته (السيوطى كذلك)

وفي رواية الطبرى عن زيد بن ثابت قال: لما كملت كتابة القرآن في المصحف قرأته . فوجدته تفقد فيه آية ٢٣ من سورة الأحزاب (٣٣-٢٣)

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَنْتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

فبحثت عنها عند المهاجرين بيتا بيتا فلم أجدها عندهم ، ثم بحثت كذلك عند الأنصار فلم أجدها الا عند خزيمة بن ثابت الأنصارى ، فكتبتها ثم قرأت النسخة مرة

أخرى فوجدت تفقد فيها آيتان من آخر سورة التوبة (٩-١٢٨-١٢٩). ﴿لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ﴾. الى : ﴿رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾ ، فبحثت عند المهاجرين فلم أجدهما عندهم ، ثم بحثت عند الانصار ، فلم أجد عندهم الا عند خزيمة أخيرا ، فأدختلهما ثم قرأت ثالثا من أوله الى آخره ، فلما اطمأن خاطرى أنه جامع مانع لا ينقص شئ ، قدمت نسخة الصحف الى أبى بكر فأثنى على فكانت عنده.

لا أبحث كثيرا عن إدخال الآيات على شهادة واحدة، فالطبرى يصرح عند زيد بن ثابت خزيمة و خزيمة آخر " ، بينما البخارى (٦٦-٢)يقول لآيتى التوبة أبي خزيمة ولآية الاحزاب الخزيمة بن ثابت. وذكر عن خزيمة بن ثابت أنه ذو الشهادتين ؛ وكان رسول الله ﷺ جعل شهادته كشهادتين (وله قصة) ولم يذكر سبب قبول شهادة أبى خزيمة رضى الله عنهم لعلهم وجدوا شهادة واحدة مكتوبة وشهادة أو شهادات أخرى من صدور الحفاظ الذين كانوا أميين ولكن حفظوا عن رسول الله ﷺ رأسا.ذكر الرواة أيضا ردّ الشهادة الواحدة (في هذا الصدد)، فسيدنا عمر رضى الله عنه قال: الشيخ والشيخة إذا زنيا فارجموهما نكالا من الله .... آية ، وأن النبى عليه السلام كان قال : "هو من كتاب الله " لم تكن هناك شهادة أخرى فردوه ، كأنه سهو من سيدنا عمر، فالمراد بكتاب الله يجوز أن يكون التوراة (وهذا الحكم موجود في التوراة المتد اولة الآن أيضا) وأن الكتاب معناه أمر الله (كما في الآية :

﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَت عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتَاباً مَوْقُوتا﴾

وذكر أن فى قرآن سيدنا ابن مسعود التشهد أيضا، ولم يكن فيه سورة الفلق و سورة الناس. وهو أيضا الاستنباط ، لا النص من صاحب الشريعة. فروى ابن مسعود رضى الله عنه أن النبى عليه السلام كان يعلم التشهد كما كان يعلم السور من القرآن أو ظن أن كل ما يقرأ في الصلاة فهو قرآن.

أمـا مـا يتعـلـق بـالـمعوذتين ، فمروى أن النبى عليه السلام كان عادة يستعملهما كـالرقية يقرأهما وينفث في كفيه ويسمع بهما رأسه ووجهه ، فكان سيدنا ابن مسعود لا يكتبهما في قرآنه (راجع تفسير ابن كثير بين آخرين) وهو أيضا من سؤ التفاهم ولم يبن عـلـى صـراحة من النبى عليه السلام، بينما روى آخرون من الصحابة أنهما من القرآن قرأهما رسول الله في الصلوات.

فكـان الأمـر عـلـى هـذا حتـى سـنة خمسة وعشرين أو ستة وعشرين للهجرة من خـلافة سيـدنـا عثـمـان رضـى الـلـه عـنـه. (فدخلت في تلك السنة جنود المسلمين في الأنـدلـس من جهة وفيما وراء النهر من حدود الصين من جهة أخرى ، كما ذكر الطبرى والبلاذرى بين آخرين) فروى البخاري (١٨) ان حـذيفة بن اليمان قدم على عثمان و كان يـغـازى أهل الشام في فتح أرمينية و آذربيجان مع أهل العراق. فأفزع حذيفة اختلافهم في القراءة و قال القسطلاني (٢٠) في شرح هذا الحديث أن هذا وقع قرب ارض الروم (أرض الـروم الـحـالية في تركيا). فقال حذيفة لعثمان ياأمير المؤمنين أدرك هذه الأئمة قبل أن يـخـتـلـفوا في الكتاب اختلاف اليهود والنصارى. فأرسلت بها الى عثمان. فأمر زيـد بـن ثابت وعبد الله بن زبير و سعيد بن العاص وعبد الرحمن بن الحارث بن هشام فـنسـخـوهـا في المصاحف. وقال عثمان لرهط القرشيين الثلاثة: إذا اختلفتم أنتم وزيد بـن ثابت في شئ من القرآن فاكتبوه بلسان قريش ، فإنما نزل بلسانهم ففعلوا حتى إذا نسخوا المصحف في المصاحف رد عثمان المصحف الى حفصة. فأرسل إلى كل أفق بـصـحف مما نسخوا. وأمر بما سواه من القرآن في كل صحفية أو مصحف أن يحرق (وفي نسخه من صحيح البخاري : "يخرق")

لا نـعـرف كثيـرا عـن تـطبيـق أمـر الـحرق أو الخرق في النسخ ماليس في النسخة الـرسمية. لعله يتعلق بنسخة أو نسختين عند المنافقين المحرفين الذين لفقوا أشياء في

نسـخهـم فأخذتها الشرطة وأتلفتها وإلا فقدبقى الى القرن الرابع للهجرة مواد دَوّن على أسـاسـهـا ابـن أبـى داؤد وآخـرون كتبـا ضـخـمة في اختلاف القرآن- وهذه الاختلافات تتعلق إما بالتلفظ حسب لهجات القبائل ، أو بالتفسير الذى كتبه بعض الصحابة على نسـختهم وفي أولادهم وأحفادهم ، وهـم الناس ، فجعلوه آية من القرآن- وهناك اختلاف و تـناقض أيضا في الروايات فبعضها تقول في قرآن كذا كان هكذا- وفي رواية عن آخر بعكس ذلك تماما- فاذا تعارضا تساقطا، وبقى المتواتر بدون شبهة- نسخ عثمان رضى اللّـه عـنـه فكتبوا أربع أو سبع لسيدنا عثمان رضى اللّه عنه ، أبقى عنده واحدة وأرسل أخرى الى مختلف مراكز الدولة الاسلامية ، ثم حدثث حوادث في القرون المتاخرة من حـريـق أو سيـل غيـر ذلك ، ونسب الى سيدنا عثمان ثلاث نسخ في عصرنا هذا واحدة مـنهـا كـاملة وهى في استانبول (في متحف توب قابى سراى) وجاء وا بها زمن الحرب الـعـالـمية الأولـى عـنـدمـا خرجت الانكليز وشريف حسين- ونسخة أخرى في تاشقند، وكـان فـي دمشـق- فـلـمـا احتـلـهـا تيـمور لنك أخذها في الغنيمة وجاء بها الى سمر قند عـاصـمتـه- ثـم بـعـد قـرون لما احتل الروس سمر قند نقلوه الى عاصمتهم بطر سبورغ (لينـن كـراد حـاليـا) فـكـان بهـا الى سنة ١٩١٩م ولما قتل الشيوعيون ملكهم واحتلوا الـعـاصـمة، كـان في جيش الروس جنرال مسلم اسمه على أكبر توبجى باشى ، أرسل كتيبة الـى قـصـر الـملك فأخذ النسخة وأرسلها في الفور في قاطر السكة الحديدية بكل سـرعة إلـى تـاشـقـند، كما ذكر لي هو في باريس رحمه اللّه ، وكان من اللاجئبين، فلما عـرف سلطات الشيوعيين بعد عدة ساعات أرسلوا قاطرا آخر في عقب الأول ولكن لـم يتمكنوا- وبعد برهة لما تمكن الشيوعيون من احتلال تركستان عن جديد، خلوا النسـخة فـي تـاشقند وقالوا أى فرق إذا كان المال في هذا الجيب أو ذاك الجيب ، مادام كلاهما لـى؟ ان حـكـومة قيـاصـرـة الـروس كـانـت قد طبعت نسخة مصورة من هذه النسـخة،

خمسين نسخة فحسب ، فالأصل موجود وليس بكامل، ولم يبق الإثلثان والباقى نفد في ممر الدهور، والأستاذ طه الولى الذى رآه مند قريب بقول : ضاع الآن أكثر ، ولم يبق إلا عدة أوراق، والنسخة الثالثة في مكتبة انديا أو فيس لائبريرى في لوندرا ، جاء بها الانكيز في سنة ١٩٥٨م عندما هزموا جيوش سلاطين مغول واحتلوا مكانهم، وهذه النسخة أيضا غير كاملة ، ولم يبق إلا النصف تقريبا، ولكن من حسن الحظ بقى آخره حيث كتب الكاتب : "كتبه عثمان بن عفان" (رضى الله عنه).

لا أجد وقتا اليوم للبحث في صحة الانتساب إلى هذه النسخ الثلاث.

تبويب القرآن

قسم النبى ﷺ القرآن في ١١٤ سورة ، وفي كل سورة بين ثلاث الى ٢٨٦ آية ، ثم قسموا القرآن بعد ذلك في سبعة أجزاء سموها منازل ، لأن النبى عليه السلام أوصى أن يتلوا الناس القرآن بتدبر ، ولا يتلوه فى أقل من أسبوع، فقد ذكر ابن كثير أن النبى عليه السلام قال لعبد الله بن عمرو بن العاص رضى الله عنهم : فاقرأه في سبع ولا تزد على ذلك. وذكر أيضا أن ابن مسعود وتميم الدارى رضى الله عنهما كانا يقرآن جميع القرآن من جمعة إلى جمعة. فكان لا بد من تقسيمه إلى سبعة منازل.إن معنى هذه المصطلحات من آية و سورة ومنزل معنى عميق لطيف، الآية من مادة أوى يأوى أى يذهب إلى الفراش لينام. والسورة من السور وهو الجدار، فكان السورة معناها الحجرة أى الغرفة بينما المنزل هو حيث ينزل المسافر بعد سفر اليوم ويستريح ثم يداوم السفر بالغد. ففيه معنى عميق لطيف :المسافر في الدنيا في سفر طويل يحتاج الى أن ينزل كل يوم في منزله ، ويستريح في حجرة وينام في فراش. والمسافر إلى الله أيضا يحتاج الى منزل وغرفة و فراش ، أى إلى منزل و سورة وآية ، و سفر لا إلى نهاية .

ويرمـز رقم السبعة إلى مالا نهاية له ، ولذلك عدد المنازل في القرآن سبعة. والله أعلم.
يقول الله في القرآن :

﴿ وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُم﴾،ويقول:﴿ وَنَحنُ أَقرَبُ اِلَيهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾

ولـكـن لا نـراه ومـعـنـاه هو تعالى موجود واجب الوجود ، ونحن عميان. ومـع ذلك نـحـب أن نذهب و نشوق الى خالقنا و محبوبنا. إذا كان أحد لا يرى ، ولا يعرف الطريق، والطـريق مملوء بالعوائق، فكيف يعمل ؟ إلا مكان الوحيد هو أن يدل المحبوب بالكلام كيف يتـقـدم وأيـن يرجع يمينا ويسارا إلى غير ذلك. وهذه هى وظيفة كلام الله الذى هو هدى للمتقين.

صيانة النص القرآني

أصـل الانـاجيل بـاليـونـانية ، والبـاقـى كله مترجم منها الى سـائر اللغات. ولذلك مربيال علماء النصـارى الألمان في أواخر القرن المـاضى أن يجمعوا جميع مخطوطات الأناجيل فيقرنوا بعضها مع بعض فجمعوا النسخ الكاملة والناقصة وحتى قطعات، من جميع العالم ثم قارنوا كلمة كلمة. ونشروا نتائج المقارنة فقالوا:

> Le material scripturaire se composed' onciaus, de minuscule, de lectionnaries liturgiques. de papyrus, d' ostrace (texts brefs ecrits sur tessons de poterics), de talismans, et enfin des differents versions et des citations d' auterus anciens, qui sont elles-memes a verifier. Cette masse enorme depasse ce don't on dispose pourn importe que texts antique:elle a fourni quelque 200.000 variantes.

La plupart sont des variantes insignifiantes: variations d' orthographes ou lapus calami Deja Westcott et Hort, en donnant de chiffre, constataient que les sept huitiemes du tests etaient assures et que les variantes importantes ne prtient que sur une part infime".

انهم وجدوا فيها.......... تقريبا مائتى ألف اختلاف الروايات وزادوا أن الثمن منهامهم. ولعله كان هذا هو الداعى لتأسيس معهد للبحث في القرآن في جامعة مونيخ في المانيا وحاولوا أن يجمعوا فوتو غرافات مخطوطات القرآن من جميع العالم. وفي السنة ١٩٣٣م كان الأستاذ بريتسل الرئيس الثالث لهذا المعهد وجاء الى باريس ليصور المخطوطات التى توجد في فرنسا (وفي المكتبة الأهلية في باريس نسخة يظن المستشرقون الفرنسيون أنها من القرن الثاني للهجرة.وكنت حينداك في السوربون. فقال لى الأستاد بريتسل إنه يوجد عندهم في ذلك الوقت اثنان وأربعون ألف من نسخ القرآن ، سواء كاملة أو قطعات وأنهم مشغولون بمقارنة هذه النسخ حرفا حرفا. وقبيل الحرب العالمية الثانية نشروا تقريرا موقتا، فقالوا انهم الى ذلك الوقت لم يجدوا اختلافات الرواية الا ما هو من سهو الكاتب. وفي أثنا الحرب وقعت قنبلة أمريكية على هذا المعهد فلم يبق منه ولا إبرة واحدة. ولو جمع أحد مرة ثانية هذه المواد، لأن الأصول محفوظة كلها ، فيصلون باذن الله إلى نفس النتيجة فلا يوجد فرق بين المخطوطات ، وكذلك لا يوجد فرق بين حفاظ القرآن وهم يعدون بمئات الآلاف بين مشارق الأرض ومغاربها. إلا ماهو معروف منذ قديم الزمان من الاختلاف بين القراء فى تلفظ بعض الكلمات التى لا يغير المعنى، وهو من رخصة النبى عليه السلام لحاجات لهجات القبائل العربية.

تراجم القرآن

اللغات تتغير بمرور الزمن ، وبعد عدة قرون تصير اللغة غير مفهومة للأجيال المتأخرة سواء باليونانية أو اللاطينية أو الفرنسية أو الروسية أو الانجليزية أو غيرها ، والا ستثناء الوحيد هو اللغة العربية التي لم تتغير منذ ألف وخمس مائة سنة على الأقل سواء في الصرف والنحو أو الإملاء أو التلفظ أو معاني الكلمات. لعل هذا الثبات وعدم التغير كان لازما لرسالة الله الأخيرة التي جاء بها إلى البشر من لا نبي بعده. فلو كان النبي عليه السلام حيا اليوم لفهم الإذاعات والجرائد باللغة العربية كما نفهم اليوم القرآن والحديث.ولكن القرآن لم يجئ للعرب فحسب بل كافة للناس بشيرا ونذيرا. فلا نصلي الا بالعربية ولكن لا مانع أن يقرأ العجمي القرآن والتفسير في الترجمة.يظهر أن ترجمة القرآن بدأت في العصر النبوي فقد ذكر شمس الأئمة السرخسي (٢٠):"روى أن الفرس كتبوا إلى سليمان الفارسي رضي الله عنه أن يكتب لهم الفاتحة بالفارسية ، فكانوا يقرءون ذلك في الصلاة حتى لانت ألسنتهم للعربية". وفي رواية تاج الشريعة الحنفي زياده فيقول: أن يكتب لهم الفاتحة بالفارسية" فكتب (بسم الله الرحمن الرحيم) بنام يزدان بخشاوند الخ) وبعد ما كتب عرضه على النبي ﷺ ثم بعثه اليهم ، ولم ينكر عليه النبي ﷺ .(٢١) قال الجاحظ في البيان والتبيين. (٢٢)

أن موسى بن سيار الأسواري كان يفسر القرآن بالفارسية. (وهذا من القرن الثاني للهجرة). وقال بزرك بن شهريا .(٢٣)

أن القرآن ترجم كاملًا في سنة ٣٤٥ هـ تقريبا الى إحدى لغات شمال الهند (كأنها السندية أو الملتانية) وفعلا توجد الى هذا اليوم تراجم القرآن بالفارسية والتركية الشرقية والتركية الغربية، وهي من عمل علمائنا من العهد الساماني أي القر الرابع للهجرة ، وقد نشروا منذ قريب في إيران ترجمة القرآن وخلاصة تفسير الطبرى وكل

ذلك بالفارسية ألفه جماعة من كبار العلماء بأمر الملك منصور بن نوح السامانى في سنة ٣٤٥م.

القول بعدم جواز الترجمة

نرى مما مضى أن ترجمة القرآن الى اللغات العجم قبلها العلماء المسلمون بدون أدنى نكير، أما القول بعدم جواز الترجمة فلم يحدث الى في القرن الماضى في تركيا العثمانية وفى مقاطعات العربية مثل سوريا ومصر. فلو تدبرنا وتعمقنا لوجدنا أن هذا معاصر لفتوح النصارى الأروبيين واستعمارهم بلاد الاسلام. فمعروف أنهم حاولوا تنصير المسلمين بكل وسيلة. فلمّ يكتفوا بإرسال المبشرين في شتى الملابس، بل منعوا أيضا تدريس اللغة العربية حتى في المستعمرات العربية مثل شمالى افريقية. كانوا يخافون القرآن للنصرانية أكثر من سيوف المسلمين فأرادوا إتمام حصار قلعة الإسلام بمنع تراجم القرآن باللغة الأجنبية. فالمسلمون غير العرب لا يعرفون العربية ولن يجدوا تراجمه بلغات يعرفونها، فتبقى الساحة فارغة للنصرانية. كأن أحد المبشرين قال لبعض علماء الإسلام الساذجين : " حقا القرآن معجزة، لا تتحمل بلاغته الترجمة". فوثب هذا العالم الساذج لشدة السرور وظن أن الفضل ماشهدت به الأعداء، وبدأ يتكلم حوله ويكتب أن القرآن تصعب أو تسحيل ترجمته، وتبعه آخرون ، وفي الخطوة الثانية قالوا : "القرآن لا تجوز ترجمته " وكأن هؤلاء المبشرين النصارى ظنوا أن ترجمة القرآن لا يقوم بها إلا العرب، بينما التاريخ يقول إن المسلمين العجم هم الذين تعلموا العربية وترجموا القرآن إلى لغاتهم لتدريس أولادهم وعامة أهل بلادهم الذين لم يدرسوا العربية. وهكذا يتضح لنا لماذا انحصرت الحركة ضد ترجمة القرآن ببلاد العرب وبالدولة العثمانية مركز الخلافة، ولم تصل إلى الهند وإندونيسيا وأفغانستان وإيران مثلًا:

توجد تراجم القرآن الآن في جميع كبار لغات العالم ، وأيضا في كثير من صغارها ، وبلغ العدد في فهرستى المتواضع إلى أكثر من مائة وأربعين، وفي كثير منها أكثر من ترجمة واحدة. مثلاً في أردو أكثير من ثلاثة مائة ، وفى الفارسية والتركية أكثر من مائة وبالانكليزية قريب من مائة ، وباللاتينية ثلاثة وأربعوان ، وبالفرنسية ست وأربعون، الى غير ذلك ، كنت سعدت بنشر كتاب اسمه " القرآن في كل لسان" فيه تفصيل التراجم في كل لغه مع أنموذج لسورة الفاتحة. الطبعة الثالثة منها كانت في سنة ١٣٦٦هــ ، وكانت عندى في ذلك الوقت تراجم في ٦٧ لغة وتنتظر الطبعة الرابعة المنقحة المزيدة فيها الى وسائل. لعل الله يحدث بعد ذلك أمرا.

الهوامش

١- الفتوحات المكية، ج ٣ ، ص : ٦٠٧-

٢- المسند للامام أحمد ، ج ٥ ، ص : ٢٦٥-

٣- سورة النجم ٣٧- ٤٢-

٤- ابن اسحاق : كتاب المبتدأو البعث والمغازي ، ص : ١٢٨، فقرة ١٩٢-

٥- الصحيح : ٦٦-٤-٢-

٦- مجمع الزوائد ، ج ١ ، ص : ١٥٢ ، و٨ ، ص: ٦٣٧٥-

٧- سيرة ابن بشام ، طبعة أوربا ، ص : ٢٦٦-

٨- الروض الأنف ، ج ١ ، ص: ٢١٧-٢١٨-

٩- وفاء الوفاء طبع بيروت ، ص : ٨٥٨-

١٠- من حاشية تفسير القرآن لابن كثير ، ص : ١٢-

١١- مسند الإمام أحمد بن حنبل ، ج ٦١ ، ص : ٤٠٥ ، سنن أبي داؤد : كتاب الصلاة ، باب إمامة النساء : ١٦٢ : ٢- الاستيعاب لابن عبد البر ، قسم النساء ، رقم ١٠٧ ، الوفاء لابن الجوزى ص : ٣١٧- المطالب العالية لابن حجر رقم ٤١٥٩ عن ابن راهوية-

١٢- البخاري : كتاب ٦٦ باب ٧ أحاديث ١ ، ٢ ، ٣-

١٣- ذيل التفسير ، ص : ٢٧-

١٤- الاتقان في علوم القرآن،، النوع الثامن عشر، في جمع القرآن وتدوينه-

١٥- البخاري ، كتاب ٦٦ باب ٣ ، جمع القرآن ، حديث رقم ١-

١٦- راجع لتفاصيل أخرى: تفسير الطبرى ، وذيل تفسير ابن كثير ، واختلاف القرآن لابن ابى داؤد بين آخرين-

١٧- الإتقان في علوم القرآن ، النوع الثامن عشر ، في جمع القرآن وتدوينه-

١٨- تفسير الطبرى ، ج ١ ، ص٢-

۱۹۔ البخاري : ۲۲۔۳۔۲۔

۲۰۔ شرح القسطلانی علی صحیح البخاري ، المجلد الرابع ، ص : ٤٨۔

۲۱۔ المبسوط للسرخسی ، ج ۱ ، ص : ۳۷۔

۲۲۔ النهاية حاشية الهداية ، لتاج الشريعة ، طبع دهلی ، ۱۹۵۰م ، ج ۱ ، ص : ۸٦ ، حاشية رسم ۱۔

۲۳۔ البيان والتبيين ، ص ۱ ، ص : ۱۲۹۔

۲٤۔ عجائب الهند والصين ، ص : ۲۔۳۔

کتابیات

* حافظ محمد سجاد

ا) ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ سے متعلق علمی و تحقیقی کام:

☆ ایم۔اے

عابدہ پروین

''ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی خدماتِ حدیث''

شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور۔ ۲۰۰۳ء۔

عبد الغفار بن عبد الغنی

''خطباتِ بہاولپور کے پہلے دو خطبوں کی تحقیق و تخریج''

شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور، ۲۰۰۳ء۔

مدیحہ ذولفقار

''ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا نظریہ سیاست و مملکت''

شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور، ۲۰۰۳ء۔

مقبول حسین

''ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی علمی و دینی خدمات''

شعبہ علوم اسلامیہ، پنجاب یونیورسٹی نیو کیمپس لاہور۔ ۱۹۸۷ء۔

☆ مدیر ''معارفِ اسلامی'' کلیۂ عربی و علوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

○ ایم۔فل

① ثمینہ سعدیہ

''سیرتِ نبویہؐ پر ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی علمی خدمات''

شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۲۰۰۰ء۔

○ پی۔ایچ ڈی

① احتشام الدین خرم

''ڈاکٹر حمید اللہ کے خطوط کا علمی، ادبی، سماجی وثقافتی مطالعہ'' (زیرِ تحقیق)''

جامعہ عثمانیہ حیدر آباد، (دکن) انڈیا۔

ب) ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے متعلق کتب

① راشد شیخ، محمد

ڈاکٹر محمد حمید اللہ

المیزان پبلیشرز فیصل آباد، دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۴۹۶

② فیض الرحمٰن، سید

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے انٹرویو

صدیقی ٹرسٹ کراچی، ص:۲۶

③ قاسم محمود، سید

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ (ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی بہترین تحریریں)

بیکن بکس اردو بازار، لاہور۔ص:۳۹۲

④ ندوی، غطریف شہباز

مجددِ علوم سیرت۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

نئی دہلی ۲۰۰۳ء۔

ج) ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے متعلق رسائل و جرائد کی خصوصی اشاعت

① رشید شکیب

سہ ماہی مجلّہ عثمانیہ (کراچی)

انجمن طلبائے قدیم جامعہ عثمانیہ پاکستان کراچی ۱۹۹۷ء۔ جلد ۲، شمارہ ۱۰۔ صفحات ۱۷۴

② زبیر طارق

ماہنامہ دعوہ، (اسلام آباد)

مارچ ۲۰۰۳ء جلد ۹ شمارہ ۱۰ صفحات: ۱۰۰.

دعوہ اکیڈمی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

③ ساجد الرحمٰن، صاحبزادہ، ڈاکٹر

سہ ماہی، فکر و نظر (اسلام آباد)

اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء جلد ۴۰۔۴۱۔ شمارہ ۴۔۱۔ صفحات: ۶۱۳

ادارۂ تحقیقاتِ اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

④ ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر

سہ ماہی، قافلہ ادب اسلامی (لاہور)

جنوری۔ جون ۲۰۰۳ء۔ جلد ۴۔ شمارہ ۲۔ ۱ صفحات: ۱۲۸۔۲۴۲۔

رابطہ ادب اسلام العالمی لاہور۔

⑤ محمد سجاد، حافظ

ششماہی، معارفِ اسلامی (اسلام آباد)

جلد۲۔۳، شمارہ۲۔۱ جولائی ۲۰۰۳۔جنوری ۲۰۰۴ء، صفحات: ۵۷۵

کلیۂ عربی وعلوم اسلامیہ، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد۔

⑥ محمد رومی وہاب، سید

سہ ماہی، ارمغان (کراچی) النور سوسائٹی فیڈل بی ایریا کراچی،

دسمبر ۱۹۹۷ء۔ شمارہ ۴۔۵۔ صفحات: ۱۵۹۔

⑦ محمد قمر الدین صابری

ماہنامہ، شاداب، (حیدرآباد دکن)

جون ۲۰۰۳ء جلد ۱۹۔ شمارہ ۶۔ صفحات: ۵۷۔

⑧ مظہر معین، ڈاکٹر

اورینٹل کالج میگزین (لاہور)،

کلیہ شرقیہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور ۲۰۰۳ء جلد ۲۸۔ عدد ۳۔۴ سلسلہ عدد ۲۸۹۔۲۹۰۔

صفحات: ۲۳۲۔

(د) فہرست مضامین کتب

احمد عبدالقدیر، ڈاکٹر

ڈاکٹر حمید اللہ پیرس کی چند یادیں

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مرتبہ محمد راشد شیخ، فیصل آباد، المیز ان پبلیشرز ۲۰۰۳ء، ص:۲۹۱۔۲۹۶۔

احمد عطاء اللہ

ممتاز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مرتبہ محمد راشد شیخ، فیصل آباد، المیز ان پبلیشرز ۲۰۰۳ء، ص:۱۷ تا ۲۲۷۔

اسرار، نثار احمد ڈاکٹر

درویش صفت متبحر عالم

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ، مرتبہ محمد راشد شیخ، فیصل آباد، المیز ان پبلیشرز ۲۰۰۳ء، ص:۲۹۱ تا ۲۹۶۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور ترکی

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مرتبہ محمد راشد شیخ، فیصل آباد، المیز ان پبلیشرز ۲۰۰۳ء، ص:۱۷۸ تا ۱۹۴۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے مکتوب بہ نام ڈاکٹر نثار احمد اسرار۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ، مرتبہ محمد راشد شیخ، فیصل آباد، المیز ان پبلیشرز ۲۰۰۳ء، ص:۴۸۴ تا ۴۸۹۔

اصلاحی، ضیاء الدین، مولانا

فاضل گراں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ، مرتبہ محمد راشد شیخ، فیصل آباد، المیز ان پبلیشرز ۲۰۰۳ء، ص:۲۵۷ تا ۲۶۶۔

افتخار احمد، پروفیسر

چہرہ نماز

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ، مرتبہ محمد راشد شیخ، فیصل آباد، المیز ان پبلیشرز ۲۰۰۳ء، ص:۱۳ تا ۱۷۔

تاریخ حدیث

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص:۹۰تا۱۰۳۔

تاریخ فقہ،

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص:۱۰۴تا۱۱۴۔

قانون بین الممالک

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱۵تا ۱۲۶۔

عقائد وعبادات

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۱۲۸تا۱۴۹۔

مملکت اور نظم ونسق

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵۰تا۱۶۴۔

نظام تعلیم

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۱۶۵تا۱۸۴۔

نظام عدلیہ

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۱۸۵تا۱۹۲۔

نظام مالیہ

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۱۹۳ تا ۲۰۶۔

نظام دفاع

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۲۰۷ تا ۲۲۲۔

تقویم اسلامی

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۲۲۳ تا ۲۲۶۔

تبلیغ اسلام اور غیر مسلموں سے برتاؤ

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۲۲۷ تا ۲۴۸۔

دنیائے اسلام کا سب سے مبینہ تحریری دستور

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۲۴۹ تا ۲۷۲۔

سیرت طیبہ کا پیغام دور حاضر کے نام

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۲۷۳ تا ۲۹۶۔

استفارات و جوابات

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی بہترین تحریریں، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور۔ بکس ۲۰۰۳ء، ص: ۲۹۷ تا ۳۴۰۔

ذاتی حالات

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ، مرتبہ محمد راشد شیخ ،فیصل آباد ،المیز ان پبلیشر ز ۲۰۰۳ء ،ص: ۲۸ تا ۳۲۔

پچیس سال پہلے کی باتیں

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ، مرتبہ محمد راشد شیخ ،فیصل آباد ،المیز ان پبلیشر ز ۲۰۰۳ء ،ص: ۳۳ تا ۳۴۔

میری علمی اور مطالعاتی زندگی

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ، مرتبہ محمد راشد شیخ ،فیصل آباد ،المیز ان پبلیشر ز ۲۰۰۳ء ،ص: ۳۸ تا ۳۹۔

خورشید احمد، پروفیسر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، ترکش مارا خدنگ آفریں

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ، مرتبہ محمد راشد شیخ ،فیصل آباد ،المیز ان پبلیشر ز ۲۰۰۳ء ،ص: ۲۳۰ تا ۲۳۷۔

داؤدی ،خلیل الرحمٰن

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، کا مکتوب بہ نام خلیل الرحمٰن داؤدی

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر ، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء ص: ۶۹۶۔

راشد شیخ ،محمد

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرحوم ۔علم وعرفان کا روشن مینار

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر ، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء

ص: ۳۰۶ تا ۳۱۰۔

شجرہ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر ، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء ص: ۱۲۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، کے آثارِ علمیہ کی ایک جھلک (فہرست کتب ومقالات)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر ، فیصل آباد دسمبر

۲۰۰۳ء ،ص: ۴۰ تا ۸۳۔

رشید شکیب

سوانحی خاکہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، مرتبہ سید قاسم محمود، لاہور بیکن بکس ۲۰۰۳ء ص:۱۹ تا ۲۳۔

سدیدہ عطاءاللہ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا وقتِ آخر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہ، ؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص:۴۵۶ تا ۴۵۹۔

سعید بن محمد باغزال

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ سے ایک ملاقات

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص:۱۶۴ تا ۱۶۶۔

سنبھلی، عتیق الرحمٰن

دیارِ فرنگ کا مردِ مؤمن

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص:۲۶۷ تا ۲۷۲۔

شیخ حیدر (ایڈووکیٹ)

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی کچھ یادیں۔ کچھ باتیں

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص:۱۴۷ تا ۱۵۵۔

صلاح الدین، محمد

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نام اور کام

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، مرتبہ سید قاسم محمود، ص:۲۴ تا ۳۴۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۳۵ تا ۱۴۶۔

عفان سلجوق، ڈاکٹر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ چند یادیں کچھ باتیں

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص:۱۲۲۔ ۱۳۴۔

غازی، محمود احمد، ڈاکٹر

بیسویں صدی کے ممتاز ترین محقق،

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ مرتبہ سید قاسم محمود، ص: ۳۵ تا ۴۹۔

فیض الرحمٰن، سید

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا انٹرویو،

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، کا انٹرویو، مرتبہ فیض الرحمٰن، کراچی، صدیق ٹرسٹ، ص:۲۶۔

قاسم محمود، سید

پیش لفظ

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، مرتبہ، سید قاسم محمود، لاہور ص:۹ تا ۱۸۔

قریشی،اشتیاق احمد،ڈاکٹر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا مکتوب بہ نام ڈاکٹر اشتیاق احمد قریشی،
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء،
ص:۴۹۰۔

قریشی الطاف حسن

ڈاکٹر محمد حمید اللہ ایک مایہ ناز سکالر،
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء،
ص:۲۵۳تا۲۵۷۔

قریشی مظہر ممتاز ڈاکٹر

عالم اسلام کا مایہ ناز محقق عصر
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء،ص:۳۱۱ تا
۳۲۴۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے مکتوبات بنام مظہر ممتاز قریشی،
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء،
ص:۳۲۶تا۴۵۵۔

ایم۔ایچ عسکری

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ،
ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مرتبہ محمد راشد شیخ،ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء،ص:۱۵۶ تا
۱۶۳۔

محمد سلیم، سید، پروفیسر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا مکتوب بہ نام پروفیسر سعید محمد سلیم،

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۴۹۵۔

محمد صابر، ڈاکٹر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے ساتھ تین سال

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء،
ص: ۱۹۷ تا ۲۱۲۔

محمد عالم مختار حق

پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے مکاتیب بنام محمد عالم مختار حق،

دنیائے اسلام کا تابندہ ستارہ، مرتب سید قاسم محمود ص: ۳۴۱ تا ۳۹۳۔

مدیر ماہنامہ الحق

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے مکتوبات بہ نام مدیر ماہنامہ الحق،

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء،
ص: ۴۷۵ تا ۴۸۳۔

مدیر ماہنامہ فاران

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء،
ص: ۴۷۰ تا ۴۷۴۔

مدیر ماہنامہ معارف

ڈاکٹر حمید اللہ کے مکتوبات بہ نام مدیر ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۴۶۰ تا ۴۶۹۔

مینائی اسرائیل احمد

استاد محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مرحوم

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۴۹۲۔

ندوی رضوان علی سید ڈاکٹر

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نقوش و تاثرات

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۵۷ تا ۹۷۔

ندوی، سلمان، ڈاکٹر

ایسا کہاں سے لائیں کہ ''ان'' سا کہیں جسے

ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، مرتبہ محمد راشد شیخ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ المیز ان پبلیشر، فیصل آباد دسمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۲۲۰ تا ۲۲۹۔

ہاشمی، رفیع الدین، ڈاکٹر

ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے ملاقات

پوشیدہ تری خاک میں، مرتبہ ڈاکٹر رفیع الدین ہاشمی، لاہور دار التذکیر، ۲۰۰۳ء ص: ۲۵۸ تا ۲۶۵۔

فہرست مضامین رسائل وجرائد

ابونثر،تمہارے شوہر کی لاکھوں بیویاں ہیں۔دعوۃ،(اسلام آباد) جلدنمبر۹شمارہ مارچ ۲۰۰۳ء،ص:۹۰تا۹۶۔

ابوعلی عبدالباری،محترم ڈاکٹر محمد حمید اللہ دارالمصنفین میں۔الرشاد(اعظم گڑھ) مئی ۱۹۸۳ء،ص:۵۳تا۸۲۔

احمد خان ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے خطوط ءبنام ڈاکٹر احمد خان۔فکرونظر(اسلام آباد) جلد۴۰تا۴۱شمارہ ۴،۱۔اپریل ستمبر۲۰۰۳ءص:۴۳۳تا۴۹۵۔

احمد عبدالقدیر، ڈاکٹر صاحب کی علم دوستی (تاثرات)۔جملہ عثمانیہ (کراچی) جلد۲،شمارہ۴ اپریل،جون ۱۹۹۷ء، ص: ۵۳تا۵۵۔

احمد عبد القدیر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ پیرس کی چند یادیں۔شادات (حیدرآباددکن) ج ۱۹۔شمارہ ۶ جون ۲۰۰۳ءص:۲۴تا۲۹۔

اصلاحی،ضیاء الدین،مولانا،شذرات آہ فاضل گرامی ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔معارف (اعظم گڑھ) جلدنمبر ۱۷۱شمارہ۳ مارچ ۲۰۰۳ء،ص:۱۶۲تا۱۷۰۔

اصلاحی،ظفر الاسلام، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے فقہی افکار۔ترجمان الاسلام (وارانسی) شمارہ ۵۶۔ اکتوبر،دسمبر،ص:۵۴تا۵۵۔

اصلاحی،ظفر الاسلام، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے فقہی افکار۔فکر منظر(اسلام آباد) جلد۴۰ تا۴۱ شمارہ ۴۔۱۔اپریل ستمبر۲۰۰۳ءص:۱۷۹تا۱۹۸۔

اظہار اللہ شاہ،تصانیف ومقالات ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔فکرونظر(اسلام آباد) جلد۴۰۔۴۱ شمارہ۴۔۱،اپریل ستمبر۲۰۰۳ء،ص:۵۹۵تا۶۱۳۔

الاعظمی،اعجاز احمد، اہل علم کے خطوط (مکاتب ڈاکٹر محمد حمید اللہ بنام مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ)۔(مجلّہ المآثر،میو) جلد۱۲،شمارہ۲،اگست۔اکتوبر۲۰۰۳ء،ص:۷۰تا۸۷۔

الاعظمی،محمد الیاس، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین المما لک۔معارف (اعظم گڑھ) جلد۱۷۲،

شمارہ۔۱، جولائی ۲۰۰۳ء، ص:۵۶ تا ۶۴۔

الاعظمی، محمد الیاس، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور قانون بین الممالک۔ فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱ شمارہ ۴۔۱، اپریل۔ستمبر ۲۰۰۳ء، ص:۱۹۹۔۲۰۶۔

اعظمی، حبیب الرحمٰن ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کی وفات حسرت آیات۔ راہ اعتدال (حیدرآباد) جلد ۱۳، شمارہ ۲، فروری ۲۰۰۳ء، ص:۲۲ تا ۴۴۔

اعظمی، سعید الرحمٰن، المفکر الاسلامی الدکتور حمید اللہ ذمہ اللہ۔ (البعث الاسعدی لکھنو) جلد ۴۸، شمارہ ۵، مارچ۔اپریل ۲۰۰۳ء ص:۹۴ تا ۹۷۔

اعجاز رحمانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ (جن کی زندگی خدمت دین کے لیے وقف تھی)۔ مہ روزہ دعوت (دہلی) جلد ۵۰، شمارہ ۱۱۷، ۲۸ دسمبر ۲۰۰۳ء، ص:۵۔

افضل محمد، پروفیسر، ڈاکٹر حمید اللہ عالم اسلام کے عظیم مفکر۔ شاداب، (حیدآباد دکن) جلد ۱۹ شمارہ ۶ جون ۲۰۰۳ء، ص:۵۳۔

امین اللہ وثیر، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ: اورینٹل کالج میگزین (لاہور) جلد ۲۸۔ عدد: ۳۔۴۔ ص:۹۳ تا ۹۸۔

انصاری، ظفر اسحاق، ڈاکٹر، مشاہدات وتاثرات۔ فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱ شمارہ ۴۔۱۔ اپریل۔ستمبر ۲۰۰۳ء، ص:۱۷ تا ۲۸۔

انصاری، ظفر اسحاق، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے خطوط بنام ڈاکٹر ظفر اسحاق انصاری۔ (فکر ونظر)، ص: ۴۱۳ تا ۴۱۸۔

بشیر الدین احمد، لموت العالم وموت العالم۔ شاداب (حیدرآباد دکن) جلد ۱۹، شمارہ ۶، جون ۲۰۰۳ء، ص:۱۰ تا ۱۹۔

بلیغ الدین شاہ، ایک عالم، ایک محقق۔ مجلّہ عثمانیہ (کراچی) جلد ۲ شمارہ ۴ اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص:۲۳ تا ۳۳۔

بلیغ الدین، شاہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے دو خطوط۔ مجلّہ عثمانیہ (کراچی) جلد۲، شمارہ۴، اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص:۳۷تا۴۷۔

پرواز رحمانی، ڈاکٹر محمد حمید اللہ جن کی زندگی خدمت دین کے لیے وقف تھی۔ سہ روزہ دعوت (دہلی) جلد۵ شمارہ ۱۱۷، ۲۸ دسمبر ۲۰۰۲ء، ص:۵۔

تمیمی، محمد جہانگیر، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ علم وعمل کا پیکر۔ اورینٹل کالج میگزین (لاہور)، جلد ۲۸۔ عدد ۳۔۴، ۲۰۰۳ء، ص:۹۹ تا ۱۱۸۔

چشتی، علی اصغر ڈاکٹر، عہد نبویؐ کے میدانِ جنگ۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی ایک مقابل قدر تصنیف۔ فکر ونظر (اسلام آباد) جلد۴۰۔۴۱ شمارہ۴۔۱، اپریل ستمبر ۲۰۰۳ء، ص:۳۶۱۔۳۷۰۔

حسن الدین احمد، سید ڈاکٹر، جلاوطن۔ مجلّہ عثمانیہ (کراچی) جلد۲، شمارہ۴، اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص: ۴۵ تا ۴۶۔

حسن الدین احمد، سید ڈاکٹر، مایہ ناز عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ شاداب (حیدرآباد دکن) جلد۱۹ شمارہ ۶، جون ۲۰۰۳ء، ۳۔۹۔

حسن الدین احمد سید، ڈاکٹر، غریب الوطن عظیم دانشور۔ شاداب، جلد۱۹ شمارہ۶، جون ۲۰۰۳ء، ص:۴۲ تا ۴۹۔

حسن الدین احمد، سید، ڈاکٹر، ڈاکٹر حمید اللہ صاحب کے خطوط۔ مجلّہ عثمانیہ (کراچی) جلد۲، شمارہ۴۔ اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص:۸۱ تا ۸۲۔

حقانی، احسان الحق، وہ مرد درویش جن کو حق نے دیے ہیں، انداز خزانہ۔ دعوۃ (اسلام آباد) جلد۹ شمارہ ۱۰ مارچ ۲۰۰۳ء، ص:۹ تا ۱۰۰۔

حکیم محمد سعید، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ تاثرات۔ مجلّہ عثمانیہ (کراچی) جلد، شمارہ۴، اپریل ۱۹۹۷ء، ص:۲۱ تا ۲۲۔

حمایت علی سید ڈاکٹر، آہ ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ شاداب (حیدرآباد دکن) جلد۱۹، شمارہ۶ جون ۲۰۰۳ء، ص: ۲۰ تا ۲۳۔

حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، قرآنی تصورِ مملکت۔فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰۔ ااپریل ستمبر ۲۰۰۳ء۔ص: ۴۹۲تا ۵۱۶۔

حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، حدیث نبویؐ کی تدوین حفاظت (دیباچہ صحیفہ ہمام بن منبہ)۔فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰۔ ۴۱شمارہ ۴۔ ا اپریل۔ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۵۱۷تا ۵۷۴۔

حمید اللہ، محمد، ڈاکٹر، تصادم قوانین کے اسلام تصور اور عمل۔فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰۔ ۴۱شمارہ ۴۔ ا اپریل ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۵۷۵تا ۵۹۳۔

خورشید احمد، پروفیسر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔دعوۃ (اسلام آباد)، جلد نمبر ۹ شمارہ ۱۰، مارچ ۲۰۰۳ء وص: ۷۶۔ ۸۱۔

خورشیدد احمد، پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔ترکش ماراخدنگ آفریں (ترجمان القرین (لاہور)۔

خورشید احمد، پروفیسر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ۔فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱، شمارہ ۴ تا ا، اپریل ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۲۹ تا ۳۶۔

راشد شیخ، محمد، ڈاکٹر حمید اللہؒ مرحوم۔علم وعرفان کا روشن مینارۃ فرائیڈے سپیشل (کراچی) ۲۷دسمبر ۲۰۰۲ء، ص: ۴۲۔

رشید شکیب، چہرہ نما محقق عصر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۴۔اپریل۔جون ۱۹۹۷ء ص: ۱۹تا ۲۰۔

رضوی، خورشید ڈاکٹر، چند یادیں چند خطوط۔فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰۔ ۴۱، شمارہ ۴۔ا، اپریل ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۴۱۹ تا ۴۳۲۔

رفیق احمد، عالم اسلام کی علمی شخصیت ڈاکٹر حمید اللہؒ۔سہ روزہ دعوت (دہلی) جلد ۵۱ شمارہ ۲۰، ص: ۵۔

سعید بن محمد باعزال، ڈاکٹر حمید اللہ سے ایک ملاقات۔عثمانیہ (کراچی) جلد ۲ شمارہ ۴، اپریل۔جون ۱۹۹۷ء، ص: ۷۳تا ۷۶۔

سنبھلی، عتیق الرحمٰن، دیارِ فرنگ کا مردِ مومن، مرحوم ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔الفرقان (لکھنؤ) جلد ۷۱ شمارہ ۲،

فروری ۲۰۰۳ء، ص: ۳۸ تا ۴۴۔
شیخ حیدر، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، کچھ یادیں، کچھ باتیں، عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۴، اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص: ۳۴ تا ۳۷۔
صابری، محمد قمر الدین، اسلام کی تبلیغ کے لیے ڈاکٹر کی خدمات۔ شاداب، جلد ۱۹ شمارہ ۶ جون ۲۰۰۳ء، ص: ۵۰ تا ۵۲۔
صلاح الدین ثانی، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، بحیثیت قرآنی مترجم، مفسری، محقق۔ فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱، شمارہ ۴۔ ۱ اپریل ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۹۳ تا ۱۱۸۔
صلاح الدین، محمد، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے نام اور کام۔ دعوۃ (اسلام آباد) جلد ۹ شمارہ ۱۰ مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۸۲ تا ۹۹۔
صلاح الدین، محمد، پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے وزیر اعظم نواز شریف کی ملاقات۔ تکبیر (کراچی) فروری ۱۹۹۲ء، ص: ۸ تا ۱۲۔
صلاح الدین، محمد، پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے وزیر اعظم پاکستان کی یادگار ملاقات۔ تکبیر (کراچی) ۱۳ اگست ۱۹۹۸ء، ص: ۴۵ تا ۴۸۔
صلاح الدین، محمد، پیرس میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ سے وزیر اعظم نواز شریف سے ملاقات۔ عثمانیہ، (کراچی)، جلد ۲ شمارہ ۴، ص: ۶۰ تا ۶۵۔
ضیاء الحق، محمد، ڈاکٹر، بین الاقوامی اسلامی قانون: ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی تحریروں کے تناظر میں۔ فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱ شمارہ ۴۔ ۱ اپریل، ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۲۰۷ تا ۲۲۰۔
ظلی، اشتیاق احمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ علوم القرآن (علی گڑھ) جلد ۱۷، شمارہ ۱، جنوری۔ جون ۲۰۰۲ء، ص: ۵ تا ۱۱۔
طارق مجاہد، تصانیف و مقالات ڈاکٹر حمید اللہؒ۔ فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱، شمارہ ۴۔ ۱ اپریل ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۵۹۵ تا ۶۱۳۔

ظہور احمد اظہر، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ خطباتِ بہاولپور کی روشنی میں ۔ قافلہ ادب اسلامی (لاہور) جلد ۴ شمارہ ۱۔۲، ۳، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۴۱ تا ۱۵۴۔
عاصمہ قادری، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ، خطباتِ بہاولپور کے آئینے میں ۔ اورینٹل کالج میگزین (لاہور) جلد ۲۸، شمارہ ۳ تا ۴، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۳۷ تا ۱۴۶۔
عبد اللہ، محمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ علمی روایات کے آمین ۔ دعوۃ (اسلام آباد) جلد ۹ ۔ شمارہ ۱۰، ص: ۵۶ تا ۷۵۔
عبد اللہ، محمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی علم حدیث میں خدمات ۔ "قافلہ ادب اسلامی" (لاہور) جلد ۴ ، شمارہ ۱۔۲، ۳، ۲۰۰۳ء ، ص: ۲۱۷ تا ۲۳۴۔
عبد اللہ، محمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا ارمغان علمی خطباتِ بہاولپور ۔ فکر و نظر (اسلام آباد)، جلد ۴۰ ۔ ۴۱، شمارہ ۴ ۔ ۱ ۔ اپریل شجر ۲۰۰۳ء، ص: ۳۰۴ ۔ ۳۲۴۔
عبد اللہ، محمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی علمی خدمات و امتیازات ۔ اورینٹل کالج میگزین (لاہور) جلد ۲۸، شمارہ ۳ ۔ ۴، ۳، ۲۰۰۳ء ، ص: ۱۱۹ تا ۱۳۶۔
عبد المالک مجاہد، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ۔ ایک نابغہ روزگار دانش ور امعارف فیچر روس (کراچی) شمارہ ۵۷، یکم جنوری ۲۰۰۳ء ، ص: ۹ تا ۱۰۔
عبید اللہ خواجہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ۔ عثمانیہ، (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۴، اپریل، جون ۱۹۹۷ء، ص: ۴۹ تا ۵۸۔
عبید اللہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے چند مکتوبات ۔ معارف (اعظم گڑھ) جلد ۱۷۱، شمارہ، ص: ۲۷۱ تا ۲۸۵۔
عفان سلجوق، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ چند یادیں ۔ کچھ باتیں، عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۴، اپریل ۔ جون ۱۹۹۷ء، ص: ۴۷ تا ۵۲۔
علوی خالد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی خدماتِ سیرت ۔ فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ ۔ ۴۱، شمارہ ۱ ۔ ۴، اپریل، ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۲۳ تا ۱۵۰۔

علوی، خالد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی خدمتِ حدیث دعوۃ (اسلام آباد) جلد ۹۔ شمارہ ۱۰۔ ۲۰۰۳ء،
ص: ۳۸ تا ۴۳۔
عنایت اللہ، شیخ، ڈاکٹر، سیرت نبویہؐ کا مصنف ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ معارف (اعظم گڑھ) جلد ، شمارہ ۔
غازی عزیر، تعدد زوجات الرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کے ایک مضمون کا تفصیلی جائزہ۔ الفلاح (بھیکم پور انڈیا) ستمبر ۱۹۹۲ء، ص: ۱۸ تا ۳۴۔
غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر حمید اللہ بیسویں صدی کے ممتاز ترین محقق۔ دعوۃ (اسلام آباد) جلد ۹۔
شمارہ ۱۰۔ مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۲۷ تا ۳۷۔
غازی، محمود احمد، ڈاکٹر، علوم اسلامیہ میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی خدمات (عمومی جائزہ)۔ فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱، شمارہ ۱ تا ۴، اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۸۱ تا ۹۲۔
فراقی، تحسین، ڈاکٹر، مرد آفاقی (ڈاکٹر محمد حمید اللہ)۔ اورینٹل کالج میگزین (لاہور) جلد ۲۸۔ عدد ۳ تا ۴
۲۰۰۳ء، ص: ۶۷ تا ۹۲۔
فاروقی، عذرا نسیم، خطباتِ بہاولپور: ایک تاریخی دورہ کی چند جھلکیاں۔ فکر و نظر، (اسلام آباد)،
ص: ۶۵ تا ۸۰۔
فاروقی، لطف الرحمٰن، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ بے مثال محقق۔ دعوۃ (اسلام آباد) جلد ۹۔ شمارہ ۱۰۔
مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۴۴ تا ۵۵۔
فاروقی، نثار احمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور خدمتِ حدیث۔ فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱، شمارہ ۱ تا ۴۔ اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱۹ تا ۱۲۲۔
قاسمی، محمد سعود عالم، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور اسلام علوم کی تحقیق و تدوین۔ تحقیقاتِ اسلامی (علی گڑھ)
جلد ۲۲، شمارہ ۱۔ جنوری۔ مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۹۶ تا ۱۱۲۔
قریشی، حفیظ الرحمٰن، ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا مرتب کردہ الصحیفہ الصحیح۔ ''قافلہ ادب اسلامی'' (لاہور) ج ۴، عدد ۱ تا ۲، ۲۰۰۳ء، ص: ۲۳۵ تا ۲۴۴۔

قریشی، مظہر ممتاز، ڈاکٹر، کچھ باتیں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے خطوط کے بارے میں مع ۱۳۰ خطوط۔ اورینٹل کالج میگزین (لاہور) جلد ۷۸۔ عدد ۳۔۴، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۴۷ تا ۲۳۲۔

قریشی، مظہر ممتاز ڈاکٹر، کچھ باتیں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے خطوط کے بارے میں مع ۱۳۰ خطوط۔ اورینٹل کالج میگزین (لاہور) جلد ۷۸۔ عدد ۳۔۴، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۴۷ تا ۲۳۲۔

قریشی، مظہر ممتاز، ڈاکٹر، کچھ باتیں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے خطوط کے بارے میں۔ عثمانیہ، کراچی، جلد ۲، شمارہ۔ اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص: ۷۷ تا ۸۰۔

قریشی، مظہر ممتاز، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے خطوط۔ بنام مظہر ممتاز قریشی، عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۴۔ اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص: ۷۵ تا ۸۶۔

مجاہد الحسینی، مولانا، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے منفرد محقق۔ (قافلہ ادبِ اسلامی) جلد ۴، عدد ۱ تا ۲۔ ۲۰۰۳ء، ص: ۲۱۱ تا ۲۱۶۔

مختار اعوان، انٹرویو ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ تاثرات۔ عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۴، اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص: ۷۰۔

محمد ارشد، مغرب میں دعوتِ اسلام۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی کاوشوں کا جائزہ۔ فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱، شمارہ ۴ تا ۱۔ اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۳۲۹ تا ۳۶۰۔

محمد اکرم رانا، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ بطور سیرت نگار، فکر ونظر، (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱، شمارہ ۴ تا ۱۔ اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵۱ تا ۱۶۶۔

خطوط نبویؐ کی اصلیت کے بارے میں مستشرقین کے اعتراضات اور ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے جوابات، معارف اسلامی، (اسلام آباد) جلد شمارہ

ایم۔ ایچ عسکری، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۴، اپریل۔ جون ۱۹۹۷ء، ص: ۶۶ تا ۶۹۔

محمد سجاد حافظ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ اور ماہنامہ معارف اعظم گڑھ۔ فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱،

شمارہ ۱ تا ۴۔ اپریل۔ ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۳۷۱ تا ۴۱۱۔

محمد سلطان شاہ، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ جگن ناتھ آزاد کے نعتیہ کلام کا مترجم۔ فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱۔ شمارہ ۴ تا ۱۔ اپریل ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۱۶۷ تا ۱۶۸۔

محمد طاہر، قاری، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مرحوم کے چند تفردات۔ فکر و نظر (اسلام آباد) جلد ۴۰ تا ۴۱۔ شمارہ ۴ تا ۱۔ اپریل ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۲۷۱ تا ۲۸۶۔

محمد طاہر، قاری ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے چند تفردات۔ ''قافلہ ادب اسلامی'' (لاہور) جلد ۴۔ عدد ۱ تا ۲، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۹۳ تا ۲۱۰۔

محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، اردو دائرہ معارف اسلامیہ اور ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ ''قافلہ ادب اسلامی'' (لاہور) جلد ۴۔ شمارہ ۱۔ ۲، ۳، ۲۰۰۳ء، ص: ۱۵۵ تا ۱۹۲۔

محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، دانش گاہ پنجاب کے موسوعہ الاسلامیہ تصنیف کی تدوین میں ڈاکٹر حمید اللہ کی خدمات۔ معارف اسلامی (لاہور) جلد ۲، ۳۔ شمارہ ۲۔ ۱، ۲۰۰۴ء، ص: ۔

محمود الحسن عارف، ڈاکٹر، تعزیتی سیمنار کی روداد۔ ''قافلہ ادب اسلامی'' (لاہور) جلد ۴۔ شمارہ ۲۔ ۱، ص: ۱۲۷ تا ۱۴۵۔

مشرقی، سید محمد حمید الدین، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی خدمات۔ شاداب (حیدر آباد۔ دکن) جلد ۱۹، شمارہ ۳۶ ۲۰۰۳ء، ص: ۵۴ تا ۵۴۔

مصباح الدین شکیل، شاہ، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کی اردو کتابوں کا تعارف۔ عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۱، ۳، ۴۔ اپریل، جون ۱۹۹۷ء، ص: ۸۸ تا ۹۸۔

مظہر معین، ڈاکٹر، الدکتور محمد حمید اللہؒ، سیرتہ و مؤلفاتہ۔ اورینٹل کالج میگزین (لاہور) جلد ۲۸۔ عدد ۳ تا ۴، ۲۰۰۳ء، ۱۳ تا ۴۴۔

منصوری، محمد عیسیٰ، مولانا، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مرحوم عالم اسلام کا عظیم محقق۔ ختم نبوت (ملتان)، اپریل ۲۰۰۳ء، ص: ۴۰ تا ۴۵۔

منصوری، محمد طاہر، ڈاکٹر، اسلامی قانون بین الاقوام کی تشکیل جدید میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کا کردار۔ فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰۔۴۱، شمارہ ۴۔۱، اپریل۔ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۲۸۷ تا ۳۰۶۔
مؤمن عبد الرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ ترجمان الاسلام، (وارانسی) شمارہ ۵۳ تا ۵۴، جنوری۔جون ۲۰۰۳ء، ص: ۱۱، ۲۸۔
مؤمن، عبدالرحمٰن، پروفیسر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے ساتھ ایک گفتگو۔ معارف (اعظم گڑھ) جلد ۱۷۱، شمارہ ۶، ۲۰۰۳ء، ص: ۴۵۸، ۴۶۴۔
مؤمن، عبدالرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ ضیاء السلام، (شیخو پورہ اعظم گڑھ) جلد ۳، شمارہ ۳، مارچ ۲۰۰۳ء، ص: ۶ تا ۱۰۔
مؤمن، عبدالرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے"۔ المآثر (میو) جلد ۱۱، شمارہ ۴، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۷۔
مؤمن، عبدالرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ المآثر، (میو) جلد ۱۱، شمارہ ۴، ۲۰۰۳ء، ص: ۵۷۔
مؤمن، عبدالرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ شاداب (حیدرآباد، دکن) جلد ۱۹، شمارہ ۶، ۲۰۰۳ء، ص: ۳۸ تا ۴۱۔
مؤمن، عبدالرحمٰن، پروفیسر ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ خدا بخش لائبریری جرنل (پٹنہ) شمارہ ۱۳۳، جولائی۔ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۴۸ تا ۵۶۔
مہ جبین اختر، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ عالم ومبلغ اسلام۔ خدا بخش لائبریری جرنل (پٹنہ) شمارہ ۱۳۳، جولائی۔ستمبر ۲۰۰۳ء، ص: ۸۵ تا ۱۴۴۔
نثار احمد، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ اور مجلس علمی۔ فکر ونظر (اسلام آباد) جلد ۴۰۔۴۱، شمارہ ۱ تا ۴۔ اپریل، ستمبر ۲۰۰۳ء، ۳۷ تا ۶۴۔
ندوی، آفتاب عالم، دنیائے اسلام کے عظیم محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا سانحہ وفات۔ تعمیر حیات (لکھنؤ) ۱۰ جولائی ۱۹۹۸ء، ص: ۱۵ تا ۱۶۔

ندوی، مجیب اللہ، مولانا، آہ، شہرہ آفاق اسلامی محقق ڈاکٹر محمد حمید اللہ کا انتقال۔ الرشاد (اعظم گڑھ) جلد شمارہ، مارچ ۲۰۰۲ء، ص: ۵۵تا۵۶۔
ندوی، سید رضوان علی، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ نقوش تاثرات۔ عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۳ تا ۴ اپریل، جون ۱۹۹۷ء، ص: ۳۷ تا ۴۴۔
ندوی، محمد فہیم اختر، علم و تحقیق کا شیدائی، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ سہ روزہ دعوت (نئی دہلی) جلد ۵۱، شمارہ ۴، ۱۹ جنوری ۲۰۰۳ء، ص: ۵۔
ندوی، محمد فہیم اختر، علم و تحقیق کا شیدائی، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ سہ روزہ دعوت (نئی دہلی) جلد ۵۱، شمارہ ۸، ۲۲ جنوری ۲۰۰۳ء، ص: ۵۔
ندوی، مظفر عالم، ڈاکٹر، مشہور محقق و عالم دین ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ تعمیر حیات (لکھنؤ) جلد ۴۰، شمارہ ۵۔ ۱۰ جنوری ۲۰۰۳ء، ص: ۲۶ تا ۲۸۔
ندوی، مظفر عالم، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ عالم اسلام کی عظیم شخصیت۔ شاداب، (حیدآباد، دکن) جلد ۱۹، شمارہ ۶ ص: ۳۰ تا ۳۴۔
واجد، فرزانہ، ڈاکٹر، ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب۔ شاداب (حیدآباد، دکن) جلد ۱۹، شمارہ ۶ ص: ۳۰ تا ۳۴۔
وحید الدین سلیم، بہادر یار جنگ اکادمی میں ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ کے استقبال کی ایک یادگار شام، افکار علمی، (نئی دہلی) جلد ۱۸، شمارہ ۱۱، نومبر ۲۰۰۳ء، ص: ۵۱ تا ۵۲۔
یعقوب سروش، ڈاکٹر محمد حمید اللہؒ۔ لباء ذکر و فکر، (آرمو۔ نظام آباد) جلد ۱۶، شمارہ ۱ تا ۲۔ نومبر، دسمبر ۲۰۰۲ء، ص: ۴۵۔
یوسف الدین ڈاکٹر، ڈاکٹر صاحب کے کارناموں پر مختصر روداد۔ عثمانیہ (کراچی) جلد ۲، شمارہ ۳ تا ۴، اپریل، جون ۱۹۹۷ء، ص: ۵۶ تا ۵۷۔

Ansari, zafar isaq,Dr
Great cncounters Karachi, Paris and Dhahran,
Impact, London. January- March 2003, P. 24-27.

Faiyaz Uddin Ahmad, Syed
Story of King Faisal Prize
Impact, London, Janury-March 2003, p. 20.

Faruqi, M.H.
The Last Citizen of Hyderabad
Impact, London January- March 2003, P. 42-44.

Ghazi, Hahmood Ahmad, Dr.
Teaeher Par Excellence
Impact, London Jan, 2003,P. 21-23.
Sirah, Hadith and Law, Almost a century of Scholar Ship.
Impact, London, Jan, March 2003, P. 17-20.

Ghazi, Hahmood Ahmad, Dr.
Sirah, Hadith & Law almost a century schollarship
Impact, London Jan, 2003,P. 17-20.

Moman. A. R. Dr.
Prof Dr. Muhammad Hamdullah
Hamdard Islamius. Janury, May 2003.
Vol. xxvi- No.1 P. 7-10.

Muhammad Abdul Jabbar Beg.
A Pupil's memories
Impact London. January- March 2003, P. 32-33.

M. H. Asqari
Scholar inself exile.
Daily Dwan, Karachi, 1996, Oct 15-21, P. 21-23.

Nadia Batool Ahmad,
Humble and dignified
Impact, London, Jan- Mar 2003, P. 16.